WWW.PAKSOCIETY.COM
مارچ 2015
ماہنامہ
کرن
سالگرہ نمبر
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
بہار کے رنگ
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

انٹرویو

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے
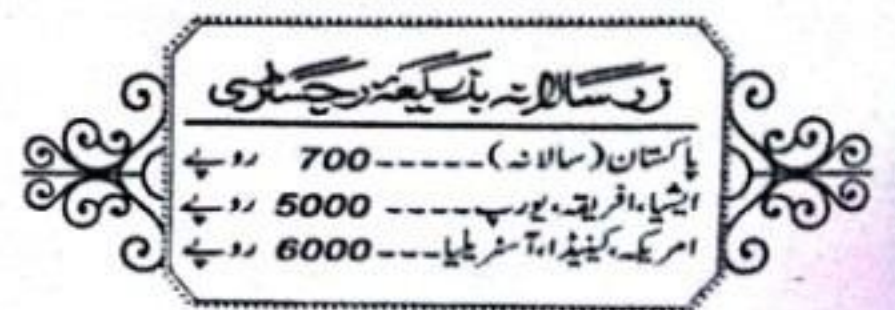
زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	6000 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

مارچ 2015

جلد 37 شمارہ 12

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

مارچ 2015ء کا سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اللہ تعالیٰ کا کرم اور مہربانی ہے کہ کرن نے اپنی عمر عزیز کا ایک اور سال کامیابی سے مکمل کرلیا ہے۔
آج کرن مقبولیت اور پسندیدگی کے جس مقام پر ہے اس میں بہت سارے لوگوں کی محبتیں اور محنتیں شامل رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ آج ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی یادیں انہیں ہمارے دلوں میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔
محمود ریاض صاحب جنہوں نے ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی بنیاد رکھی اور اس ادارہ کے تحت ادارہ کرن کا اجرا کیا۔ محمود بابر فیصل جنہوں نے اپنی ذہانت، محنت اور کوشش سے اس پرچے کو خوبصورت رنگوں سے سجایا، اس پودے کی آبیاری کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔
ہم اپنی تمام مصنفین کے ممنون ہیں جن کی تحریریں کرن کی زینت بنیں۔ ان میں سے کچھ مصنفین دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں۔ ہم ان کی مغفرت اور دائمی زندگی میں عافیت کے لیے دعاگو ہیں اور کرن کی قارئین کا تہہ دل سے شکریہ۔ انہوں نے ہمیشہ بڑی محبت سے کرن کی پذیرائی کی۔ ہماری دعا ہے کہ کرن کا سفر اسی آب و تاب سے ہمیشہ جاری رہے۔ آمین۔
ہمیں پوری امید ہے کہ کرن کا سالگرہ نمبر آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔ ہمیں آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اس شمارے میں،

- "پھر سالگرہ کی رت آئی" کرن کی سالگرہ کے موقع پر قارئین سے دلچسپ سروے،
- اداکار "یاسر شوردی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "عشنا آغا" کہتی ہیں میری بھی سنیے،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں علینہ چوہدری،
- اس ماہ "ندا حسنین" کے مقابل ہے آئینہ،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا سلسلے وار ناول،
- "رطائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول،
- "میں گماں نہیں یقین ہوں" کرن کی سالگرہ کے موقع پر نبیلہ عزیز کی تحریر،
- "دل تینوں دے بیٹھے" در ثمین بلال کا مکمل ناول،
- "میری جستجو کا صلہ ہے یہ" انیلا کرن کا مکمل ناول،
- "خالا، سالا اور دیوالا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر،
- "میری تکمیل تم سے ہے" رابعہ افتخار کا ناولٹ،
- فوزیہ یاسمین، سعدیہ عزیز آفریدی، ام ثمامہ، سمیرا غزل اور ندا حسنین کے افسانے اور مستقل سلسلے،

تحفہ،

کرن کتاب "بہار کے رنگ" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

اک پھول نے کونین کی دولت مجھے دے دی
آنسو سے ہتھیلی پہ لکھا اللہ ہی اللہ!

پھولوں میں بسی چاندنی راتوں کی نمازیں
خوشبو ہی ستاروں کی دعا اللہ ہی اللہ

پیڑوں کی صفیں پاک فرشتوں کی قطاریں
خاموش پہاڑوں کی ندا اللہ ہی اللہ

بادل کی عبادت ہے برستا ہوا پانی
آنسو کی غزل حمد و ثناء اللہ ہی اللہ

اک نام کی تختی کا مجھے شوق ہوا تھا
پانی پہ ہواؤں نے لکھا اللہ ہی اللہ

وہ سورہ یٰسین کہ کافور کی خوشبو
مہکے ہوئے پھولوں کی ردا اللہ ہی اللہ

بشیر بدر

تو جو اللہ کا محبوب ہوا، خوب ہوا
یا نبی خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا

شب معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخن طالب و مطلوب ہوا، خوب ہوا

اے شہنشاہ مرسل فخر رسل ختم رسل
خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا، خوب ہوا

حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بخشوانا مجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا

تھے سبھی پیش نظر معرکہ کرب و بلا
صبر میں ثانی ایوب ہوا، خوب ہوا

داغ ہے روز قیامت مری شرم اس کے ساتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا، خوب ہوا

داغ دہلوی

یاسر شورو سے ملاقات

شاہین رشید

کچھ لوگ اس فیلڈ میں حادثاتی آتے ہیں۔ اور کچھ کا خواب ہوتا ہے اس فیلڈ میں آنا.... وہ اعلا تعلیم تو حاصل کرتے ہیں۔ مگر اندر کا فنکار انہیں اکساتا رہتا ہے کہ بس آؤ اور چھا جاؤ.... یاسر شورو بھی ایک ایسا ہی فنکار ہے۔ جس کا خواب تھا اس فیلڈ میں آنا.... اور جب وہ اس فیلڈ میں آیا تو یہ ثابت کر دیا کہ اس میں فنکارانہ صلاحیتیں ہیں اور وہ اسی فیلڈ کے لیے بنا ہے۔

★ "جی یاسر کیا حال ہیں؟"

✻ "الحمد وللہ۔"

★ "کیا مصروفیات ہیں۔ کیا آن ایر ہے اور کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

✻ "جی ابھی حال ہی میں ایک سیریل ختم ہوا ہے "اگر تم نہ ہوتے" "قسمت" آن ایر ہے۔ "کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں" "ہم ستارے" سے آن ایر ہے اور "زک زیک" حال ہی میں ختم ہوا ہے۔ "زک زیک" سیٹ کام تھا۔ انڈر پروڈکشن میں ایک سیریل لاہور سے کر کے آیا ہوں۔ "چاند جلتا رہا" اس میں میرا لیڈنگ رول ہے "مائی مراداں" اس میں بھی میرا لیڈنگ رول ہے اور ویسے میں کافی کام کر چکا ہوں۔"

★ "قسمت" جو آپ کا آن ایر ہے۔ اس میں آپ نے اداکارہ "میرا" کے ساتھ کام کیا ہے۔ تو کیسا پایا "میرا" کو؟"

✻ "میرا جی بہت اچھی ہیں اور بڑا مزا آیا ان کے ساتھ کام کر کے وہ تو ماشاء اللہ ایک سپر اسٹار ہیں۔ مجھے تو بہت اچھا بھی لگا اور بہت مزا بھی آیا ان کے ساتھ کام کر کے۔"

★ "دراصل ان کی پیروڈیز بہت ہوتی ہے تو کیا اصل میں بھی وہ ایسی ہی ہیں؟"

✻ "جی وہ اصل زندگی میں بھی ایسی ہی ہیں۔"

★ "قسمت میں ان کا کردار جلدی ختم کر دیا گیا.... ایسا کیوں ہوا؟ شاید ان کے کردار میں جان نہیں تھی؟"

✻ "ایسا نہیں ہے ان کے کردار میں سب سے زیادہ جان تھی اور وہ انہی کی وجہ سے ان کے نام کی وجہ سے ہی بہت زیادہ دیکھا جا رہا تھا اور چونکہ ان کی مصروفیات زیادہ تھیں تو انھوں نے خود اپنے رول کو ختم کرا دیا۔"

★ "آپ کے آنے والے سیریلز میں آپ کے رول پوزیٹو ہیں یا نگیٹو یا کیسے ہیں؟"

٭ ''میرے آنے والے ڈراموں میں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ ''مائی مراداں'' بھی ہے اور ''مائی مراداں'' ایک عورت کی کہانی ہے اور ان سے منسلک مختلف کہانیاں ہیں۔ تو ایک ٹریک میرا بھی ہے اور اس میں میرا ایک آوارہ ٹائپ لڑکے کا ہے اور بہت اچھا رول ہے میرا اور دیگر سیریلز میں بھی کافی اچھے اور لیڈ رول ہیں میرے۔''

★ ''یاسر پہلے آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں پھر مزید سوالات آپ کی فیلڈ سے متعلق کریں گے؟''

٭ جی ضرور.... میرا پورا نام یاسر نور شورو ہے اور ''شورو'' میری کاسٹ ہے۔ میرا سر نیم ہے ''ضلع جام شورو'' سے ہمارا تعلق ہے اور مجھے اپنا نام اچھا لگتا ہے۔ کیونکہ میرا نام بگڑا نہیں ہے سب مجھے محبت سے یاسر ہی کہتے ہیں اور میں 4 نومبر کو سعودی عرب میں پیدا ہوا 1985ء میری پیدائش کا سال ہے۔ میری والدہ ہاؤس وائف ہیں اور والد سعودی عرب میں جاب کرتے تھے۔ اب یہاں پاکستان میں ہیں۔ میرے دو بھائی ہیں ایک مجھ سے بڑے ہیں جو کینیڈا میں رہتے ہیں اور چھوٹا بھائی میرے ساتھ رہتا ہے اور میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں اور شادی شدہ ہوں اور ڈیڑھ سال ہو گیا ہے میری شادی کو اور میری بیگم چونکہ پڑھ رہی ہے تو ابھی فیملی بنانے کا ارادہ نہیں ہے اور میں گریجویٹ ہوں۔''

★ ''ہوں گڈ.... پڑھائی میں کیسے تھے؟''

٭ ''بالکل بھی اچھا نہیں تھا۔ مجھے بالکل دلچسپی نہیں تھی پڑھائی سے تو ایک اچھا طالب علم نہیں تھا لیکن ایک اچھا اسپورٹس مین ضرور تھا۔''

★ ''میں نے دیکھا ہے کہ جو Average اسٹوڈنٹ ہوتے ہیں وہ بہت آگے نکل جاتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟''

٭ ''اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اصل میں بہت ذہین ہوتے ہیں اور چونکہ ذہین ہوتے ہیں اس لیے زبردستی نہیں پڑھتے۔ ان کا جس چیز پہ دل لگتا ہے جس کام میں دل لگتا ہے اسی پہ concentrate کرتے ہیں تو چونکہ مجھے اداکاری کا شوق تھا تو میری ساری توجہ اس پہ ہوتی تھی۔ میرے اندر اداکاری کے جراثیم تھے جو مجھے اکساتے رہتے تھے کہ اس فیلڈ میں آؤ۔''

★ ''اچھا!.... تو پھر آمد کیسے ہوئی؟''

٭ ''بس جی اتفاق ہے۔ میری فیملی میں اور میرے جاننے والوں میں کوئی بھی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔ ایک حادثہ سمجھ لیں۔''

★ ''پھر بھی؟ کوئی ریفرنس، کوئی جدوجہد، کوئی تو لایا ہو گا آپ کو اس فیلڈ میں؟''

٭ ''وقت لے کر آیا مجھے.... بہت شوق تھا مجھے اس فیلڈ میں آنے کا چنانچہ میں نے مختلف پروڈکشن ہاؤسز میں جو بھی کراچی میں بڑے بڑے پروڈکشن ہاؤسز ہیں وہاں آڈیشن دیے۔ تو پھر مجھے چانس دیا مومل پروڈکشن نے ''ہم ٹی وی'' کے لیے اور یوں اسٹارٹ لیا ہم ٹی وی سے اور میں اس چینل کے کوئی نہ کوئی پروجیکٹ میں ضرور ہوتا ہوں.... پھر اے آر وائی ڈیجیٹل سے کچھ پروجیکٹ کیے ''سکس سگما'' سے تو مسلسل کر رہا ہوں۔''

★ ''بچپن سے ہی سوچ لیا تھا کہ اس فیلڈ میں آنا ہے؟''

٭ ''بچپن سے ہی سب مجھے ہیرو ہیرو کہتے تھے تو میں سمجھتا تھا کہ میں واقعی ہیرو ہوں تو بنیادی طور پر ہیرو

ایک اچھا انسان ہو۔ ۔ ہے تو میں بھی ایک اچھا انسان بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

★ "تو گھر والوں نے کہا نہیں کہ بیٹا پڑھ لکھ کر کسی اور فیلڈ میں چلے جاؤ اس فیلڈ میں نہ آؤ؟"

✻ "مجھے میرے گھر والوں نے بہت سپورٹ کیا۔ خاص طور پر میری ساس نے اور میری ماں نے.... والد نے اور سب نے مجھے بہت سپورٹ کیا ہے اور جہاں تک اس فیلڈ کی بات ہے تو انسان برا اپنی سوچ سے ہوتا ہے۔ کوئی بھی آرٹ کے لیے برا نہیں سوچ سکتا اور اگر انسان اس کام کو عبادت کی طرح دل لگا کر کرے اور بہت فوکس ہو کر کرے تو نہ صرف کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں بلکہ گھر والے بھی خوش ہوتے ہیں اور اداکاری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اپنے کردار کو اپنے اندر سمونا پڑتا ہے کردار کی نیچر کو محسوس کرنا پڑتا ہے 'تب کہیں جا کر اندر سے اداکاری باہر آتی ہے۔"

★ "بالکل اور اب تو یہ ایک پروفیشن بن گیا ہے۔ لوگ میڈیا میں ڈگری لیتے ہیں۔ آپ کا بھی ارادہ ہے فیوچر میں ڈائریکشن کی طرف آنے کا؟"

✻ "کہتے ہیں کہ ایک اچھا ایکٹر ایک اچھا ڈائریکٹر بھی ہوتا ہے۔ تو فی الحال تو میں اداکاری کو اچھی طرح نبھالوں۔ اچھی اداکاری کی طرف اپنے آپ کو فوکس کروں اور ہر اداکار کو ڈائریکشن کا شوق ہوتا ہے۔ تو ان شاء اللہ دیکھیں کہ فیوچر میں کیا ہوتا ہے۔"

★ "آپ بتا رہے ہیں کہ ساس اور ماں نے بہت سپورٹ کیا۔ تو ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو آپ کے ماؤں کا ہاتھ رہا' بیوی کا نہیں؟"

✻ ہنستے ہوئے "اسے پتا ہے کہ میں کام کرتا ہوں تو وہ مجھے سپورٹ کرتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ عورت کا کوئی بھی روپ ہو مرد کے لیے اس کی سپورٹ بہت ضروری ہے۔"

★ "پہچان کس پروگرام یا ڈرامے نے دی؟"

✻ "میں نے اپنے کیریئر کی شروعات علاقائی پروگراموں سے کی تھی۔ علاقائی چینلز پہ میں نے ہوسٹنگ بھی کی ہے تو سندھ 'بلوچستان میں میں بہت پہچانا جانے لگا تھا اور میری شروع سے ہی خواہش تھی کہ میں نیشنل لیول پہ اچھا کام کروں' کیونکہ میں نے اس فیلڈ کے بارے میں کچھ پڑھا نہیں تھا اور شوق مجھے بہت تھا اور ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ میں ابھی تک پروسس میں ہی ہوں۔"

★ "جو چیز اچھی لگے 'جو انسان اچھا لگے اور جو فیلڈ اچھی لگے پھر اس میں برائی نظر نہیں آتی تو آپ کو بھی یہ فیلڈ تمام برائیوں سے پاک لگتی ہو گی؟"

✻ "جی واقعی مجھے اس فیلڈ میں کوئی برائی نظر نہیں آئی 'برائی تو پورے معاشرے میں ہے کسی ایک فیلڈ میں نہیں ہے۔"

★ "فیلڈ کے سلسلے میں ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوا؟"

✻ "جی بالکل ہوا ہے۔ کمرشلز کے لیے گیا ہوں 'دبئی 'تھائی لینڈ' سری لنکا 'سعودی عرب 'میں نے دو کوکا کولا کے اور دیگر کمپنیز کے کمرشلز کیے ہیں اور بہت اچھا رہا سب کچھ پیسہ بھی اچھا ملا اور گھومنا پھرنا بھی رہا۔"

★ "دل چاہا کہ باہر ہی رہ جاؤں؟"

✻ "اپنا ملک بہت اچھا ہے۔ ویسے دوسروں کی ترقی دیکھ کر بہت رشک آتا ہے کہ ہم دوسروں سے کتنا پیچھے ہیں۔"

★ "کام پہ تنقید ہوئی اور کس نے کہا کہ برا کرتے ہوئے اور آپ کے دل کو لگی ہو؟"

✻ "شروع شروع میں جب کام کا آغاز کیا تو کافی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر میں نے کبھی برا نہیں مانا اور تنقید کو پازیٹو لے کر اپنی برائیوں کو کم کرنے کی کوشش کی اور میں نے ان باتوں سے کافی بہتر کیا ہے اپنے آپ کو۔"

★ "اس کرانسس میں کہ پتا نہیں کیا ہو گا کامیاب ہوں گا کہ نہیں کبھی جدوجہد پہ فرق آیا؟"

✻ "نہیں بالکل نہیں اور کرانسس میں بھی آپ

پوزیٹو ہو کر سوچیں تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی سوچ سے اچھا اور برا وقت گزارتے ہیں سوچ کو اچھا رکھیں تو سب کچھ اچھا ہے۔"

★ "ڈرامے کے کونسے سین کرتے وقت ریلیکس فیل کرتے ہیں؟"

☀ "جب کوئی کامیڈی سین کر رہا ہوتا ہوں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رومانٹک مگر میں کہتا ہوں کہ رومانٹک سین کرانا سب سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔"

★ "اگر اس فیلڈ میں نہ ہوتے تو پھر کس فیلڈ میں ہوتے؟"

☀ "مجھے فوج میں جانے کا شوق تھا مگر نہ جا سکا اور اگر اس میں بھی نہ ہوتا یعنی اداکار نہ ہوتا تو پھر شاید اچھا کرکٹر ہوتا۔ کیونکہ میں کافی اچھی کرکٹ کھیل لیتا ہوں۔"

★ "کوئی رول جو آپ کرنا چاہتے ہیں؟"

☀ "میں ایکسٹریم رومانٹک رول کرنا چاہتا ہوں۔"

★ "اوئے ہوئے .... ابھی تو آپ نے کہا کہ رومانٹک رول کروانا مشکل لگتا ہے؟"

☀ "ہاں مشکل تو لگتا ہے... مگر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اور کردار تو کردار ہوتا ہے اس میں جان ڈالنا ہمارا کام ہوتا ہے۔ ہم جس کردار میں بھی محنت کریں گے وہ ضرور کامیاب ہو گا۔"

★ "کوئی کردار جو بہت پاپولر ہوا ہو اور کبھی گیٹ اپ والے رول کیے؟"

☀ "جی ڈرامہ سیریل "شہریاراں" میں میرا کردار کافی ہٹ گیا تھا اور گیٹ اپ والا ایک رول کیا تھا پی ٹی وی کے ڈرامے "انتظار" میں اس میں میری داڑھی ہوتی ہے۔ بہت اعلا گیٹ اپ تھا میرا۔"

★ "جو کردار آپ کرتے ہیں اس میں اپنی شخصیت کا رنگ نظر آتا ہے یا نہیں؟"

☀ "میں عموماً یہ ہی محسوس کرتا ہوں کہ جو کردار میں کر رہا ہوں وہ میرے اندر موجود ہے.... اور جب

تک ہم محسوس نہیں کریں گے کردار نگاری کیسے کر سکیں گے اور میں جو کردار کرتا ہوں اسے ادھر ادھر ڈھونڈنے کی ضرور کوشش کرتا ہوں تاکہ اس میں مزید حقیقت کا رنگ لا سکوں۔"

★ "آج کل کے نئے رائٹرز زیادہ اچھا لکھ رہے ہیں یا گزرے زمانے کے رائٹرز زیادہ اچھا لکھا کرتے تھے؟"

✱ "پرانے رائٹرز کے لفظوں میں ان کی سوچ میں بہت گہرائی ہوا کرتی تھی بہت سوچ کر اور معاشرے کی جیتی جاگتی کہانیاں لکھا کرتے تھے جبکہ آج کل کے رائٹرز میری نظر میں وقت کو ضائع کر رہے ہیں۔ ان کی سوچ میں گہرائی نہیں ہے اور ویسے بھی ہمارا معاشرہ بہت کنفوژڈ ہے "ہمیں پتا ہی نہیں ہے کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔ آج کل کے رائٹرز کو خود نہیں پتا کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔"

★ "آج کل سب پیسہ کمانے کی مشین بن گئے ہیں ' اتفاق کریں گے آپ اس بات سے؟"

✱ "بالکل کروں گا اب فنکار صرف اپنی لائنیں یاد کرتے ہیں دوسروں کے کردار سے انہیں سروکار نہیں ہوتا۔۔۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ جب تک آپ پوری کہانی 'پورا اسکرپٹ اور دوسروں کے کردار کا مطالعہ نہیں کریں گے آپ اپنے کردار سے بھی انصاف نہیں کر پائیں گے۔"

★ "کچھ ہلکی پھلکی باتیں ہو جائیں۔۔۔ بیگم کے ساتھ گھریلو امور میں حصہ لیتے ہیں۔ مطلب کھانا وغیرہ پکا لیتے ہیں؟"

✱ "ہاں جی کچھ نہ کچھ کروا دیتا ہوں کام۔۔۔ مگر کھانا وغیرہ نہیں پکاتا جبکہ شوق ہے پکانے کا۔۔۔ مگر ٹائم نہیں ملتا۔"

★ "کبھی ہاتھ میں ریموٹ ہو تو کوکنگ چینلز پہ ہاتھ رکا؟"

✱ "ہاں دیکھتا تھا۔۔۔ مگر اب چھوڑ دیا ہے کہ جب پکانا نہیں تو دیکھ کر کیا کرنا ہے۔ کھانے کا شوقین ہوں تھوڑا بہت۔"

★ "ناشتا اور کھانا بیگم کے ہاتھ کا پسند ہے یا ماں کا؟"

✱ قہقہہ "کسی ایک کا نام تو نہیں لے سکتا۔ تو مجھے دونوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اور ناشتا پسند ہے۔ ویسے اب تو زیادہ تر سیٹ پہ ہی ناشتا بھی ہوتا ہے اور کھانا بھی۔"

★ "پہچان نے آپ کو عام آدمی سے خاص بنایا۔ تو زندگی میں بھی چینج آیا؟"

✱ "نہیں کوئی چینج نہیں آیا۔ میں کوئی خاص نہیں ہوں۔ بالکل عام لوگوں جیسا ہی ہوں۔"

★ "فلم میں کام کرنے کا تو شوق ہو گا تو آپ کا انتخاب؟"

✱ "میں فلم کا ہی ہیرو ہوں اور جہاں سے اچھی آفر آئے گی وہاں ضرور جاؤں گا۔"

★ "فریش کب محسوس کرتے ہیں؟"

✱ "جب میں گھر آتا ہوں۔ اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزارتا ہوں اور جب بہت تھکا ہوا گھر آتا ہوں تب تھوڑا irritate ہوتا ہوں۔۔۔ ورنہ تو فریش ہی ہوتا ہوں۔"

★ "پاکستان زندہ باد کا نعرہ کب لگاتے ہیں؟"

✱ "جب اچانک لائیٹ چلی جاتی ہے تب۔"

★ "ویسے جب کسی جگہ پر عام لوگ ملتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟"

✱ "تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اچھا کام کرتے ہیں اور آپ کو مزید بھی اچھا کام کرنا چاہیے۔"

★ "اپنے ڈرامے دیکھ کر کیسا لگتا ہے؟"

✱ "اچھا بھی لگتا ہے۔ مگر میں اپنی خامیوں پہ زیادہ نظر رکھتا ہوں اور پھر انہیں پھر دور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے یاسر شورو سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

سالگرہ نمبر

میری بھی سنیے

عشنا شاہ

شاہین رشید

1 "پورا نام؟"

"آغا عشنا شاہ۔"

2 "پیار کا نام؟"

"عشو' عشی۔"

3 "جنم سال اور شہر؟"

"12 فروری لاہور۔"

4 "تربیت کہاں پائی؟"

"امریکہ میں۔"

5 "تعلیم؟"

"انگریزی لٹریچر پڑھا یارک یونیورسٹی سے۔"

6 "قد بغیر ہیل کے؟"

"5 فٹ 4 انچ۔"

7 "بہن بھائی؟..... میرا نمبر؟"

"چھ بہن بھائیوں میں میرا نمبر آخری ہے۔"

8 "بچپن سے ہی خواہش تھی کہ؟"

"وہ کچھ کرنا ہے جو سب سے منفرد ہو۔ رائٹر' ڈائریکٹر بننے کی خواہش تھی اور بنوں گی بھی ذرا اداکاری کا شوق پورا ہو جائے۔"

9 "شاپنگ کا مزا آجاتا ہے؟"

"یو کے لندن میں۔"

10 "جب تھک جاتی ہوں تب؟"

"اپنے بستر سے اچھی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔"

11 "شوبز میں میری آمد؟"

"پہلے میری ماں عصمت طاہرہ اور ارسہ غزل اور اس کے بعد میرا اپنا ٹیلنٹ۔ امی تو اب ذرا کم ہی آتی ہیں۔ آج کل آپ انہیں "نزدیکیاں" میں دیکھ رہے ہیں اور بڑی بہن ارسہ غزل کو تو آپ اکثر ڈراموں میں

دیکھتے ہوں گے۔"
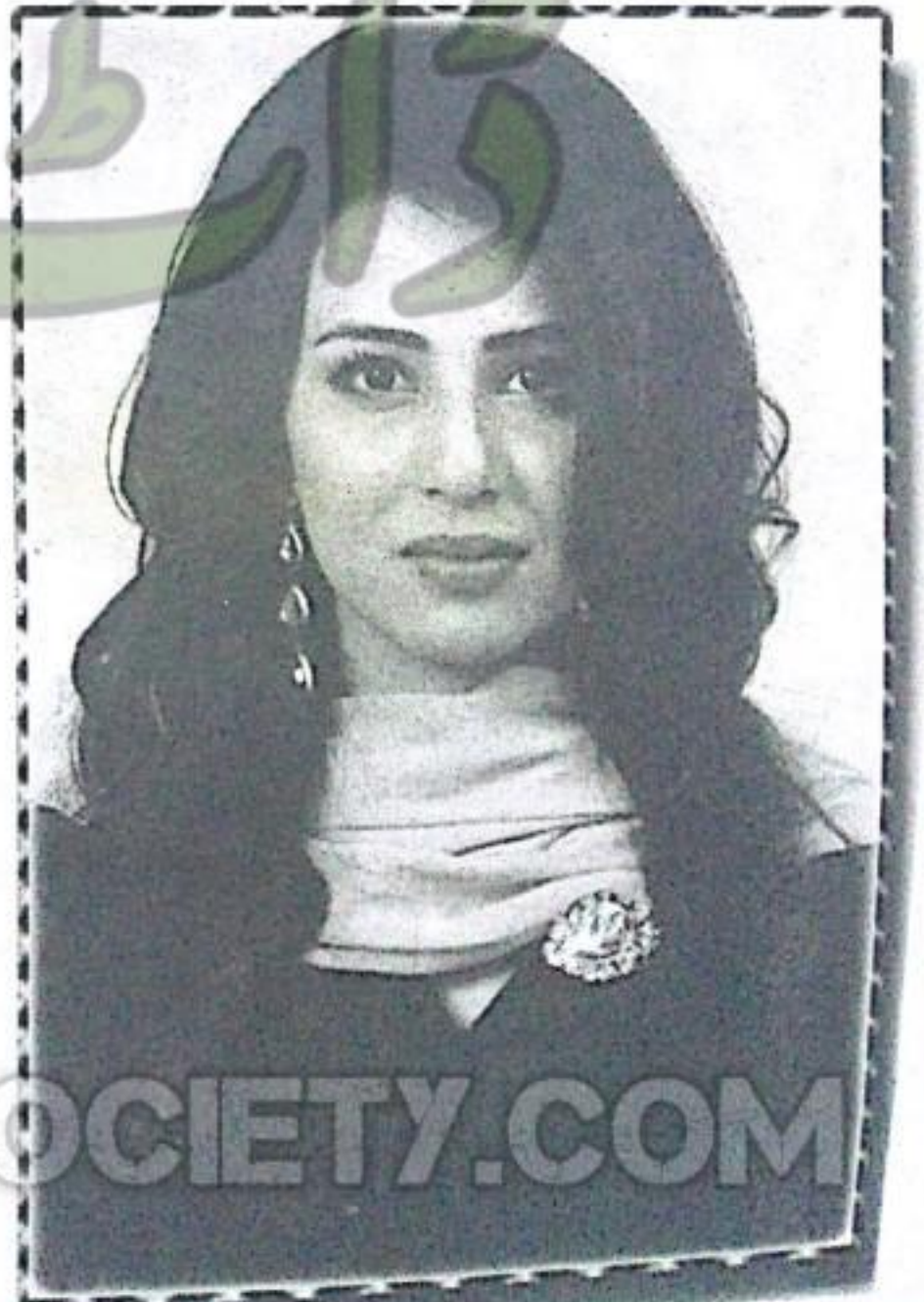
12 "صبح اٹھنا مشکل یا آسان کام ہے؟"
"بہت مشکل کام ہے لیکن اگر کام ہو تو جلدی اٹھ جاتی ہوں ورنہ ڈیڑھ ڈھائی بجے اٹھتی ہوں۔"

13 "کس قسم کے لوگ اچھے لگتے ہیں؟"
"جو وقت پر آپ کے کام آئیں۔ آپ کا ساتھ دیں۔"

14 "آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتی ہوں؟"
"ہرگز نہیں.... دل چاہتا ہے کہ دوبارہ سو جاؤں.... اور گھڑی کے اس الارم کو توڑ دوں جس کی وجہ سے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

15 "محبت کا اظہار؟"
"کھل کر کرنا چاہیے اور میں کھل کر کرتی ہوں۔"

16 "اگر میرے اختیار میں ہو تو؟"
"سوائے عمران خان کے باقی سب کو ملک بدر کر دوں۔ کیونکہ یہ سب ملک کے لیے بوجھ ہیں۔"

17 "میرے پاس ذخیرہ ہے؟"
"جوتے اور پرفیومز کا۔"

18 "اپنے گھر میں کھانے کے لیے پسندیدہ جگہ؟"
"صرف اور صرف میرا بیڈ۔"

19 "مجھے نشہ ہے؟"
"انٹرنیٹ اور فیس بک کا۔"

20 "کن کے لیے فضول خرچ ہوں؟"
"اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے.... اور.... اور اپنی فیملی کے لیے۔"

21 "پسندیدہ ایرلائن؟"
"اتحاد ایرلائن۔"

22 "کون سے چینل فضول لگتے ہیں؟"
"ہنستے ہوئے کوکنگ چینل۔"

23 "کھانا پکانے سے میری دلچسپی؟"
"ہے مگر بہت زیادہ نہیں.... ہر قسم کے اٹالین کھانے بہت اچھے پکا لیتی ہوں اور دیسی کھانوں میں چکن کڑاہی بہترین بنا لیتی ہوں۔"

24 "چوٹ لگنے پر منہ سے کیا گالی نکلتی ہے؟"

"قہقہہ... سینسر ہو جائے گی۔"

25 "برے لگتے ہیں وہ لوگ؟"

"جو معصوم لوگوں کو، بچوں کو ٹارگٹ کر کے مار دیتے ہیں۔ کہ یہ اسلام کے خلاف چل رہے ہیں اور گناہ گار ہیں۔ کون گناہ گار ہیں اور کون نہیں اس کا فیصلہ خدا نے کرنا ہے۔ ہم نے نہیں۔"

26 "قانون جو برا لگتا ہے؟"

"وہ قانون جو آپ کو ہرٹ کرے اس کے خلاف ہوں۔"

27 "گھر میں میرا پسندیدہ لباس؟"

"نائیٹ گاؤن پہنے ہوئے ملوں گی۔"

28 "اور باہر؟"

"جینز یا پھر آج کل کے فیشن کے کپڑے۔"

29 "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"

"دل کرتا ہے اس کی جان نکالوں۔"

30 "طبیعتاً کیسی ہوں؟"

"ضدی ہوں اور بہت زیادہ ضد ہے طبیعت میں۔ میرا خیال ہے کہ گھر میں سب سے چھوٹی ہوں اس لیے۔"

31 "غصے میں توڑ پھوڑ ہوتی ہے؟"

"بالکل ہوتی ہے کوشش کرتی ہوں کہ غصے کو قابو میں رکھوں اور نہ رکھ سکوں تو پھر فون اور لیپ ٹاپ کی شامت آجاتی ہے۔"

32 "کس آرٹسٹ کے ساتھ کام کی خواہش ہے؟"

"قوی خان صاحب کے ساتھ کام کی خواہش ہے۔"

33 "جسمانی طور پر کیا کمی ہے؟"

"میری ہائیٹ ذرا کم ہے۔ کاش میں 5.4 کی بجائے 5.8 ہوتی تو کیا ہی بات ہوتی۔"

34 "اپنے سرہانے کیا کیا چیزیں رکھتی ہوں؟"

"کوئی کتاب، اسکرپٹ، پانی اور چپ اسٹک ضرور ہوتی ہیں۔"

35 "موبائل سروس بند ہو تو...؟"

"دل چاہتا ہے کہ خوب توڑ پھوڑ کروں کہ یہ کیا مسئلہ ہے... لیکن خیر اب اور بھی بہت سے ذرائع آ گئے ہیں بات کرنے کے۔"

36 "میری آئیڈیل شخصیت؟"

"میری ماں... ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔"

37 "کیا کیا چیزیں لازمی بیگ میں رکھتی ہوں؟"

"پرفیوم، سیل فون، والٹ، چپ اسٹک اور لپ اسٹک لازمی رکھتی ہوں۔"

38 "ناشتا خود بناتی ہوں؟"

"ارے توبہ کریں... ماں کے ہاتھ کا کھانا بھی پسند ہے اور ناشتا بھی... ابھی ماں کے گھر میں ہوں... بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔"

39 "کونسا دن منانا برا لگتا ہے؟"

"ویلنٹائن ڈے... بے وقوفوں والا دن لگتا ہے... اپنے اسلامی تہوار بہت اچھے لگتے ہیں۔ پھر 14 اگست۔"

40 "کنجوس ہوں یا شاہ خرچ؟"

"کنجوس نہیں ہوں۔ تھوڑی شاہ خرچ ہوں... مگر فضول خرچ پھر بھی نہیں کہوں گی اپنے آپ کو۔"

41 "بوریت دور کرتی ہوں؟"

"میوزک سن کر یا دوستوں کے ساتھ وقت گزار کر۔"

42 "اچھی میزبان ہوں؟"

"ویلکم تو بہت جوش و خروش سے کرتی ہوں۔ مگر میزبان سچ میں اتنی اچھی نہیں ہوں۔"

43 "میری انوکھی خواہش؟"

"میں جہاز اڑانا چاہتی ہوں۔ پائلٹ بننے کا شوق ہے۔"

44 "میں اغوا کرنا چاہتی ہوں؟"

"امریکہ کے صدر کو اور اس وقت اسے رہا کروں گی جن کو ان لوگوں نے قیدی بنایا ہوا ہے جو انہوں نے مختلف جنگوں میں قید کیے تھے۔ ان کو رہا کریں۔"

45 "چیخیں نکل جاتی ہیں؟"

"لال بیگ کو دیکھ کر۔"

46 ”میری شہرت کا باعث بنا؟“
”سیریل ”میرے خوابوں کا دیا“ بس پھر تو چل سو چل .... آفرز ہی آفرز یہ سیریل بہت لکی ثابت ہوا میرے لیے۔“

47 ”جھوٹ بولتی ہوں؟“
”جب کسی کو بچانا ہو' کسی کو مصیبت سے نجات دلانی ہو تو بس پھر نہیں سوچتی کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے۔“

48 ”لوگ دیکھ کر بے ساختہ کہتے ہیں؟“
”ارے آپ ڈراموں میں تو کافی بڑی لگتی ہیں۔ آپ تو بہت کم عمر ہیں اور پھر میری تعریف کرتے ہیں۔“

49 ”اپنی ایک اچھی عادت اور بری؟“
”اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سوری کر دیتی ہوں اور بری یہ کہ ضدی بھی ہوں اور غصے کی بھی تیز ہوں۔“

50 ”کھانا پینا چھوڑ دیتی ہوں؟“
”غصے میں اور پریشانی میں۔“

51 ”کاش میں اس دور میں ہوتی؟“
”قائد اعظم اور مہاتما گاندھی کے دور میں تاکہ ان سے ملاقات کرتی بہت ساری باتیں کرتی اور قائد اعظم کے ساتھ پاکستان کی آزادی کے لیے کام کرتی۔“

52 ”زندگی کیا ہے؟“
”مسلسل بدلتے رہنے کا نام۔“

53 ”اپنے آپ کو فریش محسوس کرتی ہوں؟“
”گھر آکر۔ اپنے کمرے میں آرام کر کے اور لیٹ نائیٹ جاگ کر کوئی نہ کوئی کام کر کے۔“

54 ”نیند کی دھنی ہوں؟“
”سو جاؤں تو اٹھنا مشکل ہوتا ہے اور جاگ رہی ہوں تو سونا مشکل ہو جاتا ہے.... بستر پر لیٹ کر کبھی بھی جلدی نیند نہیں آتی۔“

55 ”مجھ پر رعب ہے؟“
”سب گھر والوں کا شاید اس لیے کہ گھر میں سب سے چھوٹی ہوں اس لیے سب رعب سے بات کرتے ہیں۔“

56 ”کوئی نوجوان گھورے تو؟“
”تو ضرور پوچھتی ہوں کہ آپ کو کوئی پرابلم ہے۔“

57 ”میری کمزوری؟“
”کہ مجھے اپنا حق لینا نہیں آتا خاص طور پر پیسے' لوگ ٹال دیتے ہیں اور میں جی جی کر کے خاموش ہو جاتی ہوں۔“

58 ”اندھا اعتماد کس پر ہے؟“
”صرف اور صرف اپنی ماں پر دنیا کے سب لوگ دھوکا دے سکتے ہیں مگر ماں کی ذات کبھی دھوکا نہیں دیتی اور آپ کو بتاؤں کہ میرے پاس جتنی بھی قیمتی چیزیں ہیں وہ سب میری ماں کے دیے ہوئے تحفے ہیں۔“

59 ”دکھی ہو جاتی ہوں؟“
”اپنے ارد گرد منافق لوگوں کو دیکھ کر اور ان کے رویوں کو دیکھ کر۔“

60 ”میں بہل جاتی ہوں؟“
”کوئی پیار سے چاکلیٹ بھی دے دے تو۔“

61 ”کس قسم کے مرد اچھے لگتے ہیں؟“
”جو جسمانی طور پر اسٹرونگ ہو' اچھا قد کاٹھ ہو۔ جو ہر حال میں خواتین کو یا اپنی بیوی کو سپورٹ کرتے ہوں۔“

62 ”جب خوش ہوتی ہوں تو؟“
”تو گانے گاتی ہوں اور اچھل کود بھی کرتی ہوں۔“

63 ”انجوائے کرتی ہوں؟“
”شادی کی رسومات کو' عید کے تہوار کو' گھومنے پھرنے کو' فیملی کے ساتھ اور دوستوں کے ساتھ اچھا وقت گزار کر کے۔“

64 ”میں ڈرتی ہوں؟“
”اپنے بھائی اور بہن کے غصے سے۔“

65 ”میں چاہتی ہوں کہ؟“
”جب اس دنیا سے جاؤں تو کوئی میری برائی نہ کرے اور مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔“

☼ ☼

سالگرہ نمبر

آواز کی دنیا سے

علینا چوہدری

شاہین رشید

یہ حقیقت ہے کہ جب کسی کام کی پلاننگ کی جائے تو اس میں کامیابی نہیں ہوتی اور اکثر اس کام میں کامیابی مل جاتی ہے۔ جس کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ تو کامیابی اور ناکامی کا دارومدار قسمت پر ہی ہوتا ہے۔ بس دعا یہ کیا کریں کہ قسمت میں اچھا ہی لکھا ہو' آج ایف ایم 93 کی ایسی آر جے سے آپ کی ملاقات کرائیں گے' جنہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ ریڈیو میں آئیں گی۔ وہ تو اپنے بچوں کی پرورش اور اپنی بیماری کو شکست دینے میں مصروف تھیں کہ ریڈیو کے آر۔جے۔ بن گئیں۔ مگر کیسے آیئے پڑھیے۔

* "جی علینا چوہدری صاحبہ.... کیسی ہیں آپ؟"

☆ "جی الحمدوللہ۔"

* "علینا چوہدری.... علینا تو ہلکا پھلکا نام ہے' مگر چوہدری رعب دار کیا.... زمینیں وغیرہ ہیں آپ کی؟"

☆ "ویسے میرا اصلی نام عالیہ جمشید ہے اور 2004ء میں جب میں میڈیا میں آئی تب میں نے اپنا نام علینا چوہدری رکھا تھا۔"

* "فلم آرٹسٹوں کو تو نام بدلتے دیکھا تھا مگر ریڈیو والوں کو نہیں نام بدلنے کی وجہ؟"

☆ "میرے سسرال میں اس فیلڈ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ میں اپنے گھر کی واحد بندی ہوں جو پہلے ریڈیو اور پھر ٹی وی پہ آئی۔ چونکہ مجھے شوق تھا تو میرے شوہر نے کہا کہ تم کرلو.... اور جب انہوں نے اجازت دے دی تو میں نے بھی سوچا کہ کوئی ایسا کام کروں کہ انہیں بھی اپنے خاندان میں پریشانی نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اپنا نام تبدیل کر لیا۔ تو میرے سسرال والے چوہدری "آرائیں" ہیں.... تو رکھا تو میں نے علینا ہی تھا پتا نہیں چوہدری کیسے ساتھ چلتا گیا اور میں نے دیکھا کہ چوہدری کی وجہ سے میری یہاں ریڈیو پہ بہت عزت ہوئی اور میرے لیے یہ نام بڑا لکی ثابت ہوا۔"

* "یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی کاسٹ "آرائیں" ہے تو کچھ فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟"

☆ "میں اپنے شوہر کی طرف سے "آرائیں" ہوں لیکن والد کی طرف سے میں "راجپوت" ہوں۔

میرے امی ابو انڈیا سے ہجرت کر کے آئے تھے قیام پاکستان کے وقت امی پنڈی میں تھیں اور ابو کراچی میں۔ پھر جب شادی ہوئی تو امی پنڈی سے کراچی آگئیں۔ میری پیدائش کراچی کی ہے والد غصے کے بہت تیز تھے اور کوئی مخصوص جاب نہیں تھی۔ کبھی کچھ کر لیا تو کبھی کچھ۔ خوب صورت تھے بلکہ بہت زیادہ خوب صورت تھے اور کم عمر بھی تھے اور گھر میں چھوٹے بھی تھے۔ ان کی خوب صورتی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب وہ کہیں سے گزرتے تھے تو خواتین "دم بخود" ہو کر انہیں دیکھا کرتی تھیں چونکہ والد صاحب کی اپنی پراپرٹیز تھیں تو کافی پیسہ بھی تھا... اس لیے کوئی پراپر کام کرنے کا انہیں بالکل شوق نہیں تھا... اور امی بتاتی ہیں کہ جب میں دو سال کی تھی تو میرے والد کو قتل کر دیا گیا تھا دوستوں میں آپس میں لڑائی ہوئی تو اس میں قتل ہو گئے تھے۔ ہم پانچ بہن بھائی تھے اور چونکہ میں تو صرف دو سال کی تھی تو مجھے تو کچھ بھی نہیں پتا اپنے والد کے بارے میں۔"

* "تو آپ سب کی پرورش پھر والدہ نے ہی کی؟"

☆ "ہماری پھوپھیاں ہم سب سے بہت محبت کرتی تھیں تو انہوں نے ہی ہم سب کی پرورش بھی کی اور پڑھایا لکھایا بھی۔ امی کا انہوں نے بہت ساتھ دیا ہماری پرورش میں۔ پھوپھیوں نے ہی ہماری شادیاں بھی کیں اور والدہ تو گھر میں ہی رہیں۔ انہیں تو گھر سے باہر نکلنے ہی نہیں دیا گیا۔ ساری زندگی ہماری پھوپھیوں نے ہمیں اپنے ساتھ رکھا اپنے گھر میں بہت اچھی زندگی گزاری۔ پھر ہم پانچوں بہن بھائیوں کو انہوں نے ہی گھر لے کر دیے۔ میری دو پھوپھیاں تھیں۔ ایک تایا تھے' تایا شادی شدہ تھے اور ان کا انتقال بھی کم عمری میں ہی ہو گیا تھا۔"

* "بڑی بات ہے ورنہ تو بیچاری پھوپھیاں تو بدنام ہی ہوتی ہیں کہ یہ اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کے ساتھ مخلص نہیں ہوتیں؟"

☆ "ہاں... اس لیے تو میں کہتی ہوں کہ بہت کم سننے میں آیا ہو گا کہ کسی کی پھوپھیوں نے اپنے بھائی کے بچوں کی نہ صرف تعلیم و تربیت کی بلکہ انہیں علیحدہ علیحدہ گھر لے کر بھی دیے۔ بڑی پھوپھی نے کلفٹن میں اور چھوٹی پھوپھی نے پنجاب کالونی میں گھر لے کر دیا۔ یعنی پانچوں کو۔ ہم دو بہنیں ہیں اور تین بھائی۔ ہم سب اب ماشاء اللہ شادی شدہ ہیں اور ہم نے بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔ بہنوں بھائیوں میں میرا نمبر چوتھا ہے۔"

* "آپ کب اور کہاں پیدا ہوئیں اور تعلیم کہاں تک حاصل کی؟"

☆ "پیدائش کا تو میں نے آپ کو بتایا کہ کراچی میں ہوئی اور ابتدا میں ہم ناظم آباد میں رہے کیونکہ پھوپھیاں ناظم آباد میں رہتی تھیں میں گیارہ اکتوبر 1972ء میں پیدا ہوئی پھر پھوپھیاں ڈیفنس آئیں تو ہمیں پنجاب کالونی میں گھر لے کر دیا اور میری امی ابھی تک وہیں پنجاب کالونی والے گھر میں ہی رہتی ہیں اور میری امی جب بیوہ ہوئیں تو ان کی عمر صرف 25 سال تھی... ہمارے یہاں جب سرپرست کا انتقال ہوتا ہے تو بیوہ سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے یہاں سسرال میں ہی رہنا ہے یا والدین کے گھر جانا ہے یا شادی کرنی ہے تو ان تینوں Options میں سے امی نے سسرال میں

رہنے کا فیصلہ کیا۔ شاید اس لیے کہ امی کے والدین بھی انتقال کر چکے تھے اور بہن بھائی سب شادی شدہ اپنے اپنے گھروں میں خوش تھے۔ لہٰذا امی نے سسرال میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔ امی نے بہت بڑی قربانی دی۔"

* "آپ کی تعلیم؟"

☆ "میں نے میٹرک کیا اور جب میں سولہ سال کی ہوئی تو میری منگنی ہو گئی تو میرے دیور نے کہا کہ آپ دو کلاسز پرائیویٹ پڑھیں۔ میں نے انٹر کیا اور رزلٹ آنے سے پہلے میری شادی ہو گئی اور یہ بات ہے 1989ء کی۔ تو بس انٹر تک ہی تعلیم حاصل کر سکی۔ میرے ماشاءاللہ تین بیٹے ہیں۔"

* "آپ بتا رہی ہیں کہ آپ کے والد بہت خوب صورت تھے تو کیا امی بھی اتنی ہی خوب صورت تھیں اور کیا آپ کے بہن بھائیوں میں اس کا اثر ہوا؟"

☆ "ابو بہت خوب صورت تھے مگر امی ذرا معمولی شکل کی تھیں اور ہم سب والدین کا مکسچر ہیں۔ ہم بہنوں کے رنگ گورے ہیں جبکہ بھائی میں ایک کا رنگ سانولا ہے اور دو بھائیوں کی آنکھیں بلی جیسی ہیں جو کہ ہمارے والد کی تھیں۔"

* "اب بتائیں کہ اتنی کم عمری شادی کر کے گھر کو سنبھالا تو پھر ریڈیو کی طرف کیسے آئیں؟"

☆ "یہ بھی ایک عجیب کہانی ہے۔ بالکل غیر ارادی طور پر آئی۔ 2004ء کی بات ہے مجھے ہیپاٹائٹس سی (C) ہو گیا تھا۔ تو جب مجھے ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لے گئے تو ڈاکٹر نے میرے شوہر سے کہا کہ آپ انہیں خوش رکھا کریں کیونکہ اس بیماری میں ٹینشن بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ میرے شوہر نے میرا بہت خیال رکھا۔ میری بہت خدمت کی 'ایک دن میں ریڈیو سن رہی تھی تو ایف ایم 103 سے اناؤنس ہوا کہ ہمیں "آر جے" کی ضرورت ہے میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے ریڈیو پہ جانا ہے تو میری خوشی کے لیے انہوں نے کہہ دیا کہ چلی جاؤ۔ مگر اکیلی مت جانا۔ اجازت ملنے پر دوست کو لے کر ایف ایم 103 میں گئی۔ بے شک میری تعلیم انٹر تک تھی مگر میری انگریزی اچھی نہیں تھی۔ سمجھ لیتی تھی مگر بول نہیں سکتی تھی اور انگریزی پروگرام کے لیے انگریزی پر عبور ہونا ضروری ہے تو آڈیشن تو خیر کیا ہوا۔ سب سے پہلا سوال ہی یہ پوچھا گیا کہ آپ انگریزی پروگرام کریں گی۔ اب اگر کہتی کہ انگریزی نہیں آتی تو غلط بات ہو جاتی۔ میں نے کہا کہ اس پروگرام کی ٹائمنگ کیا ہو گی تو کہنے لگے کہ رات بارہ سے دو بجے تک 'میں نے کہا کہ جی میرے گھر والے اجازت نہیں دیں گے کہ میں اتنی دیر گھر سے باہر رہوں تو کہنے لگے اچھا کیا آپ شاعری والا پروگرام کر سکیں گی۔ تو چونکہ میرا شاعری والا مزاج ہی نہیں ہے تو میں نے ٹالنے کے لیے پھر پوچھا اس کی ٹائمنگ کیا ہو گی تو بتایا گیا کہ رات 10 سے 12 بجے تک تو اس کے لیے میں نے بہانہ کر دیا.... ان دنوں فرحت عباس شاہ کو انہوں نے لاہور سے بلوایا ہوا تھا لوگوں کے آڈیشن کے لیے تو وہ آفس میں داخل ہوئے تو ان سے ہیلو ہائے کے بعد میں نے ان سے پنجابی میں پوچھا کہ آپ کو ہمارا کراچی کیسا لگا۔ بس اتنی سی بات پوچھنی تھی کہ انہوں نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اتنی اچھی پنجابی آپ کراچی میں رہ کر کیسے بول لیتی ہیں؟.... تو میں نے انہیں بتایا ہم گھر میں بولتے ہی پنجابی ہیں۔ اس وقت کراچی سے پنجابی شو نہیں ہوا کرتے تھے تو انہوں نے اپنے اونر سے کہا کہ پنجابی میں پروگرام کریں۔ تو اس طرح 2004ء میں پنجابی کا پہلا پروگرام میں نے کیا ایف ایم 103 سے۔"

* "اچھا! گڈ.... کیسا رسپانس ملا؟"

☆ "ہم نے جو پہلا پروگرام کیا تھا وہ بغیر نام کے کیا تھا۔ فرائیڈے کو میں نے آڈیشن دیا اور اتوار کے دن میرا پہلا پروگرام آن ایر گیا۔ کوئی تیاری نہیں کوئی ٹریننگ نہیں 'مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ مائیک کے سامنے کیسے بیٹھتے ہیں کیا بات کرتے ہیں کیسے کرتے ہیں انہوں نے صرف تین گھنٹے اسٹوڈیو میں بٹھایا یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کرتی کیا ہیں اور میری عادت ہے کہ

میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتی۔ ہر بندے کو چھیڑنا مذاق کرنا میری عادت ہے تو انہوں نے یہ آئیڈیا لگایا کہ اگر یہ مائیک پہ بیٹھے گی تو خاموش نہیں بیٹھے گی.... تو پھر پہلا شو میں نے فرحت عباس شاہ کے ساتھ کیا تھا.... عمران باجواہ جو کہ پروگرام کے اونر تھے انہوں نے صرف آدھا گھنٹہ پروگرام کرنے کے لیے کہا اور فرحت عباس شاہ سے کہا کہ اس پروگرام کی ساری ذمہ داری آپ پر ہے.... آدھے گھنٹے کے بعد آپ اس شو کو ختم کردیجیے گا.... شو شروع ہوا' میرا تعارف کروایا گیا اور پروگرام شروع ہونے سے پہلے میں نے کہا کہ میں عالیہ نام کے ساتھ آن ایئر نہیں آؤں گی' تو کہا گیا کہ آپ عائشہ نام رکھ لیں' میں نے کہا کہ میں علینا رکھنا چاہتی ہوں تو علینا پر سب راضی ہوگئے.... جب شو شروع ہوا تو باجواہ صاحب ڈرائیونگ کے دوران ہمارا پروگرام سن رہے تھے۔ انہیں بڑا مزا آیا تو انہوں نے فون کرکے کہا کہ اس پروگرام کو ابھی آدھا گھنٹہ اور جاری رکھیں۔ چنانچہ آدھا گھنٹہ مزید جاری رکھا.... ایک گھنٹے کے بعد نیوز آتی تھی تو نیوز کے دوران ہی فون آگیا کہ ایک گھنٹہ مزید کریں۔ تو پہلا شو دو گھنٹے کا ہوا اور اس کے بعد پنجابی پروگرام بھی ریگولر پروگراموں میں شامل ہوگیا۔"

* "فخر ہوا اپنے اوپر؟"

☆ "بہت اچھا لگا اور گھر آکر جب میں نے اپنے شوہر کو بتایا کہ میرا انتخاب ہوگیا ہے تو وہ تو یقین ہی نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو مجھے ایک گھریلو عورت سمجھ رہے تھے ان کے دماغ میں یہ نہیں تھا کہ یہ منتخب بھی ہو جائے گی۔ بس تو پھر تھوڑا جھگڑا ہوا۔ مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم نہیں کرسکتیں میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا میں نے دو دن کھانا نہیں کھایا میرے بچے اس وقت کافی چھوٹے تھے انہوں نے پھر اپنے باپ سے کہا کہ آپ انہیں اجازت دے دیں ہم ان کے ساتھ جایا کریں گے۔ ایک بیٹا اس وقت آٹھ سال کا تھا اور ایک دس سال کا.... خیر جی اجازت مل گئی اور میرے بیٹے میرے ساتھ جاتے تھے۔"

* "پیسے ویسے ملے تھے؟ کیونکہ آدھا گھنٹے کا پروگرام دو گھنٹے تک کیا؟"

☆ "نہیں جی پیسے نہیں ملے تھے۔ جب نئے آر جے آتے ہیں تو تین مہینے انہیں دیے جاتے ہیں کہ وہ اپنی کارکردگی دکھائیں۔ پھر تین ماہ کے بعد چیک بننا شروع ہوتے ہیں.... اور مجھے پھر چھ مہینے کا پہلا چیک 7 ہزار روپے کا ملا تھا۔"

* "اور اپنی بیماری کو کس طرح شکست دی؟"

☆ "بیماری کو اس طرح شکست دی کہ میں جب اس فیلڈ میں آگئی تو میں نے اپنا سب کچھ ریڈیو کو ہی سمجھ لیا اور وہاں کے لوگوں نے بھی میرے ساتھ بہت تعاون کیا جن میں میں نام لوں گی ساحر لودھی کا' فرخ خان' راحیل صدیقی وغیرہ.... سب سے زیادہ ساحر لودھی نے حوصلہ افزائی کی اور مجھے کہا کہ اگر آپ پنجابی شو کریں گی تو پھر پنجابی کی ہی ہو کے رہ جاؤ گی اس لیے آپ

پنجابی کے ساتھ ساتھ اردو کے شوز بھی کیا کریں۔ اس وقت ساحر لودھی 103 کے پروگرام منیجر تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے خواتین کے تین شو دیے اس میں میں خواتین سے گھر کی باتیں کرتی تھی لڑکیوں اور خواتین کو اچھی باتیں بتاتی تھی۔ اس طرح ہفتے کے چار شو کرتی تھی جن میں تین اردو کے اور ایک پنجابی کا... اور پنجابی پروگرام زیادہ ہٹ جاتا تھا اور اسے صرف پنجابی لوگ ہی نہیں سنتے تھے بلکہ ہر زبان کے لوگ سنتے تھے۔

* "اس وقت آپ ایف ایم 93 میں ہیں 103 میں کتنا عرصہ کام کیا اور کیوں چھوڑا آپ نے 103 ایف ایم کو؟"

☆ "تین سال کیا۔ 2006ء میں ایف ایم 101 جوائن کیا اور کچھ عرصے کے بعد گھریلو مسائل کی وجہ سے ریڈیو چھوڑ دیا اور تقریباً" 3 سال کا گیپ آ گیا۔ 3 سال گھر کو ٹائم دیا اور پھر 2009ء میں میں دوبارہ 101-FM گئی اور 2009ء میں ہی 101 کو چھوڑ کر 93-FM جوائن کر لیا۔ تین چار ماہ کام کر کے پھر 101 میں چلی گئی اور اب تقریباً" 4 ماہ سے دوبارہ 93-FM کو جوائن کر لیا ہے اور شکیل صاحب کے کہنے پر میں آئی ہوں اور وہ پنجابی پروگرام کے پروڈیوسر ہیں ... اور آج کل میرے پروگرام کی ٹائمنگ پیر اور منگل کے دن 10 سے 11 بجے ہے۔"

* "آپ نے ٹی وی پہ بھی کام کیا؟"

☆ "جی ہاں میں نے ٹی وی میں پی ٹی وی نیشنل میں پنجابی پروگرام کی ہوسٹنگ کی K2 چینل پہ پاکستان ٹائمز پروگرام میں بہ حیثیت منیجر کے میں نے کام کیا۔ اور پی ٹی وی نیشنل پہ بھی میں وقفے وقفے سے کام کرتی رہی ہوں۔ جیسے چھ ماہ کیا پھر چھوڑ دیا' پھر دوبارہ جوائن کر لیا۔ ڈراموں میں بھی کام کیا۔ جن میں شب زندگی' میں ہاری پیا' خلش' رخسار اور راجو راکٹ کیا۔"

* "آپ کے بچے ہیں اس فیلڈ میں؟"

☆ "نہیں کیونکہ ان کو شوق ہی نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے متاثر بہت ہیں' مجھ پر فخر بھی کرتے ہیں۔ اب ہم نے اپنا پروڈکشن ہاؤس کھولا ہے "چوہدری پروڈکشن" کے نام سے اور ہمارے بچے جاب بھی کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ پروڈکشن ہاؤس میں کام بھی کرتے ہیں۔"

* "کمرشلز بھی کیے؟"

☆ "جی کمرشلز میں وائس اوور کی۔ بشریٰ انصاری کے کمرشلز میں میری ہی آواز ہوتی تھی۔ ایک گانے کی ویڈیو میں ماڈلنگ بھی کر چکی ہوں۔"

* "پیسہ ہے اس فیلڈ میں؟"

☆ "پیسہ نہیں ہے اس فیلڈ... جو بہت زیادہ اسکرین پہ نظر آتے ہیں ان کے پاس تو ہے' مگر ہمارے جیسے لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ اور مجھے پیسوں سے کبھی محبت نہیں ہوئی اور میں نے ہمیشہ اپنے شوق کی وجہ سے کام کیا ہے پیسوں کی وجہ سے نہیں۔"

* "اور کیا کیا کرتی ہیں فارغ اوقات میں؟ اور چونکہ بیٹی نہیں ہے آپ کے پاس تو کیا گھر کو آپ ہی سنبھالتی ہیں؟"

☆ "گھر میں کام والی آتی ہے اور اس کے ساتھ گھر کو سنبھالتی ہوں کھانا وغیرہ خود ہی پکاتی ہوں۔ اور ماشاء اللہ سے سب کچھ بہترین بنا لیتی ہوں۔ میرے ہاتھ میں لذت ہے۔"

* "آج کل ورلڈ کپ ہو رہا ہے۔ کرکٹ سے لگاؤ ہے؟"

☆ "بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ اتنا زیادہ کہ جب پاکستان ہار رہا ہوتا ہے تو میرا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے... میرے بچے اور میاں کہتے ہیں کہ آپ میچ مت دیکھا کریں۔"

* "زندگی میں بیماریاں' جھگڑے سہے' محنت سے زندگی بنائی... کوئی شکوہ اللہ تعالیٰ سے؟"

☆ "نہیں... بس ایک بیٹی دے دیتا تو اچھا ہوتا۔ بیٹی ہوتی تو شاید اس فیلڈ میں بھی نہ ہوتی اس کے ساتھ اپنا وقت گزارتی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے **علینا** سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

پھر سالگرہ کی رت آئی

الحمد اللہ "کرن" کی کامیابی کا ایک اور سال مکمل ہوا۔ کامیابی کے اس سفر میں ہماری معزز مصنفین اور قارئین بہنیں ہمارے ہم قدم ہیں۔ "کرن" کی سالگرہ کے اس پر مسرت موقع پر ہم اپنی قارئین بہنوں کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ آپ کو اس خوشی کے موقع پر اپنے ساتھ شریک کرنے کے لیے ایک خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے سروے کے سوالات درج ذیل ہیں۔

1 ۔ کچھ لوگ سالگرہ دھوم دھام سے مناتے ہیں 'مگر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سالگرہ کے موقع پر زندگی کا ایک سال کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس موقع پر خوشی کسی بات کی۔ آپ کس خیال سے متفق ہیں؟ اور آپ اپنی سالگرہ کیسے مناتی ہیں؟

2 ۔ سالگرہ پر یا ویسے تحفہ ملنے کی تو سب ہی کو خوشی ہوتی ہے۔ مگر کیا کوئی ایسا تحفہ بھی ہے' جسے آپ کو دے کر خوشی ہوئی ہو؟ یہ تحفہ آپ نے کس کو دیا تھا؟

3 ۔ کیا آپ "کرن" میں کوئی تبدیلی چاہتی ہیں۔ اگر ہاں تو کس قسم کی؟

4 ۔ اس سال کرن میں چھپنے والی آپ کو سب سے پسندیدہ تحریر کون سی لگی اور کیوں لگی؟ اس کی مصنفہ کا نام بھی لکھیں۔

5 ۔ سالگرہ کی روایت کیک کے تصور کے بغیر ادھوری سی ہے۔ کسی اچھے سے کیک کی ترکیب لکھیں جو آپ خود تیار کرتی ہوں۔

اپنے پیارے "کرن" کے بارے میں آپ قارئین کی کیا رائے ہے آیئے ان سوالات کے جوابات میں ملاحظہ کریں۔

پھر سالگرہ کی رت آئی

ادارہ

ثمینہ اکرم..... کراچی

میرے بہت ہی پیارے ساتھی کرن ڈائجسٹ کو اپنی سالگرہ بہت مبارک ہو۔ "اے اللہ تو کرن کو ڈھیروں ڈھیر ترقی عطا فرما۔" (آمین)

1 ۔ یہ بات بھی درست ہے سالگرہ پر زندگی کا ایک سال کم ہو جاتا ہے' مگر سالگرہ کی خوشی دھوم دھام سے منانا بھی بعض لوگ بہت ضروری سمجھتے ہیں' جبکہ اکثر تو اسے خرافات کے زمرے میں لاتے ہیں۔ بھئی سب کا اپنا اپنا پوائنٹ آف ویو ہے۔ جبکہ میرے خیال میں سالگرہ کو ضرور سیلبریٹ کریں' مگر بے جا اسراف اور نمود و نمائش سے گریز کریں۔ سالگرہ کو وسیع پیمانے پر بہت زیادہ دھوم دھام سے منانا کوئی اتنا ضروری بھی نہیں ہوتا' جبکہ یہ فنکشن سادگی سے اور گھریلو پیمانے پر بھی ہو سکتا ہے' یہ تو بس ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے اور کچھ مل بیٹھنے کا بہانہ بھی۔ اپنی ذات پر بے بہا خرچ

کرنے کے بجائے' ہمیں اپنے اردگرد کے ضرورت مند لوگوں کی طرف ضرور دھیان دینا چاہیے۔ ہم اپنی خوشی ضرور منائیں' مگر اس کو محدود پیمانے پر سیلبریٹ کریں۔ بچپن میں تو اپنی سالگرہ کبھی نہیں منائی' ہاں شادی کے بعد ضرور سالگرہ کا اہتمام ہونے لگا' مگر سادگی کو ملحوظ خاطر رکھ کر.... بچوں کی سالگرہ بھی دھوم دھام سے منائیں' مگر وہ بھی محدود پیمانے پر.... البتہ اپنی سالگرہ کو ہمیشہ گھریلو سطح پر ہی منایا ہے۔

2 ۔ مجھے ہمیشہ سے ہی تحفہ لینے سے زیادہ تحفہ دے کر خوشی ملتی ہے۔ کسی بھی موقع پر اگر کسی کو کوئی گفٹ دینا ہو تو میں بہت اچھا سا تحفہ خریدتی ہوں اور جب وہ سامنے والے بندے کو پسند بھی آجائے تو مجھے خوشی ملتی ہے۔ جب بھی میں اپنی چھوٹی بہن انیلا کو کچھ گفٹ کروں اور وہ خوشی سے اسے استعمال کرے' تب بھی مجھے انہونی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مئی 2012ء میں.... میں نے اپنے شہزادے بیٹے شہید معیز اکرم کو اس کی سالگرہ پر موبائل گفٹ کیا تھا۔ ٹچ اسکرین موبائل کی خواہش کب سے وہ اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا۔ غیر متوقع طور پر جو اچانک یہ خواہش پوری ہوئی تو معیز اکرم کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے کچھ ایسے ملے جلے تاثرات ابھرے کہ اسی کی خوشی یادگار بن گئی.... یہ خوشی میری خوشی بن گئی۔ یہ خبر نہ تھی کہ یہ آخری تحفہ ہے۔ اس کے بعد میں معیز کو کبھی کوئی تحفہ نہ دے سکوں گی۔ مگر پھر بھی اس کی خواہش پوری کرنے کی خوشی اب تک دل کا احاطہ کیے رہتی ہے۔

3 ۔ کرن ڈائجسٹ ویسے تو ایک پرفیکٹ فیملی رسالہ ہے' مگر چند ایک تبدیلیاں جو میں چاہتی ہوں کہ کرن میں کی جائیں' مثلاً"....

☆ انٹرویوز کچھ کم کردیے جائیں اور ان صفحات پر رائٹرز سے ہلکا پھلکا کوئی سروے شروع کیا جائے۔

☆ "نامے میرے نام" میں قارئین کے خطوط کے جوابات دیے جائیں۔

سالگرہ نمبر

☆ کرن میں کسی بھی پرانی رائٹر یا عمیرہ احمد کا کوئی یادگار ناول سلسلہ وار شروع کیا جائے۔

☆ "مقابل ہے آئینہ" جیسے قارئین کے لیے شروع سلسلوں کو بند نہ کیا جائے' بلکہ انہیں مستقل کردیا جائے۔

☆ مختلف مواقع پر کیے جانے والے سروے سیلبرٹی کے بجائے رائٹرز سے کیا جانا چاہیے۔ سب قارئین رائٹرز کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔

4 ۔ پچھلے سال کرن میں جو میری پسندیدہ تحاریر رہی وہ مصنفہ فاخرہ گل کا ناولٹ "میں گلیاں دا روڑا" آزادی کے تناظر میں لکھی جانے والی تحریر جو قربانی' عزم مصمم اور جذبہ حب الوطنی سے لبریز تھی۔ سلسلہ وار ناولز میں "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین "دردل" نبیلہ عزیز رہا۔ ویسے کرن میں زیادہ تر ناولز قسط وار ہی شائع ہوتے ہیں۔ جیسے کہ "دل اک شہر ملال" بہت پسند آئے۔ اس سال کا بہترین افسانہ "سوال" سائرہ رضا سانحہ پشاور میں شہید بچوں کے حوالے سے دل کو چھو جانے والی تحریر لگی اور اب جنوری میں شائع ہونے والی تحریر "فیصل دل" مصباح علی کی اچھی لگی اور

جنوری اور فروری میں شائع بہترین تحریر "دریچہ محبت" شفیق افتخار اس سال کرن کی سب سے زیادہ بہترین تحریر لگی۔ اللہ تعالیٰ کرن ڈائجسٹ، رائٹرز اور باقی سب لوگوں کو قائم و دائم رکھے اور یہ یوں ہی خوشیاں بکھیرتا رہے۔ (آمین)

5 ۔ سالگرہ کی روایت کیک کے تصور کے بغیر ادھوری ہوتی ہے۔ اگر سالگرہ پر کیک نہ ہو تو مزا نہیں آتا۔ کیک کی ریسپی تو آتی ہے، مگر چونکہ کبھی کسی کی سالگرہ پر کیک بنایا نہیں۔ (بھئی سمجھا کریں نا.... اوون نہیں ہے، اس لیے۔) تو جب کیک بیک نہیں کیا تو کیک کی ترکیب کیا لکھوں؟ ویسے اچھا سا مزے دار کیک کھایا بہت مرتبہ ہے، مگر خود تیار کبھی نہیں کیا.... اس لیے ترکیب پھر کبھی سہی۔

رضوانہ ملک.... جلال پور پیر والا

کرن اسٹاف اور تمام قارئین کو کرن کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ خدا سے دعا ہے کہ کرن یوں ہی ترقی کی منازل طے کرتا رہا اور ہر کسی کے دلوں میں دھڑکتا رہے۔ (آمین) اور اب آتے ہیں آپ کے سوالوں کی طرف۔

1 ۔ جو لوگ سالگرہ دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ میں ان ہی کے خیال سے متفق ہوں۔ میری سالگرہ تین اپریل کو ہوتی ہے اور میں ہر سال اپنی سالگرہ سیلبریٹ کرتی ہوں۔ میری سالگرہ میں میری فیملی یعنی میری ممی، پاپا اور بہن، بھائی ہوتے ہیں اور میں اپنی فرینڈز کو انوائیٹ کرتی ہوں۔ سالگرہ سے کچھ دن پہلے میں اپنا سوٹ، میچنگ شوز، جیولری اور سب چیزیں لے لیتی ہوں اور جس دن سالگرہ ہوتی ہے کچھ چیزیں گھر میں بناتی ہوں اور کچھ ریڈی میڈ منگوا لیتی ہوں۔ میری فرینڈز آجاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد کیک لایا جاتا ہے اور میں ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اور تالیوں کی گونج میں کیک کاٹتی ہوں، پھر اپنی فیملی اور فرینڈز کو اپنے ہاتھوں سے کیک کھلاتی ہوں۔ اس کے بعد کولڈ ڈرنک اور کھانے کا دور چلتا ہے، کچھ فرینڈز گھر چلی جاتی ہیں اور کچھ بیٹھ جاتی ہیں، پھر وہ اور ہم مل کر چھت پہ جاتے ہیں اور وہاں انجوائے کرتے ہیں۔

2 ۔ میں اپنی سالگرہ پر سب سے اپنی پسند کا تحفہ لیتی ہوں اور جس کی بھی سالگرہ ہو میں اسے اس کی پسند کا تحفہ دیتی ہوں تو پھر اسی طرح مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔ انہیں ان کی من پسند چیز دے کر اور لینے والے کو بھی اپنی پسندیدہ چیز لے کر خوشی ہوتی ہے۔

3 ۔ میں کرن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتی، کرن مکمل بیسٹ ہے اور مجھے کرن سے بہت پیار ہے۔

4 ۔ نگہت سیما کا ناول "زخم پھر سے گلاب ہوا" میرا پسندیدہ ترین ناول ہے جو مئی اور جون میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ فرحانہ ناز ملک کا "شام آرزو" میرا فیورٹ ترین تھا۔ مجھے ہر ماہ اسی ناول کا انتظار رہتا تھا۔

5 ۔ میں نے اپنی سالگرہ پر کبھی خود کیک تیار نہیں کیا، بلکہ میں باہر سے منگوا لیتی ہوں، سو کیک کی ترکیب لکھنے کے لیے سوری....

سدرہ یوسف.... پیلاں، میانوالی

1 ۔ جی جناب! یہ بات تو درست ہے کہ واقعی اگر غور کیا جائے تو سالگرہ کا مطلب سال گرا ہی ہے۔ مطلب ایک سال کم ہو گیا تو ایسے موقع پر بجائے خوشی کے غمگین ہی ہونا چاہیے اور اپنے رب سے توبہ و استغفار کرنا چاہیے کہ آئندہ زندگی میں ہمارے آئندہ آنے والے سال میں ہم سے گناہوں سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نیکیوں کو سرانجام دینے کی صلاحیت عطا فرما۔ لیکن تھوڑی بہت خوشی تو ہوتی ہے نا کہ دیکھو ہم بڑے ہو گئے۔ ارے رے رے.... کہیں آپ ہمیں خواتین کی لسٹ سے باہر تو نہیں نکال رہیں؟ کیونکہ مشہور ہے خواتین سے ان کی عمر نہ ہی پوچھی جائے تو ہی اچھا ہے۔ ورنہ ایسا جواب دیں گی نا کہ یقین مانیے.... پوچھنے والا سرتاپیر گھورنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ 40 کی آنٹی 25 کی الہڑ دوشیزہ کیسے بن گئیں؟ خیر تو جناب عابد ولست تو بہت خوش ہوتی

ہیں۔ اپنی سالگرہ والے دن...... کیونکہ بقول ہمارے وہ بڑا ہی مبارک دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی دن آنجناب نے دنیا میں قدم رنجہ فرمایا تھا تو ہوا نا مبارک دن؟ ہاہاہا پر صد افسوس کہ دھوم دھام سے منانے کا نہ رواج ہے' نہ کوئی منانے دیتا ہے کہ بقول ہماری اماں جان نرا وقت اور پیسے کا ضیاع ہے۔ سو ہم فقط بیسٹ وشنز میسجز اور چند گفٹس پر انحصار کرتے ہوئے اس مبارک دن کا اختتام کرتے ہیں۔

4 ۔جی ہاں واقعی ایک تحفہ ایسا ہے۔ جو واقعی میں دے کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور وہ تھا "قرآن پاک" جو میں نے اپنی عزیز از جان دوست بشریٰ کو دیا۔ یہ ایسا تحفہ ہے۔ جو دے کر بھی دینے والے کو نفع پہنچاتا ہے' کیونکہ جب بھی قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو دینے والے کو بھی برابر کا ثواب ملتا ہے۔

3 ۔ ہاہا تبدیلی تو ضرور آنی چاہیے اور وہ یہ کہ میرا نام اس میں ضرور شامل ہونا چاہیے۔ ہاہا joke Plz don t maind its jast ویسے مجھے تو یہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ لگتا ہے۔ سوائے اس کے کہ پلیز ایک جیسے پلاٹ والی کہانیاں الفاظ کے ردوبدل ہونے پر شائع مت کیا کریں' بوریت ہوتی ہے۔

4 ۔ اس سال کرن میں چھپنے والی سب سے بیسٹ تحریر" خالہ' سالا اور اوپر والا" مصنفہ فاخرہ گل کی لگی۔ کیونکہ گھریلو پریشانیوں' الجھنوں سے کچھ دیر کے لیے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ تفریح ہو جاتی ہے اور پھر تحریر میں مزاح کرتے ہوئے الفاظ کا چناؤ' الفاظ کا آپس میں ربط ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے' ویلڈن فاخرہ جی......

5 ۔ ہک ہا کیسا سوال پوچھ لیا۔ بتاتے ہوئے شرم تو آرہی ہے پر خیر بتا ہی دیتے ہیں کہ ابھی ہم اتنے قابل نہیں بنے کہ کیک بنائیں سو بیکری کے کیک پہ ہی اکتفا کرتے ہیں۔

ملیحہ رفیق...... سرگودھا

1 ۔ زندگی میں ہر رخ موجود ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ منفی اثر یا منفی رخ ہی دیکھیں۔ آپ پوزیٹو پوائنٹ دیکھیں اور اسی نسبت سے سالگرہ کا میرے نزدیک ایک پوزیٹو پہلو ہے۔ میں ہمیشہ سالگرہ یہ سوچ کر مناتی ہوں کہ زندگی کا ایک سال اپنے پیاروں کے درمیان خیر و عافیت سے گزر گیا اور میں اپنی سالگرہ اپنے گھر والوں اور سہیلیوں کے ساتھ گھر پر مناتی ہوں۔ خاص کر اپنے بھانجے ابراہیم بھانجی نور اور آمنہ کے ساتھ۔

2 ۔ تحفے کی تو خوشی ہی نرالی ہوتی ہے۔ جی۔ مجھے تحفے میں ڈائری دینا بہت پسند ہے اور اس سال میں نے اپنی ایک اسٹوڈنٹ کو ڈائری دی' جس کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔

3 ۔ ویسے تو کرن ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔ مگر ایک خواہش سمجھ لیں کہ میں چاہتی ہوں کہ کرن میں ایک سلسلہ انٹرویوز کا شروع ہو جو کہ رائٹرز کے انٹرویوز ہوں۔ تاکہ ہماری قارئین اپنی فیورٹ رائٹرز سے ان کے بارے میں جان سکیں۔

4 ۔ کرن میں چھپنے والی ہر تحریر ہی اپنے اندر ایک معاشرتی پہلو سموئے ہوتی ہے۔ اس لیے کسی ایک کا ذکر ایسے ہی ہوگا جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔

5 ۔ ایک ہی بار کیک تیار کیا تھا۔ اس کی ترکیب بہت آسان ہے۔ وہ آپ کے گوش گزار کرتی ہوں۔

پائن ایپل کیک

اجزا :

کریم	ایک کلو
انڈے	ایک درجن
آئسنگ شوگر' چھ کھانے کے چمچے	
میدہ	سولہ کھانے کے چمچے
اناناس	دو پیالی
چینی	سولہ کھانے کے چمچے
پانی	تھوڑا سا
میٹھا دودھ	چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

سب سے پہلے انڈوں کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور ساتھ ہی چینی مکس کرلیں۔ اب میدے میں یہ آمیزہ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ ساتھ ہی میٹھا دودھ اور تھوڑا سا پانی بھی ڈال دیں۔ اچھی طرح بیٹ کریں۔ تمام آمیزے کو سانچے میں ڈال کر 75 پری ہیٹ اوون میں رکھ دیں۔ ہلکا براؤن ہونے پر نکال لیں۔ اب کریم میں آئسنگ شوگر مکس کرکے ٹوپنگ کریں اور پائن ایپل کی تہ بھی لگائیں اور پھر ایک تہ کریم کی لگادیں۔ مزے دار پائن ایپل کیک تیار ہے۔

ثنا شہزاد.... کراچی

1۔ میں اپنی سالگرہ دھوم دھام سے نہیں مناتی' بس سمپل طریقے سے بھائی کیک لے آتے ہیں میں کاٹ لیتی ہوں۔ میری سالگرہ میں میرے بھائی اور میرے والدین ہوتے ہیں' بس مجھے زندگی کا ایک سال کم ہونے کا کوئی غم نہیں ہوتا' ہاں خوشی ضرور ہوتی ہے کہ میں اس دن دنیا میں تشریف لائی۔ ایک سالگرہ میں نے اپنی دھوم دھام سے منائی تھی جب ہم سب ایک ساتھ دادی کے گھر میں رہتے تھے۔ تب مجھے سب کزن نے گفٹ دیے تھے۔ پھوپھی بھی گفٹ لائی تھیں۔ سب کے گفٹ بہت پیارے تھے جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ سالگرہ میری زندگی کی سب سے یادگار سالگرہ تھی۔ جسے یاد کرکے آج بھی لبوں پہ ہنسی آجاتی ہے۔

2 ۔ مجھے تو سب کو تحفہ دے کر خوشی ہوتی ہے اور یہ خوشی اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جب میرا دیا ہوا تحفہ لوگوں کو پسند آتا ہے' لیکن ہاں میں نے ایک تحفہ اپنی فوزیہ خالہ کو ان کی میرج اینورسری پہ دیا تھا اور وہ ایک خوب صورت گڑیا تھی پاپا میرے لیے لے کر آئے تھے۔ انہیں اچھی لگی تو میں نے گفٹ کردی اور ایک بار اپنے بھائی کو اس کی فیورٹ شرٹ گفٹ کی تھی۔ اس کی مجھے آج بھی خوشی محسوس ہوتی ہے اور وہ شرٹ میرے بھائی نے سنبھال کر رکھی ہے۔ آپ نے یہ سوال نہیں پوچھا کہ مجھے تحفے میں کیا لینا پسند ہے۔

پھر بھی میں بتادیتی ہوں' مجھے پھولوں سے زیادہ حسین کوئی تحفہ نہیں لگتا۔ دیوانی ہوں میں پھولوں کی۔

3 ۔ نہیں.... نہیں بالکل بھی نہیں' کرن تو اتنا اچھا ہے کہ اس میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے' ورنہ ہمارے پیارے کرن کو نظر لگ جائے گی اور زیادہ اچھے ہونے پر....

4 ۔ ارے باپ رے یہ کیا اس سوال نے تو بڑی مشکل میں ڈال دیا۔ کسی ایک کہانی کا انتخاب اور وہ بھی کرن کی یہ تو ناممکن سی بات ہے جناب مجھے تو کرن میں شائع ہونے والی ہر کہانی ایک سے سے بڑھ کر ایک لگتی ہے' مگر پھر بھی سوال کا جواب تو دینا پڑے گا' تو پہلی کہانی مارچ کی "ایپل اینڈ اسٹرابیری" صدف ریحان کی ہے وجہ' ہیرو ہیروئن کا نک نیم۔ دوسرے نمبر پر اپریل میں شازیہ جمال کی "اچھے چاند" جس میں ایک بہن کی محبت اپنے بھائی کے لیے ماں کی طرح دکھائی گئی۔ تیسرے نمبر پر جولائی میں بشریٰ احمد کی "اب محبت کرنی ہے" جس میں سوتیلی ماں کا مثبت کریکٹر دکھایا گیا۔ چوتھے نمبر پر "دھلن کی ساعتیں" مصباح نوشین کی جس میں بشیر کا کردار جان دار تھا۔ لاسٹ میں دسمبر میں شائع ہونے والی مبشرہ انصاری کی "آبرو" جس کا ٹاپک بہت زیادہ اچھا لگا۔ آپ نے ایک پوچھی تھی میں نے پانچ کہانیاں لکھ دی ہیں سوری۔

5 برتھ ڈے والے دن تو خود سے کیک بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ عام دنوں میں' میں کیک بناتی رہتی ہوں اور وہ اسفنج کیک ہے' چاہیں تو آپ اسے کریم سے سجا بھی سکتی ہیں' مگر میرے بھائیوں کو وہ ایسی پسند ہے۔ اس کی ترکیب آپ لوگوں کو بھی بتادیتی ہوں' ضرور ٹرائی کیجیے گا۔ گھر کا بنا سادہ کیک۔ اس کے اجزا یہ ہیں۔

اجزا۔ ایک پیالی میدہ' 3 عدد انڈے' ایک چمچہ بیکنگ پاؤڈر' ایک چمچہ مکھن' آدھی پیالی پسی ہوئی چینی

ترکیب۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتادوں کہ یہ کیک آپ چولہے پر بھی بنا سکتی ہیں۔ اس کے

لیے اوون کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

سب سے پہلے انڈوں کو پھینٹ لیں۔ پھینٹنے کے بعد اس میں میدہ، چینی، بیکنگ پاؤڈر اور مکھن شامل کرکے آمیزہ بنالیں۔ یہ کرنے کے بعد سیدھا توا چولہے پر رکھ کر گرم کرلیں، جب تیز گرم ہوجائے تو آنچ سلو کردیں۔ پتیلے میں اس مکسچر کو ڈال کروہ چولہے پر رکھ دیں۔ پتیلے کو تھوڑا تیل ڈال کر چکنا کرلیں۔ ایک توا اور گرم کرکے اس پتیلے کے اوپر رکھ دیں اور اس توے پر بٹا رکھ دیں، تاکہ بھاپ باہر نہ نکلے۔ اوپر والا توا ٹھنڈا ہوجائے تو پھر سے گرم کرکے رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے میں کیک تیار ہوجائے گا۔ چولہے کی آنچ بالکل کم رکھنی ہے اور اوپر والا توا مستقل گرم رہنا چاہیے۔

امتل بخاری... ملتان

میرا نام امتل بخاری ہے، میں ملتان سے ہوں، ملتان میں وحدت کالونی میں رہتی ہوں۔

1 ۔ میں اس بات کی قائل ہوں کہ زندگی میں اگر بڑی بڑی خوشیاں مشکل سے ملیں تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ڈھونڈنی چاہئیں۔ اب بھلے سالگرہ پر زندگی کا ایک سال کم ہوتا ہے، لیکن ایک بڑھتا بھی تو ہے۔ اسی خوشی کو منانے کے لیے اگر آپ کچھ دیر اپنی فیملی کے ساتھ کچھ اچھا وقت مل کے گزار لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں فضول دھوم دھام کے تو میں بھی خلاف ہوں جہاں تک میری سالگرہ منانے کی بات ہے تو شادی سے پہلے بھی صرف فیملی ہی کے ساتھ مناتی تھی۔ اچھا سا کھانا بنالیا اور کیک کاٹ لیا، بس اب شادی کے بعد اور خصوصاً" بچوں کے بعد تو صرف بچوں کی سالگرہ اچھے سے منانے کا خیال رہتا ہے۔ پھر بھی دل میں کہیں نہ کہیں یہ خواہش ضرور رہتی ہے کہ میاں جی اس خاص دن پہ کوئی سرپرائز دیں، لیکن یہ خواہش خواہش ہی رہی، کیونکہ میرے میاں جی صرف اسلامی تہوار منانے کے حامی ہیں بس۔

2 ۔ اس سال شادی کی سالگرہ پہ اپنے میاں جی کو موبائل گفٹ کیا تھا اور بہت زیادہ خوشی اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اسی دن اپنے لیے نیا موبائل خریدنا تھا، جو مجھے نہیں پتا تھا۔ اسی لیے ان کے دل کی بات خود بخود میرے دل میں آنے پہ بہت خوشی ہوئی۔

3 ۔ تبدیلی تو کسی قسم کی نہیں چاہیے 'ماشاءاللہ بہت اچھا جارہا ہے کرن بس ایک تجویز دینا چاہوں گی کہ کرن کے دسترخوان میں بھی بیکنگ سے متعلق چھوٹی چھوٹی اہم باتیں ضرور بتائیں۔

4 ۔ نزہت جبین ضیاء کی "آؤ پیار کی کلیاں چن لیں ہم" سیما بنت عاصم کی "نیک نیتی" عنبرین ولی کی "دل کا آسماں" اور بشریٰ گوندل کی "پھول خوشبو اور برساتیں" بہت اچھی لگیں۔

5 ۔ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں، کیونکہ کوکنگ میں تو ہاتھ بہت اچھا ہے، لیکن بیکنگ میں بہت کمزور ہوں، بہت دفعہ سوچا کہ بیکنگ کلاسز جوائن کرلوں، مگر شادی سے پہلے پڑھائی کی مصروفیت اور شادی کے بعد روزمرہ مصروفیت پھر بھی اپنی سالانہ پلاننگ میں یہ پلان بھی شامل کرتی ہوں ہمیشہ۔

افشاں علی... کراچی

1 ۔ سالگرہ دو لفظوں یعنی سال اور گرہ کا آمیزہ ہے۔ عمر کا ایک سال جب رخصت ہونے کے لیے دہلیز پہ ہوتا ہے۔ تب پرانی یادیں گزری باتوں کو گرہ لگا کر رخصت کردیا جاتا ہے اور آنے والے نئے سال پر سب امیدیں، خواہشیں اور خوشیاں وابستہ کرلی جاتی ہے۔ جس ماہ اپنی سالگرہ ہو، وہ مہینہ سب سے پیارا لگتا ہے، کیونکہ گزرے سال کی ساری تلخیاں، غم سب آنے والے سال کی خوشی میں ہم نذرانہ کے طور پر پیش کردیتے ہیں۔ سالگرہ کا دن واقعی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جس پر دل چاہتا ہے کہ اپنی خوشی کا اظہار کریں اور اپنی خوشی سب کے ساتھ بانٹیں۔ سالگرہ تو دراصل ایک بہانہ ہے خوشیاں منانے کا

بقیہ صفحہ نمبر 262

نفیسہ سعید

ایسا گر ہے زندگی

۹

نویں قسط

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے، جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)
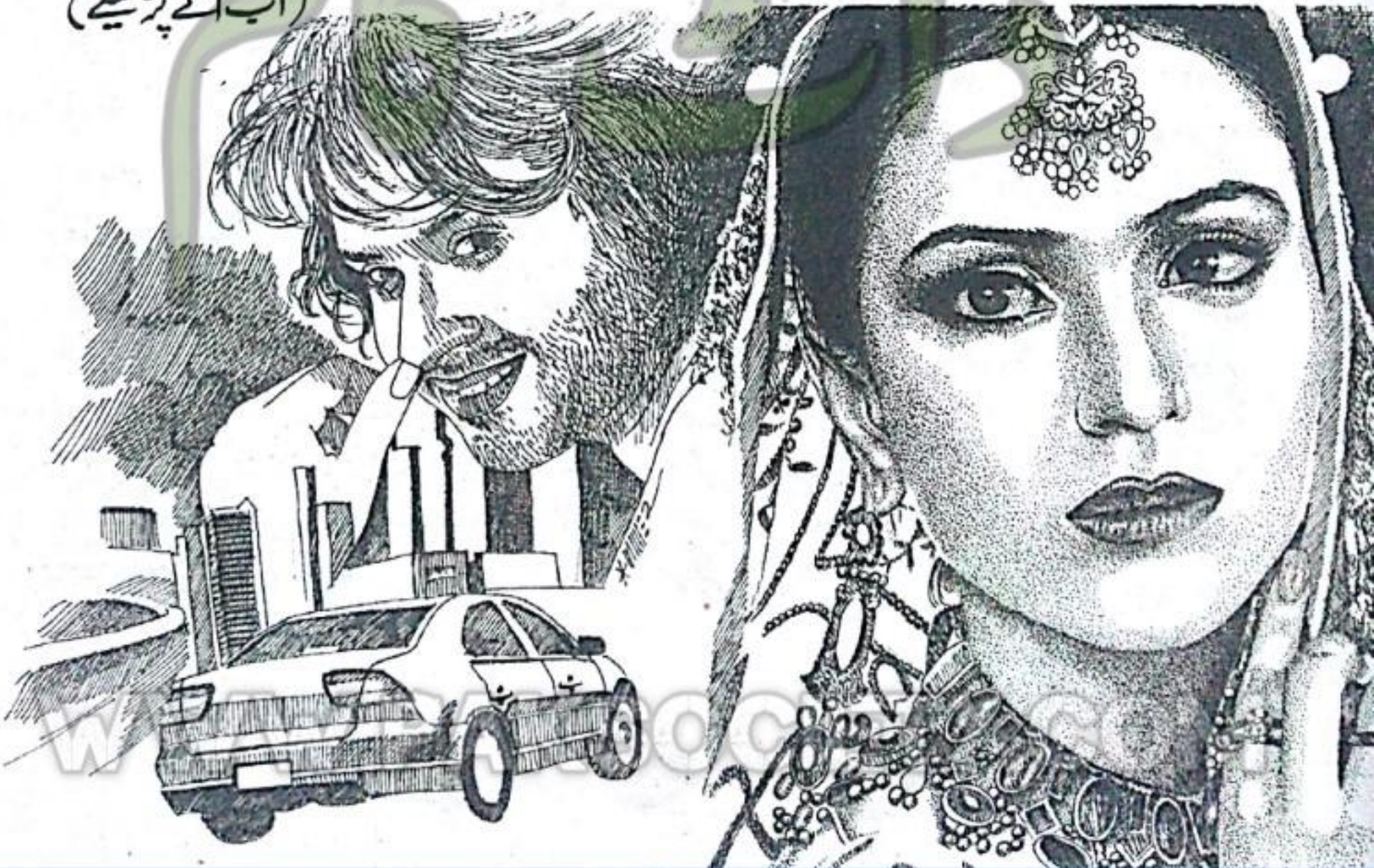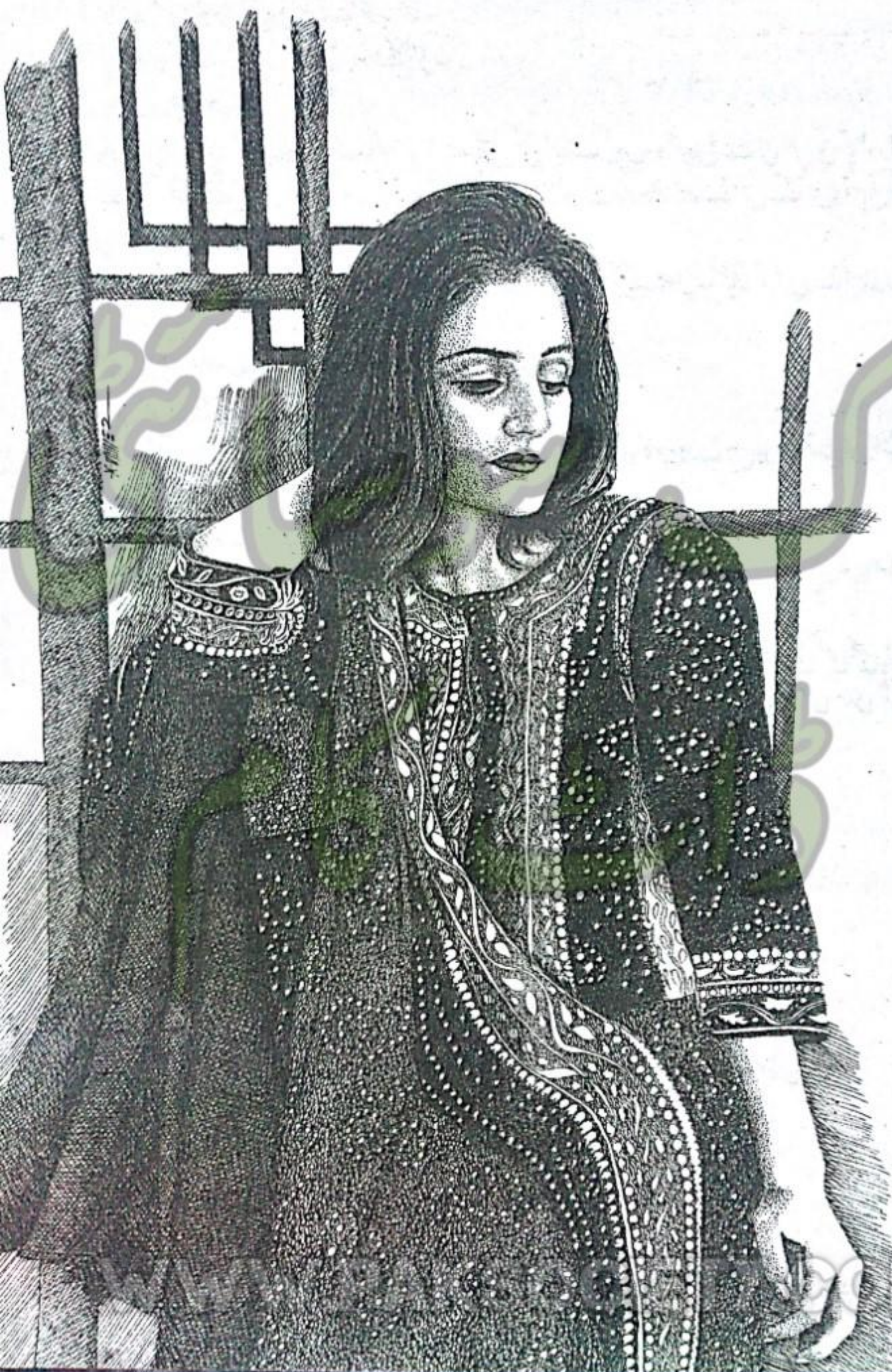
"فرہاد..."

"ہاں بولو..."

فرہاد نے اپنے سامنے پھیلے اخبار سے ایک ذرا سی نظر ہٹا کر اس کے چہرے کی جانب تکا جہاں واضح طور پر ایک الجھن سی دکھائی دے رہی تھی "کیا بات ہے زینب؟"

فرہاد اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

"آپا کا فون آیا تھا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"کیوں... خیریت۔"

فرہاد کے چہرے پر حسب توقع ایک ناگواری سے پھیل گئی' جانے کیوں وہ شروع سے ہی اس کی آپا اور ان کے شوہر سے چڑتا تھا' پہلے پہلے تو زینب کو یہ محض وہم لگتا مگر گزرتے وقت اور حالات نے اس کے اس وہم کی تصدیق کر دی اس کی وجہ کیا تھی یہ وہ آج اتنے سالوں بعد بھی نہ جان پائی۔

"اتوار والے دن احد کی سالگرہ ہے وہ چاہتی ہیں ہم سب اس میں شریک ہوں۔" بالآخر اس نے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا۔

"ہاں تو چلی جانا احسان سے کہنا وہ تمہیں اور بچوں کو لے جائے گا۔"

"اور آپ..." نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔

"میں نہیں جا سکتا ایک تو میں اتوار والے دن کچھ مصروف ہوں ایک دو کام نپٹانے ہیں دوسرا تمہارا وہ بہنوئی کیا نام ہے اس کا..."

فرہاد نے ذرا سا رک کر اپنے ذہن پر زور ڈالا۔

"ہاں ثنا اللہ' سچی بات یہ ہے کہ مجھے وہ شخص رتی بھر پسند نہیں پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے بڑا کوئی عالم فاضل بنتا ہے۔"

فرہاد شروع ہو گیا' زینب گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی جانتی تھی ایسا ہی ہو گا' اب فرہاد کی کسی بھی بات کا جواب دینے سے بہتر تھا۔ خاموشی اختیار کر لی جائے' وہ ویسے بھی اس کی فیملی کی کسی بھی تقریب میں کم ہی شریک ہوا کرتا تھا اب تو وہ ان سب کی عادی ہو چکی تھی۔

"فرہاد..."

اس نے خاموش ہوتے ہی زینب نے ایک بار پھر اسے پکارا۔

"اب کیا بات ہے؟"

اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اس نے زینب پر نظر ڈالی۔

"مجھے کچھ رقم چاہیے۔"

بہت سوچ کر وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

"خیریت... یہ آدھی رات کو تمہیں رقم کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"دراصل مجھے احد کے لیے کوئی تحفہ لینا ہے۔" یہ جملہ اس نے نہایت شرمندگی کے عالم میں ادا کیا۔

"اچھا لے لینا ابھی تو سنڈے کافی دور ہے۔"

وہ منتظر تھی شاید فرہاد مزید کوئی بات کرے' مگر نہیں زینب کو جواب دے کر وہ ایک بار پھر سے اخبار میں مصروف ہو گیا' وہ خاموشی سے کمرے میں پھیلا سامان سمیٹنے لگی۔

"ویسے ایک بات کہوں برا مت منانا۔"

اب اس نے اخبار لپیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔
"تمہاری بہن کا یہ طریقہ اچھا ہے ہر سال کسی ایک بچے کی سالگرہ منا کر لوگوں سے تحفے بٹورنے کا۔"
فرہاد نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔
"وہ اتنا خرچہ تحفے لینے کے لیے نہیں کرتیں۔" زینب دروازے سے باہر نکلتے نکلتے رک گئی۔
"یہ ان کے بچوں کی خوشی ہے جیسے وہ اہتمام سے منانا پسند کرتی ہیں اور ہر شخص اپنی پسند اور خوشی کے اظہار کے لیے آزاد ہے۔"
"اہنہیں، تو تمہارے گھر والے بھی خوب تحفے دیتے ہیں اور یہاں جب بھی آتے ہیں بالکل خالی ہاتھ......"
ایک بار پھر وہ ہی پرانا رونا۔
اتنے سالوں میں آج تک میں نے کبھی اپنے بچوں کی کوئی ایسی تقریب منعقد نہیں کی جس میں کسی کو بلایا جائے اور وہ خالی ہاتھ آئیں۔" زینب نے تڑخ کر جواب دیا۔
"ہاں بیٹا ہوتا تو ضرور میں بھی ایسی خوشی مناتا۔"
جانے اس کے لہجہ میں ایسا کیا تھا کہ زینب بالکل خاموش ہو گئی' اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے' آنکھوں میں نمی بھرے وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔
"بلاوجہ ہی تحفہ کے لیے رقم مانگی۔" باہر نکلتے ہی وہ بری طرح پچھتائی۔
"نازیہ اور سالار کے دیئے ہوئے کچھ تحائف ابھی بھی الماری میں رکھے تھے' فضہ بھابھی کے دبئی سے لائے ہوئے تحائف بھی وہیں پڑے ہیں ان میں سے ہی کچھ دے دیتی کیا ضرورت تھی بلا ضرورت اس شخص سے اینٹھنے کی۔"
اسے جی بھر کر افسوس ہوا' مگر اب کوئی فائدہ نہ تھا جانتی تھی کہ اب اگلے کئی دنوں تک فرہاد کا موڈ اتنا ہی خراب رہنا ہے ایک چھوٹی سی بات نے دونوں کے دلوں میں فاصلہ پہلے سے بھی بڑھا دیا۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے دور تک ایک نظر دوڑائی اسے کوئی بھی اپنا منتظر دکھائی نہ دیا۔ وہ تو سارے راستے اسی خوش فہمی میں رہی کہ باہر نکلتے ہی ایشال اور آنٹی دونوں اس کے والہانہ استقبال کے لیے موجود ہوں گے مگر اس کی یہ خوش فہمی دیگر تمام باتوں کی طرح پہلے ہی مرحلے پر غلط ثابت ہو گئی' سکینہ نے ایک نظر اس معصوم کے مایوس چہرے پر ڈالی اور سامان کی ٹرالی دھکیلتے آگے کی جانب بڑھ گئی یہاں آنے سے قبل وہ بھی ایسی بہت ساری خوش فہمیوں کا شکار تھی آج یقیناً" وہ بھی اتنی ہی شاک ہوتی جتنی چھوٹی بی بی مگر بھلا ہو فضل دین کا جس نے رات ہی اسے اچھی طرح ہر بات سمجھا دی تھی۔
"دیکھ سکینہ ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لے۔"
اسے خوشی خوشی کپڑے استری کرتا دیکھ کر فضل دین اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔
"جو دکھائی دیتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے حقیقت تو کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ جو بندہ جان بھی نہیں پاتا۔" وہ تمہید باندھتے ہوئے بولا۔
"میں تیری بات سمجھی نہیں فضل دین۔" سکینہ کچھ الجھ سی گئی۔
"چھوٹی بی بی کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرنا جو اسے کسی خوش گمانی میں مبتلا کر دے۔"
فضل دین آہستہ آواز میں بولا۔

"ان کے سامنے ایشال صاحب کے حوالے سے کوئی بات نہ کرنا۔
دیکھ سکینہ جو تو سمجھ رہی ہے نا ویسا کچھ نہیں ہے بس یہ سمجھ لے کہ جسے بی بی جی یہاں پڑھتی تھیں بس ویسے ہی وہاں پڑھنے جا رہی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ملک صاحب کے گھر میں بھی شاید کسی کو یہ علم نہیں کہ وہ بی بی جی کو کراچی لے کر آ رہے ہیں۔"

"ہیں یہ کیوں.....؟" مارے حیرت سکینہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہر کیوں..... کا جواب نہیں ہوتا۔"

فضل دین یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور سکینہ ایسی خاموش ہوئی کہ رات سے اب تک بالکل ہی خاموش تھی۔

"سکینہ تم بی بی کو لے کر ڈرائیور کے ساتھ جاؤ میں ملک صاحب کے ساتھ جا رہا ہوں کچھ کام نبٹا کر ان شاء اللہ شام تک آ جاؤں گا..... اچھا۔"

"کیا اور کیوں" جیسے سوالات کا گلا اس نے رات ہی گھونٹ دیا تھا وہ خاموشی سے چلتی اس جانب آ گئی جہاں ڈرائیور گاڑی ..... لیے ان کا منتظر تھا' وہ ٹرالی کا سامان ڈگی میں رکھنے لگا سکینہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی' ان سے آگے والی گاڑی کے باہر ملک صاحب کھڑے چھوٹی بی بی سے کوئی بات کر رہے تھے جسے وہ خاموشی سے سنے جا رہی تھی ملک صاحب نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

ملک صاحب نے کیا کہا اب سکینہ کو کوئی دل چسپی نہ تھی وہ منتظر تھی کب بی بی گاڑی میں آ کر بیٹھے اور ان دونوں کا ایک اور نیا سفر شروع ہو جس کی منزل کے بارے میں اسے کوئی آگہی نہ تھی' ابھی مزید کتنا سفر باقی تھا وہ یہ بھی نہ جانتی تھی چھوٹی بی بی کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی سکینہ نے ایک اچٹتی نگاہ اپنے ساتھ والی کے چہرے پر ڈالی جہاں ایک سکوت طاری تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی آنکھیں موندے سیٹ پر نیم دراز تھی سکینہ بھی خاموشی سے کھڑکی کے شیشے پار بھاگتی دوڑتی ٹریفک کے نظارے دیکھنے میں منہمک ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

دور تک پھیلی برف' ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دھرتی نے سفید چادر اوڑھ لی ہو یہ منظر اس قدر حسین تھا کہ ایشال اپنی جگہ مبہوت کھڑا ہو گیا اسے شروع سے ہی اس طرح ہر طرف پھیلی برف بہت اچھی لگتی تھی وہ جانے کتنی دیر تک اسی طرح ساکت کھڑا قدرت کے اس حسین نظارے میں گم رہتا کہ اچانک برف کی اس چادر پر ایک رنگین نقطہ نمودار ہوا' ریڈ فر کوٹ میں وہ یقیناً "اریشہ" تھی' ایشال نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی چار بجنے والے تھے' اریشہ روزانہ اسی وقت گھر آتی آج کل وہ جیولری ڈیزائننگ کی کلاسز لے رہی تھی' سفید برف اس کے کوٹ اور بالوں میں بھی بکھری ہوئی تھی' اس نے کھڑکی میں کھڑے ایشال کو دیکھتے ہی جوش و خروش سے اپنا ہاتھ ہلایا وہ کھڑکی چھوڑ کر دروازے کی سمت بڑھا تاکہ اریشہ کا استقبال پورے دل و جان سے کر سکے۔

دروازے کی جانب بڑھنے سے قبل روز مرہ کی طرح وہ اپنے بازو پر چٹکی بھرنا نہ بھولا وہ دن میں جانے کتنی بار یہ عمل دہرا کے خود کو یقین دلاتا کہ اریشہ کا ساتھ کوئی خواب یا فریب نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت میں اسے حاصل کر چکا ہے' اس حصول میں اس نے کیا کیا کھویا اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی۔

آج جانے کتنے ماہ ہو گئے تھے پاپا نے اس سے بات نہ کی تھی البتہ مما سے وہ تقریباً "روز ہی بات کرتا" اسے یقین تھا جس طرح قدرت نے ہر معاملے میں اس کے لیے آسانی پیدا کی تھی بالکل اسی طرح ایک دن پاپا بھی اس سے ضرور بات کریں گے اور یہ امید اس کے دل میں ہمیشہ پوری جزئیات کے ساتھ برقرار تھی جسے وہ کسی بھی حالت میں توڑنا نہ چاہتا تھا۔

فرہاد کے گھر سے نکلتے ہی وہ جلدی جلدی کام نبٹانے لگی کیونکہ احسان نے اسے لینے تقریباً" چھ بجے تک آجانا تھا تاہم بھی اس نے برتن دھو کر کچن ہی صاف کیا تھا کہ کسی نے اطلاعی گھنٹی بجادی۔

"یہ کون آگیا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"اماں! پھوپھو آئی ہیں۔"

اس سے قبل کہ وہ کچن سے باہر نکلتی مریم بھاگتی ہوئی آئی اور اسے اطلاع بہم پہنچا کر الٹے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

"یہ آج کیسے آگئیں ابھی کل تو انہیں فرہاد نے فضہ بھابھی کے گھر چھوڑا تھا۔" زینب نے سوچا ضرور کہا نہیں۔

"یہ فرہاد کہاں گیا؟" زینب پر نظر پڑتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

"پتا نہیں ابھی کچھ دیر قبل ہی باہر نکلے ہیں۔"

"اچھا مجھے تو اس نے کہا تھا کہ وہ گھر ہی ہو گا۔"

وہ آہستہ سے بڑبڑائیں، زینب خاموش رہی۔

"دکان پر فون کر کے بتاؤ میں آگئی ہوں۔ مجھے بازار جانا ہے پھر دیر ہو جائے گی۔"

"اوہ تو شاید یہ مصروفیت تھی فرہاد کی جس کے سبب اس نے آج میرے ساتھ جانے سے انکار کیا۔" پہلی سوچ زینب کے دماغ میں یہ ہی آئی۔

"آپ کھانا کھائیں گی؟"

"ظاہر ہے ایک بج گیا ہے اب تو کھانا کھا کر ہی نکلیں گے۔"

زینب کچن میں آگئی تاکہ جلدی جلدی ان کے لیے کھانا تیار کر سکے ورنہ آج اس کا کھانا بنانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات کے سالن کے ساتھ ہی روٹی بنا کر فرہاد کے لیے رکھ دے گی مگر اب کھانا پکانا ضروری تھا۔

آلو قیمہ تیار کر کے اس نے سلاد کے لیے پیاز کاٹی تھی کہ فرہاد گھر آگیا، بہن کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ہزار واٹ کا بلب روشن ہو گیا وہ روشنی جو شاید آج تک زینب نے اس کے چہرے پر کبھی نہ دیکھی تھی سوائے اس وقت کے جب وہ اپنی بہن کے مقابل ہوتا، فرہاد کے چہرے پر بکھری روشنی نے زینب کو سلگا سا دیا۔

"کھانا ذرا جلدی لگا دو ہمیں جانا ہے۔"

فرہاد کی آواز نے اسے اپنے خیالوں سے باہر نکالا کھانا ٹیبل پر رکھ کر وہ پانی لینے کے لیے پلٹی۔

"رائتہ بنا لیتیں۔"

"دہی نہیں تھا۔" وہ آہستہ سے کہتی کچن میں آگئی، ابھی پانی کا جگ بھرا ہی تھا کہ فرہاد کچن کے دروازے پر نمودار ہوا۔

"یہ لو دہی اور ہرا دھنیہ جلدی سے رائتہ بنا لاؤ آپا کبھی بھی قیمہ بنا دہی کے نہیں کھاتیں۔"

اسے ہدایت دیتا وہ وہیں سے واپس پلٹ گیا، زینب نے حیرت سے فرہاد کی پشت کو تکا عام دنوں میں وہ کبھی کسی سخت ضرورت کے وقت بھی اپنا کھانا چھوڑ کر باہر نہ گیا تھا اور آج بہن کی خاطر صرف پانچ منٹ میں ہی دہی لے کر آ گیا، کھانا کھاتے ہی دونوں بازار جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، زینب نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا ورنہ اسے پریشانی تھی کہ یاسمین آپا کو گھر چھوڑ کر وہ کس طرح احد کی سالگرہ میں جائے گی جبکہ یاسمین آپا نے اس کے ساتھ

جانا بھی نہیں تھا۔

"رات کھانے میں بریانی بنا لینا آپا آج یہیں رہیں گی۔"

دروازے سے نکلتے نکلتے فرہاد نے فرمائش کی وہ شاید بھول گیا تھا کہ رات زینب نے اپنے گھر جانا ہے' وہ بھی خاموش رہی ڈر تھا کہیں اس وقت آپا کے گھر جانے سے فرہاد اسے منع نہ کردے اور پھر اپنی تیاری میں اتنا ٹائم لگا کہ وہ بریانی بنانا بالکل بھول گئی ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ دونوں کے لیے کھانا تیار کر کے ہی نکلے گی مگر احسان اتنی ہڑبونگ میں ساڑھے پانچ بجے ہی آگیا کہ وہ اپنے اور بچوں کے کپڑے جلدی جلدی شاپر میں ڈال کر اس کے ہمراہ چل دی بنا یہ سوچے کہ گھر واپسی پر اسے فرہاد کی جانب سے ایک کڑی تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆ ☆ ☆

شاپ سے باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ سیڑھیوں کی جانب بڑھتی حبیبہ پر پڑی اور تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"السلام علیکم حبیبہ۔"

قریب پہنچتے ہی اس نے' زوردار آواز میں سلام جھاڑتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"وعلیکم السلام۔" حبیبہ اسے دیکھتے ہی مسکرادی۔

"خیریت ہے آج کل تم آفس نہیں آرہیں۔"

کئی دنوں بعد حبیبہ کو اپنے سامنے موجود پاکر وہ کھل اٹھا تھا۔

"میں چھٹیوں پر ہوں۔" وہ ہنس دی۔

ان سے ملیں یہ میری آنٹی ہیں۔" اچانک ہی حبیبہ نے اپنے ساتھ کھڑی خاتون سے اسے متعارف کروایا سچ تو یہ تھا اتنی دیر سے شاہ زین کو حبیبہ کے آس پاس کوئی دکھائی ہی نہ دیا تھا وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

اسلام علیکم آنٹی۔

"آنٹی یہ شاہ زین ہیں۔"

شاید آنٹی اس سے واقف تھیں اس لیے انہوں نے مزید کوئی سوال نہ کیا۔

"جیتے رہو بیٹا۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"آنٹی کئی ماہ بعد کراچی آئی ہیں اسی سبب میں چھٹیاں لے کر انہیں تھوڑا سا گھما پھرا رہی ہوں۔"

حبیبہ نے آنٹی کے تعارف کے ساتھ ساتھ اپنی چھٹیوں کی بھی وضاحت کردی وہ مسکرا دیا۔

"آفس کب سے جوائن کر رہی ہو۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آگیا۔

"ان شاء اللہ دو دن بعد۔"

"اوکے میں تمہارا انتظار کروں گا ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

حبیبہ جواب دے کر آگے کی جانب بڑھ گئی' شاہ زین کچھ دیر تک وہیں کھڑے اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ سامنے والی شاپ میں داخل ہو کر اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

☆ ☆ ☆
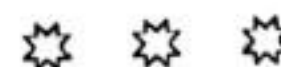
"تمہاری ماں کہاں ہے۔"

اس کے دروازہ کھولتے ہی فاطمہ خالہ نے جلدی جلدی سوال کیا۔

"اندر کمرے میں ہیں۔" وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔
"کون ہے دروازے پر...."
ماں نے کمرے کے دروازے سے باہر جھانکا۔
"بیٹا جلدی آؤ تمہارے لیے کراچی سے فون آیا ہے۔"
فاطمہ خالہ نے پھولی پھولی سانسوں کے درمیان میں کہا وہ بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرے پر پھیلی سرخی کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا۔
"کراچی سے فون...."
دروازے کی ناب پر رکھا ماں کا ہاتھ کپکپا اٹھا۔
"ہاں ہاں جلدی آؤ شاید وہ ہی شخص ہے جسے آفتاب نے فون کیا تھا؟"
اماں نے تار پر پھیلا دوپٹا اتار کر اوڑھا' پاؤں میں چپل پھنسائی۔
"آپ نے نام نہیں پوچھا تھا۔"
"فون آفتاب نے اٹھایا تھا بیٹا میں پوچھنا بھول گئی کہ کون ہے؟"
خالہ نے خفت زدہ ہوتے ہوئے وضاحت کی۔
"دروازے کی کنڈی لگاؤ میں ابھی آتی ہوں۔" اماں نے باہر نکلتے نکلتے اسے ہدایت کی۔
"اماں کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر اسے اندازہ ہوا شاید کچھ بدلنے والا ہے' جانے کیوں اسے یقین تھا اماں کسی ایسے شخص کے رابطہ کی منتظر ہیں جو آتے ہی انہیں اس ٹوٹے ہوئے گھر سے نکال لے جائے گا ماں کے ساتھ ساتھ وہ بھی کسی انجانے شخص کی اس گھر میں آمد کی ہمیشہ سے ہی منتظر تھی جانتی نہ تھی کہ وہ کون تھا اور ماں کا اس سے کیا رشتہ تھا مگر جو بھی تھا ماں کو اس پر یقین بہت تھا یہ بات وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی اب وہ شدت سے منتظر تھی کہ کب ماں واپس آئے اور اسے پتا چلے کہ کیا ہونے والا ہے۔

✡ ✡ ✡

"بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"
اس نے چونک کر ملک صاحب کی طرف دیکھا' وہ کچھ الجھے الجھے سے تھے پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی طرح کمرے میں نہایت خاموشی سے بیٹھے تھے وہ کچھ کہنا چاہتے تھے یہ تو وہ شروع سے ہی جان چکی تھی مگر کیا یہ اسے ابھی تک پتا نہیں چلا تھا۔
"جی انکل بولیں...." وہ مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہو گئی۔
"سکینہ۔" انہوں نے ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے سکینہ کو پکارا۔
"جی صاحب جی۔"
"اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو میرے لیے کافی بنا دو۔"
دو انگلیوں سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے وہ خاصے پریشان دکھائی دیے۔
"اس میں زحمت والی کیا بات ہے صاحب جی ابھی بنا لاتی ہوں۔"
سکینہ جان چکی تھی وہ کمرے میں مکمل تنہائی چاہتے تھے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔
"بیٹا میں تمہارا گناہ گار ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"
سکینہ کے باہر نکلتے ہی ملک صاحب اس کے قریب آ بیٹھے ان کی پیشانی پر پسینہ کے ننھے ننھے قطرے ابھر

آ ئے۔

"انکل آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ سب خیریت تو ہے نا؟" انہیں پریشان دیکھ کر وہ بھی گھبرا اٹھی۔

"بیٹا پہلے مجھ سے وعدہ کرو تم مجھ سے معاف کر دو گی۔"

انہوں نے یک دم ہی اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا میں چاہ کر بھی تمہیں تمہارا حق نہ دلا سکا۔" وہ روہانسے سے ہو گئے۔

"میں نے بہت کوشش کی مگر ایشال۔۔۔"

وہ سانس لینے کے لیے لحہ بھر کو رکے' وہ بے چین سی ہو گئی حالانکہ یہ سب تو شاید وہ شروع سے ہی جانتی تھی مگر ملک صاحب اپنے بیٹے کے سامنے یوں ہار مان جائیں گے اسے یہ امید بالکل نہیں تھی۔

"میرے بہت سمجھانے پر بھی وہ تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت دینے کو تیار نہیں' شرمندگی ان کے لہجہ سے عیاں تھی۔

"وہ اریشہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اریشہ اس کی ماموں کی بیٹی ہے۔"

ملک صاحب بولتے گئے وہ خاموشی سے سنتی گئی اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

"میں سمجھ گیا تھا بیٹا کہ یہ رشتے زبردستی کے نہیں ہوتے' زبردستی ان رشتوں کی خوب صورتی کو ختم کر دیتی ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ہمیشہ کے لیے ایک بدصورت زندگی کا حصہ بن جاؤ میں نے ایشال کی بات صرف تمہارے لیے مان لی اسے اس زبردستی کے بندھن سے آزاد کر دیا۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"میری طرف سے تم بھی آزاد ہو بیٹا جب چاہو ایشال سے خلع لے کر اپنی پسند اور مرضی سے شادی کر لو تمہیں پورا حق ہے اپنی زندگی جینے کا۔"

"مجھے خلع نہیں چاہیے انکل میں اسی طرح خوش ہوں۔"

اسے اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"پاگل ہو تم اس طرح تن تنہا ساری زندگی کس طرح گزارو گی۔"

"گزار لوں گی انکل میں تنہا زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی ہوں۔"

تھکن اس کے لہجہ میں اتر آئی۔

"میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے میری ماں کے حوالے سے بدنام کرے' کوئی یہ کہے کہ جیسی ماں ویسی بیٹی' حالانکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میری ماں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں تھی وہ تو شاید اس کے دل میں پیدا ہونے والا غصہ تھا جسے وقت نے لاوا بنا دیا ایسا لاوا جس میں سب کچھ بہہ گیا۔" وہ رو دی۔

"جو بھی ہے بیٹا میں نے فیصلہ کر لیا ہے ایشال کے پاکستان آتے ہی تمہیں خلع دلوا کر تمہاری اچھی جگہ شادی کر دوں گا کیونکہ یہ بھی ہمارے اللہ کا حکم ہے' جوان بچیاں اس طرح تن تنہا زندگی نہیں گزارتیں اس کی اجازت ہمیں ہمارا دین نہیں دیتا۔

سکینہ۔۔۔"

اپنی بات درمیان میں روک کر انہوں نے سکینہ کو پکارا۔

"جی صاحب جی۔" وہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"میں تمہاری کافی کا منتظر ہوں۔"

"ابھی لائی جی۔" سکینہ الٹے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

"دیکھو بیٹا ہمیشہ یاد رکھو زندگی میں ہمیں وہ ہی ملتا ہے جو ہمارے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے البتہ کئی دفعہ ہمارا یہ نصیب کسی دوسرے راستے سے گھوم کر ہم تک پہنچتا ہے مگر ہم تک آتا ضرور ہے اس لیے دعا کیا کرو کہ تم تک آنے والا تمہارا نصیب اچھا ہو اور تم ہمیشہ خوش رہو۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"آمین۔"

دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں 'ایشال کا ساتھ اب شاید مزید اس کے نصیب میں نہ تھا بنا دیکھے بنا ملے' بنا جانے جوڑا جانے والا رشتہ بالکل ویسے ہی اپنے اختتام کو پہنچ گیا جیسے وہ شروع ہوا تھا شاید یہ ہی زندگی ہے۔

✡ ✡ ✡

"میرا خیال ہے آپ آج رات یہاں ہی رک جائیں صبح چھوڑ آؤں گا۔"

احسان کے منہ سے کوئی تیسری بار یہ جملہ سن کر وہ جھنجلا اٹھی۔

"تمہیں کتنی بار بتاؤں یاسمین آپا رہنے آئی ہیں ایسے میں اگر میں آج رات یہاں رک گئی تو انہیں بہت برا لگے گا اور ویسے بھی اچھا نہیں لگتا گھر آئے مہمان کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔"

"انہیں کمپنی دینے کے لیے فرہاد بھائی ہیں تو سہی اور ویسے بھی جب وہ آپ کے میکے والوں سے مل کر خوش نہیں ہوتے تو آپ ان کے بہن بھائیوں کی اتنی فکر کیوں کرتی ہیں۔"

بالآخر احسان کے دل کی بات لبوں تک آ ہی گئی۔

"بری بات ہے احسان 'ایسی بدگمانی والی باتیں نہیں کرتے جن سے دوسروں کے دل خراب ہوں۔"

اماں بی نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے احسان کو گھرکا۔

"آپ تو جانتی ہیں اماں جی میں سچی بات کیے بنا رہ نہیں سکتا سوری آپا اگر میں نے آپ کا دل دکھایا ہو۔"

جگنو کو گود میں اٹھاتے ہوئے اس نے زینب کے کندھے پر ہاتھ رکھا اسے ویسے بھی اپنی یہ بہن قابل ترس لگتی' اسی سبب فرہاد پر آئے ہوئے غصہ کا اظہار وہ اسی طرح کر دیا کرتا' شاید اس طرح اس کے دل کی بھڑاس کم ہو جایا کرتی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" زینب دھیرے سے مسکرا دی۔

"چلیں آ جائیں میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

جگنو کو گود میں لیے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا' زینب جلدی جلدی سامان سمیٹ کر مریم کو لیے گاڑی میں آن بیٹھی' وہ سارے راستہ دعا کرتی آئی کہ فرہاد کا موڈ ٹھیک ہو کہیں وہ یاسمین آپا کے سامنے بریانی کا ایشو بنا کر بگڑ نہ جائے اسی سوچ میں گم تھی کہ پتا ہی نہ چلا کب گھر آ گیا' احسان کے گاڑی روکتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"اندر تک چھوڑ دوں۔"

اسے سامان اٹھاتا دیکھ کر احسان نے سوال کیا۔

"نہیں رہنے دو میں چلی جاؤں گی' تم جاؤ۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس وقت احسان کا سامنا فرہاد سے ہو۔

"آپ گھنٹی بجائیں دروازہ کھل جائے تو چلا جاؤں گا۔"

"اچھا۔"

اور پھر جانے کتنی بار زینب نے گھر کی اطلاعی گھنٹی بجائی مگر اندر مکمل طور پر خاموشی طاری تھی بظاہر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے فرہاد سو گیا ہو۔

"واپس آجائیں مجھے لگ رہا ہے فرہاد بھائی سو گئے ہیں۔"

احسان کی بات منہ میں ہی رہ گئی یک دم گیٹ کھول کر فرہاد سامنے آگیا' مگر بنا کچھ کہے وہ گیٹ سے ہی واپس پلٹ گیا' زینب اس کے پیچھے ہی جلدی سے اندر داخل ہو گئی' احسان باہر سے ہی واپس چلا گیا۔

اس نے پہلے کچن میں جا کر کھانا رکھا جو وہ فرہاد کے لیے آپا کے گھر سے لائی تھی اور پھر سوئی ہوئی جگنو کو کندھے سے لگائے اندر کمرے میں آگئی تاکہ بستر پر لٹا سکے مگر اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک جھٹکا سا لگا یاسمین آپا بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی فرہاد سے باتیں کر رہی تھیں۔

"مطلب یہ دونوں جاگ رہے تھے پھر بھی دروازہ کھولنے میں اتنی دیر۔" اسے افسوس کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا' قریب ہی ٹیبل پر کھانے کے برتن رکھے تھے جو غالباً" بازار سے آیا تھا۔

"ارے میں تو آپ کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔"

بات شروع کرنے کی خاطر وہ جلدی سے بول اٹھی۔

"کیا ضرورت تھی کھانا لانے کی ہم تو کھا چکے۔" فرہاد کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جانے سے پہلے بریانی بنا جانا مگر تمہارے نزدیک تو شاید میری کسی بات کی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

انداز تلخ' ماتھے پر تیوری مگر لہجہ بالکل دھیما اسے جیسے کوئی نارمل بات کر رہا ہو کبھی کبھی تو زینب کو حیرت ہوتی اتنے غصہ میں بھی فرہاد کا لہجہ اونچا نہ ہوتا' فرہاد کو دیکھ کر تو شاید کوئی اندازہ بھی نہ لگا سکتا ہو گا کہ اسے لڑنا جھگڑنا بھی آتا ہو گا۔

"بس قسمت کی بات ہے' ہم جیسوں کو دیکھو گھر میں کوئی سسرالی عزیز آجائے تو کیا مجال ہے' جو گھر چھوڑ کر کہیں جائیں پانچ پانچ نندیں بھگتاتی ہوں کبھی مل کر دیکھنا سب بھابھی بھابھی کی گردان کرتی ملیں گی جب آتی ہیں ایسی آؤ بھگت اور چاہت کرتی ہوں کہ انہیں اپنی ماں کی یاد بھی نہیں آتی پھر بھی دیکھ لو کوئی قدر نہیں۔"

آپا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"میں نے تو آج تک کبھی اس سے کوئی فرمائش نہیں کی جو ملا صبر شکر کر کے کھا لیا' بس آج غلطی سے بریانی کا کہہ دیا اگر جانتا تو وہ بھی نہ کہتا۔"

وہ کٹہرے میں کھڑی تھی۔ دونوں فریقین اپنی اپنی بولے جا رہے تھے اس کا دل نہ چاہا کسی بھی بات کا جواب دے جگنو کو بستر پر لٹا کر مریم کے کپڑے تبدیل کر دیے' آپا وہیں بستر پر بیٹھی کینو چھیل چھیل کر کھا رہی تھیں' زینب نے خاموشی سے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور باہر رکھے صوفہ پر جا کر لیٹ گئی۔

"وقت انسان کو ایک موقع ضرور دیتا ہے اپنی تقدیر بدلنے کا۔"

ہاں یہ سالار ہی کی آواز تھی' وہ چونک اٹھی چاروں طرف دیکھا کوئی نہ تھا اس نے آنکھیں موند لیں' سالار اپنے پورے وجود سمیت اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کتنا کہا تھا زینب اس بے فیض شخص کو چھوڑ دو یہ کبھی تمہاری قدر نہیں کر سکتا مگر تم نے میری بات نہ مانی۔ وہ ابھی بھی ناراض تھا۔" زینب بے چین ہو اٹھی۔ جھٹ سے آنکھیں کھول دیں' آنکھیں کھولتے ہی سالار اس سے دور ہو گیا وہ اٹھ بیٹھی دل چاہا زور زور سے روئے اپنی اس خواہش کو اس نے بمشکل قابو کیا۔

"جانے نازیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

سالار کا خیال آتے ہی اسے نازیہ بھی یاد آگئی پچھلے کئی ماہ سے اس کی کوئی خیر خبر نہ ملی تھی۔
"فضا بھابھی کو ضرور پتا ہو گا۔ اب جس دن ملی ان سے ضرور پوچھوں گی" اپنے دماغ کو دوسری سمت لگاتے ہی وہ خاصی ریلیکس ہو گئی۔
کچھ دیر قبل والی ذہنی کوفت خود بخود کم ہو گئی' وہ دوبارہ سے صوفے پر لیٹ گئی اسے بہت نیند آرہی تھی مریم نے بھی صبح اسکول جانا تھا اسی لیے وہ وہیں لیٹے لیٹے سو گئی یہ جانے بنا کہ کب یاسمین اٹھیں اور دوسرے کمرے میں جا کر سوئیں فرہاد نے بھی اسے نہ جگایا صبح چھ بجے الارم کی آواز سے اس کی جو آنکھ کھلی تو خود کو صوفے پر پا کر ایک دم رات والی ساری بات یاد آگئی۔ جس کے ساتھ ہی اس کا دل فرہاد کے خلاف بھر گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ کب سے فون کے سامنے بیٹھی اسے ہی گھورے جا رہی تھیں جو ایسے خاموش ہوا تھا جیسے دوبارہ کبھی بولے گا ہی نہیں' ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی جانتی تھیں سوائے ایک شخص کے اس نمبر پر کسی کا فون نہیں آسکتا پھر بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان تھیں کہ جانے کون تھا؟ انہیں مسلسل بے چینی کے عالم میں انگلیاں چٹخاتے دیکھ کر شبانہ سے نہ رہا گیا۔
"آپ اتنا پریشان مت ہوں ان شاءاللہ ابھی فون آجائے گا۔"
"تم ایک دفعہ چیک تو کرو کہیں یہ فون ہی خراب نہ ہو گیا ہو اور میں ویسے ہی انتظار کرتی رہ جاؤں۔"
"نہیں فون تو بالکل ٹھیک ہے۔"
شبانہ نے ریسیور کان سے لگا کر چیک کرتے ہوئے اطلاع دی۔
"تم نے نام پوچھا تھا کون تھا؟" دل تصدیق چاہ رہا تھا۔
"آفتاب سے بات ہوئی تھی آپ یہ چائے لیں میں ابھی ان سے پوچھ کر آپ کو بتاتی ہوں۔"
شبانہ اندر کمرے کی جانب چل دی' خالہ تسبیح ہاتھ میں لیے وہیں کمرے میں بچھے تخت پر آن بیٹھیں' جب آفتاب کمرے سے باہر آیا۔
"میں نے نام تو نہیں پوچھا البتہ اتنا پتا ہے دوسری طرف کوئی خاتون تھیں جو آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔"
"خاتون..." انہوں نے بے یقینی کے عالم میں دہرایا۔
آفتاب کی طرف سے دی جانے والی یہ اطلاع ان کے لیے خاصی غیر متوقع تھی۔
"تم نے صحیح طرح سنا تھا کہ انہوں نے میرا ہی نام لیا تھا۔"
ضرور فون کسی اور کے لیے تھا' پہلی سوچ ان کے دماغ میں یہ ہی آئی۔
"جی آپا انہوں نے آپ کا نام لے کر کہا تھا کہ "آپ سے بات کروا دی جائے اور یہ بھی کہ میں کراچی سے بات کر رہی ہوں۔"
"اچھا..."
کسی خیال میں گم انہوں نے چائے کا ٹھنڈا یخ کپ لبوں سے لگا لیا اور ساری چائے کا ٹھنڈا یخ کپ لبوں سے لگا لیا اور ساری چائے ایک ہی سانس میں پی گئیں۔
"اچھا میں چلتی ہوں اب فون آئے تو نام ضرور پوچھ لینا۔" کپ واپس ٹرے میں رکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"جی اب تو میں نام پوچھ کر ہی آپ کو بلواؤں گی۔"

شبانہ نے انہیں یقین دہانی کرائی اور وہ بیرونی دروازے کا پردہ ہٹا کر اپنے گھر جانے والے رستہ پر چل دیں، یہاں آتے ہوئے ان کے قدموں میں جو روانی اور چستی تھی وہ کہیں کھو گئی تھی اب تو صرف ایک تھکن تھی جس نے ان کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آئی اس نے دیکھا اور فتح کر لیا حبیبہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا وہ شاہ زین کے حواسوں پر بری طرح سوار ہو چکی تھی کئی بار تو اسے ایسا محسوس ہوتا کہ اگر اس کی زندگی سے حبیبہ کو نکال دیا جائے تو شاید کچھ بھی باقی نہ بچے گا وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ ان کے آفس میں جاب کرتی ہے شاید وہ بہترین انٹیریر ڈیزائنر ہونے کے ساتھ ساتھ بیچلر ان بزنس کی ڈگری بھی رکھتی تھی خوب صورت، پروقار اور با اعتماد لڑکی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت ہی قابل، فرض شناس اور ذمہ دار ورکر بن گئی مگر یہ وہ تمام خوبیاں نہیں تھیں جن کے سہارے زندگی کے اتنے بڑے فیصلے ہو سکتے ان فیصلوں کے لیے تو اس کا فیملی بیک گراؤنڈ اہمیت رکھتا تھا۔

وہ کون تھی یا کس کی بیٹی تھی؟ یہ وہ سوال تھے جن کا جواب جانے بنا وہ اپنی مما سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا وہ کسی اپر کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھی یا لوئر کلاس گھرانے سے اس کا تعلق تھا شاہ زین کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا صرف اپنے مما، پاپا کو حبیبہ کے گھر والوں سے ملوانا ضروری اور رسمی تھا جس کے لیے پہلے حبیبہ سے بات کرنی لازمی تھی اور آج اتنے ماہ گزر جانے کے بعد بھی وہ خود میں اتنی ہمت نہ پا رہا تھا کہ حبیبہ سے یہ سب پوچھ سکتا بہر حال اب جو بھی تھا اسے کوئی فیصلہ کرنا تھا، اسے جلد ہی حبیبہ سے بات کرنی تھی مبادا کہیں کوئی اور درمیان میں آ کر اس معاملے کو خراب نہ کرے۔

یہ سب سوچتے ہوئے شاہ زین نے اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کو آن کر دیا جس کی اسکرین پر بالکل سامنے حبیبہ کی بڑی سی تصویر جگمگا رہی تھی، وہ خود بخود مسکرا دیا لیپ ٹاپ اپنے قریب کرتا ہوا وہ اس کے حسن میں اتنا محو ہوا کہ آس پاس سب کچھ فراموش کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"ارے تو کیا سالار نے تمہیں اتنے ماہ میں ایک بار بھی فون نہیں کیا مطلب یہ کہ اس نے تمہیں نازیہ کے آپریشن کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

فضہ بھابھی نے حیرت سے اس کا بھرپور جائزہ لیا، جواباً وہ خاموش رہی اس بات کا وہ کیا جواب دیتی۔

"بہر حال اب تو وہ خاصی بہتر ہے اور صباحت بتا رہی تھی کہ شاید ایک دو ماہ میں سالار یہاں آئے گا اپنی تمام پراپرٹی بیچنے وہ دبئی شفٹ ہو رہا ہے۔" انہوں نے ایک نیا انکشاف کیا۔

"اچھا....."

اس سے زیادہ اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا فضہ بھابھی نے ایک نظر اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی ٹھیک ہوں آپ کے پاس اگر نازیہ کا کوئی نمبر ہو تو دے دیں میں فون کر کے اسے صحت یابی کی مبارک باد ہی دے دوں۔"

میرے پاس تو نہیں ہے البتہ اسفند کے پاس سالار کا نمبر ضرور ہو گا اگر مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ تم ایسا کرنا صباحت سے کہنا وہ دے دے گی۔"

"جی ٹھیک ہے میں صباحت بھابھی سے ہی لے لوں گی۔"

پچھتاوے نے اسے ایک بار پھر گھیر لیا اسے محسوس ہوا جیسے اب وہ کبھی سالار کو نہ دیکھ سکے گی وہ اس سے کبھی نہیں ملے گا کاش اس نے سالار کی بات مان لی ہوتی۔

"اماں مجھے کھانا دو۔"

جگنو نے اس کا دوپٹا کھینچ کر اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ یکدم چونک اٹھی بیٹی کے چہرے پر پڑنے والی نظر نے اسے اندر تک آسودہ کر دیا ہلکا سا پچھتاوا جو دل میں جگہ بنانے چلا تھا یکدم ہی اڑن چھو ہو گیا۔

"آپ بیٹھیں بھابھی میں اسے کھانے کے لیے کچھ دوں۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بس میں بھی اب چلوں گی پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"

اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اللہ حافظ میری صباحت سے بات ہوئی تو تمہیں نازیہ کا نمبر لے دوں گی۔"

زینب سے ملنے کے بعد وہ گھر کی دہلیز پار کر گئیں اور وہ جلدی سے کچن میں آ گئی تاکہ جگنو کے لیے کچھ ایسا تیار کرے جسے کھا کر وہ خوش ہو جائے اس کے دل میں سوائے جگنو کی محبت کے کوئی دوسرا خیال باقی نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنی آنکھ کے آنسوؤں کا قطرہ قطرہ بہا دینا چاہتی تھی اسے جتنا رونا تھا بس آج ہی رو لینا تھا آج کے بعد کبھی نہیں ایشال کے تصور کے ساتھ اس کی کوئی یاد وابستہ نہ تھی ماسوائے اس رشتے کے جوان دو اجنبی اور انجان لوگوں کے درمیان چھوڑ دیا گیا تھا اس نے اتنے سالوں میں کبھی ایشال کی کوئی تصویر بھی نہ دیکھی تھی صرف ایشال کا ہلکا سادہ سراپا جو اس شام کے حوالے سے اس کے ذہن میں موجود تھا آج وہ بھی کھرچ کر نکال دیا۔

وہ ایشال نامی شخص کو بھول جانا چاہتی تھی جس نے اس کی کوئی قدر نہیں کی کاش وہ ایک کزن ہونے کے ناطے ہی زندگی میں ایک بار اس سے آکر ملتا تو سہی، اسے اپنی اور اریشہ کی محبت سے آگاہ کرتا تو وہ یقیناً" اس کا ضرور ساتھ دیتی خود ملک انکل سے اس کی سفارش کرتی مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جسے ایشال کے نزدیک وہ ایک کم تر درجے کی حیثیت رکھتی تھی شاید اپنی ماں کی طرح وہ بھی اس سے صرف اس لیے نفرت کرتا تھا کہ ان کے نزدیک اس کی ماں ایک بدکردار عورت تھی وقت نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ۔

"عورت ایک حسین شیشے کا مجسمہ ہوتی ہے جس پر پڑنے والے پتھر سے آنے والی معمولی سی دراڑ اسے وہ بدصورتی عطا کر دیتی ہے جو تاعمر ختم نہیں ہوتی حتی کہ وہ عورت ختم ہو جاتی ہے۔"

اسے اپنے آپ کو بہت سنبھال کر چلنا تھا تاکہ دنیا کو بتا سکے کہ اس کی تربیت کرنے والی عورت دنیا کی عظیم ترین عورتوں میں سے ایک تھی ہاں اسے اپنی ماں پر فخر تھا وہ ساری زندگی ایشال کے نام پر صرف اس لیے گزار دینا چاہتی تھی کہ اپنی ماں کے دامن پر لگا ماضی کا داغ دھو سکے اسے امید تھی کہ وہ اس عمل میں ضرور کامیاب ہو گی اور جلد ہی دنیا پر ثابت کر دے گی کہ اس کی ماں اتنی گناہ گار نہ تھی جتنا لوگوں نے اسے بدنام کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"ارے ارے دیکھ کر گر جاؤ گی۔"

اس سے قبل کہ وہ سیڑھیوں سے پھسل جاتی شاہ زین نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

"جن کے ساتھ تمہارے جیسے مخلص دوست ہوں وہ لوگ کبھی پھسل کر نہیں گرتے۔"

"تھینک گاڈ تم نے مجھے اپنا دوست تو مانا۔" وہ شرارتاً ہنس دی۔

شاہ زین نے اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔

"دوست مانتی ہوں اسی لیے تو آج تم نے مجھے گرنے سے بچانے کی ہمت کی ورنہ ایک انجان لڑکی کو اس طرح سنبھالنے سے قبل کتنی بار سوچنا پڑتا کہ کہیں اگلی بندی غلط ہی نہ سمجھ لے۔" وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھی۔

"ہاں یہ بھی درست ہے۔" وہ فوراً" ہی مان گیا۔

"ویسے تم اس وقت جا کہاں رہی ہو؟"

شاہ زین اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے اس کے ساتھ ہی چلنے لگا۔

"یونیورسٹی' دراصل آج میری کلاس دو بجے تھی اس لیے میں نے سر سے کل ہی ہاف لیو لے لی تھی۔"

"میں اسی طرف جا رہا ہوں' آجاؤ تمہیں بھی چھوڑ دوں۔" شاہ زین کی آفر بری نہ تھی۔

"شیور اگر زحمت نہ ہو تو۔"

اپنے سلکی بالوں کو اس نے اک ادا سے پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے کسی کام سے مجھے زحمت کبھی نہیں ہو سکتی۔"

شاہ زین نے رک کر اس کے خوب صورت چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"بلکہ مجھے تو اس وقت بہت اچھا لگتا ہے جب میں تمہارا کوئی کام کروں۔"

"اچھا پھر تو مجھے اپنے سارے کام تم سے ہی کروانے چاہئیں۔"

حبیبہ ہنس دی' مدھر گھنٹیوں کی آواز جن کا سحر ہمیشہ سے شاہ زین کو اپنی گرفت میں لے لیا کرتا تھا' وہ بنا جواب دیے چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا دیگر باتوں کی طرح اسے ہمیشہ حبیبہ کی سنگت بھی بہت اچھی لگتی تھی۔

☼ ☼ ☼

سالار جیسے ہی گھر میں داخل ہوا' چاروں طرف پھیلی خاموشی سے یک دم ہی ہول اٹھا جلدی سے آگے بڑھا' ناب گھما کر اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولا' چاروں طرف گھپ اندھیرا طاری تھا' دروازے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر لائٹ آن کی' سفید روشنی ہر طرف پھیل گئی۔

"نازیہ... نازیہ۔"

آگے بڑھ کر اس نے نازیہ کے منہ سے کمبل ہٹایا۔

"ارے آپ کب آئے۔"

گہری نیند سے بے دار ہونے کے باوجود' اسے اپنے سامنے دیکھ کر نازیہ کے چہرے پر ایک سکون سا چھا گیا۔ وہ کہنیاں بیڈ سے ٹکا کر اٹھ بیٹھی۔

"ابھی ابھی آیا ہوں۔" سالار نے اس کے پیچھے رکھا تکیہ درست کیا۔

"مالتی کہاں ہے؟"

مالتی نازیہ کی نرس کا نام تھا۔

"آج اس کے بچے کی طبیعت خراب تھی بس ابھی کچھ دیر قبل ہی نکلی ہے گھر جانے کے لیے' میں نے خود اسے چھٹی دی ہے۔"

میرے آنے کے بعد چھٹی دے دیتیں' جانتی ہو ابھی جب میں گھر آیا تو ہر طرف پھیلے سناٹے سے میرا دل ہول اٹھا تھا اتنی خاموشی جیسے گھر نہیں کوئی قبرستان ہو' کم از کم ٹی وی ہی چلا کر رکھا کرو اس کی آواز سے بھی گھر میں زندگی محسوس ہونے لگتی ہے۔"

نازیہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی گئی۔ جہاں ایک عجیب سا تاثر پھیلا ہوا تھا بے بسی اور تنہائی کی کیفیت نے سالار کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا یا شاید نازیہ کو ایسا محسوس ہوا۔

"تم نے مالتی سے کہنا تھا کل جب آئے اپنے بچے کو بھی ساتھ ہی لے آئے 'یہاں کون ہے۔ جس نے اسے تنگ کرنا ہے۔"

سالار نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا الماری سے اپنے کپڑے نکالے 'باتھ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ نازیہ نے آواز دے کر روک لیا۔

"سالار مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

سالار جواب دے کر واش روم کی طرف بڑھ گیا وہ جو کہہ رہا تھا سب سچ تھا 'گھر میں پھیلی خاموشی اب نازیہ کو بھی ڈسنے لگی تھی پاکستان میں کم از کم یہ سہولت تو تھی کہ بروقت کوئی نہ کوئی آیا رہتا مگر یہاں تو سوائے ویک اینڈ کے کبھی کوئی نہ آتا تھا 'نازیہ کی والدہ ایک ہفتہ ان کے گھر رہ کر واپس گئی تھیں 'ان کا گھر نازیہ کے اپارٹمنٹ سے تقریباً" ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا لہٰذا اب اگلے ہفتہ سے قبل ان کا آنا ناممکن تھا ایسے میں سارا دن گھر میں اکیلے رہنا نازیہ کو بھی مزید بیمار کر رہا تھا وہ پاکستان واپس جانا چاہتی تھی جو فی الحال ناممکن تھا 'کیونکہ ابھی اس کا علاج جاری تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم۔" سالار نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنائے اور نازیہ کے قریب آن بیٹھا جو جانے کن خیالوں میں گم تھی۔

"نازیہ....."

اس نے نازیہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

آں ہاں وہ بری طرح چونکی۔

"تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"ایک بات کہوں سالار ناراض مت ہونا۔"

"ہاں بولو کیا کہنا ہے۔"

"سالار تم جانتے ہو نا مجھے شروع سے بچے بہت اچھے لگتے ہیں 'میں نے جب بھی تم سے یہ بات کی تم نے ہمیشہ مجھے جھٹلا دیا اور کہا کہ تمہیں کبھی یہ کمی محسوس نہیں ہوئی میں صحیح کہہ رہی ہوں نا سالار۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکی 'سالار خاموشی سے سب سن رہا تھا۔

"ہاں....." وہ دھیرے سے بولا۔

"لیکن سالار اب مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے تم بھی گھر کی اس تنہائی سے تھک گئے ہو۔"

سالار ابھی بھی خاموش رہا جانے کیوں وہ آج نازیہ کی کسی بھی بات کو جھٹلانا نہ چاہتا تھا۔

"اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ دوسری شادی کر لو۔" وہ بے بسی سے بولی 'نمی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"تمہارے سوا کسی دوسری عورت کا ساتھ میرا مقدر نہیں۔"

دل و دماغ پر چھائے زینب کے تصور کو جھٹکتے ہوئے اس نے نازیہ کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

"میں اس گھر کی تنہائی میں تمہارے ساتھ خوش ہوں۔" چاہ کر بھی وہ اپنے لہجہ میں سچائی پیدا نہ کر سکا۔

"لیکن میں خوش نہیں ہوئی سالار۔" نازیہ روہانسی ہو گئی۔

"مجھے ایک بچہ لا دو سالار کسی سے بھی مانگ کر۔"

"مانگ کر۔"

نازیہ کے الفاظ سالار کو حیران کر گئے۔

"ہاں سالار مجھے بچہ چاہیے مجھے ایک بچہ ایڈاپٹ کرنا ہے' بس سالار اب میں اس طرح زندگی نہیں گزار سکتی دنیا میں کئی لوگ ہمارے جیسے ہیں جن کی اپنی اولاد نہیں ہوتی مگر وہ دوسروں کے بچوں کو اپنا کر اپنی زندگی کو رنگین بنا لیتے ہیں تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔"

سالار کی خاموشی محسوس کر کے وہ ذرا سا رک گئی۔

"اس لیے بہتر ہے سالار ہم بھی ایک بچہ ایڈاپٹ کر لیں اور پھر اپنی زندگی اس کے سہارے گزار دیں یقین جانو بچہ کسی کا بھی ہو اپنا سمجھ کر پالو تو اپنا ہی ہو جاتا ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ہمیں یہاں اس پردیس میں کون اپنا بچہ دے گا ہمارے تمام بہن بھائیوں کے بچے تو اچھے خاصے ہوش مند ہیں ہر کوشش کے باوجود وہ ہمیں کبھی اپنے ماں باپ کا درجہ نہیں دے سکیں گے۔"

سالار نے اسے سمجھایا تاکہ وہ اس جذباتی کیفیت سے باہر نکل سکے' جس میں کچھ دیر قبل تک سالار بھی کھویا ہوا تھا۔

"ویسے بھی لے پالک بچوں کی ولدیت کو تبدیل کرنا قرآن کی رو سے ناجائز ہے ایسے میں ہم کس طرح کوئی بچہ پال سکتے ہیں۔"

"ایک بات کہوں سالار۔" وہ سالار کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو یار اب کیا کہنا ہے۔"

"تم پاکستان جا رہے ہو نا۔"

"ارادہ تو ہے تاکہ کاروبار دبئی شفٹ کر سکوں۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے تم وہاں جانے سے قبل میری زینب سے بات کروا دو۔"

"کیوں خیریت آج تمہیں زینب کیسے یاد آگئی۔"

"میں اسے کہوں گی وہ ہمیں اپنی جگنو دے دے اور وہ مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔" سالار اس کی بچکانہ بات سن کر ہنس دیا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہارے کہنے پر وہ تمہیں اپنی بیٹی دے دے گی ان بچیوں کے لیے تو وہ فرہاد جیسے شخص کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہے ورنہ جانے کب کا اسے چھوڑ چکی ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے وہ میری بات کبھی نہیں ٹالے گی۔" نازیہ بضد ہو گئی۔

"پہلی بات تو یہ کہ بچی صرف زینب کی نہیں ہے اور فرہاد بھی کبھی اپنی بیٹی اس طرح ہمیں نہیں دے گا بالفرض اگر اس نے دے بھی دی تو سوچو وہ تین' چار سالہ بچی جو ایک پل کے لیے بھی اپنی ماں کو خود سے دور نہیں ہونے دیتی یہاں آکر کس طرح رہ پائے گی۔"

اس نے نازیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔

وہ خاموش ہو گئی۔

"چلو تھوڑی سی ہمت کرو آج کھانا باہر کھاتے ہیں۔"

سالار قریب رکھی وہیل چیئر گھسیٹ لایا' فی الحال نازیہ زیادہ دیر تک چل نہیں سکتی تھی۔ ان کے اپارٹمنٹ سے کچھ دور مین روڈ پر ایک پاکستانی ریسٹورینٹ تھا جہاں وہ دونوں اکثر کھانا کھانے جایا کرتے' ریسٹورینٹ چونکہ واکنگ ڈسٹینٹ پر تھا للذا سالار نازیہ کو وہیل چیئر پر ہی اپنے ساتھ لے جایا کرتا۔

"تم وہیل چیئر ہٹا دو میں آج پیدل ہی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" وہ آہستہ آہستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
جب تک ڈاکٹر تمہیں واک کرنے کی اجازت نہیں دیتے تمہیں اس وہیل چیئر پر ہی سفر کرنا ہوگا لہٰذا بیٹھ جاؤ۔"
سالار نے آفس کا پیدل چلنے والا آئیڈیا قطعی رد کر دیا نازیہ نے خاموشی سے کھڑے ہو کر شیشے میں اپنا مکمل جائزہ لیا' سر کے بال درست کیے اور سالار کے قریب آن کھڑی ہوئی۔
"چلو تم وہیل چیئر لے لو جتنا میں چل سکی بنا تھکے چل لوں گی جب تھک گئی تو تم میرا بوجھ اٹھا لینا۔"
او کے۔
سالار مان گیا' دونوں آہستہ آہستہ چلتے لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں ایک بات بتاؤں۔"
ارم اسکول میں اس کے ڈیسک پر بیٹھتے ہوئے نہایت ہی رازدارانہ انداز میں بولی اس کی آواز اور لہجہ دونوں ہی اس قدر مدھم تھے کہ سوائے اس کے کوئی دوسرا نہ سن سکتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔
"خیریت تو ہے کیا ہو گیا۔" ارم کے انداز گفتگو نے اسے تھوڑا سا پریشان کر دیا۔
"پہلے وعدہ کرو تم کسی کو بتاؤ گی نہیں۔"
"جلدی بتاؤ ارم کیا ہو گا کیوں اس قدر سسپنس پھیلا رہی ہو۔"
وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ ایسا کیا ہو گیا جو ارم اس قدر پریشان ہے۔
"ارم نے یہاں وہاں دیکھا کہیں کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں۔"
"بی سیکشن کی روما کو جانتی ہو نا روما وحید صائمہ آنٹی کی بیٹی۔" اس نے ارم کی جانب دیکھا۔
"ارے وہ ہی صائمہ آنٹی جن کے کپڑے تمہاری امی سیتی ہیں۔"
"ہاں ہاں میں روما کو جانتی ہوں تم آگے بتاؤ ایسا کیا ہو گیا جو تم اتنی دیر سے مسلسل سسپنس پھیلا رہی ہو۔" وہ جھنجلا اٹھی۔
"یار وہ کل شام سے غائب ہے۔" ارم مزید اس کے قریب ہو گئی۔
"غائب ہے....." اس نے حیرت سے دہرایا۔
"میں تمہاری بات نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"
"یار روما کل چار بجے ٹیوشن پڑھنے گئی اور پھر واپس نہیں آئی' آنٹی آٹھ بجے کے قریب مجھ سے پوچھنے آئی تھیں کیونکہ وہ میری ہی اکیڈمی آتی ہے ٹیوشن پڑھنے۔"
"اچھا پھر۔"
"پھر یہ کہ میں نے تو اسے کل دیکھا ہی نہیں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ کل اکیڈمی آئی ہی نہیں۔"
"پھر کہاں گئی؟" ارم کی وضاحت نے اسے حیران کر دیا۔
"یہ ہی تو نہیں پتا آنٹی اور انکل اس قدر پریشان ہیں کہ کیا بتاؤں رات میں امی کے ساتھ گئی تھی تو انکل نے منع کیا کہ فی الحال ہم روما کی گم شدگی سے متعلق محلے میں کسی سے ذکر نہ کریں۔"
"ہو سکتا ہے وہ کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے کسی رشتہ دار کے گھر چلی گئی ہو تاکہ اس طرح اپنی ماں کو پریشان کر سکے۔"

"نہیں اگر ایسا ہوتا تو اس کے گھر والے اتنے پریشان نہ ہوتے ویسے بھی انہوں نے رات تک اپنے تمام رشتے داروں کے گھر تو یقیناً" دیکھ ہی لیا ہوگا۔"

ارم کی بات خاصی حد تک درست تھی۔

"تو پھر تمہارے خیال میں وہ کہاں گئی۔"

روما کی اس طرح گم شدگی نے اسے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا۔

"تم شوکے کے دوست رضا کو جانتی ہو۔"

"نہیں میں سوائے اس منحوس انسان کے اور کسی کو نہیں جانتی۔"

"تم نے اسے دیکھا ضرور ہوگا' سوکھا لمبا سا' اکثر ہی شوکے کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"اس کی روما سے دوستی تھی وہ ہماری اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھنے بھی آتا تھا میں نے وہاں بھی ایک دوبار دیکھا روما کو اس سے بات کرتے ہوئے تو مجھے خاصی حیرت ہوتی پھر میں نے روما کو ڈھکے چھپے لفظوں میں منع بھی کیا کہ وہ اس لڑکے سے دور رہے تو اچھا ہوگا مگر میری یہ بات اس نے سن کر اڑا دی۔"

دیگر باتوں کی طرح یہ بھی اس کے لیے ایک نیا انکشاف تھا۔

"اور جب میں نے اگلے دن ان دونوں کو پھر اکٹھے دیکھا تو خاموش ہوگئی اور دوبارہ روما سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی۔"

"اوہ تو تمہارے خیال میں..." اپنی بات اس نے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں یقیناً" روما کی گم شدگی میں اسی خبیث کا ہاتھ ہے۔"

"تو یہ بات تم صائمہ آنٹی کو بتا دو۔"

"نہیں مجھے امی نے سختی سے منع کیا ہے تم تو شوکے اور اس کے دوستوں کی بدمعاشی سے واقف ہو۔" ارم یک دم خوف زدہ ہوگئی۔

"ایسا نہ ہو کہ بلاوجہ مجھے نقصان پہنچائیں۔"

"چلو اللہ کرے وہ خیر خیریت سے اپنے گھر آجائے۔"

دونوں نے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کی۔ جس کی قبولیت کی گھڑی شاید گزر چکی تھی' اسی شام دو گلیاں آگے موجود ایک باڑے سے ملنے والی کسی لڑکی کی تشدد زدہ لاش نے پورے محلے میں تہلکہ مچا دیا بنا جانے ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ لاش یقیناً" روما کی ہے' جو کل شام سے غائب تھی' رات تک اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی روما کی اس طرح کی موت نے پورے محلے میں ایک کہرام برپا کر دیا اس واقعہ کے خوف نے پورے محلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جانے کیوں اسے اور ارم کو ایسا لگتا جیسے روما کے ہولناک قتل میں شوکا اور اس کا دوست رضا ملوث ہیں مگر یہ ایک ایسی بات تھی جو وہ کبھی کسی سے کہہ نہ سکتی تھیں ارم تو ذہنی طور پر اس قدر اپ سیٹ ہوئی کہ اگلے کئی دنوں تک اسکول بھی نہ آئی' کبھی کبھی اس کا دل چاہتا وہ آنٹی صائمہ کو روما اور رضا کی دوستی سے آگاہ کر دے مگر وہ خود شوکے سے اتنا ڈرتی تھی کہ شاید مرتے دم تک یہ بات منہ سے نہ نکال پاتی۔

کبھی کبھی اسے ایسا بھی لگتا جیسے ارم اور اس کے علاوہ اماں کو بھی شوکے پر شک ہے اس نے کئی بار اپنی ماں کی آنکھوں میں جھانکتی خوف کی پرچھائیاں صاف محسوس کیں ماں اسے اسکول خود چھوڑنے جانے لگی تھیں اور جب وہ اسکول سے واپس آتی تو اماں دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ملتیں اسے ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو ماں گلی کی نکڑ تک آجاتیں یہ تمام باتیں اتنا سمجھانے کے لیے کافی تھیں کہ اماں شوکت اور اس کے دوستوں سے ڈر گئی ہیں اور

ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کا یہ خوف بڑھتا ہی جا رہا تھا جس کا اندازہ اسے بخوبی ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ جگنو کتنے سال کی ہو گئی ہے۔"

یاسمین آپا نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اک نظر جگنو پر ڈالی جو قریب ہی بیٹھی اپنے کھیل میں مگن تھی بظاہر ان کا انداز خاصا سرسری سا تھا۔

"اگلے ماہ کی پندرہ کو پورے چار سال کی ہو جائے گی سوچ رہی ہوں اسے بھی اسکول داخل کروا دوں۔" زینب نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"تو تم کیا کوئی دوائی وغیرہ لے رہی ہو یا کوئی اور مسئلہ ہے۔"

"کس بات کی دوا۔" زینب ان کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچ پائی۔

"بیٹی والی ماں کو تو بڑی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی بیٹے کی نعمت سے بھی نوازے۔"

وہ تمہید باندھتے ہوئے بولیں۔

"مگر تم تو شاید دو بیٹیوں پر ہی قناعت کیے بیٹھی ہو ورنہ اب تک تو ایک بیٹا ہو جانا چاہیے تھا۔" اب وہ کھل کر اپنے مدعا کی جانب آ گئیں۔

"بیٹی ہو یا بیٹا یہ تو اللہ کی جانب سے ہے ضروری نہیں کہ تیسری دفعہ مجھے بیٹا ہی ہو۔"

اپنی ذاتیات میں آپا کی اس قدر دخل اندازی اسے ذرا نہ بھائی۔

"ویسے بھی یہ قطعی طور پر میرا اپنا ذاتی مسئلہ ہے اور مجھے نہیں اچھا لگتا کوئی بلاوجہ اس مسئلے کی ٹوہ لے۔" ہلکا سا غصہ اس کے لہجہ میں در آیا۔

"ایک تو تم ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی ہو اور پھر یہ بھی بھول جاتی ہو کہ بات کس سے کر رہی ہو۔" آپا کو زینب کا جواب دینا بالکل پسند نہ آیا۔

"اب صباحت ہی کو لے لو پہلے بھی ماشاءاللہ دو بیٹے ہیں اور پھر سے اگلے ماہ وہ ایک بار پھر ماں کے عہدے پر فائز ہونے والی ہے۔"

"ضروری تو نہیں جو کام وہ کریں وہ مجھ پر بھی فرض ہو جائے۔" وہ تلخ ہو گئی۔

کچھ دن قبل والا غصہ شاید ابھی بھی زینب کے دل میں کہیں موجود تھا ورنہ عام طور پر وہ کبھی اس طرح بات نہ کیا کرتی تھی۔

"میں نے تو ایسے ہی سرسری ساذکر کیا تھا تم نے جانے کیوں اتنا غصے میں آ گئی بس ایک دلی خواہش تھی کہ جیسے دوسرے دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دیے ہیں فرہاد کو بھی اس نعمت سے نوازے اور اس میں کوئی ایسی برائی والی بات نہ تھی کہ تم مجھے اس قدر لتاڑنے لگو۔"

وہ برا مناتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں سامان پیک کر رہی ہوں تم بھابھی کو فون کر دو وہ ڈرائیور بھیج دیں مجھے ان کے گھر واپس جانا ہے۔ چار دن نند کو برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔" ان کی شکل دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کس قدر غصہ میں ہیں، زینب کو تاسف نے آ گھیرا۔

"کیا ضرورت تھی بلاوجہ ان سے اتنی بحث کرنے کی اب پتا نہیں اس ساری گفتگو کو فرہاد کے سامنے کس طرح پیش کریں چلو اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

دل ہی دل میں یہ سب سوچتی وہ فون کی جانب بڑھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
سالگرہ نمبر
ندا حسنین
سرپرائز

عموماً" شادی شدہ جوڑوں کے کمروں میں ان کی شادی کی تصاویر دیواروں پر بھی ہوتی ہیں مگر یہاں معاملہ بالکل الگ تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے جس تصویر کو اپنے کمرے کی دیوار کی زینت بنایا ہوا تھا وہ ایک بالکل مختلف تصویر تھی اور جب جب وہ دونوں میاں بیوی اس تصویر کو دیکھتے "اس تصویر کے پس منظر میں چھپا وہ قصہ اپنی تمام تر یادوں کے ساتھ ان کی نظروں میں گھوم جاتا۔ ٹھیک اس پل جب اس حسین لمحے کو کیمرے کی آنکھ میں مقید کیا گیا تھا! تب انہوں نے ایک دوسرے سے ایک وعدہ بھی کیا تھا اور وہ وعدہ آج بھی وہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی آنکھوں میں شرارت سے جھانکتے ہوئے دہراتے ہیں۔

آفس میں آج کل اس کی مصروفیات اپنے عروج پر تھیں۔ اگلے دو دن تک اس نے اپنا پروجیکٹ لازمی طور پر مکمل کرکے پروجیکٹ ہیڈ ڈپارٹمنٹ تک پہنچانا تھا اور اسی سلسلے میں آج کل وہ آفس میں ہی رات گئے تک قیام کر رہا تھا۔ اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں جبکہ ہاتھ تیزی سے کی پیڈ پر چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ گاہے بگاہے وہ میز پر رکھی پیپر شیٹس پر وقتاً" فوقتاً" کچھ نوٹ بھی کرتا جا رہا تھا۔ میز کی دائیں طرف رکھا چائے کا کپ اب بھاپ اڑا اڑا کر تھک کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ مگر اب تک اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا۔ دیوار پر آویزاں گھڑی رات کے نو بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ آفس میں علاوہ اس کے مزید دو کولیگ موجود تھے جو اس کے ساتھ پروجیکٹ میں کام کر رہے تھے۔ ایسے میں اس کے موبائل پر آنی والی کال نے خاموشی بھرے ماحول میں ہلچل مچادی۔ اس نے بنا دیکھے جلد بازی میں کال ریسیو کی۔

"ہیلو السلام علیکم!"

"ہیلو شہریار بیٹا! جلدی گھر آجاؤ فوراً" اسی وقت۔" اس کے بابا کی کپکپاتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"خیریت بابا جان' کیا ہوا ہے سب ٹھیک تو ہے نا۔" وہ بابا کی بات اور انداز پر گھبراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"خیریت نہیں ہے بیٹا' تمہاری ماما اور سونیا مارکیٹ گئی تھیں وہاں سے کسی نے سونیا کو اغوا کر لیا ہے بیٹا' ہم لوگ بہت پریشان ہیں تم جلدی گھر آجاؤ۔" بابا نے خبر سنا کر گویا اس کے قدموں تلے سے زمین ہی کھینچ لی تھی۔

"میں آرہا ہوں بابا آپ لوگ گھبرائیں نہیں میں فوراً" آرہا ہوں۔" وہ لائن ڈسکنیکٹ کرتا پریشانی کے عالم میں فوراً" اپنے کولیگز کو ساری صورت حال بتانے لگا۔ اس کے کولیگز نے ساری صورت حال جان کر اسے فوراً" گھر جانے کا مشورہ دیا اور یقین دہانی کروائی کہ وہ اس کے حصے کا کام بھی سنبھال لیں گے۔

وہ راستے بھر شدید ذہنی اذیت کا شکار رہا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی تنی ہوئی رگیں پھٹ جائیں گی۔ سونیا اس کی تایا زاد کزن ہی نہیں منگیتر بھی تھی۔ جو دو دن قبل ہی اس کی مما کے ساتھ حیدر آباد سے کراچی ان کے گھر رہنے کے لیے آئی تھی۔ اور وہ ان دنوں اپنے کام میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس سے اب تک حال چال بھی دریافت نہ کر سکا اور آج جو خبر اسے سننے کو ملی اس کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ سونیا سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ وہ اغوا ہو چکی تھی اور اسے طرح طرح کے خدشات ستا رہے تھے۔ نہ جانے وہ اس وقت کہاں ہوگی' کس حال میں ہوگی' کون لوگ ہوں گے' وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔ سوچ سوچ کر وہ پاگل ہو رہا تھا۔ کس طرح ڈھونڈے گا وہ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ جتنی تیز ڈرائیونگ کر سکتا تھا کر رہا تھا۔ کئی بار تو اس کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

گھر پہنچتے ہی وہ بے قرار سا دروازے کی طرف بڑھا اور اگلے ہی پل اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ دروازہ لاکڈ نہیں تھا بلکہ بھڑا ہوا تھا۔ وہ دروازے کو دھکیلتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوا۔ گھپ اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ کچھ گڑبڑ ہونے کا احساس اس کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے سب سے پہلے گھر کا دروازہ احتیاط سے بند کیا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا لاؤنج میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ جیسے ہی لاؤنج کے وسط تک

پہنچا ٹھیک اس کے سر کے اوپر لٹکتا فانوس اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ روشن ہو گیا۔

منظر کچھ واضح ہوا۔ وہ حیران کن نظروں سے دیکھتا چلا گیا۔ لاؤنج کی دیگر بتیاں بھی اب ایک ایک کر کے جلتی جارہی تھیں۔ منظر اب مکمل طور پر واضح ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے ہی ماجنٹا اور سفید رنگوں کے غباروں اور پھولوں سے سجا میز جس کے وسط میں موم بتیوں سے روشن ہوتا کیک اسے آج اپنی سالگرہ کی یاد دلاتا اس کے نظر کرم کا منتظر تھا۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنا شروع ہو گئے۔ اس کے ماما' پاپا اور سونیا جو لاؤنج میں ہی کہیں چھپے ہوئے تھے اب تالیاں بجاتے مسکراتے اور گنگناتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔

"بار بار دل یہ گائے.... بار بار دن یہ آئے.... تم جیو ہزاروں سال.... ہے میری یہ آرزو.... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" وہ تینوں سُر سے سُر ملا کر اسے وش کر رہے تھے۔ سونیا نے ربن میں لپٹی چھری اس کے ہاتھوں میں تھمائی اور اس کے ماما' پاپا اسے دائیں بائیں دونوں طرف سے پکڑ کر میز کے قریب لے آئے....

ان میں سے کوئی بھی اس کی کیفیت نہیں جان پایا تھا۔ وہ خود بھی نہیں جان پا رہا تھا کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور خوش ہو یا پھر پچھلے ایک گھنٹے کی ذہنی کوفت و اذیت غصے کی صورت میں ان پر نکال دے۔ وہ لب بھینچے خاموشی سے ان کے ساتھ آگے بڑھ کر کیک کاٹنے لگا۔ ان سب کا ہنسی مذاق کرنا اسے مزید اشتعال دلا رہا تھا۔ اتنا بھونڈا اور خراب مذاق کیا اس کے ساتھ' ذرا بھی نہ سوچا کہ کیا گزرے گی اس پر۔

اس نے غصے کے عالم میں جیسے تیسے کیک کاٹا اور چھری پٹختا غصے میں لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ میز پر دھرا مزے دار سا کیک' رنگ برنگے خوب صورت پیپرز میں لپٹے تحائف سب دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ تینوں ہکا بکا منہ کھولے اسے جاتا دیکھتے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

شہریار رات کے کھانے پر بھی کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔ تینوں میں سے کسی کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی کہ اس سے جا کر بات کریں اس کے رد عمل سے انہیں اب احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے کتنی بڑی حماقت کر ڈالی ہے۔

"تائی جان آپ بلا کر لائیں نا شہریار کو...." وہ کوئی تیسری بار فریاد کر رہی تھی۔

"نہیں بھئی میری ہمت نہیں ہو رہی۔ اتنا گھٹیا مذاق کر ڈالا ہم نے اس کے ساتھ۔ مجھے تو اب احساس ہو رہا ہے کہ مجھے تمہاری شرارت میں ساتھ دینے کے بجائے تمہیں سمجھانا چاہیے تھا۔" تائی جان اب پچھتاوے کا اظہار کر رہی تھیں۔

"اب چھوڑیں دردانہ بیگم جو ہوا سو ہوا۔ اب بیٹے کو منانا ہو گا ہمیں' اس کی فکر کریں۔" عرفان صاحب سے اپنی لاڈلی بھتیجی کا اترا ہوا چہرہ دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ان دونوں کے بے حد اصرار پر دردانہ شہریار کو منانے اس کے کمرے کی جانب چلدیں۔ ان کے جاتے ہی تایا جان سونیا سے کہنے لگے۔

"بیٹا ہم نے واقعی بہت برا مذاق کیا ہے شہریار کے ساتھ۔ غلطی ہماری ہے سو معافی کی تیاری رکھو۔"

"پر تایا جان ہم اس طرح نہ کرتے تو وہ آج اپنی سالگرہ کے دن بھی لیٹ آتا۔ ہم نے تو اسے سرپرائز دینے کے لیے یہ سب کیا نا!" سونیا اب بھی کہیں نہ کہیں خود کو صحیح سمجھ رہی تھی۔

"لیکن بیٹا ہمارا طریقہ غلط تھا...." تایا جان کی بات ادھوری رہ گئی۔ عین اسی پل شہریار دردانہ کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوا۔ یہ سونیا کی بدقسمتی تھی کہ چند لمحے قبل جو اس نے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا تھا اسے وہ سن بھی چکا تھا اور مزید موڈ بھی خراب کر چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سونیا کو اس کے اس طفلانہ مذاق پر سبق سکھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"آؤ بیٹا.... بیٹھو ادھر۔" عرفان صاحب نے اسے آتا دیکھ کر اپنے برابر میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک تیکھی نظر سونیا پر ڈال کر عرفان صاحب کے برابر میں

بیٹھ گیا۔

"دیکھو بیٹا جو بھی ہوا وہ اب بھول جاؤ۔ ہماری تو بس یہی کوشش تھی کہ تمہاری سالگرہ تمہارے ساتھ منائیں۔ ہم سیدھا سیدھا کہتے گھر آنے کو تو تم نہیں آتے بس اس لیے ہم نے یہ جھوٹ گھڑ ڈالا تاکہ تم جلدی گھر آجاؤ۔" تایا جان اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

"بابا جان اس طرح جھوٹ گھڑتے رہیں گے تو میں آپ لوگوں پر اعتبار کیسے کروں گا اور جھوٹ بھی تو دیکھیں کیا بولا ہے۔ اس زمانے میں کوئی ایسی بات سوچنا بھی نہیں چاہیے گا اور آپ لوگ بڑے مزے سے مذاق میں کررہے ہیں اور میں آفس میں مصروف ہوں بابا تو اپنا کیریئر بنانے میں لگا ہوا ہوں کس کے لیے آپ لوگوں کے لیے نا اور جانتے ہیں آپ کہ میں جس پراجیکٹ پر میں کام کررہا وہ میرے لیے کتنا اہم ہے۔" وہ بولا تو پھر بولتا چلا گیا۔ اور اس کی باتوں کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"بیٹا ہم سب بہت شرمندہ ہیں۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہوگی کسی کی طرف سے تم بھی اب غصہ تھوکو اور کھانا کھالو۔ جب سے آئے ہو کچھ کھایا بھی نہیں تم نے۔" دردانہ نے بیٹے کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"ماما! آپ لوگوں کو کچھ اندازہ نہیں مجھ پر کیا بیتی ہے۔ کن اذیتوں سے گزرا ہوں میں۔ کتنی بار تو میرا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا اور آپ لوگ کہہ رہے غصہ تھوک دو۔" اس کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس کا پارہ ہائی دیکھ کر عرفان صاحب بھی میدان میں بیگم کا ساتھ دینے کو اترے۔

"بیٹا اب جانے دو جتنا سوچو گے اتنا ہی غصہ آئے گا تمہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔"

"جی اللہ ہی کا شکر ہے۔ ورنہ آپ لوگ تو پورا انتظام کرکے بیٹھے تھے۔" وہ طنزیہ انداز میں سر جھٹک کر بولا تو دردانہ بیگم اپنی ممتا کا استحقاق جماتے ہوئے بولیں۔

"اچھا شہریار اب بس بھی کرو۔ جو بھی کیا تمہاری ہی محبت میں کیا ہم نے۔ چلو اب کھانا کھالو۔ سونیا نے اسپیشل تمہارے لیے چائنیز رائس اور چکن شاشلک بنایا ہے۔" ان کی بات سن کر سونیا کی جھکی نظریں بڑی امید کے ساتھ شہریار کی جانب اٹھیں۔

"جی بہت بہت شکریہ محترمہ سونیا صاحبہ.... آپ کا اسپیشل منصوبہ ہی میری بھوک پیاس مٹانے کے لیے کافی ہے۔" وہ طنزیہ نظروں سے اسے گھورتا پیر پٹختا واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تایا جان اپنے برخوردار کے تیور دیکھ کر تلملا کر رہ گئے مگر اس وقت اس پوزیشن میں نہ تھے کہ کھری کھری سناتے۔ تائی جان سونیا کو گلے سے لگا کر تسلی دینے لگیں۔

"ٹھیک ہوجائے گا بیٹا۔ ابھی ذرا غصے میں ہے۔" اور وہ سوں سوں کرتی سعادت مندی سے ان کے سینے سے لگی اثبات میں سرہلانے لگی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر یوں ہوا کہ شہریار کا برہم مزاج تین دن گزرنے کے باوجود بھی ٹھیک نہ ہوسکا۔ وہ صبح سویرے گھر سے نکلتا اور رات گئے گھر آتا۔ کھانا بھی باہر کھا آتا۔ تایا اور تائی سے تو ایک دو بات کر بھی لیتا مگر سونیا کو یوں نظر انداز کرتا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ سونیا اس کے اس رویے سے رنجیدہ ہوتی جارہی تھی۔ عرفان اور دردانہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہے تھے مگر شہریار ان کے ہاتھ ہی نہیں آرہا تھا جو اس کی کلاس لیتے۔

دردانہ گھر کا ماحول واپس خوشگوار بنانا چاہتی تھیں۔ سونیا ان کی دیورانی کی بیٹی تھی اور صرف تایا کی ہی نہیں ان کی بھی بے لاڈلی تھی۔ دردانہ کو بیٹیوں کا بہت شوق تھا مگر اللہ نے انہیں اس رحمت سے محروم رکھا تھا۔ شہریار اور سونیا ہم عمر تھے محض ایک ہفتے کی ہی چھوٹائی اور بڑائی تھی۔ دردانہ کی بیٹی کی کمی کو سونیا نے کافی حد تک دور کرڈالا تھا۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ اپنی تائی جان کے قریب رہی تھی۔ اسی سبب دونوں بچوں کے بڑے ہونے پر عرفان اور دردانہ نے شہریار کی رضامندی سے سونیا

سے اس کا رشتہ کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔

یوں دو سال دونوں گھرانوں کی رضامندی سے ان دونوں کی منگنی کر دی گئی۔ جب سے منگنی ہوئی تب سے کاشفہ نے سونیا پر تائی جان کے گھر جانے پر پابندی لگا دی تھی۔ پر اس بار جب دردانہ حیدر آباد گئیں تو دیورانی کی ایک بھی نہ سنی اور سونیا کو اپنے ساتھ کچھ دن کے لیے کراچی لے آئیں۔ اگلے کچھ دنوں میں سونیا کی سالگرہ بھی آنے والی تھی۔ وہ اس سے پہلے سب کچھ ٹھیک کر دینا چاہتی تھیں۔ سونیا کا مرجھایا ہوا چہرہ انہیں شدید شرمندگی میں مبتلا کر رہا تھا۔

"آج تو ہر حال میں شہریار سے بات کر کے رہوں گی میں۔" وہ دل ہی دل میں عہد کر رہی تھیں۔ کہ دروازے پر کھڑی سونیا نے انہیں پکارا۔ وہ متوجہ ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھرے آبدیدہ سی ان کے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔

"سونیا! میرے بچے کیا ہوا.... کیوں رو رہی ہو بیٹا؟" وہ بے ساختہ اس کی جانب بڑھیں۔

"میں تائی جان اتنی بری ہوں کیا.... جو شہریار نے میرے ساتھ اس طرح کا رویہ رکھا ہوا ہے۔ میں مانتی ہوں میری غلطی تھی۔ میں شرمندہ بھی ہوں مگر وہ مجھے معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں دے رہا۔" شاید شہریار کا رویہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا تبھی ان کے سینے سے لگی ہچکیاں لیتے روتی ہوئی بول رہی تھی۔

"نہیں میری جان تم تو بہت پیاری اور محبت کرنے والی بچی ہو۔ تم آج آنے دو اسے ذرا' دیکھنا کیسے کان کھینچتی ہوں۔" وہ اسے اپنے ساتھ کا یقین دلاتے ہوئے تسلی دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼

آج اس کا پروجیکٹ کامیابی سے مکمل ہو چکا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر سے پہاڑ جیسا بوجھ اترا ہو۔ پچھلے کچھ دنوں میں رونما ہونے والے واقعات و حالات نے اسے ذہنی طور پر بے حد تھکا دیا تھا۔ گزشتہ تمام باتوں کو سوچتے ہی اسے سونیا کا خیال آگیا۔ اس کی اداس اداس سی آنکھیں اس کے دل میں اتر چکی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ پتھر دل بنا رہا۔ گو کہ اس کا غصہ اب اتر چکا تھا مگر یہاں سوال صرف غصے کا نہیں تھا۔ سونیا اس کے دل پر راج کرتی تھی مگر اس کا لاابالی پن اور غیر سنجیدہ رویہ اس کے لیے آگے مشکل کھڑی کر سکتا تھا۔

وہ یہ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی کہ شہریار کے اوپر اب آفس کی بھی بھاری ذمہ داری ہے۔ مرد کے لیے اس کا آفس سسرال کی مانند ہوتا ہے۔ جس طرح ایک عورت سسرال میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی ہے اسی طرح مرد کو بھی اپنے سسرال' وہ یعنی آفس میں بہت سنبھل سنبھل کر ذمہ داری کے ساتھ چلنا پڑتا ہے اور وہ یہی بات سونیا کو بھی سمجھانا چاہتا تھا۔ وہ سونیا کے مزاج کے الھڑپن سے بھی آگاہ تھا اور اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ اس کے ماں باپ اس سے زیادہ سونیا کے دیوانے ہیں۔ اور اس کی کہی ہر صحیح و غلط بات پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا اپنا فرض گردانتے تھے۔

اور اس کا ثبوت وہ حال ہی میں انتہائی بیوقوفانہ منصوبے پر عمل درآمد کر کے بھی دے چکے تھے ان تمام صورت حال کو دیکھتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ آگے کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے سونیا کو سبق سکھانا بے حد ضروری ہے اور اس خاص سبق کو سوچتے ہوئے اسے یہ بھی یاد آگیا تھا کہ آج گھر جا کر اسے ماما سے بہت خاص بات بھی کرنی ہے۔

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے کے بعد جب عرفان صاحب اور سونیا اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے تب دردانہ شہریار سے بات کرنے کے لیے اس کے کمرے میں چلی گئیں۔

سونیا اس بات سے ہرگز بے خبر نہ تھی۔ اس نے اپنے کمرے کے دروازے سے چھپ کر انہیں جاتا دیکھ لیا تھا اور اب بے چینی سے تائی کی واپسی کی منتظر

تھی۔ تائی جان کی واپسی تقریباً" ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی اور پھر وہ سیدھی اپنی کمرے میں چلی گئی تھیں۔ یعنی ان دونوں کے بیچ کیا بات ہوئی وہ اب صبح ہی معلوم ہو سکتی تھی۔ بے چینی کے مارے اسے رات بھر سکون سے نیند بھی نہ آئی۔

صبح صبح حسب معمول شہریار اس کے جاگنے سے پہلے آفس جا چکا تھا۔ اور تائی جان روزمرہ کے کاموں میں روزانہ کی طرح مصروف تھیں۔ وہ بھی تائی جان کے ساتھ ساتھ ان کا ہاتھ بٹانے لگی پہلے تو وہ منتظر رہی کہ تائی جان اسے خود سے بتائیں مگر بہت دیر تک انتظار کرنے کے بعد، باتوں باتوں میں اس نے کئی بار جاننے کی کوشش کی مگر تائی جان انجان بن کر اپنا دامن صاف بچالیتیں۔

پھر اس شام شہریار جلدی گھر آگیا اور تایا جان، تائی جان کو لے کر کہیں باہر چلا گیا۔ اس کے پوچھنے پر اسے محض اتنا ہی بتایا گیا کہ کسی قریبی عزیز کے گھر جا رہے ہیں۔ اسے اچانک تایا جان اور تائی جان کے بدلتے رویوں کا ادراک ہوا۔ ان کے رویوں میں در آنے والی تبدیلی لاکھ سوچنے کے باوجود بھی اسے سمجھ نہ آسکی۔ اگلی صبح اس نے تائی جان کو اپنی امی سے فون پر بات کرتے سنا۔

"کاشفہ بس! شہریار نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب مزید کوئی سوال جواب نہ کرو سیدھا کراچی پہنچو۔" تائی جان حاکمانہ انداز میں اس کی امی سے بات کر رہی تھیں۔

کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اسے شدت سے معاملے کی سنگینی کا احساس ہونے لگا۔ کیا شہریار اس سے اس قدر ناراض ہو چکا تھا کہ اس کی شکایت اس کے گھر والوں کو بلا کر کرنا چاہتا تھا۔ اور جب اس کے گھر والوں کو پتا چلے گا تو کتنی سبکی اٹھانی پڑے گی کیا کہیں گے لوگ کہ سسرال میں بسنے سے پہلے ہی اس کے ساس سسر شکایت کرنے لگے۔ شادی سے پہلے ہی اس کا شوہر اس کی حرکتوں سے نالاں رہنے لگا۔

اف خدایا! ایک شرارت کی اتنی بڑی سزا... نہیں یارب مجھے معاف کر دے میں آئندہ ایسی کوئی فضول حرکت نہیں کروں گی تو حالات میرے حق میں موڑ دے۔ تو بہترین فیصلہ کرنے والا تو میرے حق میں بھی بہترین فیصلہ فرما دے۔ آمین یا رب العالمین۔" وہ کمرے میں آکر دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی۔

رات کو تائی جان نے اسے بتایا کہ اس کے گھر والے کل صبح ـــــ کراچی آرہے ہیں۔

"تائی جان میں ان کے ساتھ واپس حیدر آباد چلی جاؤں گی۔" اس نے تائی جان کی دلی کیفیت جاننے، انہیں آزمانے کے غرض سے یہ بات کہی۔

"اچھا ٹھیک ہے چلی جانا۔" تائی جان سادگی سے جواب دے کر کمرے سے چلی گئیں۔

"آہ! تائی جان کتنے پیار سے کتنے مان سے آپ مجھے یہاں لے کر آئی تھیں اور اب کتنے نروٹھے پن سے کہہ ڈالا کہ چلی جانا۔ اس قدر اتر چکی ہوں میں آپ لوگوں کے دلوں سے یقین نہیں آتا۔ شہریار سے زیادہ تو مجھے آپ پر بھروسہ تھا تائی جان آپ نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ بالکل تنہا کر دیا مجھے۔" وہ ٹپ ٹپ آنسو بہاتی، دل ہی دل میں ڈھیروں شکایتیں کرتی اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں یقینی طور پر اب اس کے رہنے کے لیے جگہ کم پڑ گئی تھی۔ کم از کم اسے تو اس وقت ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

صبح ہوتے ہی وہ خاموشی سے تائی جان کا ہاتھ بٹانے لگی۔ آج چھٹی کا دن تھا اور شہریار بھی گھر پر ہی موجود تھا۔ مگر آج اس نے ایک نگاہ غلط بھی شہریار پر ڈالنا جیسا گناہ سمجھ لیا تھا۔ وہ اب کسی کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھی کہ آج اس کی اک اک حرکت شہریار کی نگاہوں میں ہے اور شہریار صاحب بھی جیسے آج بھول بیٹھے تھے کہ اس کی نگاہیں آج موصوف کے اماں ابا کی نظروں کے حصار میں ہے۔ گھر میں بس کچھ ایسی ہی کارروائیاں

جاری تھیں جب سونیا کے گھر والے بھی گھر آپہنچے۔
امی 'ابو' راحیل بھائی اور روما بھابھی کو دیکھ کر وہ جذباتی انداز میں ان کی جانب بڑھی اور ان کے گلے سے لگ کر سوں سوں کرتی ان کا حال احوال دریافت کرنے لگی۔ گھر کا ماحول ایک دم ہی بدل چکا تھا۔ خوشیوں بھرے قہقہے گونج رہے تھے 'مسکراہٹیں چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ آج موصوف دشمن جاں بھی بڑے خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہے تھے۔ شاید میری شامت لانے کی خوشی ہے۔ اس نے جل کر سوچا۔

"سونیا آج مجھے اپنی دوست کی شادی میں جانا ہے۔ تم چلو گی میرے ساتھ۔" دن کا کھانا کھا کر جب وہ بھابھی کو لے کر اپنے کمرے میں آئی تو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"جی بھابھی! چلوں گی۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"چلو پھر اپنا ڈریس ابھی سے ریڈی کرلو۔ ہمیں پہلے پارلر جانا ہوگا۔ اپنی دوست کی شادی میں 'میں خوب بن ٹھن کر تیار ہوں گی۔" بھابھی اپنے بیگ سے ساڑھی نکالتے ہوئے بولیں۔

"واٹ! پارلر سے...! مجھے ایسا لگ رہا جیسے آپ بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ کی عملی تفسیر بننے جارہی ہیں۔" وہ انہیں چھیڑتے ہوئے بولی۔

"آہاں! محترمہ میرے ساتھ ساتھ آپ بھی تیار ہوں گی پارلر سے۔" بھابھی نے گویا اس کے سر پر بم پھوڑا۔ اور پھر اس کے لاکھ انکار کے باوجود روما اسے اپنے ساتھ پارلر لے گئی۔ ان دونوں کے گھر سے جاتے ہی عرفان صاحب' ریاض صاحب' دردانہ اور کاشفہ کسی نہایت اہم معاملے پر سر جوڑ کر غور و خوض کرنے لگ گئے۔ جبکہ شہریار اور راحیل لاؤنج کی سیٹنگ میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے سینٹر ٹیبل پر خوب صورت سرخ رنگ کا میز پوش بچھایا اور پھر سرخ و سفید رنگ کے غباروں میں گیس بھرنے لگے۔ یہ سارے کام وہ لوگ بڑی برق رفتاری سے کررہے تھے۔ گلدستوں سے ٹیبل کو سجانے کے بعد اب وہ لوگ لاؤنج کو غباروں سے سجا رہے تھے۔ آخر میں چھوٹی چھوٹی فینسی لائیٹس لگا کر وہ اب لاؤنج کا طائرانہ جائزہ لے رہے تھے۔ تبھی عرفان صاحب' ریاض صاحب مبارک ہو مبارک ہو کا نعرہ مستانہ بلند کر کے لاؤنج میں داخل ہوئے اور باری باری شہریار کو گلے لگا کر دعائیں دینے لگے۔

"بھئی ہم سب کے باہمی اتحاد و اتفاق سے شہریار اور سونیا کی شادی اگلے تین ماہ بعد ہونی قرار پائی ہے۔" ریاض صاحب نے متفقہ فیصلے سے سب کو آگاہ کیا۔
شہریار کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ جم گئی۔ دردانہ اور کاشفہ بھی وہیں آگئیں۔

"بھئی اب میری بیٹی کو بھی کوئی خبر دے اسے۔ بہت ستالیا آپ لوگوں نے پچھلے ایک ہفتے سے۔"

"چچی جان آپ کی بیٹی نے ایک دن میں میرا اس سے بھی زیادہ برا حال کرڈالا تھا۔ میں نے تو پھر بھی یہ بدلہ لینے میں نرمی سے کام لیا۔" شہریار کاشفہ کو محبت سے اپنے ساتھ لگاتا ہوا بولا۔

"بس بیٹا آگے سے میری بچی سے کوئی غلطی ہو تو اسے نادانی سمجھ کر معاف کردینا۔ اصلاح ضرور کرنا مگر بدگمان نہ ہونا۔" کاشفہ آبدیدہ سی کہنے لگیں۔

"ارے کاشفہ تم مجھ پر اعتبار رکھو میں ہوں نا ان دونوں پر نظر رکھنے کے لیے۔" دردانہ نے کاشفہ کو ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی۔

"ارے روما کی کال آگئی ہے۔ وہ دونوں ریڈی ہیں میں انہیں لے کر آتا ہوں۔" راحیل انہیں اطلاع دے کر باہر چلا گیا۔ ماحول پر چھائے جذباتیت کے بادل اچانک چھٹ گئے اور ہلچل مچ گئی۔

"ارے وہ کیک تو لا کر رکھو۔" کاشفہ بوکھلائیں۔

"ہائے میں نے تو گفٹ ہی الماری سے نہیں نکالا۔" دردانہ کو بھی یاد آیا۔

"ارے بیگم ہم نے تو سوچا ہی نہیں کہ بیٹی کو کیا تحفہ دیں۔" ریاض صاحب کو اب جاکر خیال آیا۔

"آپ کو تو ہر کام آخری لمحے میں یاد آتا ہے۔ اب

تحفہ کیا دیں گے پیسہ ہی تھمائیں بچی کو۔" کاشفہ ریاض کی لاپرواہی پر جھنجلاتی ہوئی بولیں۔

"ارے ریاض فکر نہ کرو۔ میں نے بڑا زبردست گفٹ خریدا ہے۔ وہ ہم دونوں کی طرف سے ہو گا۔" عرفان صاحب فوراً بھائی کی مدد کو آگے آئے۔

"میں یہاں کی لائیٹس بند کر رہا ہوں۔ اب یہاں کوئی نہ آئے آپ لوگ سب کمرے میں چلیں۔ میں بھی ذرا اب اپنا حلیہ درست کرلوں۔" شہریار ان سب کو لاؤنج سے باہر نکالتا ہوا بولا۔

✡ ✡ ✡

ماہنا اور پیازی رنگ کی فراک میں ملبوس سوفٹ سے میک اپ میں کراؤن بریڈ کے ساتھ بالوں کا خوب صورت سا جوڑا بنائے وہ کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔" روما نے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

"اب چلو' راحیل باہر انتظار کر رہے ہیں۔" روما خود ساڑھی میں غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ دونوں پارلر سے نکل کر گاڑی میں آبیٹھیں۔ وہ بات جو اسے بار بار پریشان کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ بھابھی کی دوست کی شادی میں جانے کے لیے اسے کیوں اتنا تیار کرایا گیا۔ اسی الجھن میں سارا راستہ کٹا۔ چونکی تب جب گھر کے سامنے گاڑی آرکی۔

راحیل پہلے ہی اتر کر گھر کا دروازہ کھولنے لگا اس کے پاس ڈپلیکیٹ چابی موجود تھی۔ وہ روما کے ساتھ راحیل کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ اور روما راحیل کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ لاؤنج میں چھائے گھپ اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ وہ حیرت زدہ سی اندھیرے کو گھورتی آگے بڑھ گئی۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ غالباً" راحیل بھائی ہی نے کیا ہو گا۔

"بھائی اتنا اندھیرا کیوں ہے۔" وہ گھبرا کر پوچھنے لگ گئی۔ اور اس کا پوچھنا ہی تھا کہ لاؤنج کے دیواروں پر لگی سنہری فینسی مدھم لائٹ جل اٹھی۔ وہ حیرت زدہ سی دیکھنے لگی۔ راحیل نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں بیچ ٹیبل تک لے آیا جو اب بھی اندھیرے میں گم تھا۔ اس کے ٹیبل تک پہنچتے ہی لاؤنج کی ساری بتیاں یکدم روشن ہو گئیں اور سارا منظر واضح ہو گیا۔ میز کے دوسرے پار عرفان' ریاض' دردانہ اور کاشفہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور وہ دشمن جان سوٹ بوٹ میں تیار اس کی ہی جانب دلفریب انداز میں مسکراتا ہوا آرہا تھا۔

"سرپرائز...!" وہ سارے یک زبان ہو کر بولے۔ وہ آنکھیں پھاڑے انہیں حیرت سے تکنے لگی۔ اور پھر راحیل نے پارٹی پالپوز ایک جھٹکے سے کھولا۔ پٹاخے جیسی آواز کے ساتھ ہی رنگین پلاسٹک کی پتیاں اس کے اوپر برسنے لگیں۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سونیا۔" وہ لوگ ہم آواز ہو کر وش کر رہے تھے۔ اوہ خدایا آج اس کی سالگرہ تھی اور اس ٹینشن میں وہ یہ بھی بھول چکی تھی۔

"چلو چلو... اب کیک کاٹو۔" شور مچا اور وہ ہلکا ہلکا سی موم بتیاں بجھا کر کیک کاٹنے لگ گئی۔ کیک کاٹ کر اب وہ سب کو کیک کھلانے لگی تھی۔

"میری بیٹی کو سالگرہ اور شادی کی ڈیٹ فکس بہت بہت مبارک ہو۔" کاشفہ نے گلے لگا کر اسے پیار کرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

"ڈیٹ فکس!" ایک اور شاکڈ اسے لگا۔ تو یہ کھچڑی پک رہی تھی۔ گھر میں اور میں نجانے کیا سمجھ بیٹھی تھی۔

"اب سمجھ آیا تمہارا تیار ہونا کیوں ضروری تھا۔" روما کے چھیڑنے پر وہ جھینپ کر مسکرادی۔ لاؤنج میں سب اب اس کی سالگرہ اور ڈیٹ فکس ہونے پر ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا رہے تھے۔ وہ سیڑھی کے دوسرے اسٹیپ پر بیٹھی ان سب کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی زندگی ایک دم ہی بہت خوب صورت ہو گئی تھی تبھی اس کے قریب سے سرگوشی نما آواز ابھری۔

"کیسا لگا میرا سرپرائز۔" اس نے گردن گھما کر اس

جانب دیکھا شہریار دونوں ہاتھ پیچھے باندھے شرارتی مسکان لبوں پر سجائے کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آبیٹھا۔

"جانتی ہو ان چند گھنٹوں میں تم نے مجھے جس اذیت میں مبتلا کر ڈالا تھا جس کا ایک حصہ بھی نہیں تھا میرا بدلہ..... تمہاری حالت دیکھ کر میرا دل راضی نہیں ہو رہا تھا اس سے زیادہ ستانے کا۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی سی گھلنے لگی۔ ساری اذیتیں یاد آنے لگیں۔

"پھر بھی بہت ستایا تم نے مجھے۔" وہ کپکپاتی آواز میں اتنا ہی کہہ سکی۔

"اچھا سوری! اب نہیں ستاؤں گا۔ مگر تم بھی وعدہ کرو کہ اب اس طرح مجھے نہیں ستاؤ گی۔" وہ اب دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

اپنی غلط کا احساس اسے بھی تھا۔ سو آنسو صاف کر کے مسکرا کر کہنے لگی۔

"کبھی نہیں ستاؤں گی۔"

"آہاں! پھر یہ لو..... اس نے اس کی گود میں ایک پیلے رنگ کا ہیپی فیس والا غبارہ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس بیلون کو دیکھ کر ہنس پڑی۔

"اور یہ ہماری ڈیٹ فکس ہونے کی خوشی میں۔" اس نے اپنے عقب سے ایک سفید اور سرخ گلابوں سے سجا، مہکتا ہوا گلدستہ جس میں موتیے کی کلیاں بھی جھانک رہی تھیں اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ گلدستے کی ربن میں اس کی فیورٹ چاکلیٹ بھی خوب صورتی سے باندھی گئی تھی۔ اس نے بے اختیار ان پھولوں کی خوشبوؤں کو سونگھ کر اپنے اندر اتارا اور ربن کھول کر چاکلیٹ نکالنے لگی۔ اداسی اب پوری طرح اڑنچھو ہو چکی تھی اب صرف مسکراہٹیں تھیں ان دونوں کے چہرے پر۔

"اور میرا گفٹ برتھ ڈے کا۔" اسے یاد آیا تو بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"اوہ تو اب تمہیں گفٹ بھی دینا پڑے گا۔" وہ نفی میں سرہلاتا بولا۔

"شہریار.....!" وہ ناراضی سے چیخی۔

"ارے بابا رکو تو!" وہ اپنے کوٹ کے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا اور پھر خوب صورت سا مخملی ڈبا نکال کر کھولنے لگا۔ وہ متجسس سی اسے دیکھنے لگی۔

وہ ایک پینڈنٹ تھا۔ انتہائی خوب صورت جس کے بیچ میں دو ایس یوں جڑے ہوئے تھے جیسے دو ہنسوں کا جوڑا ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑے کھڑا ہو..... شہریار پینڈنٹ نکال کر اسے دیکھا رہا تھا۔ اور وہ بکے لیے اس کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتی مسکرا رہی تھی۔ اور ان دونوں کی گود میں ہیپی فیس ایک آنکھ دبائے زبان چڑا رہا تھا۔ بہت ہی خوب صورت خوشیوں سے بھرپور منظر تھا۔ جسے روما نے اپنے کیمرے کی آنکھ میں مسکراتے ہوئے قید کر لیا تھا اور جو شادی کے بعد بھی ان کے کمرے میں آویزاں انہیں دیکھتا مسکرا رہا تھا.....!
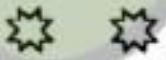
☆ ☆

تمہیں کیا معلوم کہ دکھ کیا چیز ہوتے ہیں
کاش تم ریت کے پیاسے ذرے ہوتے
اور بادل کا ٹکڑا تم پر سے بن برسے گزر جاتا
تمہیں تب معلوم ہوتا کہ دکھ کیا چیز ہوتے ہیں
کاش تم خزاں رسیدہ درخت کے پتے ہوتے
اور ٹہنی سے ٹوٹ کر گر جاتے
تب تمہیں معلوم ہوتا دکھ کیا چیز ہوتے ہیں

اوپری منزل پہ ٹیرس کی دیوار پہ آگے کی طرف جھکے جھکے وہ کتنی دیر سے کسی غیر مرئی نکتے پہ نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔ شام کے ڈھلتے سائے آہستہ آہستہ ماحول کو اپنی گرفت میں لے رہے تھے۔ دھوپ دیواروں سے اترتے ہوئے عجیب سی یاسیت آمیز اداسی کا منظر پیش کر رہی تھی نیچے زرینہ بیگم کی بہن بمعہ اپنی فیملی کے صبح سے آئی ہوئی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ذیان اوپر آگئی تھی۔ اوائل نومبر کی ڈھلتی دھوپ اور گہرے ہوتے سائے اچھی خاصی خنکی کا احساس دلا رہے تھے۔ اسے یہاں بیٹھے دو گھنٹے سے زائد ہو گئے تھے، لیکن نیچے جانے سب کا سامنا کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ جانے کیوں عجیب سی خود ترسی کا جذبہ خود پہ حاوی ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اندر ہی اندر لاوا پھوٹ کر بہنے کو بے تاب تھا، مگر یہ آگ آنسوؤں سے کہاں بجھنے والی تھی، اس حقیقت کا ادراک تو اسے بہت پہلے سے تھا۔ تب ہی تو ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ لبوں پہ کرن بن کر چمکی تھی۔

مغرب کی اذان کی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ سر پہ دوپٹا درست کرتی وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ آخری زینہ پار کرتے ہی وہاب سے ٹکراؤ ہوا۔ بلیو کلر کی جینز اور میچنگ شرٹ میں ملبوس سلیقے سے بال بنائے وہاب اس کے رستے میں حائل کھڑا تھا۔

"ذیان صاحبہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور تمہیں کچھ ہوش ہی نہیں ہے۔ بے چاروں کو کمپنی ہی دے دو۔" وہاب کے الفاظ میں نرمی و بے تکلفی تھی، مگر لہجہ و انداز میں نرمی کا نشان تک نہ تھا۔ عجیب آنچ دیتا لہجہ تھا۔
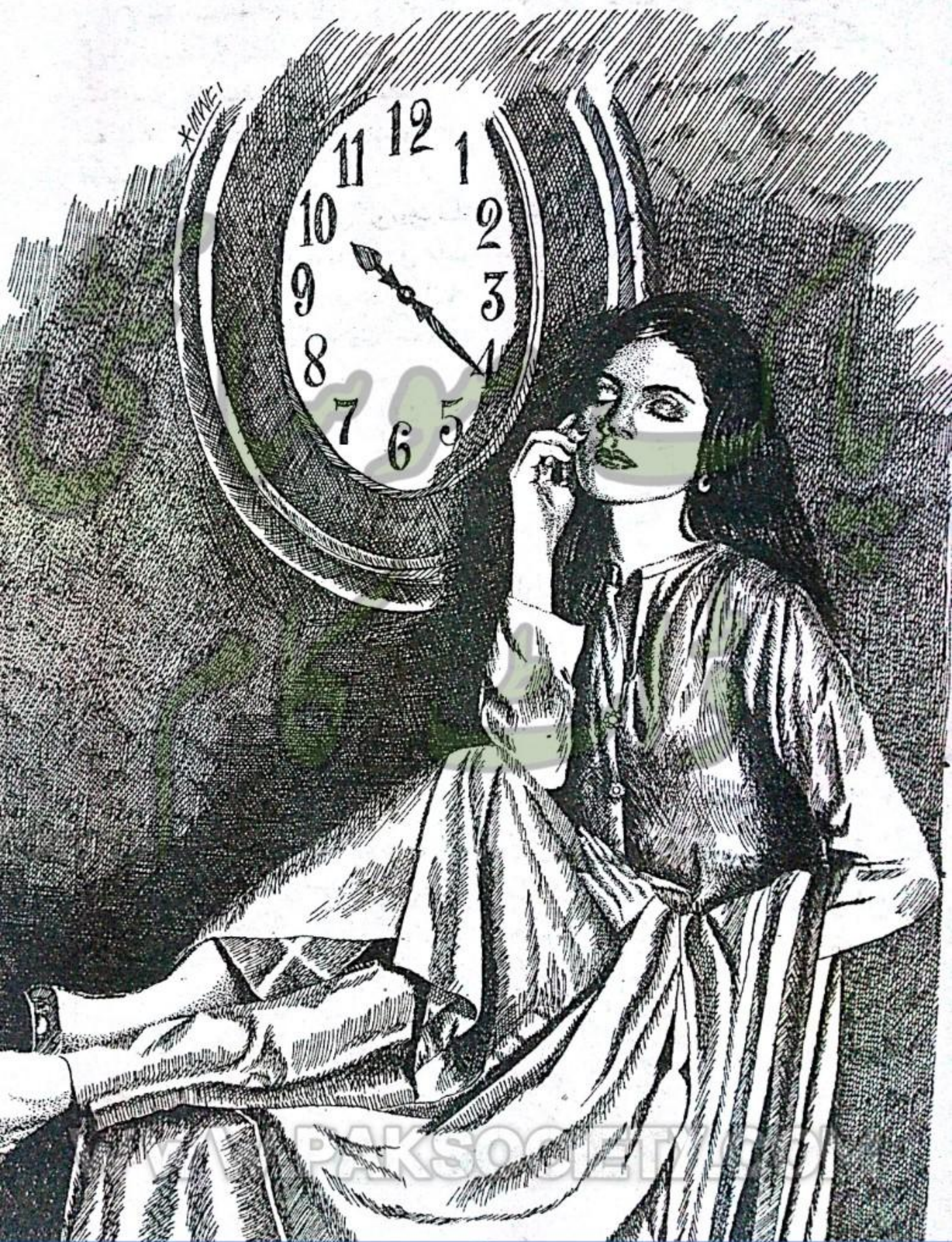
"میں پڑھ رہی تھی۔" اس نے جان چھڑانے کے لیے جھوٹ بولا۔

"کیا پڑھ رہی تھی؟" وہ باقاعدہ جرح پہ اتر آیا۔

"کورس کی بکس تھیں ظاہر ہے۔" وہ چڑ سی گئی۔

"تم نیچے سب کے ساتھ بیٹھ کر بھی پڑھ سکتی تھی۔" اس نے آرام سے زیان کے تپتے چہرے کو تکتے ہوئے مشورہ دے ڈالا۔ "اوکے۔" زیان نے اپنا لہجہ مشکل سے نارمل کیا تھا۔ وہاب مطمئن ہو گیا۔

زیان اندر آرہی تھی۔ زرینہ امی بہن روبینہ کے ساتھ باتوں میں لگی تھیں۔ ایک دم اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "کہاں تھی تم اتنی دیر سے؟" انداز عام اور سوالیہ سا تھا۔ اس سے پہلے کہ زیان آگے بڑھتی روبینہ بول پڑیں۔

"دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو کون سا روز روز تمہارے گھر آتے ہیں۔" انہوں نے بڑے میٹھے لہجے میں طعنہ دیا تو ناچار زیان ان کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ زیان کو الجھن سی ہونے لگی۔ وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ باقی سب ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ باتوں اور قہقہوں کی آواز اس کمرے تک آرہی تھی۔

"میں ابو کو دیکھ آؤں ذرا۔" اس نے منظر سے ہٹنے کا بہانہ سوچا اور پھر اس پہ فوراً" عمل درآمد بھی کر دیا۔ زرینہ بیگم اور ان کے دیگر خاندان والوں سے ملنے ملانے کے باوجود زیان اجنبیت ہی محسوس کرتی تھی۔ حالانکہ زرینہ بیگم کو اس کی ماں کی جگہ لیے برسوں گزر چکے تھے، مگر زیان کی غیریت اور احتیاط جوں کی توں تھی۔ ان کے پورے گھر کی تصویر مکمل تھی۔ ایک وہی مس فٹ تھی۔ یہ خامی اسے کبھی کبھی بری طرح محسوس ہوتی۔

☆ ☆ ☆

امیر علی تکیے کے سہارے نیم دراز ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ زیان دبے قدموں آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور ان کے سامنے پڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ نہ تو امیر علی نے اسے مخاطب کیا۔ نہ زیان نے اس کی ضرورت سمجھی۔۔۔ وہ ان سب سے جان چھڑا کر یہاں آئی تھی۔ کچھ وقت سکون سے گزارنا چاہتی تھی۔ یہاں گھر کے کسی فرد کی مداخلت کا فی الحال کوئی امکان نہیں تھا۔ زیان نے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے رخ ٹی وی کی طرف کر لیا۔

"کیسی جا رہی ہے تمہاری پڑھائی۔" خاموشی کے طلسم کو امیر علی کی آواز نے ہی توڑا تو وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی جو بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ زہر میں ڈوبی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھری۔

"بس ٹھیک ہی چل رہی ہے۔" اس کے ایک ایک لفظ سے بے زاری کا عنصر نمایاں تھا۔

"کیوں خیر ہے نا پڑھائی میں کوئی پرابلم تو نہیں۔ اپ سیٹ لگ رہی ہو؟" امیر علی نے بہت سے سوال ایک ساتھ ہی کر ڈالے۔

"نہیں۔۔۔" اس نے سب کا جواب مختصر سی نہیں کی صورت میں دیا۔

"تمہیں کوئی بھی پرابلم ہو تو مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہو۔" ان کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"اب میں اس قابل ہو گئی ہوں کہ اپنے پرابلم خود سولو کر سکتی ہوں۔" امیر علی کو لگ رہا تھا۔ ان کے سامنے زیان نہیں کوئی اجنبی ہو جو سرراہ مل گیا ہو اور رو کے جانے کی صورت میں نکلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ تو ان کی طرف متوجہ تک نہیں تھی ٹی وی کو گھور رہی تھی۔ جیسے وہی سب سے اہم ہو۔ وہ ان کے پاس ہوتے ہوئے بھی پاس نہیں تھی۔ ذہنی طور پہ میلوں کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔ وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے پس منظر میں چھپی وجوہات سے بھی واقف تھے تب ہی تو بے بس ہو کر پھر سے خاموشی کے خول میں سمٹ گئے۔

زیان اٹھ کر کچن کی طرف آئی۔ جہاں بوا کھانے پکانے میں مصروف تھیں۔

"بوا کیا ہو رہا ہے؟" زیان نے سبزی کی ٹوکری میں

سے ایک گاجر اٹھائی اور دھونے لگی۔ بوا رحمت نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے بھنتے مسالے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ پیاز ٹماٹر اچھی طرح مکس ہو کر بھن گئے تھے انہوں نے دھلی ہوئی چکن اٹھا کر ہانڈی میں ڈالی۔ زیان گاجر دھو کر پاس رکھے اسٹول پہ چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"وہی روز کے کام دھندے اور کیا کرنا ہے اور تم گاجر کیوں کھا رہی ہو میں نے کباب رکھے ہیں یہ لو۔" کفگیر رکھ کر انہوں نے مائیکروویو میں پڑی پلیٹ نکالی جس میں کباب رکھے تھے۔ انہوں نے کباب انگلی سے چھو کر گرم ہونے کا اطمینان کیا پھر پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"آپ نے کب بنائے؟" اس نے گاجر پھر سے ٹوکری میں رکھ دی۔

ابھی آدھے گھنٹے پہلے چائے کے ساتھ بنا کر سب کو دیے مگر تم نظر ہی نہیں آئی۔"

بوا باتوں کے ساتھ ساتھ چکن کو بھی دیکھ رہی تھیں۔

"بوا آپ اب اتنے کام مت کیا کریں، ثمینہ ہے نا' دیکھنے دیں اسے یہ بکھیڑے۔" اس نے کباب کھاتے ہوئے مشورہ دیا۔ بوا ہنس دیں' سادہ اور بے ریا ہنسی۔

"مجھے امیر میاں اور اس گھر کے افراد کی خود خدمت کر کے جو خوشی ملتی ہے' وہ کام ثمینہ کے سپرد کر دوں تو وہم سا لگا رہے گا۔ اس لیے خود کرتی ہوں۔" چکن بھونتے بھونتے انہوں نے نپے تلے انداز میں بات مکمل کی۔ زیان کباب کھاتے کھاتے رک گئی۔

"بوا آپ کو اتنی محبت اور خیال ہے، ہم سب کا۔"

"یہ محبت تو میرے خون میں رچی بسی ہے۔ اللہ بخشے بڑی بیگم (زیان کی دادی) کو میں ان کے زمانے سے یہاں اس خاندان میں کام کر رہی ہوں۔ چھوٹی بیگم کو امیر میاں میرے سامنے ہی تو رخصت کروا کے لائے تھے۔ اتنا دھوم دھڑکا تھا۔ اتنی خوشیاں منائی گئی تھیں مجھے سب یاد ہے۔" بوا بتاتے بتاتے ماضی میں پہنچ گئی تھیں جہاں سب روز اول کی طرح روشن تھا۔

زیان کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو چلا تھا۔ اس نے ادھ کھایا کباب پلیٹ میں رکھ دیا اور دبے قدموں کچن سے نکل گئی۔ بولتے بولتے بوا کی نظر اسٹول کی طرف اٹھی جو اب زیان کے وجود سے خالی تھا۔ انہوں نے فوراً" دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ زیان باہر نکل رہی تھی۔ بوا کے ہاتھ اور زبان یک دم ہی سست پڑ گئے۔ انجانے میں ہی سہی انہوں نے زیان کے دل میں دبے آگ جیسے زخموں کو ہوا دے ڈالی تھی۔ اب وہ نادم سی تھیں۔ زیان منظر سے غائب تھی۔

☼ ☼ ☼

" Slay With me کا Akcent "

فل والیوم میں بج رہا تھا۔ کار کے شیشے تک دھمک سے لرز رہے تھے۔ رنم بہت ریش ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ کام سٹ یونیورسٹی کا آہنی گیٹ سامنے تھا۔ گاڑی کی رفتار اس نے میکانکی انداز میں کم کی۔ آدھے گھنٹے کا راستہ اس نے پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔ اس تیز رفتاری سے احمد سیال بھی خائف رہتے تھے۔ پر وہ رنم سیال ہی کیا جو ان کی بات مان لیتی۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں تیز رفتاری اور ساتھ چلنے والوں کو پیچھے چھوڑنے کی قائل تھی۔ تگی بندھی زندگی اور روٹین سے اسے نفرت تھی۔ اس کی رگوں میں خون کی جگہ جیسے پارہ مچلتا تھا۔

"ہائے رنم۔" گاڑی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر وہ جیسے ہی نکلی پیچھے سے راعنہ کی آواز سن کر رک گئی۔ وہ قریب آچکی تھی۔

"ہائے ہاؤ آر یو۔" رنم نے اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا۔ جواباً" راعنہ نے اس کے گال سے گال ملا کر ملنے کی رسم پوری کی۔

"فائن تم سناؤ آج کچھ لیٹ آئی ہو۔" دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے کلاس روم کی طرف چل دیں۔ "رات کو لیٹ سوئی تھی' اس لیے لیٹ ہوں' لیکن اتنی بھی نہیں۔" اس نے اپنی کلائی میں بندھی قیمتی ریسٹ واچ سرسری سی نظر ڈالی جیسے کچھ جتانا چاہ رہی ہو۔

"ہاں تم ٹائم پہ آتی ہو نا' اس لیے فیل ہوا مجھے۔"

راعنہ کا انداز اب دفاعی تھا۔ اس نے رشک سے رنم کے چمکتے پر کشش چہرے کی طرف دیکھا۔ اس نے پنک ٹاپ کے نیچے ٹراؤزر پہنا ہوا تھا اور گلے میں ہلکا سا اسکارف' براؤن بال بڑے غرور سے کندھے پہ پڑے گلابی رخساروں کی بلائیں لے رہے تھے۔ اس کی پوری شخصیت سے آسودگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

کلاس شروع ہونے والی تھی' کیونکہ سر ہمدانی ان کے ساتھ ہی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ "دیکھ لو لیٹ ہونے کے باوجود میں اتنی بھی لیٹ نہیں ہوئی۔" اس کے چمکتے چہرے اور آنکھوں میں غرور تھا۔ دل ہی دل میں راعنہ کو رشک سا ہوا۔ اس کا بے پناہ اعتماد ہی اس کی خوب صورتی کا سرچشمہ تھا۔

اشعر' کومل اور فراز کلاس میں پہلے سے موجود تھے۔ وہ ان کے پاس پڑی کرسیوں پہ بیٹھ گئیں۔ رنم اور راعنہ کی طرح ان تینوں کا تعلق بھی کھاتے پیتے آسودہ حال خوش حال خاندان سے تھا۔ ان پانچوں کا اپنا گروپ تھا۔ یہ سب بی ایس آنرز چھٹے سمسٹر کے طالب علم تھے۔ کومل اور اشعر خاصے پڑھاکو تھے۔ رنم صرف امتحانات کے دوران پڑھنے والی طالبہ تھی۔ راعنہ کا بھی یہ ہی حال تھا' مگر فراز پڑھائی میں ان سب سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ پانچویں سمسٹر میں اس نے ٹاپ کیا تھا۔ ان چاروں کو پڑھائی میں اگر کوئی مشکل ہوتی تو فراز سے ہی رجوع کرتے۔ رنم اسے بہت کلوز تھی۔ وہ اسے اپنا بیسٹ فرینڈ کہتی تھی۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات اسی سے شیئر کرتی۔ فراز بھی اسے اہمیت دیتا۔ ان کی دوستی مثالی تھی۔

سر ہمدانی کا لیکچر شروع ہو چکا تھا۔ سب کی نظریں ان پہ جمی تھیں۔

☼ ☼ ☼

گاڑی دائیں طرف نظر آنے والی ذیلی سڑک پہ مڑ چکی تھی۔ جوں جوں گاڑی آگے بڑھ رہی تھی۔ سفید عمارت کے پر شکوہ نقوش واضح ہونا شروع ہو گئے

تھے۔ اس کی خوب صورتی کھلنا شروع ہو چکی تھی۔

چند منٹ میں ہی یہ سفر تمام ہوا۔ ڈرائیور نے گیٹ پہ پہنچ کے ہارن دیا۔ گیٹ کے ساتھ دیوار پہ بنی مچان کے اوپر دو باوردی محافظ آتشیں اسلحے سمیت پہرا دے رہے تھے۔ گیٹ کھلا تو ڈرائیور طویل ڈرائیو وے سے گاڑی اندر لے آیا۔

اب وہ ادب سے نیچے اتر کر گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا۔ ملک ایبک نے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ تاحد نگاہ رہائشی حصے کے باہر سبزہ اور قیمتی پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ وہ نپے تلے باوقار قدموں سے چلتا رہائشی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ لمبا قد' قدرے سرخی لیے گندمی رنگت' گہرے بادامی رنگ کی پرسوچ آنکھیں' توانا اور مضبوط جسم پہ سجتا کھدر کا قیمتی کرتا شلوار' اس کی چال میں مضبوطی اور وقار تھا۔ پورے سراپے سے مضبوطی اور نفاست کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ حویلی کے درمیانی حصے میں داخل ہو چکا تھا' یہاں چھت کی بلندی دگنی تھی۔ اسے حویلی کا فیملی لاؤنج سمجھا جا سکتا تھا۔ قیمتی پردے بیش قیمت قالین اور خوب صورت ڈیکوریشن پیسز یہاں کی رونق بڑھا رہے تھے۔

ملک ارسلان اور عنیزہ چچی سے سب سے پہلے سامنا ہوا۔ اس نے پرجوش طریقے سے سلام کیا۔ ملک ارسلان نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ان کے روم روم میں ٹھنڈک سی اتر گئی۔ ساتھ ایک حسرت ناتمام بھی دل کے کسی کونے کھدرے سے نکل کر سامنے آگئی۔

"کیسے ہو ایبک؟" انہوں نے پرجوش مصافحہ و معانقے کے بعد خیر خیریت دریافت کی۔

"چچا جان الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں' حویلی میں سب ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں سب ٹھیک ہے' لیکن تم نے شہر میں بڑے دن لگا دیے۔" ارسلان اس کے چوڑے کندھے پہ ہاتھ رکھے اس کے جوان کڑیل سراپے کو بڑی محبت سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں اب صوفے پہ بیٹھ گئے تھے۔ عنیزہ چچی بھی ساتھ تھیں۔

"کچھ مصروفیت تھی' اس وجہ سے تھوڑا زیادہ ٹائم لگ گیا۔ بابا جان نظر نہیں آرہے ہیں۔" اس کی متلاشی نگاہیں ان ہی کو کھوج رہی تھیں۔

"بھائی جان اپنے کمرے میں ان کی طبیعت ناساز سی ہے۔"

"کیا ہوا ہے بابا جان کو۔" ملک ارسلان کے بتانے پہ وہ مضطرب ہو گیا۔

"بھائی جان کو موسمی بخار اور نزلہ زکام ہے اور کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔" ملک ارسلان نے اس کی فکرمندی دیکھتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بابا جان کی خیر خبر لے لوں۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا گیا۔ ملک ارسلان اور عنیزہ اپنی باتوں میں لگ گئے' مگر موضوع گفتگو ملک ایبک ہی تھا۔

بابا جان کمبل اوڑھے بیڈ پہ نیم دراز تھے۔ پاس ہی افشاں بیگم بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ ملک ایبک کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل اٹھیں۔

"کب آئے تم۔" انہوں نے اٹھ کر اس کا ماتھا چوما' وہ بیڈ پہ بابا جان پاس بیٹھ گیا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" ملک جہانگیر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"بابا جان میں تو ٹھیک ہوں' آپ نے کیوں طبیعت خراب کر لی ہے۔" اس کے لہجے میں محبت آمیز احترام کی آمیزش تھی۔

"موسمی نزلہ زکام ہے' ٹھیک ہو جاؤں گا۔ موسم بدلتے ہی میں بیمار پڑ جاتا ہوں۔ بوڑھا جو ہو گیا ہوں۔ کچھ بھی نہیں کر سکتا اب۔" وہ دھیرے دھیرے سے مسکرا رہے تھے۔

"ارسلان چاچا ہیں نا' انہیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے دیں' آپ صرف آرام کریں۔"

"میں سارا دن آرام ہی تو کرتا ہوں اور کیا کرنا ہے اب میرے دو کڑیل جوان بیٹے ہیں' سب کچھ ان کے حوالے کر کے اللہ اللہ کرنا ہے بس۔" وہ بڑے بشاش نظر آرہے تھے۔ افشاں بیگم تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد

کچن کی طرف آگئیں۔ ملک ایبک اتنے دنوں بعد آیا تھا۔ ممتا سے ان کا دل لبریز ہورہا تھا۔ وہ ایک ایک چیز اسے اپنے ہاتھوں سے کھلانا چاہ رہی تھیں۔ تینوں نوکرانیوں کو انہوں نے کھانے پکانے پہ لگا دیا اور خود اپنے ہاتھوں سے لاڈلے بیٹے کے لیے سیب کاٹنے لگیں۔ معاذ ملک تو پاکستان سے باہر تھا۔ ان کی ساری محبت و توجہ کا محور فی الحال ایبک ہی تھا۔ وہ اس کے لیے کٹے سیب اور انواع و اقسام کے پھل لے کر واپس آئیں تو ارسلان ملک بھی وہاں موجود تھے۔ ملک جہانگیر اب ہشاش بشاش ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے۔

"میں تو کہتا ہوں اب ملک ایبک کی شادی ہو جانی چاہیے' تاکہ "ملک محل" میں بہار آجائے۔" ملک ارسلان نے شرارت سے ایبک کو تکتے ہوئے ملک جہانگیر کو مشورہ دیا۔

"میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ اب اس کام میں مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے' لیکن معاذ پاکستان آجائے تو لگے ہاتھوں اس کے لیے بھی لڑکی دیکھ لوں۔" انہوں نے بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ایبک قطعاً" ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ "کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟"

"لڑکیاں تو بہت ہیں' مگر میں اپنے بیٹے کی پسند کی دلہن لاؤں گی۔" اس سے پہلے کہ ملک جہانگیر کوئی جواب دیتے افشاں بیگم بول پڑیں۔ اس سے پہلے کہ مزید اس موضوع پہ بات ہوتی ملازم نے باہر مردانے میں مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی تو تینوں مرد اس طرف چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

زیان کالج ہال میں دیگر اسٹوڈنٹس سمیت ڈرامے کی ریہرسل کررہی تھی۔ ڈرامہ فورتھ ایر کی آمنہ رحمان نے لکھا تھا اور فورتھ ایرز کی طالبات ہی ایکٹ کررہی تھیں۔ ان میں سے ایک زیان بھی تھی۔ ڈرامے میں اس کا رول لڑاکا اور شکی مزاج سخت دل شوہر کا تھا۔ گیٹ اپ اور آواز بدلنے میں زیان کو مہارت حاصل تھی۔ تب ہی تو اسے اس رول کے لیے موزوں ترین قرار دیا گیا تھا۔ اسے شروع سے ہی اکیلے میں خود سے باتیں کرنے کی عادت تھی۔ یہ عادت اداکاری کے شوق میں کب ڈھلی ٹھیک طرح سے اس کا علم زیان کو بھی نہ تھا۔

اس کی موٹی موٹی غلافی آنکھیں تاثرات دینے میں لاجواب تھیں۔ وہ اپنے ڈائیلاگز کی ریہرسل کررہی تھی۔ اس کی بیوی کا رول بی ایس سی کی صندل منور ادا کررہی تھی۔ دونوں اس وقت مکمل گیٹ اپ میں تھیں۔ آج فائنل ریہرسل تھی۔ قدرے دبے ہوئے پھولوں کے پرنٹ والے کپڑوں میں ملبوس بکھرے بالوں میں صندل منور ڈری سہمی بیوی کی ایکٹنگ کررہی تھی۔ زیان کا گیٹ اپ مردوں والا تھا۔ امیر علی کے براؤن کلر کے کرتے شلوار میں ملبوس سر کے بالوں کو پگڑی میں چھپائے مصنوعی مونچھیں لگائے وہ مکمل طور پہ بدلے حلیے میں تھی۔ اپنے مکالمے مردانہ لب و لہجے میں گھن گرج کے ساتھ ادا کرتے ہوئے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ ہی زیان ہے۔

میڈم فریحہ نے تالیاں بجا کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تو وہ دونوں آکر کرسیوں پہ بیٹھ گئیں۔ اب اگلی ریہرسل شروع تھی۔ میڈم فریحہ ڈرامیٹک سوسائٹی کی انچارج اور کرتا دھرتا تھیں۔ کالج میں ہونے والی ایسی تمام غیر نصابی سرگرمیوں کو انہوں نے اپنی محنت سے بھرپور بنانا ہوتا تھا۔

زیان کا کام ختم ہوچکا تھا۔ وہ میڈم فریحہ سے اجازت لے کر کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔ اب وہ کالج کے سفید یونیفارم اور سفید ہی ڈوپٹے میں ملبوس تھی۔ اپنے اصل حلیے میں لگ ہی نہیں رہا تھا یہ وہی زیان ہے، جو تھوڑی دیر پیشتر ایک ظالم جابر شوہر کا رول ادا کررہی تھی۔

میڈم فریحہ بڑے مزے میں اکثر اسے مشورہ دیتی کہ ایکٹنگ کے میدان میں آجاؤ۔ آج بھی حسب سابق انہوں نے پرانی باتیں دہرائیں۔ "زیان تم ٹی وی کا رخ

کرو، بہت صلاحیتیں ہیں تم میں' ایک اچھی اداکارہ بن سکتی ہو۔ تمہارے فیس ایکسپریشنز بالکل نیچرل ہیں۔ ڈرامہ انڈسٹری میں تہلکہ مچا سکتی ہو۔" وہ سن کر مسکرا دی۔

"میڈم جس خاندان سے میرا تعلق ہے وہاں شوبز کو گالی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے لاکھ کوشش کے باوجود بھی میں نہیں کرپاؤں گی۔" اس کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ میڈم فریحہ نے کندھے اچکائے، جیسے کہہ رہی ہوں تمہاری مرضی۔ ادھر دل ہی دل میں زیان کو جانے کیوں یک دم غصہ آگیا تھا۔ "ہاہاہا... اچھی اداکارہ... نیچرل ایکسپریشنز۔" میڈم فریحہ کی باتیں دل میں دہراتے ہوئے طنزیہ ہنسی ہنس رہی تھی۔

اس کیفیت کے زیر اثر وہ گھر پہنچی۔ دروازہ اس کی چھوٹی بہن رابیل نے کھولا۔ اس نے ہلکی آواز میں سلام کیا۔ جواباً" رابیل نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ زیان اندر آگئی۔ بیگ رکھ کر وہ برآمدے میں لگے واش بیسن سے منہ ہاتھ دھونے لگی۔

سامنے کچن کے دروازے سے رحمت بوا کی جھلک نظر آرہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر وہ کھانا گرم کررہی تھیں۔ زیان منہ' ہاتھ دھو کر یونیفارم میں ہی کچن کی طرف چلی آئی۔ آج بھوک زوروں پہ تھی۔ صبح ناشتے کے نام پہ اس نے چند گھونٹ چائے پی تھی۔ پھر کالج میں سارا دن ڈرامے کی بھاگ دوڑ میں گزرا تھا۔ کینٹین جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

"بوا کیا پکایا ہے؟" بھوک اسے مزید برداشت نہیں ہورہی تھی۔

"مٹر قیمہ اور ساتھ میں چاول ہیں' کہو تو دو کباب بھی فرائی کردوں؟" بوا پلیٹ میں کھانا نکال رہی تھیں۔

"جو مرضی ہے کریں' لیکن پہلے میں چاول کھاؤں گی۔" وہ کچن میں پڑی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکی تھی۔ بوا فریج سے کباب نکال کر تل رہی تھیں۔ ساتھ اسے سارے دن کی روداد سنا رہی تھیں۔ وہ رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے سن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ نے زیان کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" امیر احمد کے گرد کمبل ٹھیک کرتے ہوئے زرینہ بیگم نے اچانک یہ عجیب سوال کردیا۔ امیر احمد نے بھنویں اچکاتے ہوئے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔ جیسے پوچھ رہے ہوں "کیا؟ میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔"

"کمال ہے آپ جوان بیٹی کے باپ ہو کر یہ کہہ رہے ہیں۔" زرینہ بیگم نے جیسے نامحسوس انداز میں ان پہ طنز کیا۔

"کھل کر بات کرو۔" الجھن بدستور ان کے لہجے میں موجود تھی۔

"زیان اس سال اپنی کالج کی تعلیم مکمل کرلے گی۔" زرینہ بیگم نے سنبھل کر بات کا آغاز کیا۔

"تو...؟" امیر احمد نے پھر سے اپنی سوالیہ نگاہیں ان پہ ٹکائیں۔

"تو آپ نے اس کی شادی وغیرہ کا کچھ نہیں سوچا۔" اس بار اطمینان کی سانس ان کے سینے سے خارج ہوئی۔ "پہلے وہ تعلیم تو مکمل کرلے' پھر سوچیں گے اس پہ۔"

"لڑکیوں کو مناسب وقت پہ اپنے گھربار کا کردینا چاہیے' تعلیم وغیرہ شادی سے ضروری تو نہیں۔" زرینہ بیگم اپنے اختلاف سمیت آہستہ آہستہ سامنے آرہی تھیں۔

"زیان کو اعلا تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے....." انہوں نے اچانک بات ادھوری چھوڑ دی تو زرینہ بیگم کے چہرے پہ غصہ نظر آنے لگا۔

"تو کیا ساری عمر اسے پڑھانے کا ارادہ ہے؟" چبھتے ہوئے لہجے میں طنزیہ استفسار تھا۔

"میں نے ساری عمر نادانستگی میں اسے نظرانداز کیا ہے۔ میری بیٹی مجھ سے دور ہوگئی ہے' کم سے کم میں اس کی یہ خواہش نظرانداز نہیں کرسکتا۔" ان کے لہجے میں احساس زیاں بول رہا تھا۔ جس نے سر سے

پاؤں تک زرینہ بیگم کو جھلسا دیا۔

"ہاں..... ہاں آپ کیوں اس کی کوئی خواہش نظر انداز کریں گے۔ آپ کی چہیتی کی اولاد جو ہے۔" امیر احمد نے زخمی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو' میں نے زیان کے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے' وہ متنفر ہے مجھ سے..... میں نہیں چاہتا اس کی دیرینہ خواہش کے راستے میں رکاوٹ بنوں۔"

"لیکن میں اب اسے اور اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔ اس کے بعد رابیل بھی ہے مجھے اس کا بھی سوچنا ہے۔"

"رابیل ابھی بہت چھوٹی ہے' اللہ اچھا کرے گا۔" امیر احمد کے انداز میں شکست نمایاں تھی۔

"آپ کو کیا پتا بیٹیوں کے رشتے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' ابھی سے زیان کے لیے کوشش کا آغاز کروں گی تو کچھ ہو گا نا۔ میں دیکھ بھال کر زیان کے لیے اچھا رشتہ ہی تلاش کروں گی' دشمن نہیں ہوں اس کی ماں ہوں۔" امیر احمد کی پسپائی دیکھ کر وہ بھی نرم پڑ گئی تھیں۔

تب ہی دروازے پہ مخصوص دستک کی آواز ابھری' یہ بوا رحمت تھیں جو سونے سے پہلے معمول کے مطابق ان کے لیے خود دودھ لے کر آئی تھیں۔ زرینہ نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا' مگر وہاں بے نیازی تھی' کوئی کھوج' کوئی بھید کوشش کے باوجود بھی وہ تلاشنے میں ناکام رہیں۔ وہ دودھ رکھ کر جا چکی تھیں۔ دروازہ پہلے کی طرح بند تھا۔

زرینہ نے اطمینان کی سانس خارج کرتے ہوئے دودھ کے گلاسوں سے اٹھتی بھاپ کی طرف نگاہ جمادی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ بوا نے ابھی ابھی دودھ گرم کیا ہے۔ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ پھر سے امیر احمد کی طرف متوجہ ہوئیں اور باتوں کا ٹوٹا سلسلہ وہیں سے جوڑنا چاہا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

"ہاں جو تمہیں اچھا' مناسب لگتا ہے کرو۔" ایک بھرپور قسم کی پسپائی امیر احمد کے پورے وجود سے جھانک رہی تھی۔ زرینہ بیگم کو یک گونہ اطمینان کا احساس ہوا۔ وہ شروع سے فاتح رہی تھیں۔ اس محاذ پہ بھی امیر احمد نے لڑے بغیر ہتھیار پھینک دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

بوا نے پورے گھر کا چکر لیا اور سب دروازے چیک کیے۔ یہ ان کا پرانا معمول تھا جس پہ وہ برسوں سے کاربند تھیں۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے وہ ایک بار پھر زیان کے کمرے کے سامنے رکیں۔ ہاتھ سے دروازے پہ دباؤ ڈالا۔ وہ اندر سے لاک تھا۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑی سوچتی رہیں اور پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ وہ جب دودھ لے کر امیر احمد کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں تو زرینہ بیگم کی کچھ باتیں دروازہ بند ہونے کے باوجود بھی ان کے کانوں میں پڑ گئی تھیں۔ کیونکہ وہ اونچی آواز میں بولنے کی عادی تھیں۔ بوا کی عمر کا بیشتر حصہ اسی گھر کے مکینوں کے ساتھ گزرا تھا۔ وہ زرینہ بیگم سے بھی پہلے یہاں تھیں۔ زمانے کے سرد و گرم سے آشنا اور جہاں دیدہ تھیں۔ زرینہ بیگم کا اول دن سے ہی زیان کے ساتھ رویہ ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

انہوں نے زیان کو امیر احمد کی بیٹی نہیں اپنی حریف سمجھا تھا۔ بوا کا دل اس سلوک پہ احتجاج کرتا' لیکن وہ کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ ہاں زیان کے لیے ان کی محبت توجہ پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ وہ ہر ممکن اس کی دلجوئی کرتیں۔ اب زرینہ بیگم نے جو اچانک شادی کا شوشہ چھوڑا تھا۔ وہ بلاوجہ نہیں تھا۔ گھر میں سب کو ہی پتا تھا زیان کو اعلا تعلیم حاصل کرنے کا بے پناہ شوق ہے۔

اس کے ارادے بلند تھے۔ وہ گھر کے گھٹے گھٹے ماحول سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ سو اس کی تمام تر توجہ اپنی پڑھائی پہ تھی اور اس پہ وہ کوئی سمجھوتہ کرنے کی قائل نہیں تھی۔ ایسے میں اپنی شادی کا ذکر اسے مشتعل کرسکتا تھا۔ بوا آنے والے وقت کے خیال سے پریشان تھیں۔

☼ ☼ ☼

یونی ورسٹی کے وسیع سبزہ زار پہ دھوپ نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ کلاسز آف ہونے کے بعد وہ پانچوں کے پانچوں پھسکڑا مار کر ادھر ہی بیٹھے گئے تھے۔ رنم نے کومل کے کندھے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ جبکہ اس کے چہرے پہ کوفت کے آثار تھے۔ راعنہ نے سبب دریافت کیا تو وہ پھٹ سی پڑی۔

"کتنے دن ہوگئے ہیں' نہ کوئی پارٹی' نہ پکنک' نہ موج مستی' نہ ہنگامہ۔۔۔ میں روٹین لائف سے بور ہوگئی ہوں۔" اس کے چہرے پہ دنیا جہان کی بے زاری تھی۔ رنم نے پیار سے اس کے بال سلائے اور اس کے کندھے سے اپنا سر اٹھالیا۔

"تو کیا خیال ہے' رات کو Base ment night club نہ چلا جائے؟" اس نے باری باری سب کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھا تو سب سے پہلے اشعر نے نعرہ مستانہ بلند کیا۔

"واؤ ونڈر فل آئیڈیا۔"

"ہاں ٹھیک ہے انجوائے منٹ رہے گی۔" راعنہ بھی راضی تھی۔

"اوکے ڈن ہے رات کو چلیں گے۔" رنم فیصلہ کن لہجے میں بولی تو سب نے اثبات میں سرہلایا۔

"اب میں تو گھر جارہا ہوں۔" فراز سب سے پہلے اٹھا۔ وہ کی رنگ جھلاتا پارکنگ ایریا کی طرف آیا تو رنم بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تینوں کو سی یو بول کر وہ اپنی گاڑی نکالنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بڑی طوفانی رفتار سے گاڑی ڈرائیو کرتی ایف ایٹ ون کی طرف جارہی تھی' جہاں اس کی جنت اس کا گھر تھا۔

☼ ☼ ☼

احمد سیال ڈیلی گیشن کے ساتھ مصروف تھے۔ انہوں نے رنم کو اپنی مصروفیات سے آگاہ کردیا تھا۔ اس لیے وہ اندھیرا چھاتے ہی اپنی تیاری میں لگ گئی تھی۔ پارٹیز' پکنک' ہلا گلا' سیرو تفریح میں اس کی جان

تھی۔ ہر ہفتے وقت نکال کر وہ سب فرینڈز اپنی اپنی پسندیدہ ایکٹوٹیز سے لطف اندوز ہوتے رنم پیش پیش ہوتی۔

اپنے پسندیدہ بلیک کلر کے ڈریس میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کی خوب صورتی کے دو آتشہ ہونے میں کلام نہیں تھا۔ اپنے حسن اور کشش کا اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔ اس بات اور احساس نے اسے بے پناہ اعتماد بخشا تھا۔ وہ بہت سے لوگوں میں الگ سے ہی پہچانی جاتی۔

وہ سب دوست ہائی سوسائٹی کے اس کلب کے باقاعدہ رکن تھے۔ احمد سیال کی بیٹی ہونے کے ناطے اور پھر اپنی بے پناہ خوب صورتی کی وجہ سے گمنام نہیں رہی تھی۔ سب اسے اچھی طرح جانتے تھے اور اسی حساب سے پروٹوکول بھی دیتے۔ آج بہت دن بعد سب دوست کلب میں اکٹھے ہوئے تھے۔

ڈانسنگ فلور پہ شوخ مغربی دھن پہ نوجوان جوڑے قدم سے قدم ملائے رقص کررہے تھے۔ رنم کو بذات خود ڈانس اور موسیقی کے اس مظاہرے سے دلچسپی نہیں تھی۔ پر اسے نوجوان جوڑوں کی یہ حرکات محظوظ کرتی۔ ہال کے چاروں طرف مخصوص فاصلے کی حد میں چھوٹی چھوٹی گول میزیں اور ان کے گرد کرسیاں پڑی تھیں۔ جو رقص سے تھک کر آرام کرنے والوں کے کام آتیں۔ راعنہ' رنم اور فراز تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے' جبکہ کومل' اشعر ڈانسنگ فلور پہ دوسرے جوڑوں کے ساتھ رقص کررہے تھے۔

وہ تینوں دوست ان ہی کے بارے میں بات کررہے تھے۔ اشعر نے تین ماہ پہلے کومل کو پرپوز کیا تھا۔ اس نے اشعر سے سوچنے کے لیے مہلت مانگی اور ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا' یہ بات انہیں فکرمند کررہی تھی۔ کومل سیدھے سیدھے ہاں کیوں نہیں کردیتی۔ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی اور لگاؤ تھا۔ رہی ان کی محبت تو وہ بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس کے باوجود بھی کومل سوچنے کے لیے وقت مانگ رہی تھی۔

"رنم تم نے کیا پلان کیا ہے فیوچر کے لیے؟" راعنہ

نے ایک دم سوال کر کے موضوع بدل دیا۔

"پلان کیا کرنا ہے' بس لائف کو انجوائے کر رہی ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ راعنہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہو.... آئی مین تم نے لائف پارٹنر' شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس بار فراز بھی دھیان دینے پہ مجبور ہو گیا۔

"ابھی بہت ٹائم ہے یار۔" اس نے بات ہنسی میں اڑا دی تو راعنہ کا منہ سا بن گیا۔ رنم اتنی آسانی سے کسی کو اپنی سوچوں تک رسائی حاصل کرنے نہیں دیتی تھی۔

خود سر اور خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال' فراز دونوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ان کی گفتگو میں دخل نہیں دیا۔ اس کی یہ عادت کم سے کم رنم کو بہت پسند تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے فراز اس کا خاموش حمایتی ہو۔ رنم کی مخالفت کرنا اسے آتا ہی نہیں تھا۔

اس کی یہ خاموشی اور حمایت بہت دفعہ راعنہ کو شک میں ڈالتی کہ فراز کے دل میں رنم کے لیے کوئی نہ کوئی سوفٹ کارنر ضرور ہے۔ ورنہ تقریر کرنے' دلائل دینے میں اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ رنم اسے اپنا سب سے بہترین دوست کہتی اور یہ بات صرف کہنے یا دعوا کی حد تک نہیں تھی۔ ان کی ایک ایک حرکت سے اس کا اظہار ہوتا کہ فراز اور وہ ایک دوسرے کے لیے بے پناہ اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے "وہ خاص جذبہ" بھی رکھتے ہیں۔ کم سے کم راعنہ ابھی تک اس کا سرا پکڑ نہیں پائی تھی۔ "خیر مجھے کیا جو بھی ہے۔" راعنہ انہیں نظرانداز کر کے رقص دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر کی طبیعت اب کافی بہتر تھی۔ تب ہی تو وہ ڈیرے پہ آئے تھے۔ ڈیرے پہ روز محفل جمتی' ان کے دوست احباب' مزارعے' عام لوگ ضرورت مند' اپنی اپنی مشکلات' مسائل' لڑائی' جھگڑے لے کر ان کے پاس آتے۔ وہ کسی کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ بے انتہا نرم دل اور مہربان تب ہی تو ان کے پاس آنے والے دعائیں دیتے رخصت ہوتے' ملک جہانگیر نے اپنے پرکھوں کی عزت و روایت ابھی تک قائم رکھی ہوئی تھی۔ ملک ایبک بھی ان کے ساتھ ڈیرے پہ موجود تھا۔ دوپہر کے بعد ملنے ملانے والے اٹھ کر گئے تو ملک ایبک ان کے ساتھ ڈیرے سے باہر آ گیا۔ کھیتوں کے کنارے بنی پگڈنڈی پہ دونوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ کچھ عمر کا تقاضا اور کچھ ملک جہانگیر کی صحت پہلے جیسی نہیں رہ تھی' ان کی حرکات میں سستی اور کمزوری تھی۔ ایبک صرف ان کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔

تاحد نظر سبزہ اور ہریالی تھی۔ پنجاب کے مغربی حصے میں واقع یہ گاؤں ملک جہانگیر کے آباؤاجداد نے آباد کیا تھا۔ یہاں کی مٹی بڑی زرخیز تھی۔ ہر سال مختلف پھلوں' سبزیوں اور فصلوں کی بہترین پیداوار ہوتی جو گاؤں سے شہر کی منڈیوں تک پہنچائی جاتی۔ پہلے ملک جہانگیر ان سب کاموں کی نگرانی خود کرتے تھے۔ کیونکہ ملک ایبک اور ملک معاذ تب اپنی اپنی تعلیم کے سلسلے میں گاؤں سے باہر تھے۔ ایبک تو اپنی انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر چکا تھا' جبکہ معاذ اعلا تعلیم کے حصول کی خاطر ملک سے باہر تھا۔

ایبک کے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اب تمام امور کی انجام دہی' ذمہ داری سب اسی کے سپرد تھی۔ اس کا ایک پاؤں شہر تو ایک گاؤں میں ہوتا۔ شہر میں بزنس کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ وہ کچھ فلاحی کاموں میں بھی پیش پیش تھا۔ ملک جہانگیر اس سے بے پناہ خوش تھے۔ وہ عادات و اطوار میں ہو بہو ان کا پرتو تھا۔

"بابا جان میرے ذہن میں ایک منصوبہ آیا ہے۔" اس کی بات پہ ملک جہانگیر کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ اس کی طرف پلٹے۔ "کیسا منصوبہ پتر۔"

"بابا جان میں چاہتا ہوں کہ شہر کی طرح گاؤں میں بھی کچھ فلاحی منصوبوں پہ کام شروع کیا جائے۔"

"پتر تمہاری بات میں بڑی جان ہے، مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے علاوہ بھی کچھ سوچتے ہو۔ تم نے کچھ اچھا ہی سوچا ہو گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تھنک یو بابا جان۔ میں اس پہ جلد ہی پیپر ورک کروں گا۔" ان کی طرف سے تائید اور حوصلہ افزائی پا کر وہ بہت مسرور تھا۔

"کرو پتر نیک کام میں دیر کیسی۔" ان کے چہرے پہ بیٹے کے لیے محبت و شفقت تھی۔ ایبک نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"بابا جان آئیے میں آپ کو جیپ تک چھوڑ کر آتا ہوں، میں بعد میں مزارعوں سے مل کر زمینوں کا ایک چکر لگا کر آؤں گا۔" ملک جہانگیر کا سانس بار بار پھول رہا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے وہ اور بھی سست ہو رہے تھے۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا انہیں واپس جانے پہ اعتراض نہیں تھا۔ وہ خود انہیں جیپ تک چھوڑ کر آیا۔ رحیم داد نے فوراً" سے بیشتر گاڑی اسٹارٹ کی اور ملک جہانگیر کو حویلی لے کر روانہ ہو گیا۔

جیپ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو تب ایبک نے قدم آگے بڑھائے۔ کھیتوں سے ہرے ہرے پھلوں کے باغات کا سلسلہ شروع تھا۔ وہ پیدل چلتا ادھر جا رہا تھا۔ فضا میں سیب، لیموں اور مالٹے کی مہک رچی ہوئی تھی۔ اس نے پوری سانس لے کر اس مہک کو گویا اپنے سینے میں اتارا۔

مزارعے باغوں میں اپنے انجام کی فرائض دہی میں مصروف تھے۔ اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر سب ہی ہوشیار ہو گئے۔ ایبک نے سب سے دعا سلام کی۔ وہ اس وقت مالٹوں کے باغ میں تھا۔ تاحد نظر مالٹے کے پیڑ ہی پیڑ نظر آ رہے تھے۔ موسمی پھل سے لدے پیڑ اس امر کی نشان دہی کر رہے تھے کہ اس بار خوب پیداوار ہوئی ہے۔ اسے دلی اطمینان سا محسوس ہوا۔

باغات سے آگے کافی زمین خالی پڑی تھی۔ وہ اس طرف آ کر کھوجتی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ یہ خالی قطعہ اراضی اس کے منصوبے کے لیے عین مناسب تھی۔ واپس جا کر اس نے اس سلسلے میں عملی اقدام کرنا تھا۔ کچھ پہلو اس کے ذہن میں واضح تھے۔ کچھ کے بارے میں غور و فکر کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

موسم کے تیور آج کافی شدت پہ مائل تھے۔ معمول سے زیادہ سردی ماحول میں رچی بسی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ زیان نے سردی سے ٹھٹھرتے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا۔ وہ صحن میں ٹہلنے کے ارادے سے نکلی تھی۔ دھوپ دیواروں سے ڈھلنے کی تیاری میں تھی۔ وہ جوں ہی صحن میں آئی، ایک ثانیے کے لیے کپکپا سی گئی، کیونکہ باہر سرد ہواؤں کا راج تھا۔ اس نے گرم شال مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ لی۔ چند چکر لگانے کے بعد جب دانت سردی سے بجنے لگے تو اس نے کمرے کی راہ لی۔ وہ مڑ کر واپس ہونے کو تھی، جب اپنے پیچھے وہاب کی پرجوش اور شوخ آواز سنائی دی۔

"حسین لوگو السلام علیکم!" وہاب کی کھنکتی آواز پہ خود بہ خود ہی اس کے قدم رکے اور اس نے ایک ثانیے کے لیے رخ موڑ کر وہاب کی طرف دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" اس کا عام سا لہجہ اور انداز کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔ وہاب کو دکھ سا ہوا۔

"آنٹی اندر ہیں۔" وہ ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کر کے بوا کی طرف آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہاب چلا گیا ہو گا زرینہ بیگم کی طرف، مگر وہ تو اس کے پیچھے پیچھے کچن میں آ گیا جہاں بوا چائے بنانے میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائیں۔

"کیسے ہیں وہاب میاں۔" ان کے لہجے میں احترام کے ساتھ محبت بھی تھی۔ وہاب نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ اس کی تمام تر توجہ زیان کی طرف تھی۔ جواب اسٹول پہ بیٹھی پاؤں ہلا رہی تھی۔ ریڈ کلر کے امبرائیڈری والے سوٹ اور شال میں اس کی گلابی رنگت دمک رہی تھی۔ مناسب قدوقامت

پرکشش چہرہ گہری غزالی آنکھیں وہ حسن مجسم تھی۔ اس کے حسن بلاخیز نے وہاب کے دن رات کا سکون و قرار لوٹ لیا تھا۔ وہ ابھی تک اس پہ اپنا حال آشکارا نہ کرپایا تھا۔ کیونکہ زیان کی سرد مہری بے گانگی اسے یہ ہمت کرنے ہی نہیں دیتی تھی۔

"وہاب میاں آپ اندر چلیں' میں چائے لاتی ہوں۔" اسے دروازے پہ ہنوز ایستادہ دیکھ کر انہوں نے جیسے اسے کوئی احساس دلانے کی کوشش کی تو وہ کھسیانا سا ہو کر بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ زیان وہیں اسٹول پہ براجمان نولفٹ کا مکمل اشتہار بنی ہوئی تھی۔

وہ مایوس ہو کر زرینہ خالہ کی طرف آگیا۔

"کب آئے تم۔" انہوں نے بوا کی معیت میں اسے آتا دیکھ کر فوراً" سوال کیا۔ بوا چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ تھیں۔

"ابھی آیا ہوں بس۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ بوا چائے رکھ کر پلٹ گئی تھیں۔ جواباً" انہوں نے وہاب کو تیکھی نگاہوں سے دیکھا' پر وہ نظرانداز کر کے پیالی میں چائے ڈالنے لگا۔

رات آخری پہر میں داخل ہونے کو تھی' پر نیند وہاب کی آنکھوں سے کوسوں دور کھڑی ہاتھ مل رہی تھی۔ سخت سردی کے باوجود اس کا لحاف تہ کیا ہوا بستر کی پائنتی کی طرف رکھا تھا۔ وہ صوفے پہ بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ زیان سرخ لباس میں ملبوس جیسے اس کے کمرے میں گھوم پھر رہی تھی۔ وہ اس کے حسن بلاخیز کے سامنے مکمل طور پہ کب کا سرنگوں ہو چکا تھا۔ وہاب کے دل میں زیان کو حاصل کرنے کی تمنا پچھلے چار سال سے انگڑائیاں لے رہی تھی۔ لیکن ان چار سالوں میں وہ ایک بار بھی حال دل کہنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو پایا تھا۔ اب ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ بات اس کی مردانگی کے لیے چیلنج بنتی جارہی تھی۔

"میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا زیان امیر احمد۔" اس نے ہتھیلی کا مکہ بنا کر دوسرے ہاتھ پہ مارا۔ وہاب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور چہرے پہ پراسرار مسکراہٹ۔

☆ ☆ ☆

فون مسلسل دھیمے سروں میں گنگنا رہا تھا۔

احمد سیال نے سامنے ساگوان کی ٹیبل پہ پڑا موبائل فون آن کر کے کان سے لگایا۔ "ہیلو" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے تو دوسری طرف سے والہانہ انداز میں سلام کا جواب ملا۔ یہ ملک جہانگیر تھے' ان کے گہرے اور بے تکلف دوست۔ تین سال سے دونوں کی آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تھی' لیکن وقتاً" فوقتاً" فون پہ رابطہ رہا کرتا۔

"اوہ تو آپ ہیں ملک صاحب۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"جی یہ میں ہی ہوں احمد سیال۔" جواباً" وہ بھی بے تکلفی سے گویا ہوئے۔ "تم نے تو نہ ملنے کی قسم کھا رکھی ہے' میں نے سوچا خود فون کر کے تمہاری خیریت پوچھ لوں۔"

"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے' بزنس کے سلسلے میں کبھی یہاں کبھی وہاں ہوتا ہوں' پاکستان سے باہر آنا جانا لگا رہتا ہے۔ کاروباری بکھیڑوں میں ایسا پھنسا ہوں کہ میری اکلوتی بیٹی بھی شکایت پہ اتر آئی ہے۔ بہت دل چاہتا ہے پرانے دوستوں کے ساتھ محفل جماؤں' لیکن یہ وقت کی کمی آڑے آجاتی ہے۔" احمد سیال کے لہجے میں شرمندگی بے بسی نمایاں تھی۔ ملک جہانگیر نے مزید شکوے' شکایتوں کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"تمہاری بیٹی کیسی ہے اب؟"

"وہ ہاں! رنم بالکل ٹھیک ہے۔"

"اب تو کافی بڑی ہو گئی ہو گی۔" ملک جہانگیر آٹھ نو سال پہلے رنم کو دیکھا تھا۔ جب وہ مری میں زیر تعلیم تھی اور چھٹیوں پہ گھر آئی ہوئی تھی۔

"ہاں اب تو یونی ورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔ بی ایس آنرز کر رہی ہے۔" رنم کا ذکر کرتے ہوئے احمد سیال کے لہجے میں خود بہ خود ہی فخر سا در آیا تھا' جیسے انہیں رنم کا باپ ہونے پہ غرور ہو۔

"میں اس وقت اسلام آباد میں ہوں۔ ایک چیک اپ کروانے لایا ہے' سوچا تمہیں فون کرکے حال احوال پوچھ لوں۔"

"تم اسلام آباد میں ہو۔ میں آفس سے نکل رہا ہوں۔ سیدھے میرے گھر آؤ۔ مل بیٹھیں گے' اکٹھے لنچ کریں گے۔ پرانی یادیں تازہ کریں گے۔" احمد سیال فوراً" پرجوش ہوئے۔ ملک جہانگیر نے دو گھنٹے بعد آنے کا کہہ کر فون بند کردیا۔

ایبک انہیں چیک اپ کروانے کے بعد گھر چھوڑ کر ابھی ابھی ضروری کام کا بول کر نکلا تھا۔ تب ہی تو ملک جہانگیر نے احمد سیال کو دو گھنٹے بعد کا ٹائم دیا۔ کافی دیر گزر چکی تھی' انہوں نے ایبک کو فون کرکے واپسی کا پوچھا۔ اس نے کہا ابھی مجھے ٹائم لگے گا۔ کچھ سوچنے کے بعد انہوں نے ڈرائیور کے ساتھ احمد سیال کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

وہ گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے۔ "تم مجھے کچھ کمزور نظر آرہے ہو۔" احمد سیال انہیں تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جواباً" وہ مسکرائے۔

"دمے کی بیماری بھی لگ گئی ہے مجھے' دل کا مریض تو پہلے سے ہوں۔ ساتھ دیکھنے میں بھی دشواری پیش آنے لگی ہے۔ لیکن ان بیماریوں میں کیا رکھا ہے۔ میں آج بھی پہلے کی طرح باہمت اور حوصلہ مند ہوں۔" ملک جہانگیر شگفتگی سے مسکرائے تو احمد سیال نے تعریفی انداز میں ان کے شانے پہ تھپکی دی۔

"تمہاری ہمت اور حوصلہ قائم رہے جہانگیر۔" احمد سیال نے دل سے دعا دی۔ دونوں باتیں کرتے کرتے سیٹنگ روم میں آئے۔ آفس سے اٹھنے سے پہلے ہی گھر فون کرکے احمد سیال نے ملک جہانگیر کی آمد کا بتا دیا تھا۔ یہ وجہ تھی جب وہ ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ایک پرتکلف کھانا ان کا منتظر تھا۔

رنم ابھی تک یونی ورسٹی سے نہیں لوٹی تھی۔ احمد سیال کے ساتھ ساتھ ملک جہانگیر بھی اس کی آمد کے منتظر تھے۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔

گھر پہنچنے پہ کارپورچ میں اسے پاپا کی گاڑی نظر آئی' ساتھ ایک اجنبی گاڑی بھی تھی جو کم از کم اس نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ وہ الجھ سی گئی' کیونکہ پاپا اس وقت شاذونادر ہی گھر میں پائے جاتے۔ چھٹی کا پورا دن وہ گھر گزارتے' ورنہ یہ امر محال تھا۔ گاڑی روک کر وہ نیچے اتری تو سامنے رمضان جاتا نظر آیا۔ رنم نے آواز دے کر روک لیا۔ وہ اس کے پاس مئودبانہ انداز میں کھڑا اس کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔ "صاحب جی کے دوست آئے ہیں۔ وہ آپ کا دو' تین بار پوچھ چکے ہیں۔"

"اچھا جاؤ تم۔" وہ پرسوچ انداز میں چلتی اسی طرف آئی جس طرف رمضان نے مہمان کی موجودگی کی نشان دہی کی تھی۔ احمد سیال اور ملک جہانگیر اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ رنم کے سلام کرنے پہ چونکے اور متوجہ ہوئے۔ رنم اپنی بانہیں احمد سیال کے گلے میں حمائل۔ کیسے حال احوال پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا ان سے ملو یہ ہیں' میرے دوست ملک جہانگیر۔ بہت بڑے گاؤں کے مالک ہیں' لیکن روایتی چوہدریوں' زمین داروں سے بالکل مختلف ہیں۔" ایک ہلکی سی مسکراہٹ سمیت احمد سیال آنے والے مہمان کا تعارف کروا رہے تھے۔ رنم نے رسمی انداز میں ان کی خیریت دریافت کی۔ جواباً" انہوں نے خلوص سے "جیتی رہو" دعا دی۔

رنم اس کے بعد وہاں رکی نہیں' اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔

رنم کے جانے کے بعد دونوں دوست پھر سے باتوں میں لگ گئے۔ ملک جہانگیر کو رنم بہت اچھی لگی تھی۔ جوان ہونے کے بعد اس نے خوب رنگ روپ نکالا تھا۔ انہوں نے آج اسے کافی عرصے بعد دیکھا تو ذہن میں موجود سوچوں نے کچھ کچھ عملی صورت اختیار کرلی۔ ان کے چہرے پہ موجود خوشی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

✡ ✡ ✡

ملک جہانگیر نے گاؤں واپسی جانے کی تیاری کرلی

تھی۔ حالانکہ ایبک نے کتنا اصرار کیا کہ رات ادھر ہی رک جائیں، پر وہ نہیں مانے۔ گاؤں سے باہر وہ زیادہ دیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ ان کے لیے جائے پناہ ان کا گاؤں اور گھر تھا۔ وہ وہاں سچی خوشی اور سکون محسوس کرتے۔ "ملک محل" ان کے خوابوں کی جنت تھا۔ اس جنت کی شان بڑھانے کے لیے انہوں نے ملک ایبک اور ملک معاذ کے لیے، بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔

ایبک تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سنبھال چکا تھا۔ جبکہ معاذ کی تعلیم مکمل ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔ معاذ، ایبک کے مقابلے میں شوخ، لاپروا اور زندگی سے ہر پل خوشی کشید کرنے کا قائل تھا، یہ وجہ تھی کہ انہیں معاذ کے لیے رنم بالکل مناسب لگی تھی۔ ابھی تو وہ شادی کے نام سے دامن بچاتا تھا، مگر پورا یقین تھا رنم کو دیکھنے اور ملنے کے بعد وہ ان کی بات ٹالے گا نہیں۔

دوسری طرف وہ ملک ایبک کی بھی شادی کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ بات، بہت عرصے سے ان کے دل میں تھی۔ ایبک ان کا لاڈلا، فرماں بردار، سعادت مند بیٹا تھا۔ انہیں اس کے لیے ہیرا صفت لڑکی کی تلاش تھی، مگر ابھی تک وہ مل نہیں پائی تھی۔

اگر وہ معاذ یا ایبک کے لیے رنم کا رشتہ طلب کرتے تو احمد سیال نے انکار نہیں کرنا تھا۔ ان کی دوستی پرانی تھی۔ درمیان میں کچھ وقت ایسا بھی آیا جب ان کا رابطہ احمد سیال سے بالکل ختم ہو گیا، کیونکہ وہ اپنے کاروباری بکھیڑوں میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ مگر اس مصروفیت کے باوجود ان کی دوستی اور گرمجوشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ نہ یہ مصروفیت دلوں میں بسی محبت کم کر پائی تھی۔ اتنے عرصے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تو ملک جہانگیر کو مایوسی نہیں ہوئی۔ آج وہ بے پناہ خوش تھے۔

☆ ☆ ☆

زرینہ بیگم اور روبینہ دونوں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ زرینہ آدھا گھنٹہ پہلے ہی عجلت میں پہنچی تھیں، انہیں واپسی کی بھی جلدی تھی، کیونکہ امیر احمد کی طبیعت نارمل نہیں تھی، انہیں ہمہ وقت دیکھ بھال کی ضرورت پڑتی، وہ رابیل کو ضروری ہدایات دے کر گھر سے نکلی تھیں۔

"پھر کیا سوچا تم نے زرینہ؟" انہوں نے منہ قریب کرتے ہوئے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ "میں نے صرف سوچا نہیں ہے، عمل کرنے کی بھی ٹھان لی ہے۔ جتنا جلدی ہو سکتا ہے زیان کی شادی کرنی ہے۔۔۔۔ ورنہ یہ فتنہ لڑکی میری آئندہ آنے والی زندگی میں بھی آگ لگا سکتی ہے۔" زرینہ کا لہجہ نفرت آمیز تھا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ میرے وہاب کا حال نہیں دیکھا، ہر دو دن بعد تمہارے گھر پہنچا ہوتا ہے۔" روبینہ نے تائید کی۔

"مگر وہاب جیسے اس کی نگاہوں میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔"

"کیوں کیا ہے میرے وہاب کی حیثیت کو۔ اچھا کماتا ہے۔ شکل و صورت والا ہے، بھرپور مرد ہے۔" زرینہ کی بات پہ روبینہ تڑپ ہی تو گئیں۔ زرینہ نے ان کی جذباتی حالت دیکھ کر فوراً اپنی بات کا تاثر زائل کرنے کی کوشش کی۔

"میرا یہ مطلب نہیں آپا کہ خدانخواستہ وہاب یا آپ کم حیثیت ہیں۔ میں تو زیان کی بات کر رہی تھی کہ وہ بہت اونچی اڑان میں ہے۔

میری بلا سے جو بھی ہے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ مگر وہاب کو ضرور پڑتا ہے اس کا دل زیان میں اٹک گیا ہے۔" زرینہ معنی خیز لہجے میں بولیں تو روبینہ نے اسے بے بسی سے دیکھا۔

"میں کیا کروں شروع میں سمجھ ہی نہیں پائی کہ تمہارے گھر کے اتنے چکر کیوں لگاتا ہے۔ مگر خیر! ابھی تک اس نے کھل کر اپنے منہ سے کچھ نہیں کہا ہے۔" روبینہ اب پرسکون تھیں۔

"آپا بہت جلد وہ اپنے منہ سے پھوٹے گا میں اس طوفان کو آپ کے گھر کی طرف بڑھتا دیکھ رہی ہوں۔"

"ہائے اللہ نہ کرے۔۔۔" روبینہ نے دل پہ ہاتھ رکھ

لیا۔

"آپا فکر مت کریں، میں بہت جلد کوئی حل نکال لوں گی۔" زرینہ نے ان کی متغیر ہوئی رنگت دیکھ کر تسلی دی۔

☆ ☆ ☆

ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ بلا ارادہ خالی الذہنی کے عالم میں مختلف ٹی وی چینل بدلے جا رہی تھی۔ کسی بھی جگہ وہ ذہن و نظر کو مرکوز نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے وہاب کے اندر کمرے میں آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ چند ثانیے بعد اسے کسی کی تیز نظروں کی تپش کا احساس ہوا تو وہ ریموٹ کنٹرول چھوڑ کر فوراً" سیدھی ہوئی۔ وہ اب پر شوق و پر تعیش نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

سفید دوپٹا جھٹک کر اس نے سر پہ لیا۔ "آنٹی' ابو کے کمرے میں ہیں وہاں تشریف لے جائیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح سرد مہر لہجے میں بولی۔ چہرے کے تاثرات میں خود بہ خود ہی لاتعلقی در آئی تھی۔ "ادھر سے ہی ہو کر آ رہا ہوں۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تو زیان اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ تشریف رکھیے میں بوا کو دیکھ کر آؤں کیا بنا رہی ہیں۔" اس نے بمشکل تمام لہجے کو مزید روکھا ہونے سے روکا۔ وہ جاتی زیان کی پشت کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے لمبے بالوں کی چٹیا دوپٹے سے نیچے تک نکلتی کمر کی طرف جاتی صاف دکھائی دے رہی تھی اس کے گلابی پیروں کی نرم و نازک ایڑھیاں مکمل طور پہ وہاب کی نگاہوں کی زد میں تھیں۔ وہ غصے و سرد مہری سے جا رہی تھی اور وہ اس کی ایک ایک ادا نقش حفظ کر رہا تھا۔ زیان سراپا غزل تھی اور یہ غزل پس منظر کے ساتھ بھی حسین تھی۔

"اف کیا کروں میں۔ اب تو لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گا۔" وہاب سر کے بال مٹھی میں جکڑتے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ سامنے ٹی وی اسکرین پہ مغنیہ درد بھرے لہجے میں نغمہ سرا تھی۔ "اے محبت تیرے

انجام پہ رونا آیا۔"

وہاب کا دل دہل سا گیا۔ اس نے فوراً" چینل تبدیل کر دیا۔ "اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا۔ میں نے ہارنا نہیں سیکھا ہے۔ ہر قیمت پہ زیان کو حاصل کر کے رہوں گا' دیکھتا ہوں کون مجھ سے ٹکرانے کی ہمت کرتا ہے' تہس نہس کر دوں گا' زمین آسمان ایک کر دوں گا۔"

وہاب خیالوں کی رو میں تنہا بہت دور نکل چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

زرینہ بیگم' امیر علی کے جسم کی فالج سے متاثر حصے کی مالش کر رہی تھی۔ جب سے انہیں فالج ہوا تھا' تب سے انہوں نے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خود سنبھال لی تھی۔ مالش کرنا وقت پہ دوا دینا ڈاکٹر کی بتائی ہوئی مخصوص ورزشیں اور فزیو تھراپی وہ سب کچھ خود کرتیں بہت ہوا تو آفاق سے مدد لے لی' لیکن زیادہ کام خود سنبھالا ہوا تھا۔ وہ شوہر پرست عورت تھیں۔ اس خوبی کے امیر احمد بھی معترف تھے۔

مالش کرنے کے بعد انہوں نے زیتون کے تیل کی بوتل اپنی مخصوص جگہ پہ رکھی اور جا کر واش روم میں ہاتھ دھوئے۔ ہاتھ خشک کرنے کے بعد وہ دوبارہ ان کے پاس آ کر بیٹھ چکی تھیں۔ "اللہ آپ کو صحت دے آپ کا سایہ بچوں کے سر پہ سلامت رہے وقت کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ زیان اور رابیل دونوں جوان ہیں' ان کے بعد آفاق اور منائل ہیں۔ ہمیں اپنا فرض ادا کرتے کرتے بہت دیر لگ جائے گی۔" زرینہ بیگم نے اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا۔

یہ ایسا موضوع تھا کہ وہ اس پہ گھنٹوں بے تکان بحث کر سکتی تھیں۔ اس لیے امیر احمد نے انہیں ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ "میں نے اس دن آپ سے زیان کے بارے میں بات کی تھی' پھر کیا سوچا آپ نے؟" وہ کرید میں لگی تھیں۔

"میں نے کہا تو تھا ابھی وہ پڑھ رہی ہے' اتنی عمر تو نہیں ہے اس کی کہ فوراً" جلد بازی سے کام لیتے ہوئے

شادی کردوں۔" وہ اس دن کی طرح آج بھی اس بات پہ قائم تھے اور یہ ہی واحد بات زرینہ کو چبھی۔ یہ تو جیسے سینے کا ناسور بن گئی تھی۔

"آپ خود بیمار ہیں زیان کے بعد ہماری اور بھی ذمہ داریاں ہیں۔ آپ خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ میں زیان کی دشمن نہیں ہوں جو اس کے لیے برا سوچوں گی۔"

زرینہ کی بات میں وزن تھا 'پر امیر علی' زیان کے مستقبل کے ارادوں سے آگاہ تھے۔ وہ اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو کر اس گھر سے فرار اختیار کرنا چاہتی تھی۔ اپنے اس ارادے کا اظہار اس نے کچھ سال پہلے واشگاف الفاظ میں کیا تھا۔ وقتاً"فوقتاً" وہ دہراتی اور اپنے عزم کو مضبوط کرتی 'مگر پہلے اس کے ارادے میں گھر سے راہ فرار شامل نہیں تھا۔ اب تو اس کی آنکھوں اور لہجہ میں ہلکی ہلکی سرکشی بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ امیر علی کرتے تو کیا کرتے۔ زیان کی کالج کی تعلیم بھی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی' خود وہ معذور اور لاچار ہو کر بستر پہ تھے۔ اپنی بے بسی ولاچاری کا انہیں اچھی طرح ادراک تھا۔ تب ہی تو خاموش ہو جاتے۔ اس خاموشی پہ زرینہ کڑھتیں' انہیں یہ ایک آنکھ نہ بھاتی۔ ابھی بھی امیر علی نے آنکھیں بند کرلی تھیں جو ان کی طرف سے بات چیت ختم ہونے کا اظہار تھا۔

زرینہ غصہ دل میں دبائے باہر آئیں۔ بیرونی گیٹ لاک تھا۔ رحمت بوا بھی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ زیان کے کمرے کا دروازہ بند تھا' لیکن بند دروازے کے نیچے سے روشنی کی ہلکی سی لکیر باہر آرہی تھی۔ کھڑکیوں پہ بھاری پردے پڑے تھے' کیونکہ موسم سرد تھا۔

وہ ٹھنڈی سانس بھرتی دوبارہ کمرے میں آئیں۔ باہر سکون تھا' لیکن ان کے دل میں امیر علی کی خاموشی سے ہلچل مچی ہوئی تھی۔ پہلی تلخی اور پہلا دن باوجود کوشش کے آج بھی نہ بھول پائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کمرا سادے انداز میں سجا ہوا تھا۔ وہ گھونگھٹ اوڑھے سر گھٹنوں پہ رکھے بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی نگاہیں اٹھ کر ادھر ادھر بھی دیکھ لیتی 'مگر اس کی نگاہوں کا مرکز کمرے کا دروازہ تھا جہاں سے کسی کو گزر کر اس تک پہنچنا تھا۔ امیر علی کے بارے میں اس کی سہیلیوں' رشتہ داروں اور بڑی بہن روبینہ نے بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ امیر اور صاحب جائیداد تھا۔ اس کے گھر نوکر کام کرتے دروازے پہ دو دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور وہ خود بھی تو جاذب نظر شکل و صورت کا مالک تھا۔ زرینہ نے کسی نہ کسی طرح اس کی ایک جھلک دیکھ لی تھی' جب وہ دعوت پہ ان کے گھر آیا۔ پھر سب سے تعریفیں سن سن کر اسے شادی سے پہلے ہی اپنی قسمت پہ رشک آنے لگا۔ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولا جھولتے وہ بھول گئی تھی کہ چاند میں داغ ہوتا ہے۔ امیر علی کے ساتھ بھی ایسا معاملہ تھا۔ وہ چڑھتے چاند کی مانند روشن اور مکمل تھا' مگر داغ کی صورت میں ایک بیٹی بھی ہمراہ تھی۔

ملنے جلنے والیوں اور خاص طور پہ روبینہ آپا نے اس کی بیٹی کے حوالے سے زرینہ کو مفید مشورے سے نوازا تھا جو اس نے گرہ میں باندھنے میں دیر نہیں لگائی۔ آگے بڑھتے قدموں کی آہٹ پہ زرینہ کی منتظر نگاہوں کو قرار سا آگیا۔ امیر علی اس کے قریب آکر بیٹھ چکے تھے۔

"تم پتا نہیں کیا کیا تصورات لے کر میرے گھر آئی ہوگی۔ تمہارے خوابوں میں کوئی شہزادہ بستا ہوگا۔ تم سوچتی ہوگی خوابوں کی حسین راہ گزر پہ میرا ہاتھ تھام کر محبوبہ کی طرح چلتی رہو اور میں عاشق بن کر تمام عمر تمہارے وجود کا طواف کرتا رہوں' معذرت چاہوں گا میں تمہاری سوچوں پہ پورا نہیں اتر پاؤں گا۔" ان کی عجیب دل دکھانے والی باتیں سن کر زرینہ سر اٹھا کر آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہوگئی۔ اس کی نگاہوں میں حیا سے زیادہ سوال مچل رہے تھے۔

"میں عورت کی بے وفائی اور مکاری کا ڈسا ہوا ہوں۔" امیر علی کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔ اس

وقت زرینہ نے جاتی عقل کے آخری سرے تھامنے چاہے۔

"میں سب جانتی ہوں اور مجھے اس کا بہت دکھ بھی ہے۔" اس نے شرم بالائے طاق رکھتے ہوئے امیر احمد کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ تسلی دینے والے انداز میں رکھا۔ تو انہوں نے جذباتی سہارا میسر آتے ہی کمزور مرد کی طرح بکھرنا شروع کر دیا۔

"میں نے اپنی بیٹی اس... گالی... عورت سے چھین کر ہمیشہ تڑپتے رہنے کی سزا دی ہے۔ ساری عمر سسک سسک کر روئے گی' تم نے میری بیٹی کو ماں کا پیار دینا ہے "کل وہ یہاں آجائے گی اپنے گھر آج بوا رحمت کے پاس ہے۔ وہ اسے میری رشتے کی ایک پھوپھی کے گھر لے گئی ہیں بہت رو رہی تھی۔ میں اس کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ وہ ہماری بیٹی پہلے ہے اور تم میری بیوی بعد میں ہو۔"

ملن کی اولین ساعتوں میں ایسے کڑوے نصیحت بھرے جملے سن کر زرینہ کے سارے کومل جذبوں پہ اوس آگری۔ وہ امیر علی سے ایک لفظ تک نہ کہہ پائی۔ وہ پہلی بیوی کے بارے میں بہت کچھ بتاتے رہے ان کی ساری باتوں سے زرینہ نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا کہ ان کی پہلی بیوی کردار و سیرت کے لحاظ سے اچھی عورت نہیں تھی اور اس نے شوہر کو بے وفائی کا گہرا گھاؤ لگایا ہے۔ زرینہ نے اسے دیکھا نہیں تھا' مگر اوروں کی زبانی سن رکھا تھا کہ زیان کی ماں خاصی حسین عورت ہے۔

دونوں ہاتھوں پہ گہری مہندی رچائے بھڑکیلا سوٹ پہنے خوشبوؤں میں بسی زرینہ' زیان کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ ایک رات کی دلہن کو امیر علی نے بیٹی کے بارے میں ڈھیروں کے حساب سے نصیحتیں اور ہدایات دی تھیں۔ بالآخر زیان' بوا رحمت کے ساتھ آن وارد ہوئی۔ ہلکے گلابی رنگ کے ریڈی میڈ فراک میں ملبوس گلابی گالوں والی زیان پہلی نظر میں ہی دل موہ لینے والی بچی ثابت ہوئی۔ مگر زرینہ کو دل ہی دل میں اس کی من موہنی شکل و صورت سے حسد محسوس ہوا۔ جب بیٹی اتنی حسین تھی تو اس کی ماں کی شکل و صورت کا اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں تھا۔

اس نے زیان کو گود میں لے کر پیار کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کے بازو ہٹا کر بھاگ گئی۔ لگتا تھا اس نے زرینہ کی اپنے گھر میں آمد کو پسند نہیں کیا تھا۔ کیونکہ پہلے دن ہی اس نے امیر علی سے کہا کہ نئی مما اچھی نہیں ہیں' مجھے اپنی مما چاہیے۔ اس نے ضد شروع کر دی۔ امیر علی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پھول جیسے گال پہ ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ بے یقینی کی حالت میں گرفتار زیان کے بہتے آنسوؤں نے زرینہ کے جلتے بلتے دل کو عجیب سا سکون دیا۔ اسے ایک ثانیے کے لیے محسوس ہوا امیر علی کے گھر میں اس کی حیثیت اتنی بھی کمزور نہیں ہے' وہ چاہے تو آنے والے دنوں میں اپنا مقام خود متعین کر سکتی ہے۔ اس نے اپنے داؤ آزمانے شروع کر دیے۔

☆ ☆ ☆
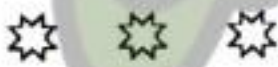
چار سالہ زیان حال میں ہی اسکول جانا شروع ہوئی تھی۔ اسکول جاتے ہوئے وہ بوا رحمت کو ذرا تنگ نہ کرتی' وہ اس کے گھنے بالوں کی پونیاں بناتی تو وہ شرافت سے ان کے سامنے بیٹھی رہتی' آرام سے شوز پہن لیتی' ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اپنے اسکول اور ٹیچرز سے اسے دلچسپی پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے۔ کیونکہ اسکول سے واپسی پہ وہ بیگ کھول کر اپنی سب کتابیں پھیلا کر بیٹھ جاتی اور کلرز پنسل سے طبع آزمائی شروع کر دیتی۔ ایسے میں وہ بہت مصروف اور خوش نظر آتی۔ آج بھی وہ ٹی وی لاؤنج میں اپنا اسکول بیگ کھول کر بیٹھی ہوئی تھی۔

زرینہ سامنے صوفے پہ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ ٹی وی چل رہا تھا' مگر زرینہ کی ساری توجہ زیان کی طرف تھی۔ اس کی نگاہ زیان کے ہاتھوں پہ ٹکی تھی جو برق رفتاری سے ایک خاکے میں رنگ بھرنے میں مصروف تھی۔

"زیان..." اس نے آہستہ آواز میں اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سوالیہ نگاہیں زرینہ کی طرف کیں' مگر منہ سے نہیں بولی۔

"سنو، تمہاری مما کیسی تھی؟" اس کے لہجے میں موجود تجسس بچی سمجھ نہیں پائی۔

"میری مما بہت اچھی ہیں۔"

"کتنی اچھی ہیں؟ جانے اسے کس چیز کی جستجو تھی۔"

"آپ سے اچھی ہیں، آپ مجھے پسند نہیں ہیں۔"

وہ ایک دم سے سن ہوتی چھوٹی سی بچی میں کوئی مصنوعی پن نہ تھا۔ اس نے سیدھے سادے الفاظ میں سچ بولا تھا۔ چند ثانیے بعد اس کے سن پڑتے وجود میں غیض و غضب کا طوفان اٹھا۔ اس نے لپک کر زیان کے بال مٹھی میں جکڑے۔ بوا رحمت اپنے کوارٹر میں آرام کر رہی تھیں، جبکہ امیر علی آفس میں تھے۔

"کسی حرافہ کی اولاد تو بھی مجھے پسند نہیں ہے۔"

زیان کی آواز مارے خوف کے بند ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی سہمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی "اور خبردار کسی کو یہ بات بتائی، ورنہ چھری سے گلا کاٹ دوں گی۔" اس نے سچ مچ فروٹ نائف جانے کہاں سے اٹھا کر اس کی نگاہوں کے سامنے لہرائی تو زیان کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اس کے لب خاموش اور آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری تھیں۔

زرینہ کے دل کو حیوانی تسکین کا احساس ہوا۔ ابھی شطرنج کے سب مہرے اس کے پاس تھے۔ اسے دل ہارنے کی ضرورت نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کا اندھیرا اور فسوں ہر شے کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ زرینہ سب کاموں سے فارغ ہو کر امیر علی کے برابر لیٹ چکی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ ان کے سینے پہ دھرا تھا اور رخ بھی ان کی طرف تھا۔

"مجھے آپ کی اور اس گھر کی بہت فکر رہتی ہے۔"

وہ سینے سے ہاتھ اٹھا کر اب ان کے سر میں ہلکے ہلکے کنگھی کرنے والے انداز میں پھیر رہی تھی۔

"میں اس گھر اور مکینوں کے بارے میں تمہارے جذبات سے آگاہ ہوں۔" امیر علی کا لہجہ سکون سے بھرا تھا، کچھ زرینہ کی انگلیوں کا جادو تھا، ان کے روم روم میں سکون کی پھوار برسنے لگی۔

"لیکن یہ بات مجھے اندر ہی اندر کاٹ رہی ہے۔" ان کے سر کے بالوں میں رینگتی انگلیاں ایک جگہ رک سی گئی۔ امیر علی نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا جہاں کالی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ "کون سی بات بتاؤ" وہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ گئے، دل کسی انہونی کے خدشے سے لرز رہا تھا۔ وہ متوحش سے ہو گئے۔

"میں اس گھر سے اس کی ایک ایک اینٹ سے محبت کرنے لگی ہوں۔" وہ اب باقاعدہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔

"پلیز بتاؤ زری کیا بات ہے، میرا دل ہول رہا ہے۔" انہوں نے روتی زرینہ کو ساتھ لگا لیا۔

"زیان سے میں بہت پیار کرتی ہوں، مگر جانے کیا بات ہے۔ وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ کہتی ہے اس کی مما بہت اچھی ہے میں اسے پسند نہیں ہوں۔" اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے کے شغل میں مصروف تھی۔ اس کی بات سنتے ہی امیر علی کے سب اعصاب تن سے گئے۔

"وہ بچی ہے، تم اس کی باتوں کو دل پہ مت لو۔" وہ رسان سے بولے، مگر دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی کہ زیان نئی ماں کا موازنہ اس قابل نفرت عورت سے کرنے لگی ہے۔

"وہ کہتی ہے میری مما پری جیسی ہے۔ آپ ذرا بھی اچھی نہیں۔" زرینہ نے امیر علی کے چہرے پہ پھیلتی طیش کی سرخی دیکھ لی، جذباتی ہتھیار اس کے پاس تھا، کوئی وار بھی خالی نہیں جا رہا تھا۔

"وہ اپنی ماں کو ابھی تک نہیں بھولی ہے۔ میری محبت نے زیان پہ کوئی اثر نہیں کیا، جانے اس چلتر عورت کے پاس کیا جادو تھا۔"

"زیان کے دماغ کو اس عورت کے نام اور تصور تک سے پاک کر دو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے، اس کے لیے سختی سے بھی کام لینا پڑے تو لو، میں تم سے

پوچھوں گا نہیں۔" اپنی اس کامیابی پہ زرینہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رابیل کی پیدائش پہ زیان چھ سال کی تھی' اس کا شعور آہستہ آہستہ پختگی کی نامعلوم منازل طے کر رہا تھا۔ زرینہ کے ساتھ اس کے تعلقات کسی بھی قسم کی گرمجوشی سے عاری تھے۔ لیکن اس کے چھوٹے سے ذہن میں یہ حقیقت پورے طور راسخ ہو چکی تھی کہ زرینہ آنٹی بہت طاقت ور ہیں' ان کے سامنے ناپسندیدگی احتجاج اسے بہت مہنگا پڑتا تھا۔ مگر یہاں بابا بھی تو اس کے ساتھ نہیں تھے۔ اپنی دوسری بیگم کے کسی بھی ناروا سلوک پہ کبھی انہیں کچھ نہیں کہا۔ وہ دن بھر بابا کی غیر موجودگی میں اس کی مما کے بارے میں گندی باتیں کرتیں' وہ باتیں اسے بالکل پسند نہیں تھیں' مگر اسے سننا پڑتیں۔ زرینہ آنٹی نے بہت کوشش کی کہ وہ انہیں مما کہہ کر مخاطب کیا کرے۔ پر یہاں اس نے ان کی نہیں چلنے دی تھی۔ وہ زرینہ آنٹی ہی بلاتی۔

بابا بھی ہمیشہ ان کی حمایت کرتے' جبکہ اسے اپنی مما کے حوالے سے زرینہ آنٹی کے منہ سے ایسی کوئی بھی بات سننا پسند نہیں تھی۔ اس نے تھری کلاس میں جب بابا کے سامنے زرینہ آنٹی کی شکایت کی تو جواباً" انہوں نے اسے زندگی میں دوسری بار تھپڑ مارا۔ اسے تھپڑ پڑتے دیکھ کر وہ خوش تھیں' ان کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ پہلے ہر بات پہ زیان احتجاج کرتی' روتی' مگر اس ذلت آمیز تھپڑ کے بعد اس کے آنسو ختم ہو گئے۔ اب زرینہ آنٹی سارا دن اس کی مما کا نام لے کر گندی اور عجیب باتیں کرتیں' مگر اس کے چہرے اور دل میں بے حسی طاری رہنے لگی۔ اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

گزرنے والے ہر دن کے ساتھ ان کی زبان کی دھار تیز ہوتی گئی۔ اب تو رابیل بھی اس کی مما کے کرتوتوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ ایک دن اس نے زرینہ آنٹی کی طرح زیان کو اس کی مما کا نام لے کر طعنہ دیا' مگر اس بار اسے غصہ نہیں آیا۔ وہ پہلے کی طرح صرف خاموش ہو کر رہ گئی۔ وہ بابا کے چہرے پہ کچھ تلاشتی پر وہاں بھی خاموشی ہوتی۔

زرینہ ماں بننے کے بعد اور بھی طاقت ور اور منہ زور ہو گئی تھی۔ امیر علی کمزور پڑ گئے تھے۔ بہت کچھ سن کر بھی ان سنی کر دیتے' مگر زیان کا معاملہ کچھ اور ہی سمت میں چل پڑا تھا۔ وہ منہ سے اب بھی نہیں بولتی تھی' مگر خاموش سرد نگاہوں سے زرینہ آنٹی کو دیکھتی ضرور تھی۔ اپنی زندگی میں مگن امیر علی کو پلوں کے نیچے بہت سا پانی گزر جانے کا احساس تک نہ ہوا۔ زیان ان سے بہت دور جا چکی تھی۔ اب وہ چاہنے کے باوجود بھی اسے واپس نہیں لا سکتے تھے۔ درمیان میں وقت کے ظالم فاصلے حائل تھے۔ وہ اب تین' چار سالہ زیان نہیں رہی تھی۔ کالج کی طالبہ کے نوجوان لڑکی کے روپ میں ڈھل چکی تھی۔ رگوں میں رچی بسی تلخی نے اسے زہریلا بنا دیا تھا۔ کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ بچپن میں انہوں نے زیان پہ توجہ نہیں دی۔ زرینہ سے شادی کر کے وہ اس کی طرف سے بے فکر تھے۔ وہ قطعی طور پہ لاعلم تھے کہ زرینہ نے زیان کے معصوم بچپن کو زہر آلود کر دیا ہے۔

انہوں نے خود ہی تو زرینہ بیگم کو سب بتایا تھا۔ اپنی نفرت' کھولن کڑواہٹ سب کے سب راز خود اپنے ہاتھوں زرینہ کو پیش کیے۔ اس نے وہ سب ہتھیار بے دریغ زیان پہ استعمال کیے۔ شروع میں ہی زرینہ نے اعتماد کے غبارے میں جو ہوا بھری وہ بہت بعد میں جا کر نکلی۔ انہوں نے جیتے جی صحت مندی' خوش حالی کے زمانے میں ہر چیز کا مالک زرینہ کو بنا دیا۔ گھر' کاروبار' جائیداد سب کچھ ان ہی کے تو نام تھا۔ وہ اب کس برتے پہ اکڑتے۔ خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی زیان اور وہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ اپنی سوکن کی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ہی گھر میں چلتے پھرتے دیکھنا زرینہ کے لیے اذیت ناک تجربہ تھا۔ اتنے برس

انہوں نے برداشت کیا تھا' اب ہمت جواب دے گئی تھی۔ امیر علی کی پہلی بیوی اور بیوی بھی ایسی جیسے وہ خود بھی شدید نفرت کرتے تھے اور زرینہ' امیر علی سے بھی زیادہ زیان سے نفرت کرتی تھیں۔

رابیل' آفاق اور مناہل کو انہوں نے زیان کے قریب ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ اپنی نفرت انہوں نے تربیت کے ذریعے اولاد میں بھی کافی حد تک منتقل کردی تھی۔

اس گھر میں بوا رحمت واحد ایسی ہستی تھیں جن سے زیان کا قلبی و جذباتی تعلق تھا۔ وہ ایک طرح سے ان کے ہاتھوں میں ہی پلی بڑھی تھی۔ یہ بوا ہی تھیں جو وہ زرینہ آنٹی کی نفرت سہ گئی تھی۔ وگرنہ پاگل ہو کر غلط راستوں کی مسافر بن جاتی۔ بوا آڑے وقتوں کا سہارا اور اس کی ڈھال تھیں۔ بہت زمانے سے یہاں اس گھر میں تھیں۔ اس لیے امیر علی ان کا بہت احترام کرتے اور ان کی بات کو اہمیت بھی دیتے۔ بوا نے بہت ہی خاموشی سے خود کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنے غیر جانبدار کردار کو عرصے تک نبھایا اور اب تک نبھاتی چلی آرہی تھیں۔

گھر کا ہر فرد ان کی عزت کرتا۔ زیان کے لیے بوا کا دم غنیمت تھا۔ وہ اس کی ماں' باپ' دوست' استاد سب کچھ ہی تو تھیں۔ یہ بوا ہی تھیں جن کی بدولت وہ زمین پہ چل پھر رہی تھی' نہ صرف چل پھر رہی تھی' بلکہ اپنے پسندیدہ کالج میں پڑھ بھی رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ شکوے کرنا چھوڑ دیے تھے۔ شاید وہ تقدیر پہ راضی و برضا تھی' پر اس خاموشی میں کتنے طوفان چھپے تھے اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا۔ اب زرینہ بیگم جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہ رہی تھیں۔ پر امیر علی کمزور حیثیت میں ہی سہی پر ان کے آڑے آرہے تھے کہ پہلے زیان کو تعلیم مکمل کرنے دو' پھر سوچا جائے گا۔

وہاب کچھ عرصے سے بلاناغہ ان کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا۔ ایسے میں زیان جتنی جلدی اپنے گھر کی ہوتی تب ان کے دل کی پھانس بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتی۔

✡ ✡ ✡

عنیزہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی خود کو آئینے میں بغور تکتی چہرے پہ نائٹ کریم کا مساج کر رہی تھیں۔ ملک ارسلان جہازی سائز بیڈ پہ نیم دراز ان کی اس سرگرمی کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے دیکھنے کے انداز میں بچوں کی سی معصومیت اور اشتیاق تھا۔ شادی کے اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی عنیزہ کے حسن و جمال میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ حسن و رعنائی کا چھلکتا جام تھا۔ ملک ارسلان سیراب ہی نہیں ہوتے تھے۔ ان کی تشنگی روز اول کی طرح قائم و دائم تھی۔ وہ آج بھی نوعمر عاشق کی طرح عنیزہ کے حسن کے گرویدہ تھے۔

کبھی کبھی تو وہ اس بے تابی و وارفتگی پہ جھنجلا سی جاتیں۔ ارسلان نے انہیں بے پناہ محبت دی تھی۔ کبھی کبھی خیال آتا ارسلان کے پاس محبت کے معاملے میں قارون کا خزانہ ہے۔ جو دونوں ہاتھوں سے دیوانہ وار لٹانے کے بعد بھی ختم یا کم نہیں ہو رہا تھا۔

عنیزہ فارغ ہو کر بیڈ پہ آئیں۔ ارسلان انہیں توجہ و شوق سے تکتے ادھر ادھر کی عام باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ انہوں نے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی۔ ان کی آنکھیں لبالب نمکین پانیوں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ ان کے لبوں سے ایک سسکی تک نہ نکلنے پائے' ورنہ ملک ارسلان بہت ہرٹ ہوتے۔ انہوں نے بہت پہلے عنیزہ سے ایک وعدہ لیا تھا کہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔ ان کے سامنے وہ نہیں روتی تھیں۔ لیکن تنہائیوں میں آنکھیں گھٹا کی طرح برستیں۔ ان کے لبوں پہ صحراؤں کی سی پیاس تھی اور اس پیاس سے سیراب ہونے کی کوئی تدبیر انہیں پتا نہیں تھی۔

بہت دیر بے آواز رونے کے بعد دل کو کچھ سکون ہوا۔ انہوں نے کندھے کے بل اٹھ کر تھوڑا پانی پیا نیم اندھیرے میں انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سوئے

ہوئے ارسلان ملک کو دیکھنے کی ناکام سی کوشش کی اور پھر دوبارہ لیٹ گئیں۔

ارسلان بے سدھ سکون کی میٹھی نیند سو رہے تھے۔ عنیزہ کو ان کی نیند پہ رشک سا ہوا اور خود پہ ترس بھی آیا۔ ایک وہی محروم اور تشنہ تھیں۔ ارسلان کتنے سکون میں تھے۔ سب کچھ پالیا تھا اور ایک وہ تھی سب کچھ پا کر بھی خالی ہاتھ تھیں۔ ارسلان ان کے مجازی خدا نے تو محرومی سے سمجھوتہ کرلیا تھا' پھر وہ نہیں کرپائی تھیں۔

کتنی بار تنہائی میں انہوں نے ایک ننھے منے وجود کو خود سے لپٹے محسوس کیا تھا۔ اس کے رونے کی آواز سنی تھی۔ لیکن ایسا صرف چند ثانیے کے لیے ہوتا۔ حقیقت بڑی تلخ اور سفاک تھی۔ ان کی گود خالی بنجر تھی اور ملک ارسلان کا کوئی نام لیوا نہیں تھا۔ ملک جہانگیر دو کڑیل جوان بیٹوں کے باپ تھے۔ وہ ان کے وارث فخر اور مان تھے۔ افشاں بیگم کے لہجہ میں دونوں بیٹوں کے نام پہ کیسی مٹھاس اتر آتی۔ ان کا سر اونچا ہوتا جیسے دونوں جہاں ان کے قدموں تلے ہوں۔

ملک ارسلان کو بھی محرومی ستاتی۔ مگر کم از کم عنیزہ کے سامنے انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہوچکا تھا۔ عنیزہ اکیلی روتی سسکتی پر ملک ارسلان کے سامنے ان کے لبوں پہ چپ کا قفل تھا۔

☆ ☆ ☆

راعنہ نے کچھ دیر پہلے ہی فون پہ یہ ناقابل یقین خبر سنائی تھی۔ ان سب کو تو ناقابل یقین ہی لگی تھی۔ کیونکہ راعنہ نے تو کبھی اشارتاً" بھی یہ ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے کزن شہریار سے منسوب تھی۔ وہ تعلیم مکمل کرکے عملی میدان میں آچکا تھا۔ اب اس کے والدین راعنہ کو بہو بنا کر اپنے خواب پورے کرنا چاہ رہے تھے۔ کیونکہ راعنہ کے ماموں یعنی شہریار کے والد کافی عرصے سے بیمار چلے آرہے تھے۔ ان کی بیماری سنگین نوعیت کی تھی۔ ہارٹ پیشنٹ تھے۔ اپنی زندگی میں ہی بیٹے کو دولہا کے روپ میں دیکھنا چاہ رہے تھے۔

راعنہ کے ڈیڈی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر ابھی اس کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ چھٹا سمسٹر شروع تھا۔ بی ایس آنرز کا۔ دو دن سے راعنہ یونی ورسٹی بھی نہیں آرہی تھی۔ جبکہ ایگزام بھی قریب تھے۔ ایسے میں اس کی یونی ورسٹی سے غیر حاضری حیران کن اور نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔ رنم اور کومل ابھی یونی ورسٹی میں ہی تھی جب باری باری راعنہ نے دونوں کو الگ الگ کال کرکے اپنی اچانک طے ہوجانے والی شادی کی اطلاع دی۔

کومل نے فراز اور اشعر کو ڈھونڈ کر پھولے پھولے سانسوں سمیت یہ بریکنگ نیوز سنائی۔ رنم نے باقی کی کلاسز چھوڑ دیں اور سیدھی پارکنگ ایریا میں جا کر اپنی گاڑی نکالی۔ اس کے پیچھے پیچھے ہی کومل اشعر اور فراز تھے۔ افتاں و خیزاں وہ راعنہ کے گھر پہنچے۔

راعنہ مزے سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ رنم اور کومل کا خیال تھا۔ وہ اٹوانی کھٹوانی لیے پڑی رو رہی ہوگی۔ اچھا خاصا فلمی سین ہوگا۔ جنگ ہو رہی ہوگی کہ ابھی میں شادی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ کہتی کہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہی شادی کروں گی۔ مما' پاپا بے شک کہتے رہیں' مگر میں وہی کروں گی جو سوچا ہے' کیونکہ ماموں کی خرابی صحت اور ان کی خواہش شہریار کو دولہا بنے دیکھنا اس کے علم میں تھی اور اب وہ مزے سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ خاص طور پہ کومل اس کا تو چہرہ ہی اتر گیا۔ راعنہ سب سے نارمل ملی اور اپنے گھریلو ملازم کو آواز دی۔ کیونکہ اسے پتا تھا وہ سب دوست یونی ورسٹی سے سیدھا اسی کے گھر آئیں گے اور پیٹ پوجا تو لازمی کریں گے۔ ان کی زبردست سی خاطر مدارات کا انتظام سب کچھ ریڈی تھا۔

وہ ملازم کو کھانا لگانے کا بول کر آئی تو سب دوستوں کو اپنی طرف گھورتے پایا۔ "کیا سن رہے ہیں ہم؟" رنم نے اسے کڑی نگاہوں سے گھورا تو راعنہ نے ڈرنے کی کامیاب اداکاری کی۔

"جی کیا سنا ہے آپ نے؟"

"یہ ہی کہ آپ محترمہ کی شادی اچانک طے پا گئی ہے' ٹھیک پچاس منٹ پہلے میرے سیل فون پہ کال آئی تھی۔" رنم نے اپنی ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے وقت کا اندازہ لگایا جو بالکل درست تھا۔

"جی آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔" راعنہ اسی کے انداز میں سعادت مندی سے بولی۔

"ارے خوب مزا آئے گا۔" اشعر نے صوفے سے کھڑے ہو کر دونوں بازو فضا میں لہرائے۔ راعنہ نے رونی سی صورت بنالی جو اس کے دکھائی دینے والے تاثرات کے ساتھ ذرا بھی میل نہیں کھا رہی تھی۔

"تم اسب فرینڈز کو میرے بچھڑنے کا دکھ نہیں ہے؟"

"تمہیں دکھ نہیں ہے تو ہمیں کیوں ہوگا۔ ہم تو یہ سوچ کر آئے تھے کہ تم بیٹھی رو رہی ہوگی۔ مگر یہاں تو چہرے پہ گلاب کھلے ہوئے ہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہے تمہیں۔" کومل نے ناک کر وار کیا۔ ذرا سی دیر میں ہی صوفے کے سب کشن ان چاروں کے ہاتھوں میں تھے اور راعنہ پورے کمرے میں اپنے بچاؤ کے لیے بھاگتی پھر رہی تھی۔ کوئی بھی معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اچھی طرح درگت بنانے کے بعد اس کی جان بخشی کی گئی۔ اس کے بعد شرافت سے ساری کہانی سنی گئی۔

"دراصل میں ماموں بیمار ہیں' ان کی حالت پچھلے دنوں سیریس ہوگئی تھی' تب ممانی نے پاپا سے بات کی کہ شہریار اور راعنہ کی شادی کردینی چاہیے' سوانہوں نے ہاں کردی۔ میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ شہریار نے شادی کے بعد مجھے اپنا بی ایس آنرز مکمل کرنے کی اجازت دے دی ہے۔" وہ آرام سے پوری کہانی سنا چکی تو کومل لٹکے منہ سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تم شادی کی وجہ سے خوش ہو۔"

"ارے میں شادی کی وجہ سے بھی تو خوش ہوں۔" راعنہ تیزی سے بولی جیسے اسے یہ ڈر ہو کہ کومل کوئی اور مطلب نہ نکال لے۔ اس پہ رنم اور کومل کی کھی کھی شروع ہوگئی۔

"دیکھو لو کیا زمانہ آگیا ہے لڑکی اپنے منہ سے کہہ رہی ہے کہ میں شادی کی وجہ سے بھی تو خوش ہوں۔ ایک مشرقی لڑکی ہوتے ہوئے بھی ایسی بولڈنیس۔" کومل اور رنم دونوں اسے چھیڑ رہی تھیں' مگر اب وہ بھی ان کے ساتھ ہنس رہی تھی۔

فراز اور اشعر نے بزرگانہ انداز میں دعا دی۔ "سدا خوش رہو اور دودھ میں نہاؤ۔" دودھ میں نہانے کی دعا فراز نے اپنی عقل کے مطابق دی تھی' کیونکہ اسے محاورے نہیں آتے تھے۔ زبردست سا لنچ کرنے کے بعد فراز اور اشعر واپس اپنے گھر چلے گئے۔ جبکہ کومل اور رنم دونوں راعنہ کے پاس ہی تھیں۔

شادی ایگزام کے بعد تھی۔ وہ ان دونوں کے ساتھ مل کر اپنا پروگرام بنا رہی تھی۔ "میں چاہتی ہوں کہ ایگزام کے بعد ہی شاپنگ کروں۔ تم دونوں نے میرا ساتھ دینا ہے۔ میری کوئی بہن تو ہے نہیں تم لوگوں نے ہی سب کچھ کرنا ہے۔"

"ہاں تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو ہم ہیں نا' کیوں رنم۔" کومل نے رنم سے تائید چاہی۔ وہ خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ کومل کی بات پہ فوراً "ہاں" میں سر ہلایا۔

"میں تو راعنہ کی شادی پہ پیارے پیارے ڈریسز بنواؤں گی۔" کومل کو اپنی پڑی تھی۔ رنم ہنسنے لگی' کومل ہر بات میں' ہر کام میں عجلت سے کام لیتی تھی۔ اسے ایسی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ سب کام سکون اور آرام سے کرنے کی عادی تھی۔ "رنم تم میری شادی پہ کیا پہنو گی؟" راعنہ نے پوچھا۔

"ابھی کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا ہے میں نے۔"

"میں تو یہ خوب کام والے ڈریس بنواؤں گی' ایک دم ایسٹرن لک۔" کومل پھر شروع تھی۔ جبکہ اب رنم گھر واپسی کا سوچ رہی تھی۔ شام ہو رہی تھی۔ آج پاپا نے گھر جلدی آنے کا کہا تھا۔ راعنہ سے اجازت لے کر وہ واپسی کے لیے نکل آئی۔ جبکہ کومل ابھی تک

راعنہ کے کان کھا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شان دار سے سجے سجائے سیٹنگ ایریا میں ملک جہانگیر' ملک ارسلان' عنیزہ' افشاں بیگم چاروں موجود تھے۔ ادھر ادھر کی عام باتیں ہو رہی تھیں' جبکہ ملک جہانگیر نے احمد سیال کا ذکر چھیڑ کر ان سب کو وہاں جانے کا بتایا۔ ملک جہانگیر کا انداز بہت خاص تھا' جیسے وہ کوئی بہت ضروری بات بتانا چاہ رہے ہوں۔

"میں چیک اپ کروانے کے بعد ڈرائیور کے ساتھ احمد سیال کے گھر چلا گیا۔ وہاں میں نے کھانا کھایا اور اس کی بیٹی سے بھی ملاقات کی۔" افشاں بیگم اور عنیزہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ملک جہانگیر اتنا بولنے کے بعد خاموش ہو گئے جیسے ذہن میں کچھ خاص جملے سوچ رہے ہوں۔

"میں معاذ اور ابیک کی شادی کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ معاذ کے لیے مجھے احمد سیال کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔"

"تو ابیک کے لیے کیا سوچا آپ نے وہ معاذ سے بڑا ہے۔" افشاں بیگم ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولیں تو ملک جہانگیر ہنس دیے۔

"معاذ کے لیے تو میں نے لڑکی پسند کرلی ہے' اب مسئلہ ابیک کا ہے تو اس کے لیے کوئی لڑکیوں کی کمی ہے۔ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھے خاندان سے اپنے بیٹے کے لیے لڑکی لائیں گے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ملک ارسلان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ "معاذ کے لیے آپ نے لڑکی پسند کرلی ہے' کیا اس کی بھی رائے لی ہے۔" ملک ارسلان نے سوال کیا تو ایک ثانیے کے لیے وہ چپ سے ہو گئے۔

"تم' عنیزہ ہم سب احمد سیال کے گھر چلیں گے تم وہاں اس کی بیٹی دیکھ لینا' اگر کسی فیصلے پہ پہنچے تو میں تب معاذ کو بتاؤں گا۔"

"اس کی سرپھری طبیعت کا آپ کو پتا ہے نا۔ خود اسے لڑکی پسند کرنے دیں' ورنہ وہ شور مچائے گا۔" افشاں بیگم نے یہ پہلو بھی ان کے سامنے رکھا۔

"بھائی جان آپ ایسا کریں کہ چھٹیوں میں معاذ کو پاکستان بلوائیں' پھر اسے بھی لڑکی کے گھر لے جاکر ایک نظر دکھا دیں۔ اسے پسند آگئی تو رشتہ مانگ لیں گے ہم۔" عنیزہ نے اپنے تئیں اچھا مشورہ دیا۔

"ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ معاذ چھٹیوں پہ گھر آئے تو اسے احمد سیال کے گھر لے جاؤں۔ اس کی بیٹی بھی پڑھی لکھی ہے معاذ ناپسند نہیں کرے گا۔" ملک جہانگیر نے عنیزہ کی تائید کی تو ایک پرسکون مسکراہٹ ان کے لبوں پہ پھیل گئی۔

"میرے ابیک کے لیے بھی رشتہ دیکھیں ملک صاحب۔" افشاں بیگم کے لہجے میں ممتا کی گرمی اور شفقت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

"ہاں وہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ دونوں کی شادی ایک ساتھ کروں گا۔" ملک جہانگیر مسکرائے۔

"ابھی معاذ کی تعلیم مکمل ہونے میں پورا ایک سال باقی ہے' تب تک ابیک کنوارہ رہے گا؟" افشاں بیگم نے بڑے ناراض انداز میں سوال کیا تھا۔

انہیں یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ معاذ کے لیے تو لڑکی پسند کرلی گئی تھی اور ابیک کے لیے وہ ابھی تک کسی کے گھر رشتہ مانگنے تک نہیں گئے تھے۔ انہیں اپنے شریک حیات سے شکوہ سا تھا۔ لیکن وہ بیٹے کے باپ ہونے کی حیثیت سے اس کی طرف سے ہرگز لاپروا نہیں تھے۔ ابیک' معاذ کے مقابلے میں سنجیدہ' باشعور خیال کرنے والا اور اپنی ذمہ داری نبھانے والا حساس بیٹا تھا۔ وہ اس کے لیے گوناگوں خوبیوں والی ہمہ صفت بہو ڈھونڈ رہے تھے' پر ابھی تک گوہر مقصود ان کی نظر میں آیا نہیں تھا' ورنہ یہ کیسے ممکن تھا' وہ اسے چھوڑ کر معاذ کے لیے پہلے احمد سیال کے گھر رشتہ مانگنے جاتے۔

"ابیک کے لیے بھی میں اچھا ہی سوچ رہا ہوں۔ تم اور عنیزہ اس کے لیے رشتے دیکھو۔ عورتیں تو ایسے کاموں میں بہت ہوشیار ہوتی ہیں۔" ملک جہانگیر نے

قصداً" ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تو افشاں بیگم کے لبوں پہ پہلی بار پرسکون مسکراہٹ آئی۔ عنیزہ نے ان کے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

"بھائی جان ایبک گاؤں آئے تو اس سے بھی ڈسکس کر لیجیے گا۔" ملک ارسلان بولے۔ "ہاں میں اس کے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔" ملک جہانگیر دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ایبک گاؤں واپسی کی تیاری کر رہا تھا۔ بابا جان نے اسے بلوایا تھا۔ وہ اسے طرح کبھی واپس نہیں بلواتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اپنی سوچوں سے الجھتا گاؤں واپس جا رہا تھا۔

اس کی سلور مرسڈیز سیلون جب حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ سب اسے گرمجوشی اور نارمل انداز میں ملے۔ کسی کے چہرے سے بھی کوئی خاص بات ظاہر نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے خود سے پوچھنا مناسب سمجھا بھی نہیں۔ ہاں رات کو جب وہ بابا جان کے پاس بیٹھا فرصت سے باتیں کر رہا تھا' تب یہ عقدہ حل ہوا کہ بابا نے اسے کیوں بلوایا ہے۔

وہ ان کی بات سن کر ایک ثانیے کے لیے خاموش سا ہو گیا۔ ملک جہانگیر اس کی خاموشی سے بے نیاز اپنی باتیں کر رہے تھے۔ "میں چاہتا ہوں تمہاری اور معاذ کی شادی ایک ساتھ کروں یا پھر دونوں میں سے پہلے تمہاری' میں اسے بھی بات کروں گا' تعلیم تو اس کی ویسے بھی مکمل ہونے والی ہے۔ مگر تم بڑے بیٹے ہو شادی کا پہلا حق تمہارا ہے۔ معاذ کے لیے میں نے اپنے دوست احمد سیال کی بیٹی دیکھ رکھی ہے۔ تمہاری اگر کوئی خاص پسند ہے تو بتاؤ۔ تمہاری مرضی اور پسند کا پورا خیال رکھا جائے گا۔" ملک جہانگیر بہت نرمی اور شفقت سے بول رہے تھے۔ ساتھ وہ اس کے چہرے کے تاثرات کا بھی بغور جائزہ لے رہے تھے۔

"بابا جان فی الحال میری شادی اور رشتے کے فیصلے کو موخر کر دیں۔" ملک ایبک کا لہجہ مضبوط اور واضح تھا۔

"میں کون سا تمہاری چٹ منگنی پٹ بیاہ کی بات کر رہا ہوں۔ سال دو سال بعد شادی کی جا سکتی ہے۔ تم بڑے ہو' قدرتی طور پہ میرا اور تمہاری ماں کا دھیان اس طرف جاتا ہے۔"

"بابا جان میں ابھی بہت بزی ہوں۔ میرے کچھ پروجیکٹس ہیں۔ مجھے پہلے انہیں مکمل کرنا ہے۔"

"تم اپنے پروجیکٹس شادی کے بعد مکمل کرتے رہنا۔"

"بابا جان میں گاؤں میں ایک انڈسٹریل ہوم بنانا چاہتا ہوں' شہری طرز کا جدید سہولتوں سے آراستہ۔ میرے ذہن میں عورتوں کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کچھ آئیڈیاز ہیں' کم از کم مجھے ان کی تکمیل کے لیے تو ٹائم دے دیں۔" اس کے انداز میں فرماں برداری تھی۔ ملک جہانگیر کو وقتی طور پہ تھوڑا سکون ہوا۔

دل ہی دل میں وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ اتنے میں ان کا سیل فون مدھر انداز میں دھن بکھیرنے لگا۔ "معاذ کالنگ" کے الفاظ سے موبائل فون کی اسکرین جگمگا رہی تھی۔ انہوں نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔ کچھ دیر پہلے اس کے بارے میں بھی بات ہو رہی تھی۔ اب اس کی کال آئی تو ملک جہانگیر باغ باغ ہو گئے۔

"کیسے ہو معاذ پتر۔" وہ اپنے مخصوص شفقت بھرے انداز میں بولے۔

"بابا جان میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ کی خیریت معلوم کرنی تھی۔" اس کی پرجوش آواز سیل فون سے باہر تک آ رہی تھی۔ ملک ایبک بخوبی سن رہا تھا۔

"بابا کی جان میں بالکل ٹھیک ہوں' یہ بتاؤ تم کب آ رہے ہو پاکستان؟"

"کیوں بابا جان؟" اس نے سوال کے جواب میں الٹا سوال کر دیا۔ "تمہاری چھٹیاں تو ہونے والی ہیں نا۔ تم آؤ تو تمہارے رشتے کی بات چلاؤں۔" ملک جہانگیر اس کی سنے بغیر بول رہے تھے۔

"واٹ میرا رشتہ۔ اوہ نو۔" وہ تقریباً" چیخنے والے

انداز میں بولا۔

"میں خود اپنی مرضی اور پسند سے شادی کروں گا۔" کچھ دیر ٹھہر کر وہ اپنے مخصوص ضدی انداز میں بولا۔

"میں نے تمہارے لیے جو لڑکی پسند کی ہے اسے خود پاکستان آکر دیکھ لو۔۔۔۔ میں پوری گارنٹی سے کہتا ہوں تم انکار نہیں کرو گے۔ احمد سیال کی بیٹی ہے وہ۔" ملک جہانگیر نے بمشکل تمام اپنے غصے پہ قابو پایا۔ انہیں معاذ کی طرف سے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا کہ شاید ہی وہ ان کی مانے اور اس نے سب شرم لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کے خدشے کو حقیقت کے روپ میں ڈھال دیا۔

"بابا جان میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔" ان کے لہجے میں غصہ محسوس کر کے وہ تھوڑا نرم پڑ گیا۔

"ابیک بھی میرے پاس بیٹھا ہے۔ کچھ دیر پہلے میں اس سے شادی کی بات ہی کر رہا تھا۔ احمد سیال میرا بہت اچھا دوست ہے۔ اس کی بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔ اچھے خاندان سے ہے۔ احمد سیال کا اپنا ایک نام ہے' شخصیت ہے' اس کی بیٹی کے لیے کوئی رشتوں کی کمی نہیں ہے، جو وہ انتظار کریں گے۔"

"بابا جان ابھی پورا ایک سال باقی ہے میری تعلیم مکمل ہونے میں اور احمد سیال انکل کی بیٹی یقیناً" بہت اچھی ہوگی۔ ایک سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔"

فون کے دوسری طرف موجود ہزاروں میل دور بیٹھے معاذ کی آنکھیں اپنی چالاکی پہ چمک رہی تھیں۔

"ہاں بولو۔"

"بابا جان اچھی لڑکیوں کو زیادہ دیر اچھے رشتے کے لیے انتظار میں بیٹھنا نہیں پڑتا۔ مجھے آنے میں پورا ایک سال باقی ہے۔ اس عرصے میں احمد سیال انکل یقیناً" میرا انتظار نہیں کریں گے۔ کہیں نہ کہیں رشتہ طے کر دیں گے۔ مگر آپ ان کی بیٹی کی اتنی تعریف کر رہے ہیں تو میرا مشورہ یہ ہی کہ آپ ابیک بھائی کی شادی اس کے ساتھ کر دیں۔ اسی بہانے میں بھی آجاؤں گا۔"

فون پہ ملک جہانگیر کی گرفت اچانک ہی سخت ہوئی تھی۔ وہ اس کی بات کے جواب میں خاموش تھے' بس ان کی سانسوں کی آواز ہی معاذ کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

اپنی چالاکی سے اس نے پوری صورت حال اپنے حق میں کر لی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ بابا جان کے دل پہ اس وقت کیا گزر رہی ہے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

سالگرہ نمبر

رابعہ افتخار

ناولٹ

شام کا وقت تھا' وہ تھکی ہاری ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تو بڑی آپا آئی بیٹھی تھیں' امی نے چائے کے ساتھ چکن رول اور کپ کیک سے ان کی تواضع کی تھی۔ اس نے صوفے پر بیٹھ کر ہولے ہولے سر کو دباتے ہوئے امی کی طرف دیکھا جو اس کے لیے چائے بنا رہی تھیں۔

''آذر کا کام تو نہ ہونے کے برابر ہے امی' ان کی لگی بندھی آمدنی میں تو گزر بسر نہیں ہو سکتی' اس پر ان کے ابا جی بھی کنجوسوں کا عالمی ریکارڈ توڑنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں' مجال ہے' جو کبھی گھر میں کچھ خرچ کر دیا ہو.... امی آپ نے میرے جہیز میں وارڈ روب نہیں دی تھی نا' ہر مہینے سوچتی ہوں کہ بنواؤں گی مگر ہر مہینے وہ ہی ہاتھ کی تنگی .... سب دیکھتے ہیں بزرگوار مگر مٹھی بند ہی رکھتے ہیں۔'' وہ اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔ اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

''تم فکر نہ کرو فائزہ.... شائزہ کے لیے جب جہیز کا سامان بنواؤں گی تو تمہارے لیے وارڈ روب بھی بن جائے گی۔'' امی نے انہیں تسلی دی' امی کے اس جواب نے ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''آج کھانے میں کیا بنا رہی ہے عائزہ؟ اور بھابھی دکھائی نہیں دے رہیں۔'' آپی آلتی پالتی مار کر صوفے پر بیٹھ گئیں اور پاس پڑا ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے میں مصروف ہو گئیں۔

''چکن پلاؤ بنا رہی ہے عائزہ' اب تم کھانا کھا کر ہی جانا اور حنا بھی یہیں تھی ابھی شاید اسید کا ڈائپر تبدیل کرنے اندر گئی ہے۔'' امی کی اطلاع پر وہ مسکرا دیں اور مزید مطمئن ہو کر بیٹھ گئیں۔

''بس میں ابھی آذر کو فون کر دیتی ہوں کہ صبح ہی لینے آئیں مجھے۔''

امی آپ صبح کچھ فروٹ اور بیکری کا سامان منگوا دیجیے گا آذر کے آنے سے پہلے' خالی ہاتھ گھر گئی تو ساس صاحبہ نے وہ باتیں سنائی ہیں کہ خدا کی پناہ۔'' ان کی اس بات پر امی اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ وہ ان کے دل کی بات سمجھ لیتی تھی۔
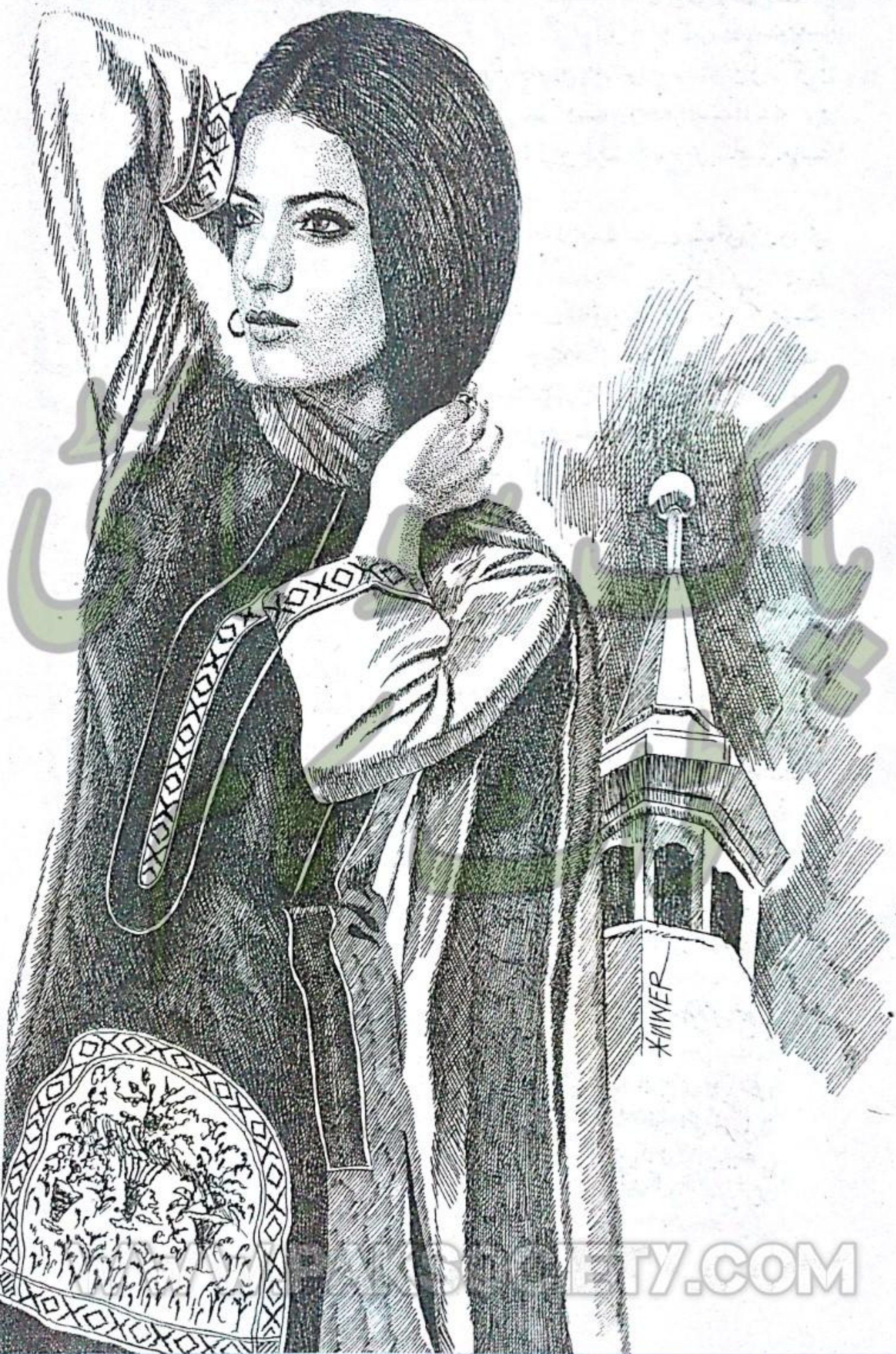
"ابھی لڑکیوں نے فیس دے دی ہے مجھے' آپ ابھی بھائی سے کہہ کر سامان منگوا لیجئے گا۔" وہ امی کو تسلی دیتی وہاں سے اٹھ گئی ٹی وی لاؤنج میں ایک ہنگامہ بپا تھا۔ آپی کی حنا بھابھی سے خوب بنتی تھی۔ آپی کا مزاج بھی عجب تھا' یہ ہی حنا بھابھی تھیں جن کی شادی کے بعد آپی نے ان کے خلاف محاذ کھول لیا تھا' پھر بھابھی ان کی فطرت کو سمجھ گئیں اور ان کے دیے گئے گفٹ اور SMS جو کسی نے آپی کو ان کا گرویدہ کر دیا۔

عائزہ یوں تو خاموش طبع تھی مگر جب سب کے ساتھ ہوتی تو اس کا مزاج آپی سے ہی میل کھاتا تھا۔ اس کی بہت سی عادات ویسی تھیں آنہی کی طرح شاپنگ کا کریز گفٹ اور دوسروں کے حقوق کا خیال کیے بغیر اپنی منوانا کچھ کچھ اس کے مزاج کا حصہ بھی تھا مگر وہ ان تمام خوبیوں کو مخصوص اوقات میں ہی ظاہر کرتی۔ کبھی سالگرہ' کبھی عید اور اسی طرح کے دوسرے مواقع ایسے میں وہ اکثر ہی اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی دے دیا کرتی تھی۔

وہ پانچ بہن بھائی تھے۔ آپا اور بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ ایم اے اسلامیات کے بعد ایک پرائیوٹ کالج میں لیکچرار تھی۔ اس کے علاوہ شام کے وقت میٹرک تک کی لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی' اس کی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی جو وہ گھر کے اخراجات میں خرچ کرنے کی بجائے سینت سینت کر رکھ رہی تھی۔ حنا بھابھی کا خرچ بڑے بھائی ہر مہینے باقاعدگی سے باہر سے بھیج دیتے تھے۔ امی کو بھی پانچ ہزار بھجواتے تھے۔ ابو کی پنشن سے امی آسانی سے کچن چلا لیتی تھیں۔ اس سے چھوٹا عادل بھی ابھی کنوارا تھا' وہ اپنی ساری تنخواہ باقی کے اخراجات پر لگا دیتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا ایک سائیڈ بزنس بھی تھا جس کی آمدن وہ اپنے لیے بچا کر رکھتا تھا۔

گھر کا نظام بہت اچھی طرح چل رہا تھا مگر پھر اچانک ہی بھائی نے امی کو رقم بھیجنی بند کر دی بقول حنا بھابھی وہ انہیں بھی پہلے سے کم رقم بھیج رہے تھے وہاں انہیں کوئی مسئلہ تھا۔ مہنگائی کی وجہ سے ابو کی پنشن میں کچن کے اخراجات چلانا مشکل ہو گیا اس پر عادل نے بھی یہ کہہ کر ہاتھ کھینچ لیا کہ "بازل بھائی بہت چالاک ہیں' وہ اپنی رقم بچا رہے ہیں اور اس پر بہانہ کر رہے ہیں کہ وہاں کوئی مسئلہ ہے وہ دونوں میاں بیوی گھر والوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اگر انہیں اپنا مستقبل محفوظ کرنا آتا ہے تو مجھے بھی اپنے کل کی فکر ہے۔" امی کچھ بھی نہ کہہ سکیں' انہوں نے کسی سے کوئی شکوہ نہ کیا مگر غیر محسوس طریقے سے یہ ساری ذمہ داریاں شائزہ نے اٹھالیں۔ کالج سے واپسی پر سبزی فروٹ لے آنا' رشتہ داروں' دوستوں اور محلے داروں کے گھروں میں خاص مواقع پر دینا دلانا..... سیزن کے کپڑے اور ایسی بہت سی ذمہ داریاں اس نے اٹھالیں تو امی کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اب وہ عائزہ کے لیے جہیز کا سامان بھی جوڑنے لگی تھی۔ امی کو غصہ آجاتا۔

"پاگل ہو تم' تم عائزہ سے بڑی ہو' لوگ کیا کہیں گے اور پھر دو دو بھائیوں کے ہوتے ہوئے تم اچھی لگتی ہو یہ سب کرتی۔"

"جب بھائیوں کو احساس ہی نہیں تو پھر..... خیر آپ یہ سب مت سوچا کریں اگر حالات ایسے ہی رہے جیسے اب ہیں تو ہم پہلے عائزہ کی شادی کریں گے پھر آپ میرے بارے میں سوچئے گا۔"

"حالات تو اب ایسے ہی رہیں گے۔" امی کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اتوار کا دن تھا۔ وہ صبح سے کچن میں مصروف تھی۔ گھر میں معمول سے زیادہ ہلچل تھی آپا رات سے آئی ہوئی تھیں اور ان کی فرمائش پر حلیم اور انڈے کوفتے بن رہے تھے' عائزہ کو دیکھنے بھی کچھ لوگ آرہے تھے اس سلسلے میں شام کی چائے پر بھی خاص اہتمام تھا' اس نے گھر پہ ہی فروٹ چاٹ' دہی بڑے اور رول تیار کرلیے تھے کیک اور مٹھائی عادل لے آیا تھا اسی ماہ کی تنخواہ سے اپنے لیے کاٹن کا بڑا نفیس کام والا جوڑا خریدا تھا اس نے بڑی خوشی سے عائزہ کو دے دیا۔ ٹیوشن کی

لڑکیوں کو بھی چھٹی تھی اس لیے وہ آرام سے لگی رہی۔

سلاد کے پتے پلیٹ میں سیٹ کر رہی تھی جب سیل فون پر انجانا نمبر چمکنے لگا۔ اس نے کبھی انجانے نمبر کی کال نہیں سنی تھی' اسی لیے فون سائلنٹ پر لگا دیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد SMS آیا کوئی اپنی بہن کو اس سے ٹیوشن پڑھوانا چاہتا تھا۔ اس کا نمبر اس کی کسی پرانی طالبہ سے لیا گیا تھا ابھی وہ جواب دینے ہی والی تھی کہ دوبارہ میسج آگیا۔ وہ بچی آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی' اس سے فی مضمون کے حساب سے فیس کا پوچھا گیا تھا اور ٹیوشن کی ٹائمنگ پوچھی گئی تھی۔ تفصیل سے ٹیکسٹ کر کے وہ مطمئن سی ہو کر دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔ گھر کے حالات جس طرح کے ہو گئے تھے وہ اپنے رب کی مشکور تھی کہ وہ آمدنی میں اضافہ ہی کرتے جا رہے تھے۔

"میٹھے میں کیا ہے شائزہ۔" آپا نہ جانے کب اندر آئی تھیں۔

"میں نے تو کچھ نہیں بنایا' امی کہہ رہی تھیں کہ وہ خود بنائیں گی شاید کوئی حلوہ وغیرہ بنانے کا ارادہ ہے۔ اسی لیے میوے وغیرہ کاٹ رہی ہیں۔" اس نے برتن سمیٹ کر سنک میں بھرے اور برتن دھونے کی تیاری کرنے لگی۔

"حلوہ..... تم کچھ اور بنا لو نا' وہ تم کیک بھی تو ٹرائی کر رہی ہوتا آج کل..... وہی بنالو..... قسم سے بہت جی چاہ رہا ہے۔" آپا کچن سے نکلتے نکلتے فرمائش ڈال گئیں اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کیک کا سامان اکٹھا کرنے لگی۔

امید کے مطابق عائزہ ان لوگوں کو بہت پسند آئی تھی۔ اس کے ہاتھ کی بنی چیزیں (جو دراصل شائزہ نے بنائی تھیں) تو ان لوگوں کو کچھ زیادہ ہی پسند آئی تھیں۔ جھٹ سے لڑکے کی ماں نے عائزہ کے ہاتھ پر ہزار ہزار کے دو نوٹ رکھ دیے۔

"بھئی اب یہ ہماری امانت ہے اور ہم شادی میں زیادہ دیر نہیں کریں گے بس دو تین ماہ میں آپ لوگ تیاری کر لیں۔" لڑکے کی ماں نے اسے ساتھ لگاتے

ہوئے کہا۔ اس کی نظریں امی کی طرف اٹھیں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"مگر....."

"ارے آپ کو یہ ہی فکر ہے ناں کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے چھوٹی بیٹی کی شادی کردی تو لوگ کیا کہیں گے ارے بہن جی آج کل ایسی باتیں کون سوچتا ہے اور یہ ملازمت کرنے والی بچیاں پکی عمر میں ہی شادی کرتی ہیں خوب کمائی شمائی کر کے.... مگر کرلیتی ہیں' آپ فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ شائزہ بیٹی کے مقدر بھی کھولے گا اور پھر دیکھیے گا آپ مجھے یاد کریں گی۔" وہ اسے دعا دیتے دیتے انجانے میں بہت بڑی بات کہہ گئی تھیں وہ کمائی تو کر رہی تھی مگر اپنے لیے نہیں بلکہ سب گھر والوں کے لیے۔

"جی..... اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔" امی اس سے زیادہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں' وہ ان کے دل کی بات سمجھتی تھی' اس نے آنکھوں سے انہیں مطمئن رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

اس نے عائزہ کی شادی کی تیاری کی نیت سے دو کمیٹیاں ڈال لی تھیں اور امی سے کہہ دیا تھا کہ لڑکے والوں سے چار ماہ کا کہہ دیں۔ اس نے اپنی کولیگ سے کہہ کر شادی سے دو ماہ پہلے کی کمیٹیاں اپنی رکھ لی تھیں تاکہ آرام سے تیاری ہو جائے امی نے تھوڑی بہت تیاری اپنے تئیں بھی کر رکھی تھی سو وہ مطمئن سی ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

اس کے پاس ٹیوشن میں بھی کافی لڑکیاں ہو گئی تھیں۔ وہ آرام سے گھر کے اخراجات اور کمیٹی کی رقم نکال رہی تھی۔ نئی لڑکی بہت باتمیز اور سلجھی ہوئی تھی' اچھی خاصی ذہین اور قابل بچی تھی پھر نہ جانے اس کا بھائی اس کے سلسلے میں اتنا فکر مند کیوں تھا۔ ابھی اسے آئے ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ وہ اسے چھوڑنے آیا تو فیس کی رقم بھی دے گیا۔

"ٹیچر وہ بھائی جان آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"کہاں؟" وہ لان میں بیٹھی بچیوں کو پڑھا رہی تھی جب صلہ نے اسے مخاطب کیا۔

"وہ باہر گیٹ پر کھڑے ہیں۔"

"اوہ..... اچھا میں دیکھتی ہوں۔" وہ جلدی سے دوپٹا ٹھیک کرتی گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔ سامنے سوزوکی کار سے ٹیک لگائے ایک خوش شکل اور میچورڈ بندہ کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ سڑک پار کر کے اس طرف آگیا اور تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم..... معذرت چاہتا ہوں کہ اس طرح آپ کو تکلیف دی' دراصل آپ کا موبائل آف جا رہا ہے' آپ سے بات کرنی بھی بہت ضروری تھی اور یہ آپ کی فیس بھی پہنچانی تھی۔" اس نے رقم اس کی طرف بڑھادی۔

"وعلیکم السلام..... اور شکریہ..... خیریت؟" اس نے رقم پکڑ کر فکر مندی سے دیکھا' وہ کچھ الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

"دراصل صلہ میری چھوٹی بہن ہے' میری والدہ اس کی پیدائش پر وفات پا گئی تھیں' ہمارے ابا بھی دو سال پہلے انتقال کر گئے ہیں۔ میں نے اسے بہت لاڈ سے پالا ہے اسی لیے یہ ذرا لاپرواسی ہے۔ اس کے اسکول سے شکایت آئی ہے کہ یہ اسکول ٹیسٹ اچھے نہیں دے رہی' اس کی رائٹنگ اسپیڈ بہت سلو ہے' ابھی تو آپ کے پاس آئی ہے پلیز اس پر ذرا خصوصی دھیان دیجیے گا..... میں بزنس کے سلسلے میں مصروف ہوتا ہوں' چاہ کر بھی اس کی طرف دھیان نہیں دے پاتا' چھوٹا بھائی خود ابھی اسٹوڈنٹ ہے..... آپ سمجھ رہی ہیں نا۔" وہ بہت پریشان تھا صلہ کے لیے۔ شائزہ کا دل اس معصوم سی بچی کے لیے دکھ گیا۔

"جی..... آپ فکر نہ کریں' میں پوری کوشش کروں گی۔" اس نے اسے تسلی دی۔

"بہت شکریہ..... اللہ حافظ۔" وہ بات کر کے نہایت ادب سے سلام کر کے مڑ گیا۔ شائزہ گیٹ بند کر کے لان میں آئی تو سب بچیاں باتیں کر رہی تھیں مگر صلہ

خاموشی سے بیٹھی کتاب کے اوراق پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔

"جی.... تو گرلز آج ہم ایک مقابلہ کریں گے اس کے بعد پڑھائی شروع کریں گے آپ سب مجھے 2 منٹ میں Essay لکھ کر دکھائیں گی جس نے جلدی اور زیادہ لکھا اسے میری طرف سے گفٹ ملے گا۔"
اس نے طریقے سے بات شروع کی' سب نے خوشی سے نوٹ بکس کھول لیں اس نے ٹاپک دے کر اپنا موبائل اٹھایا وہ تو جانے کب سے بند تھا۔ وہ ایک بار پھر صلہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بہت آہستگی سے لکھ رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

عائزہ کی شادی کی ساری تیاری مکمل تھی۔ آپا نے بھی مستقل وہیں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔
"شائزہ ذرا تم میری نند کی بیٹی کو بھی ٹیوشن پڑھا دیا کرو' خوش ہو جائے گی میرا بھی سسرال میں ذرا نام ہو گا اچھا رزلٹ لائے گی تو اور ویسے بھی تم اتنا کماتی ہو تمہیں ہزار دو ہزار کی مفت ٹیوشن پڑھانے سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا نا۔"
"جی آپا ضرور.... پڑھانا تو ویسے بھی ثواب کا کام ہے مگر وہ کیسے آیا جایا کرے گی' زیادہ تر بچوں کے والد یا بھائی یہ ڈیوٹی دیتے ہیں اور کچھ قریب کی ہیں تو وہ پیدل آجاتی ہیں۔"
"ہوں.... یہ مسئلہ ہے مگر کوئی نہیں.... وہ خود ہی حل کرلیں گے کوئی نہ کوئی چھوڑ جایا کرے گا بس تم حامی بھرو' میں انہیں ابھی فون کر دوں کہ شام کو بھیج دیں سارہ کو.... بے چاری کب سے مجھے کہہ رہی تھی۔"
"جی.... آپ کہہ دیں تین بجے سے پانچ بجے تک کا ٹائم ہے۔" وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ انہیں خود سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ اتنی محنت سے گھر کے لیے کر رہی ہے۔ عائزہ کے جہیز اور گھر کے اخراجات چلانے کے لیے کر رہی ہے۔
"ہائے کتنی بھولی ہے شائزہ.... اور اچھی بھی۔"

اس نے آپا کی آواز سنی تھی۔

✲ ✲ ✲

آسمان کئی دنوں سے بوجھل ہو رہا تھا' یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بارش برسی تو جل تھل کر دے گی' وہ اپنے کمرے میں بیٹھی عائزہ کا جہیز کی بقایا رہ جانے والی چیزوں کی لسٹ بنا رہی تھی جب امی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں' ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا' وہ کچھ فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔
"امی آپ' آیئے.... میں بس باہر آنے ہی والی تھی' رات کے کھانے کی تیاری کرنی ہے۔"
"نہیں تم آرام کرو شائزہ.... تھک جاتی ہو بہت' ابھی بچیوں کو پڑھا کر فارغ ہوئی ہو اور اب کچن میں گھس جاؤ گی میں نے عائزہ اور فائزہ (آپا) کو کہا ہے وہ کچن میں ہیں.... تم یہ دودھ پیو' دیکھو کیسی ذرا سی شکل نکل آئی ہے تمہاری۔" وہ اس کے برابر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔
"ارے نہیں امی میں بالکل ٹھیک ہوں' کچھ نہیں ہوا مجھے بس ذرا کام زیادہ ہوتا ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ عائزہ کے جہیز میں واشنگ مشین' مائیکرو ویو اوون' ٹی وی کے علاوہ اور کوئی بھاری چیز رہ تو نہیں گئی نا.... اسٹینڈ والے دو پنکھے' سلائی مشین اور بقایا کچن کی مشینری تو ساری مکمل ہے نا۔" اس نے ان کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر ایک طرف رکھ دیا۔
"ہوں ہاں.... وہ لیپ ٹاپ کی بات کر رہی تھی عائزہ۔" امی نے بات کرتے ہوئے سر جھکا دیا وہ سمجھ گئی کہ صبح سے امی کو یہ ہی فکر تھی۔
"لیپ ٹاپ.... جی ٹھیک ہے' میری کولیگ ناصرہ کے میاں کی موبائل اور کمپیوٹر کی شاپ ہے' میں اس سے بات کروں گی.... ہو جائے گا' آپ فکر نہ کریں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے سر ہلاتے ہوئے بولی۔
"میں تمہارے سامنے بہت شرمندہ ہوں شائزہ.... یہ سب کچھ تمہارے کرنے کا کام نہیں ہے مگر...."
"جی امی.... مگر آپ ایسے مت سوچا کریں' میں

آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

"ہوں.... اچھا سنو.... وہ لوگ اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کر رہے تھے کہ کہیں ڈھونڈ رہے ہیں رشتہ کیا کہتی ہو تم عادل کے لیے بات کروں.... آخر کہیں نہ کہیں تو اس کا رشتہ بھی کرنا ہے نا۔"

"جی...." دودھ کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے اچھو لگا.... امی نے تو اسے بالکل ہی ایک طرف رکھ دیا تھا.... عائزہ تو چلو لڑکی تھی مگر عادل کا نام امی نے اس سے پہلے لے لیا تھا.... شاید وہ مجبور تھیں۔

"جی امی اچھی بات ہے آپ عادل سے پوچھ کر بات کر دیکھیں، لڑکی تو اچھی ہے، خوب صورت ہے۔" وہ سر بیڈ کی پشت سے ٹکا کر دودھ پینے لگی۔

"ہوں.... چلو تم تھوڑی دیر آرام کرو پھر کھانے کے لیے آجانا بریانی اور شامی کباب بنا رہی ہیں دونوں...." امی اٹھتے ہوئے بولیں، وہ لیپ ٹاپ کی خریداری کے لیے ناصرہ کا نمبر ملانے کا سوچنے لگی، موبائل اٹھایا تو کئی مس کالز آئی ہوئی تھیں.... یہ تو صلہ ابراہیم کا نمبر تھا۔

"خدا خیر کرے.... آج تو صلہ کا رزلٹ بھی تھا اور وہ ٹیوشن بھی نہیں آئی۔" اس نے کال بیک کی "السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام.... جی میں شائزہ احسان.... صلہ کی ٹیوٹر بات کر رہی ہوں۔"

"جی.... کیسی ہیں آپ، میں پہلے بھی کال کر رہا تھا مگر آپ شاید بزی تھیں۔"

"جی وہ میں پڑھا رہی تھی اور موبائل اندر کمرے میں تھا، آج صلہ کا رزلٹ تھا اور وہ آئی نہیں پڑھنے؟"

"جی.... اس کا رزلٹ بہت اچھا آیا ہے.... بہت امپرو کیا ہے صلہ نے.... اس کی ٹیچرز بہت خوش تھیں.... پہلے رزلٹ 50 اور 60 پرسینٹ کے درمیان ہوتا تھا، اس مرتبہ 75 پرسینٹ رزلٹ آیا ہے آپ نے بہت محنت کی اس کے ساتھ، آج اسی خوشی میں، میں اسے شاپنگ کے لیے لے گیا تھا، اسی وجہ سے ٹیوشن نہیں آئی، اس نے آپ کے لیے بھی سوٹ خریدا ہے اپنی پسند سے، کل لے کر آئے گی۔" وہ بہت خوش تھا اور اپنی محنت کے رنگ لانے پر شائزہ بھی بہت خوش تھی۔

"اچھا.... مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی.... آپ کا حق ہے.... آپ بہت اچھی ہیں۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی بات کے آخر میں شائزہ نے موبائل کو کان سے ہٹا کر گھور کر دیکھا تھا اور پھر دوبارہ کان سے لگالیا۔

"اس کا گفٹ قبول کر لیجیے گا پلیز.... بغیر ماں باپ کے بچی ہے اس کی دنیا، میرے، اسد اور اپنے ٹیچرز کے گرد ہی گھومتی ہے۔"

"اسد؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"میرا چھوٹا بھائی گریجوایشن کر رہا ہے.... میرا نام احمد ہے.... احمد ابراہیم میں سب سے بڑا ہوں.... ذمہ داریاں ہیں بہت مجھ پر.... اس لیے عمر سے کچھ زیادہ ہی میچور ہو گیا ہوں۔"

"جی۔" وہ شاید اسی کی طرح کی زندگی گزار رہا تھا۔

"اوکے میم.... تھینکس اگین۔" وہ بہت مشکور ہو رہا تھا۔

"ارے نہیں.... میں کون سا مفت میں پڑھا رہی ہوں، فیس لے رہی ہوں.... سب سے لیتی ہوں.... کام ہے میرا.... ضرورت ہے میری۔" بولتے بولتے زبان پھسل گئی تھی۔

"جی میں سمجھ سکتا ہوں.... آپ اپنے ہزبینڈ کا ساتھ دے رہی ہوں گی گھر کی ذمہ داریوں کے لیے.... اچھی بات ہے.... خوش قسمت ہیں آپ کے شوہر جو کوئی ان کی ذمہ داریاں بانٹنے والا ہے.... مجھے دیکھیں، اسد اور صلہ کے لیے کبھی کبھی ماں بھی بننا پڑتا ہے۔" وہ کیا سمجھ رہا تھا، اس نے ٹوک دیا۔

"جی نہیں.... میں غیر شادی شدہ ہوں.... گھر کی ذمہ داریوں میں اپنا حصہ ڈال رہی ہوں.... چھوٹی بہن کی شادی ہے اسی سلسلے میں ذرا زیادہ محنت کر رہی ہوں۔" بات کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"چھوٹی بہن.... اوہ بڑی بہن، جیسے مجھے ان دونوں کی ماں بننا پڑتا ہے اسی طرح آپ کو اپنے گھر کا بیٹا بننا

پڑتا ہو گا۔"

"جی۔۔۔ نہیں ایسی بات بات نہیں ہے' ماشاءاللہ سے میرے دو بھائی ہیں۔" وہ رو رہی تھی اسے احساس ہی نہیں ہوا۔

"جی۔۔۔؟" دوسری طرف سے بڑی حیرت سے پوچھا گیا تھا۔ وہ خاموش ہی رہی۔

"او کے ٹیچر۔۔۔ کل میں صلہ کو لے آؤں گا۔۔۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اس نے کال منقطع کر دی۔ پہلی بار کسی سے اس طرح بات کی تھی اس نے' ایک عجیب سا' نیا سا احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس سے اس کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں سب ہی بیٹھے تھے' وہ بھی مسکراتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

ناشتے میں جلدی جلدی دو سلائس اور آملیٹ حلق سے اتارے تھے اور اب چائے کا کپ ہاتھ میں لیے وہ جلدی جلدی دوسرے ہاتھ سے بیگ میں چیزیں ٹھونس رہی تھی۔

"آج عائزہ کے سسرال والے دن مقرر کرنے آ رہے ہیں' اب تو سارا سامان بھی مکمل ہے۔ بس درزی سے کپڑے اٹھا لینا اور جیولر سے پوچھ لینا۔"

"جی امی میں آج ہی کالج سے واپسی پر یہ دونوں کام کرتی آؤں گی۔" وہ کالج کے لیے نکل رہی تھی جب امی نے آواز دی۔

"جیتی رہو۔" امی نے اسے آیت الکرسی کے حصار میں دیا اور وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔

کالج سے واپسی پر وہ عائزہ کا لیپ ٹاپ اور درزی سے کپڑے لیتی آئی تھی جیولر نے ابھی دو دن اور مانگے تھے۔ گھر واپس آئی تو سب ہی بہت خوش تھے۔ لڑکے والے جا چکے تھے۔

"آ گئی شائزہ۔۔۔ بھئی اپنی عائزہ کی ساس تو بڑی اتاولی ہوئی جا رہی ہیں۔ امی نے بھی اگلے مہینے کی پانچ اور چھ تاریخ بارات اور ولیمہ کی ہاں کر دی ہے۔ مہندی اپنے اپنے گھر میں ہو گی۔" آپا نے کیلے کا چھلکا اتارتے ہوئے اطلاع دی۔

"ہوں۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"امی نے میرج ہال کے سلسلے میں تو باذل بھائی سے بات کی ہو گی نا۔"

"کہاں؟ باذل تو ایک ہفتے سے فون ہی اٹینڈ نہیں کر رہا' حنا بھابھی الگ پریشان ہیں' بے چاری کو شادی کی تیاری کے لیے بھی رقم نہیں بھیجی باذل نے ایک جوڑا تک نہیں بنا سکیں" وہ جو پلیٹ میں اپنے لیے کھانا نکال رہی تھی' اس کا ہاتھ رک گیا۔ "اور عادل؟"

"ارے وہ بے چارہ کیا کرے گا۔۔۔ اس کی تو اپنی شادی کا بیٹھے بٹھائے خرچہ آ گیا۔" عادل کی شادی؟ امی نے سرسری سا ذکر تو کیا تھا اس سے مگر عادل کی شادی طے ہو گئی تھی اس کو خبر ہی نہ ہوئی تھی۔

"ہاں آنٹی نے رشتہ دینے پر جھٹ سے ہاں کر دی اور عائزہ کے ولیمہ پر ہی ہم بارات لے کر جائیں گے عائزہ کا ولیمہ ہو جائے گا اور عادل کی رخصتی کروا کر لے آئیں گے عادل نے اپنے ولیمہ کے لیے خود ہی ارینج کر لیا ہے وہ بتا رہا تھا کہ اس میرج ہال میں عائزہ کی بارات کے لیے بکنگ نہیں ہو سکی' ہال پہلے سے اس ڈیٹ کے لیے بک ہے۔" آپا نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں وہ ہکا بکا بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

صلہ نے اسے بہت خوب صورت جوڑا گفٹ کیا تھا' دیکھنے میں ہی بہت قیمتی لگتا تھا' اس نے شکریہ کی نیت سے احد ابراہیم کے نمبر پر کال کی تھی۔

"ارے اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟ صلہ بتا رہی تھی کہ آپ ٹیوشن سے چھٹیاں دیں گی۔۔۔ صلہ گھر میں بالکل نہیں پڑھتی' سارا دن کمپیوٹر گیمز اور کوکنگ۔۔۔ اسے کوکنگ کے نام پر تجربے کرنے کا بہت شوق ہے۔۔۔ آپ چھٹیاں کیوں دے رہی ہیں؟"

"جی وہ میری بہن کی شادی ہے... بھائی کی بھی۔" اس نے جان بوجھ کر اپنے دل کی بات کی تھی۔

"اچھا... بہن کی بھی اور بھائی کی بھی... بھائی آپ سے بڑا ہے؟" وہ بھی جان بوجھ کر کرید رہا تھا۔

"جی نہیں... مجھ سے چھوٹا ہے۔"

"ایک بات کہوں شائزہ ٹیچر... آپ کی پرسنل لائف میں مجھے بولنے کا کوئی حق تو نہیں مگر ایک مخلص دوست کا مشورہ سمجھ کر سن لیجئے... آپ اپنے بہن بھائیوں کے لیے جو کچھ کر رہی ہیں اس کی قدر نہیں کریں گے وہ' جب وقت گزر جائے گا تب نہ صرف آپ اکیلی رہ جائیں گی بلکہ یہ سب بھی آپ کے کیے گئے احسانوں کو بھول جائیں گے' آپ اپنے ساتھ ناانصافی کر رہی ہیں۔" اس کی بات ابھی جاری تھی' شائزہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"آپ بھی تو کر رہے ہیں سب کچھ۔"

"کیونکہ میری زندگی میں یہ سب ذمہ داریاں اٹھانے والے اس دنیا سے ہی چلے گئے اور کوئی ہے نہیں یہ سب کرنے کے لیے مگر میں آپ والی غلطی نہیں کروں گا... ایک دو سالوں میں ان دونوں کے فیوچر کے لیے معقول رقم محفوظ کر کے اپنے بارے میں بھی سوچوں گا' فیملی بناؤں گا مگر آپ... شائزہ یہ سب آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' آپ کے دو بھائی ہیں آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں وہ۔" وہ جو بھی کہہ رہا تھا شائزہ کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ واقعی اس کو سب بے وقوف ہی تو بنا رہے تھے' مگر اس نے اپنے لہجے کو سخت کر کے اسے ڈپٹ دیا۔

"اٹس مائی پرسنل میٹر... پلیز آپ آئندہ اس ٹاپک پر بات نہیں کریں گے۔" اس کے اس طرح کہنے پر دوسری طرف چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"میں تو بہت خلوص سے کہہ رہا تھا شائزہ' میرا مقصد آپ کو اپنے رشتوں سے دور کرنا نہیں تھا اور نہ ہی ان سے بدظن کرنا' وقت ہاتھ سے جب ریت کی طرح پھسل جاتا ہے تو سوائے تنہائی اور پچھتاوے کے کچھ باقی نہیں رہتا... خیر آئندہ ایسا کچھ نہیں ہوگا' آپ اپنی زندگی کو بہتر طریقے سے ہینڈل کر سکتی ہیں... اللہ حافظ۔" اس نے برا منائے بغیر نہایت شائستگی سے بات سمیٹتے ہوئے کال منقطع کر دی۔ شائزہ کو محسوس ہوا جیسے وہ ایک دم سے بہت اکیلی ہو گئی ہو۔

"شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے مگر کیوں کہہ رہا ہے؟ اسے مجھ سے کیا ہمدردی ہے... کیوں وہ میرا برا بھلا اور نفع نقصان سوچ رہا ہے؟" وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

عائزہ اور عادل کی شادی خیریت سے انجام پا گئی تھی' عائزہ بیاہ کر سسرال گئی اور ثانیہ رخصت ہو کر ان کے ہاں آ گئی۔ گھر میں اس کے آنے سے رونق اور ہلچل سی ہو گئی باذل بھی شادی کے تیسرے روز ہی اچانک سے آ گیا۔ اس کا واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا' حنا بھابھی نے بتایا تھا کہ ان کی ملازمت ختم ہو گئی تھی۔ عادل اور ثانیہ ہنی مون ٹرپ سے واپس آئے تو امی نے باورچی خانہ دونوں بہوؤں کے حوالے کر دیا' آپا بھی شادی کے بعد ڈھیروں تحائف اور مٹھائیاں لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔

"اب تو مجھے شائزہ کی فکر ہے' یہ اپنے گھر کی ہو جائے تو..." امی اٹھتے بیٹھتے ایک ہی بات کرنے لگیں' باذل نے تو صاف سنا دیا۔

"امی آپ کو تو پتا ہے میں بالکل دیوالیہ ہو گیا ہوں۔ نئے سرے سے کاروبار جما رہا ہوں اور آپ جانتی ہیں کہ یہ سب کتنا مشکل ہوتا ہے' فی الحال تو میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا' کم از کم چار پانچ سال آپ مجھ سے تو کسی قسم کی معاشی معاونت کی توقع نہ رکھیں۔"

"چار پانچ سال؟" امی نے فکرمندی سے اس کی سمت دیکھا۔

"عادل؟" امی نے بڑی امید سے عادل کی سمت دیکھا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہی ہیں؟ ابھی شادی پر میرا

اتنا خرچ ہو گیا ہے۔ سب نے عائزہ کی شادی کے لیے تو خوب کیا مگر میری شادی کے لیے جو کچھ کیا میں نے خود کیا' کسی نے میری ذرہ برابر مدد نہیں کی' میں تو پہلے ہی مقروض ہو گیا ہوں' بے چاری ثانیہ کو صحیح طرح کہیں گھما پھرا بھی نہیں سکا' سلامی کی رقم بھی خرچ کر دی آنے جانے میں۔" وہ پہلے سے تپا بیٹھا تھا۔

"اوہو امی اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے! شائزہ اپنا کماتی ہے کچھ نہ کچھ تو بچا کر رکھا ہو گا اس نے اپنے لیے اور پھر آگے آنے والے سال میں بھی کچھ نہ کچھ جمع کر لے گی' سمجھ دار ہے۔" حنا بھابھی نے نہایت شائستگی سے کہا تھا۔ امی نے ایک بار پھر اس کی سمت دیکھا' اس کے اندر یکدم خاموشی سی چھا گئی تھی۔

"آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں وہ۔" احمد کا کہا ہوا جملہ ذہن میں گونجنے لگا۔ پھر ایک ایک کر کے سب وہاں سے اٹھ گئے اور وہ خالی ہاتھ بیٹھی رہی' امی بھی شرمندگی سے اس سے نظریں چراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔

دن مہینوں میں اور مہینے سال میں تبدیل ہو گئے۔ عادل اور ثانیہ کو خدا نے بیٹی سے نوازا' عائزہ کے ہاں بھی ننھی پری آئی تھی۔ امی کے بال اس ایک سال میں کچھ زیادہ ہی سفید ہو گئے تھے۔ اس کی اب بھی وہی روٹین تھی۔ حنا بھابھی نے اپنے اسید کو اس کے کمرے میں سلانا شروع کر دیا تھا بقول ان کے وہ شائزہ سے بہت مانوس ہے۔

رات میں وہ اس کا فیڈر بناتی' ڈائپر تبدیل کرنے اٹھتی تو نیند بھی پوری نہ ہوتی' صبح کالج جانے کے لیے جلدی اٹھ جاتی' اپنا ناشتا خود بنا کر وہ کالج کے لیے نکل جاتی۔ شام میں ٹیوشن کے لیے لڑکیاں اب بھی آ رہی تھیں مگر اب وہ تھکنے لگی تھی۔ صلہ کا میٹرک مکمل ہو گیا تھا' وہ اے گریڈ لے کر پاس ہو گئی تھی' ایک اداس سی شام وہ صلہ کے ساتھ آ گیا۔ مٹھائی کا ڈبا اور کچھ گفٹ اٹھائے' وہ اسی طرح لان میں بیٹھی لڑکیوں کو پڑھا رہی تھی جب صلہ نے اچانک سلام کر کے اسے چونکا دیا۔

"ٹیچر' بھائی آئے ہیں آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔" صلہ نے تو عام سے لہجے میں کہا تھا مگر اس کا خلوص یاد کر کے شائزہ کا دل عجیب لے پر دھڑکا تھا۔

"ہوں۔" وہ دوپٹا درست کرتی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی طرح نظریں جھکائے کھڑا تھا "السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام.... کیسی ہیں آپ؟" وہی عزت دینے والا لہجہ.... شائزہ تو کبھی بھی کسی کے لیے اتنی اہم نہیں رہی تھی کہ کوئی اس سے یہ پوچھتا "کیسی ہیں آپ؟"

"جی الحمدللہ ٹھیک ہوں اور آپ؟"

"جی شکر ہے.... وہ میں اس سلسلے میں حاضر ہوا تھا کہ صلہ کالج میں داخلہ لینا چاہ رہی ہے' اس کی رہنمائی کریں مضامین کے انتخاب میں بھی اور کون سا کالج بہتر رہے گا وہ بھی.... اور یہ کچھ گفٹ ہیں آپ کے لیے۔" اس نے دو تین شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ؟" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی' نہ جانے کیوں اس سے بات کر کے' اسے دیکھ کر آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

"اب یہ مت کہیے گا کہ گفٹ بھی نہیں دے سکتے آپ کو.... گفٹ لینے دینے میں تو کوئی پرسنل مسئلہ نہیں ہوتا۔" وہ جس لہجے میں بولا تھا وہ شائزہ کو شرمندہ کر گیا۔

"نہیں.... آپ نے سچ کہا تھا.... اور شکریہ آپ ایک گھنٹے تک آ کر صلہ کو لے جائیے گا میں اسے سب سمجھا دیتی ہوں۔" وہ آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے اندر مڑ گئی' احمد ابراہیم کتنی ہی دیر کھڑا رہا اس نے اسے اندر سے پڑھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بارش دو دن سے لگاتار برس رہی تھی۔ اس نے کالج سے چھٹیاں لے لیں۔ ٹیوشن کے لیے بھی فون کر

کے لڑکیوں کو منع کردیا۔ وہ دو دن سے اپنے کمرے میں بند تھی گھر والوں کے رویے کچھ بدلے بدلے سے تھے' اس نے بھابھی کو بھی منع کردیا کہ وہ اسید کو اس کے کمرے میں نہ بھیجا کریں۔

"لو جی بیٹھے بٹھائے یہ کیا دورہ پڑ گیا شائزہ کو؟ اچھی خاصی مہینے کی آمدنی ہو جاتی تھی' نہ کالج جارہی ہے نہ ٹیوشن پڑھا رہی ہے.... گھر کے کاموں سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔" وہ کمرے سے نکل رہی تھی جب ٹی وی لاؤنج سے حنا بھابھی کی آواز آئی۔

"اور کیا؟ اب اس عمر میں کوئی رشتہ تو آنے سے رہا' جب ساری عمر اسی گھر میں گزارنی ہے تو سب سے لگا کر تو رکھے۔" یہ ثانیہ تھی اس کا دل تھم سا گیا۔

"وہ تو یہ سمجھتی ہے کہ بہت کچھ کیا ہے اس نے اس گھر کے لیے ارے خاک کیا ہے؟ عائزہ کی شادی پر جہیز کے کتنے ہی سوٹ میں نے اپنی طرف سے بنوا کر رکھے تھے اور تو اور دولہے کو انگوٹھی بھی میں نے اپنی طرف سے دی تھی۔" یہ آپا کی آواز تھی' وہ وہیں دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپ اپنے بہن بھائیوں کے لیے جو کچھ کر رہی ہیں' اس کی قدر نہیں کریں گے وہ' آپ اکیلی رہ جائیں گی' آپ کے احسان بھول جائیں گے سب۔" کوئی اس کے شانے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا' وہ سسکنے لگی' باہر بادل بہت زور سے گرجے تھے اور وہ دروازہ بند کرکے اندر چلی گئی۔

"شاید وقت میرے ہاتھ سے نکل گیا' میں اکیلی رہ گئی۔" نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے احمد کے نمبر پر ٹیکسٹ کیا تھا' شاید اس کے علاوہ اور کوئی تھا نہیں اس کے ان احساسات کو سمجھنے کے لیے' پھر اس نے اپنا موبائل بند کردیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس پر ترس کھا کر کال کرے۔ آخر وہ اس کا لگتا ہی کیا تھا جو وہ اس کے سامنے روتی اور اپنوں کی بے مروتی کا گلہ کرتی' وہ اپنوں کا احساس کرتے کرتے ادھوری رہ گئی تھی' اس کی تکمیل کرنے والا آیا ہوگا مگر وہ ذمہ داریوں اور دوسروں کا احساس کرنے میں اتنی مصروف تھی کہ وہ لوٹ گیا ہوگا اس کا وقت نکل چکا تھا۔ وہ فرش پر گھٹنوں میں منہ دیے روتی رہی۔

صبح کا سورج بہت ہی روشن تھا۔ بارش کے بعد آسمان دھل کر صاف ہو گیا تھا۔ وہ کالج جانے کے لیے تیار تھی۔ گھر میں سب خلاف معمول جلدی اٹھے ہوئے تھے' کچن میں بھی بہت ہلچل تھی' وہ گھر سے باہر نکلی تو ایک بڑی گاڑی کھڑی تھی۔

"خیر ہو.... سب' کہیں کوئی رشتہ دار تو انتقال نہیں کر گیا مجھے پوچھنا چاہیے۔" وہ الٹے پیروں واپس ہوئی۔

"امی.... یہ سب کیا ہو رہا ہے باہر گاڑی کھڑی ہے؟ آپا بھی رات گھر نہیں گئیں' خیریت تو ہے نا؟" وہ سیدھی امی کے پاس آئی تھی۔

"ہاں بچے.... سب نے اچانک ہی گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا لیا اسی لیے فائزہ کو بھی روک لیا تھا ان سب نے' کہیں پکنک منانے جارہے ہیں' موسم اچھا ہے نا۔"

"اوہ.... اور آپ؟" اس نے دیکھا وہ ابھی تک بستر میں بیٹھی تھیں۔

"ارے نہیں بیٹا' میں اس عمر میں کہاں ماری ماری پھروں گی' پھر تم نے بھی تو کالج جانا تھا' شام میں پھر بچیوں نے بھی آنا ہوتا ہے' تم بھی تو نہیں جارہی نا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

"کسی نے پوچھا ہی نہیں امی؟" اس نے افسردگی سے کہا۔ کل تک کسی کے پاس اس کے لیے ایک روپیہ بھی نہیں تھا اور آج سب پکنک منانے جارہے تھے۔ کچن میں بریانی اور بروسٹ کی تیاری ہو رہی تھی وہ بھیگی آنکھیں سب سے چھپاتی نکل گئی۔ کالج میں بھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ آج کل بات بات پر آنسو بہنے لگے تھے۔

اس نے بیگ سے موبائل نکال کر آن کیا اس کے ڈھیروں میسج آئے ہوئے تھے' وہ بار بار یہ ہی پوچھ رہا تھا کہ "کیا ہوا؟" اور آخری میسج میں اس نے یہ ہی لکھا تھا کہ وہ اس کی امی سے رشتے کی بات کرنا چاہتا ہے

وہ جانتی تھی کہ وہ اس پر ترس کھا کر ایسی بات ضرور کرے گا' اس نے آنکھیں صاف کر کے اپنے آپ کو مضبوط کرتے ہوئے اس کا نمبر ملایا تھا اور چھوٹتے ہی بولی تھی۔

"آپ مجھ پر ترس کھا رہے ہیں۔۔۔ اتنے بڑے فیصلے اتنی ذرا سی جان پہچان پر نہیں ہوتے۔۔۔ میں نے آپ سے دو چار مرتبہ بات کیا کرلی آپ۔۔۔ آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ پر ترس کھانے کی۔" وہ بات کے آخر میں رو ہی پڑی یہ آنسو۔۔۔ بے قابو ہو رہے تھے آج کل۔

"ذرا سی جان پہچان۔۔۔ میں آپ کو تب سے جانتا ہوں شائزہ جب آپ خود کالج میں پڑھتی تھیں۔ میں اس وقت اپنے دوست کے ساتھ گرلز کالج کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ وہ عمر تھی ایسی مگر پھر جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ میں اپنے راستے سے ہٹ رہا ہوں' ننھی سی صلہ میری چھوٹی بہن مجھے اپنی بیٹی کی طرح محسوس ہونے لگی' میں نے گرلز کالج کے باہر کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ مگر آپ کے بارے میں سوچنا نہیں۔ زندگی کی بھول بھلیوں میں گھومنے لگا' ابو کی وفات کے بعد مجھ پر اچانک سے اور زیادہ ذمہ داریاں آگئیں' میں خود کو بھول گیا مگر آپ کو نہیں بھولا' میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا کیونکہ میرا وہی دوست آپ کے بھائی باذل کا بھی دوست تھا' وہ اکثر مجھے باذل کے خیالات کے بارے میں بتاتا تھا آپ کے گھریلو حالات سے میں واقف تھا۔ پھر جب باذل نے اپنی شادی کے بعد گھر میں رقم بھیجنی بند کر دی تو مجھے اسی دوست کے توسط سے پتا چلا کہ وہ اپنی بیوی کے نام اس کے میکے میں ایک معقول رقم بھجوا دیتا ہے۔ باذل کا خیال تھا کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ایک کے بعد ایک آپ تینوں بہن بھائیوں کی ذمہ داری اس پر ڈال دی جائے گی' ان ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے اس نے یہ ہی طریقہ سوچا جس سے بیوی بھی خوش رہتی اور گھر والے بھی مجبوری سن کر ناراض نہ ہوتے۔

خیر میں آپ کے لیے بہت فکر مند رہتا تھا۔۔۔ محبت کرتا تھا آپ سے لاپروا کیسے رہ سکتا تھا؟ اکثر گرمیوں کی دوپہروں میں' میں نے آپ کا پیچھا کیا ہے کہ آپ خیریت سے گھر پہنچ گئیں اکثر دھند بھری صبح میں آج کو کالج پہنچا کر آیا ہوں میں' اکثر طوفان اور بارش کے موسم میں آفس سے آپ کے لیے کام چھوڑ کر بھاگا ہوں اور جب تک آپ گھر میں داخل نہیں ہو جاتی تھیں' کہیں نہ کہیں چھپ کر آپ کو دیکھتا رہا ہوں۔۔۔ میں محبت سے بھی دامن نہیں چھڑا سکتا اور ذمہ داریوں سے بھی۔۔۔ آپ سے بات کرنے کا' آپ کو دیکھنے کا ایک ہی راستہ دکھائی دیا کہ صلہ کو آپ کے پاس پڑھنے کے لیے چھوڑ دوں' میں آپ کے دل کی بات آپ کی زبان سے جاننا چاہتا تھا۔ اسی لیے سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔

شائزہ میں نے آپ کو بہت اچھی طرح سمجھا ہے' میں آپ کے بغیر ادھورا ہوں۔۔۔ کیونکہ میری تکمیل کرنے والی اگر اس زمین پر کوئی ہے تو وہ آپ ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو میرا رب آپ کے لیے میرے دل میں یہ جذبہ ہی نہ بے دار کرتا۔ وہ جتنے بھی گفٹ میں صلہ کے نام پر آپ کو دیتا رہا' وہ میری پسند کے تھے اور ان میں میرا خلوص اور میری محبت شامل تھی' شائزہ میں کوئی لا ابالی' ٹین ایجر نہیں ہوں کہ کسی بھی ایکسٹریم پر پہنچ جاؤں مگر سچ کہتا ہوں کہ آپ جو بھی کہیں گی میں مانوں گا پلیز ایک بار اپنے ہاں آنے کی اجازت دے دیں۔۔۔ بہت سال ہو گئے اب تو مجھے انتظار کرتے کرتے۔" وہ بول رہا تھا اور شائزہ بے حس و حرکت بیٹھی سن رہی تھی۔ "جی۔۔۔ میں امی سے بات کر کے بتاؤں گی۔"

"تھینک یو شائزہ۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔" وہ بہت خوش تھا' اس کی خوشی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی جو کچھ اس نے سنا وہ کہیں کوئی خواب تو نہیں تھا۔ گھر پہنچی تو امی اکیلی تھیں۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"کھانا کھاؤ گی' تھک گئی ہو بہت آج؟" امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کھانے کے بعد اس نے امی سے سرسری ساذکر کیا تھا۔ وہ اکیلی تھیں اور یہ

بہتر موقع تھا بات کرنے کا۔

"اچھا۔۔۔ تو وہ صلہ کا بھائی ہے؟۔۔۔ تمہیں کیسے جانتا ہے؟"

"امی ظاہری بات ہے صلہ میٹرک تک میرے پاس رہی ہے' اس عمر کی بچیاں اتنی سوجھ بوجھ تو رکھتی ہیں' پھر اسے یہ بھی علم تھا کہ میری شادی نہیں ہوئی۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی سے ذکر کیا ہو؟"

"ہوں۔۔۔ ہوتا ہے رشتے وغیرہ کے سلسلے میں گھر میں سب ہی اپنی رائے دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ جب گھر میں اس کے لیے بات ہوتی ہو تو۔۔۔ خیر چھوڑو۔۔۔ کب آ رہی ہیں اس کی والدہ؟"

"امی وہ۔۔۔ اس کی امی نہیں ہیں مطلب آپ کو بتایا تو تھا صلہ کے بارے میں' جب وہ ٹیوشن آئی تھی۔" اس نے یاد کروایا۔

"ہاں یاد آیا۔۔۔ یعنی وہ خود ہی آئے گا۔۔۔ چلو خیر مگر شائزہ بیٹی تم اپنے بھائیوں سے تو کوئی امید مت رکھنا اور میرے پاس تمہارے لیے سوائے دعاؤں کے اور کچھ نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس مکان کو بیچ کر۔۔۔" ان کی آنکھیں بھر آگئیں۔

"نہیں امی آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی' اس مکان میں سب کا حق ہے۔۔۔ اسے اگر واقعی صرف مجھ سے غرض ہوئی تو یہ جہیز وغیرہ کے مسائل ہوں گے ہی نہیں' آپ بس دعا کریں۔" وہ بات مکمل کر کے کچن میں گھس گئی اس کا ارادہ اپنے اور امی کے لیے چائے بنانے کا تھا۔

"ٹھیک ہے تم اسے کہہ دو کہ کل ہی آجائے۔۔۔ میں ملوں تو سہی' دیکھوں تو کیسا ہے؟" امی اس کے پیچھے ہی آگئیں اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی امی۔" اس نے بھی مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمد نے جو کچھ بتایا تھا' وہ سوچ رہی بہت خوش تھی وہ اتنے عرصے سے اسے پسند کرتا تھا اور وہ کتنی بے خبر تھی۔

وہ چائے بناتے ہوئے گنگنانے لگی' امی اس کے چہرے کی مسکان دیکھ کر ایک نئی سوچ میں ڈوب گئیں۔

☆ ☆ ☆

امی نے عادل اور باذل سے اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا احمد شام کو بتائے گئے وقت پر آگیا۔ امی نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا' شائزہ نے چائے کے ساتھ چکن رول' دہی بڑے اور گاجر کا حلوہ سرو کیا تھا اس نے سلیقے سے دوپٹا سر پر جمایا ہوا تھا احمد نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر امی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ چائے سرو کر کے باہر نکل گئی۔

"اچھا تو نہیں لگتا کہ میں یوں اکیلا آیا ہوں مگر آنٹی فی الحال میں آپ کی اجازت لینے آیا ہوں' اگر آپ اجازت دیں گی تو میں خالہ اماں کو لے کر آؤں گا' خالہ اماں ہماری پرانی ملازمہ ہیں' میں انہیں اپنی والدہ کا ہی درجہ دیتا ہوں' کئی سالوں سے ہمارے ہاں کام کر رہی ہیں۔"

"ہاں بیٹا ضرور لے کر آنا تم انہیں' مجھے تو تم بہت ہی پسند آئے ہو بالکل میری شائزہ کے جوڑ کے مگر بیٹا ہمارے گھر میں کچھ مسائل ہیں۔۔۔ میں شائزہ کی شادی دھوم دھام سے نہیں کر سکتی اگر سچ کہوں تو جہیز اور زیور بھی نہیں دے سکتی۔۔۔ اگر وہ تھوڑا بہت کچھ کرے گی بھی تو خود ہی۔۔۔ دراصل اس کے بھائیوں کے معاشی حالات۔۔۔" وہ پھر بھی بیٹوں کا پردہ رکھ گئیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں آنٹی' میں کوئی کم عمر لڑکا نہیں ہوں جو ان باتوں کو سمجھ نہ سکوں' اگر آپ رضا مند ہیں تو بس گھر کے افراد اور قریبی دوستوں کی موجودگی میں سادگی سے نکاح کروا کر رخصتی۔۔۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹا۔۔۔ میں کل ہی تمہیں نکاح کی تاریخ بتا دوں گی۔۔۔ تم یہ لو نا۔۔۔" انہوں نے خوشی سے اس کے سامنے پلیٹ کی' دروازے سے لگی شائزہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی وہ چلا گیا تو امی ڈرائنگ روم سے بہت مسرور نکلیں' ان کے ہاتھ میں شاپر تھے' وہ خالی ہاتھ نہیں آیا تھا بلکہ مٹھائی اور پھل وغیرہ لے کر آیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے امی؟" حنا بھابھی نے دیکھا تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔

"شائزہ کی بات پکی کر دی ہے میں نے۔" انہوں نے گویا بم پھوڑا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیسے ممکن ہے؟ شائزہ کی شادی اتنی جلدی کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ارے اچھا ہے نا سر سے بوجھ مفت میں اتر جائے گا۔" ثانیہ نے باذل کو ٹوک دیا۔

"کمال کرتی ہو تم' عادت ہو گئی ہے اس کی' گھر کی اتنی ذمہ داریاں اٹھا رکھی ہیں اس نے' اس کے جانے سے یہ سب عیش ختم ہو جائیں گے' پھر ہم جو کمائیں گے وہ اس گھر میں خرچ کرنا پڑے گا' ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں گی اور اب اس کی اچھی خاصی عمر ہو گئی ہے' اس عمر میں کوئی ایسا ہی رشتہ آئے گا جو پہلے سے شادی شدہ' رنڈوا یا طلاق یافتہ ہو گا' تو پھر دوسروں کے بچے پالنے سے بہتر ہے ناکہ یہاں اپنوں میں رہ کر ان پر خرچ کرے۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے' میں ابھی آئی۔" حنا اسی وقت کمرے سے نکل گئی۔

"امی میں آجاؤں۔" اس نے اجازت چاہی' امی کے پاس فائزہ آپا بیٹھی تھیں' عائزہ بھی شادی کے بعد اور ننھی پری کے بعد پہلی مرتبہ امی کے بلانے پر رات رہنے آئی تھی ورنہ تو وہ بس دن دن میں ہی مل کر چلی جاتی تھی۔

"ہاں ہاں آؤ' میں ان دونوں سے شائزہ کے سلسلے میں ہی بات کر رہی تھی۔"

"میں بھی اسی سلسلے میں بات کرنے آئی تھی' شائزہ کی شادی ہو جائے ہمارے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہو گی' مگر امی ابھی حالات....." وہ چہرے پر دنیا جہاں کی بے چارگی اکٹھی کرتے ہوئے بولی۔

"تم فکر نہ کرو.... فائزہ بھی اسی وجہ سے پریشان ہے۔" امی نے لفظ پریشان پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس نے جہیز کا سارا زیور بیچ دیا ورنہ بہن کو کوئی گفٹ وغیرہ ہی دے دیتی' حالات بہت ٹائٹ ہیں آذر کے.... اور عائزہ بھی یہ ہی کہہ رہی تھی کہ آج اگر اس نے میکے میں مالی مدد کی تو کل کو ثانیہ بھی یہاں سے وہاں دینے دلانے میں جھجک نہیں کرے گی.... خیر تم لوگ پریشان نہ ہو احمد کو سوائے ہماری شائزہ کے کچھ نہیں چاہیے وہ سادگی سے نکاح اور رخصتی چاہ رہا ہے۔ بس گھر کے ہی افراد ہوں گے۔ نکاح کے دن کے کھانے کا انتظام اور دلہا کے لیے کپڑے اور تحائف وغیرہ شائزہ خود ہی کرے گی' عروسی جوڑا اور زیور وہ لے آئیں گے' کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے بات ختم کی' سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"ایک بات اور ہے امی' آج کل کے لڑکے اور لڑکیوں کے گھرانے کمانے والی لڑکیاں ہی تلاش کرتے ہیں تاکہ شادی کے بعد ان کے گھر کی ذمہ داریاں اٹھائیں' احمد بھی یہ ہی چاہتا ہو گا' یا تو وہ پہلے سے شادی شدہ اور بچوں والا ہو گا یا پھر کوئی اور ذمہ داری ہو گی اس پر جس کے لیے وہ شائزہ کو سہارا بنانا چاہتا ہے۔" حنا بھابھی کی بات سن کر اس کے اندر کی طرف بڑھتے قدم تھم گئے۔ امی کے چہرے پر بھی فکر مندی دکھائی دینے لگی۔

"ہوں.... ہے تو وہ غیر شادی شدہ مگر اس کے دو چھوٹے' بہن بھائی ہیں اور ان کی ذمہ داری احمد پر ہی ہے کیونکہ احمد کے والدین حیات نہیں ہیں۔"

"او.... تو یہ بات ہے' وہی بات نکلی نا' موصوف شائزہ کی کمائی پر نظر رکھے ہوئے ہیں شادی کے نام پر سادگی کا کہہ کر ہم پر احسان بھی کیا جا رہا ہے اور اصل فائدہ خود اٹھانے کی منصوبہ بندی ہے۔" حنا بھابھی کی بات پر فائزہ آپا اور عائزہ بھی اتفاق کرنے لگیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے امی آپ اس سے صاف کہہ دیں کہ اپنے بہن بھائیوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر آئے اگر شائزہ سے غرض ہے تو" فائزہ آپا نے بات ختم کر دی۔ امی کے چہرے سے ساری خوشی غائب ہو گئی۔

"مانتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہماری طرف سے انکار سمجھے 'اتنی بھاری نہیں ہے ہمیں شائزہ کہ دوسروں کے بچے پالنے کے لیے بھیج دیں۔" حنا بھابھی نے مٹھاس بھرے لہجے میں کہا۔ وہ ان سب کی اصلیت جان چکی تھی' وہ سب مطلبی اور خود غرض تھے مگر اب احمد کے بارے میں وہ لوگ جو کچھ سوچ رہے تھے نہ جانے وہ سن کر کیا ردعمل ظاہر کرے۔

"مان جائے تو منگنی کر دیں اور ایک دو سال تک اپنے فرض ادا کر کے آجائے' ہم سادگی سے رخصت کر دیں گے شائزہ کو۔" حنا بھابھی مسلسل بول رہی تھیں۔ ایک دو سال بعد بھی وہ "سادگی" سے ہی بیاہنے کے چکر میں تھیں۔

"ہوں.... خیر ایک دو سال تو نہیں' اس کی بہن ابھی ایف ایس سی کر رہی ہے' تین چار سال تو لگیں گے اور شائزہ.... چھتیس سال کی ہو جائے گی۔" امی کے ماتھے پر لکیریں نمودار ہو گئیں۔

"کل بات کریں اسے بلا کر۔" وہ تینوں مطمئن سی ہو گئیں۔ شائزہ آنکھیں مسلتی وہاں سے ہٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ سے مجھے اسی بات کی امید تھی باذل صاحب .... آخر کو بہن کا معاملہ ہے.... آپ کا حق بنتا ہے اس کا اچھا برا سوچنا۔" ان کی تمام باتوں کے جواب میں وہ تحمل سے بولا تھا۔

"بالکل۔" باذل اس کے طنز کو سمجھ نہیں سکا۔

"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے' میں اپنی ہر ذمہ داری سے فارغ ہو کر شائزہ کو لینے آؤں گا مگر میری بھی ایک شرط ہے۔" وہ جو دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی چونک گئی۔

"وہ کیا؟" تقریباً "سب ہی بولے تھے۔

"میں منگنی نہیں کروں گا بلکہ نکاح کروں گا اور رخصتی اس وقت لوں گا جب تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاؤں' اپنی بیوی کو میں ہر ماہ اس کا خرچ بھی بھیجوں گا' اس کے علاوہ میں اسے جو کچھ بھیجنا چاہوں آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا' ہونا بھی نہیں چاہیے' اس عرصے میں' میں اس سے نہیں ملوں گا مبادا آپ لوگ سمجھیں کہ میں شائزہ سے کچھ لینے آیا ہوں' میں تمام چیزیں اور ماہوار خرچ خالہ اماں کے ہاتھ بھجوایا کروں گا' شائزہ کی ہر طرح کی ضرورت کا خیال میں خود رکھوں گا.... مجھے اس سے فون پر بات کرنے سے بھی کوئی منع نہیں کر سکتا.... اگر آپ لوگوں کو ان سب باتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو تو جمعے کے روز نماز جمعہ کے بعد ہم لوگ نکاح کے لیے آجائیں گے۔" وہ اس کی باتیں سن کر رو پڑی تھی۔ اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔

"ٹھیک ہے.... اس میں اعتراض کی کیا بات ہو گی۔ نکاح تو ہو چکا ہو گا' رخصتی دو تین سال تک سادگی سے ہو جائے گی۔"

باذل کے "سادگی سے" کہنے پر وہ مسکرا دیا.... اس کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے مطلب کو امی نے پڑھ لیا تھا' انہوں نے بھیگی آنکھوں سے احمد کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ شرمندہ تھیں' عادل اور باذل وغیرہ کے کہنے پر انہوں نے اس سے یہ سب باتیں کر تو دی تھیں مگر اس نے شائزہ کا خرچ اٹھا کر اچھا طمانچہ مارا تھا ان سب کے منہ پر۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا اتنا کچھ...." خالہ امی کے جاتے ہی وہ بیگ کھول کر بیٹھ گئی۔ نکاح کے بعد یہ پہلی مرتبہ کچھ آیا تھا وہاں سے' احمد نے دو ریڈی میڈ سوٹ' کھانے پینے کی اشیا کے ساتھ ایک نیا موبائل فون اور پانچ ہزار روپے بھی بھیجے تھے۔ اس نے نمبر ملایا تو وہ بہت خوش تھا۔

"آج بہت اچھا لگا اپنی بیوی کو کچھ بھیج کر.... یوں محسوس ہوا کہ اصل حق دار کو تو اب حق ملا ہے۔" وہ واقعی خوش تھا' وہ بھی خوش تھی' پہلی مرتبہ کسی نے اس پر اتنا خرچ کیا تھا۔

"میں بھی بہت خوش ہوں۔"

"خوش رہا کرو شائزہ اور میرے لیے دعا کیا کرو کہ

میں جلد از جلد اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاؤں اور تمہیں گھر لے آؤں، مجھے اب تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اس کا دل کٹ گیا۔

"مجھے معاف کر دیں احمد.... آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا، اس وقت مجھے آپ کے ساتھ ہونا چاہیے .... میں نے ان سب کے لیے اتنا کچھ کیا تو کیا آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتی میاں بیوی زندگی کی گاڑی کو مل کر چلاتے ہیں تو پھر.... آپ کے ساتھ مجھے بھی مل کر یہ سب کرنا چاہیے۔ اب اسد اور صلہ میری بھی ذمہ داری ہیں۔" وہ دل سے کہہ رہی تھی۔

"تم بس ان کے لیے دعا کیا کرو اور میں نے کچھ بھی نہیں کیا، تم سے کہا تھا نا کہ ٹن ایجرز کی طرح چاند تارے توڑ کر لانے کے وعدے تو نہیں کر سکتا مگر تم کچھ بھی کہہ کر دیکھو کر کے دکھاؤں گا۔"

"آپ خود ہی تو کہتے ہیں احمد کہ ہم ایک دوسرے سے ہیں، ہماری تکمیل ایک دوسرے سے ہے تو پھر یہ کیسا ساتھ ہے جس میں میں جان بوجھ کر آپ کو آزمائش میں ڈال رہی ہوں۔" وہ رو دی۔

"افوہ.... ایک تو تم روتی بہت ہو شائزہ۔" وہ ڈپٹتے ہوئے بولا۔

"اچھا سنو، اگلے ماہ کے خرچ کے ساتھ میں سیزن کے کپڑے بھجواؤں گا، اچھی سی ڈیزائننگ کروا کر سلوانا .... تمہیں پتا ہے جو اچھے شوہر ہوتے ہیں انہیں بڑا شوق ہوتا ہے اپنی بیوی پر خرچ کرنے کا، اسے شاپنگ کروانے کا۔" وہ اسے خوش کرنے کی نیت سے بولا تھا۔

"آپ واقعی بہت اچھے شوہر ہیں۔" اس نے صدق دل سے کہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"کچھ سنا تم نے۔" وہ اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھی تھی جب امی کمرے میں داخل ہوئیں "وہ کیا امی؟"

"احمد صلہ کی شادی کر رہا ہے.... ابھی تو بچی تھرڈ ایئر میں ہے.... دیکھنے میں بھی اتنی کم عمر لگتی ہے.... احمد ٹھیک نہیں کر رہا اور وہ یہ سب صرف تمہاری خاطر کر رہا ہے.... شائزہ.... وہ تمہارے لیے اپنے بہن بھائی کا بوجھ وقت سے پہلے اتار رہا ہے.... بیٹی یہ زیادتی ہے ان بچوں کے ساتھ میں نے بہت غلط کیا ان سب کی باتوں میں آکر.... اس بے چارے کو آزمائش میں ڈال دیا۔" امی کی پریشانی دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"آپ کو کس نے بتایا امی؟"

"وہ احمد کی خالہ اماں آئی تھیں، یہ تمہارے لیے خرچ کی رقم اور کچھ سامان بھیجا ہے احمد نے.... شائزہ .... تم ایک بات مانو گی میری۔" امی پرسوچ انداز میں بولیں "وہ کیا امی؟"

"تم احمد کو منع کرو بیٹی.... وہ بچی کے ساتھ ظلم نہ کرے چلو اگر رشتہ اچھا ہے تو منگنی کر دے، نکاح کر دے مگر اتنی سی بچی کی شادی.... صلہ کا تو ماسٹرز کرنے کے ارادہ تھا نا جب آخری مرتبہ ملی تھی تو بتا رہی تھی۔"

"میں ابھی بات کرتی ہوں۔" وہ فوراً فون کی طرف لپکی۔

"تو پھر کیا کروں؟ اور دو سال انتظار کروں.... نہیں ہوتا مجھ سے اب میری بھی کوئی زندگی ہے شائزہ.... اور تمہاری بھی ہم دونوں کی۔" وہ شدید غصے میں تھا۔ امی بھی دوبارہ واپس آگئی تھیں۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا بیٹی، وہاں احمد صلہ کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے اور یہاں تمہارے بہن بھائیوں نے جب یہ سنا ہے کہ احمد اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو رہا ہے تو ان کے دل میں یہ ڈر بے دار ہو گیا ہے کہ وہ اب تمہیں لے جائے گا، وہ لوگ تمہاری رخصتی کو مزید التوا میں ڈالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں، باذل کے کمرے میں سر جوڑے بیٹھے ہیں، فائزہ کو بھی کال ملائی ہے، دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہر کوئی اپنے مفاد کے لیے تمہیں اس گھر میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"تو امی ان سب کی ضروریات اور خواہشات تو میں

اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر بھی پوری کر سکتی ہوں مگر تب ان کی انا آڑے آئے گی نا... اب میں کیا کر سکتی ہوں احمد نے تو ٹھان لی ہے۔"

"تم ایک کام کرو شائزہ... تم... تم اپنا سامان بیگ میں باندھو۔"

"کیا مطلب امی؟" وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تم ابھی اسی وقت احمد کو فون کرو... وہ تمہیں لے جائے تمہیں اس وقت اس کے پاس ہونا چاہیے... تم لوگ صلہ کی منگنی کردو۔"

"امی..." امی کو فون کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ ان کے پیچھے لپکی تھی۔ احمد نے نہ جانے کیا کہا تھا وہ مطمئن سی ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ "کیا ہوا؟"

"اس نے صلہ کا نکاح رکھا ہے اگلے جمعہ کو... اس کے بی اے مکمل ہونے کے بعد رخصتی ہو گی ایک سال کے بعد... اور ایک سال کے بعد ہی وہ تمہیں بھی لے جائے گا... صلہ کے ہونے والے شوہر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ شادی کے بعد اس کی تعلیم پر کوئی پابندی نہیں لگائے گا' وہ اپنا ماسٹرز مکمل کر سکتی ہے... احمد اتنا اچھا ہے... خدا اس کی بہن کو بھی اچھے اور قدردان لوگوں کے حوالے ہی کر رہا ہے۔"

✡ ✡ ✡

(ایک سال کے بعد)

گلابی رنگ کے خوب صورت کامدانی جوڑے میں ملبوس احمد کی سنگت میں ہنستی مسکراتی شائزہ گھر میں داخل ہوئی تو امی اسے دیکھتے ہی نہال ہو گئیں' احمد نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اسد اعلا تعلیم کے لیے باہر چلا گیا تھا اور صلہ رخصتی کے بعد اپنے گھر سدھار گئی تھی۔

"واہ شائزہ... سیٹ تو بڑا پیارا ہے۔" حنا بھابھی نے اس کے نیکلس کو ہاتھ میں لیتے ہوئے تعریف کی۔

"یہ مجھے منہ دکھائی میں ملا تھا۔" وہ اترائی۔ امی احمد کی خاطر تواضع میں مصروف تھیں۔

"اور کیا ملا؟ تمہارے تو بڑی ٹھاٹھ لگ رہے ہیں' اکیلا گھر' نہ ساس نہ نند... اکیلی مالکن ہو اپنے گھر کی۔"

"ہوں... سچ کہہ رہی ہیں آپ احمد نے میری جاب بھی ختم کروادی ہے' کہتے ہیں فی الحال ضرورت نہیں جب تمہارا اپنا دل چاہیے تو کرلینا... مجھے جاب کی ضرورت بھی نہیں ہے بھابھی اللہ کا دیا سب کچھ ہے' احمد نے پرانی گاڑی مجھے دے دی ہے' ڈرائیور تو ان کی فیکٹری کا ہے مجھے جب ضرورت ہوتی ہے میں بلوالیتی ہوں خود نئی گاڑی لے رہے ہیں' صلہ کے سسرال جانا ہے اسے لینے اگلے ہفتے تو نئی گاڑی میں ہی جائیں گے۔" وہ بھی جلے پر نمک چھڑک رہی تھی اور سب سچ تھا۔ حنا بھابھی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

کھانے کے بعد احمد چلا گیا اور اسے شام میں واپسی کے لیے تیار رہنے کا کہہ گیا۔

"اس کے پاس شادی سے پہلے کا زیور تھا جو چھوٹی موٹی جیولری پہنتی تھی وہ کہاں گئی؟" ثانیہ نے سرگوشیانہ انداز میں پوچھا۔ فائزہ آپا کے بھی کان کھڑے ہوگئے۔

"ہاں شائزہ جہیز کی جیولری کہاں ہے بھئی؟"

"میرے پاس ہے' میری محنت کی کمائی ہے کسی کو تو کبھی بھی نہیں دوں گی ہاں کوئی ضرورت مند ملا تو اس کے بارے میں سوچوں گی اور ہاں امی کالج والوں نے مجھے الوداعی پارٹی میں عمرے کا ٹکٹ گفٹ کیا ہے میں نے وہیں کہہ دیا کہ میں اپنی والدہ کو بھیجنا چاہوں گی' آپ اپنی تیاری پوری رکھیے گا۔ اسٹاف میں سے کچھ لوگ عمرہ پر جا رہے ہیں' آپ بھی جا رہی ہیں۔" اس نے امی کو ساتھ لگالیا وہ خوشی سے رو پڑیں۔

"اور تم...؟" انہوں نے محبت سے اس کی سمت دیکھا۔

"بس احمد کو بزنس میں تھوڑی مصروفیت ہے ابھی' وہ فارغ ہوجائیں تو ہم تینوں بھی عمرہ پہ ہی جائیں گی سب سے پہلے۔" اس نے ان کا ہاتھ دبایا۔

"تینوں؟" فائزہ اور بھابھی نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"خالہ اماں جی... احمد انہیں اپنی امی کی جگہ ہی دیتے ہیں۔"

"بے شک احمد ہے ہی بہت نیک ماں کی اولاد' میری بچی کو اپنے صبر اور محنت کا پھل ملا ہے۔" امی اس کے واری جا رہی تھیں۔ رات میں احمد اسے لینے آگیا' وہ باہر سے ہی جا رہا تھا امی زبردستی لے آئیں۔

"احمد بھائی' آذر کے لیے جگہ بنا دیں گے۔" فائزہ آپا اس کے کان میں گھس کر بولیں۔

"پتا نہیں... آپ تینوں جاب کیوں نہیں کر لیتیں۔" اس نے آپا' ثانیہ اور حنا بھابھی کی طرف دیکھا۔ احمد کا چائے کی طرف بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

"ہاں اگر بہن' بھائیوں کا ساتھ دینے کے لیے جاب کرسکتی ہے' اس کی معاشی مدد کرسکتی ہے تو بیوی کیوں نہیں... اب میرے بعد آپ سب کا فرض بنتا ہے کہ باذل بھائی اور عادل کا ساتھ دیں۔ اس گھر کو چلانے کے لیے آپ لوگ بھی کچھ کریں' میں نے اپنی محنت کی کمائی اور اپنا وقت دیا ہے اس گھر کو... کوئی احسان نہیں کیا' اگر قدر کرنے والے لوگ ہوں تو انسان خوشی سے اپنوں کے لیے اور محنت کرتا ہے... آپ لوگ بھی احسان نہیں کریں گی اپنے گھر کے لیے اپنے شوہروں کے لیے محنت کریں گی۔

میرا وقت تو گزر گیا' اب میرے آرام کے دن ہیں' اب آپ کا وقت شروع ہوا ہے... کیوں امی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا آپ نے ہی کہا تھا نا کہ مشکل وقت میں بیوی کو شوہر کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔" اس نے اپنے دل کا درد نکالا تھا۔ احمد نے خاموشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"بہت ہوگیا... اب چلیں۔" وہ سرگوشی کے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ امی زیر لب مسکرانے لگیں۔ وہ تینوں تتر بتر ہوگئیں۔

"میں نے کہا تھا نا سب تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں جب خود پر بات آئی تو کانوں میں ہی مار دی۔ شکر

کرو تمہیں میں مل گیا۔ ورنہ تو تم ابھی تک اپنا وقت اور پیسہ ان ناقدروں پر لٹا رہی ہوتی۔" احمد نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ' میری تکمیل آپ سے ہے خدا کرے ہر اس لڑکی کے جیون میں آپ جیسا ساتھی آجائے جو میری طرح کے حالات میں زندگی گزار رہی ہے۔" اس نے احمد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آمین۔" احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے میں نے تمہیں پہلی مرتبہ اس طرح بولتے ہوئے سنا ہے۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"ضروری تھا۔۔۔ سب میں نے امی کے لیے کیا۔۔۔ اگر نہ کرتی تو وہ لوگ امی کو بھی دھوکے میں رکھتے۔۔۔ سب کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں سب اچھی خاصی کمائی والے ہیں۔۔۔ بس مجھے اندھیرے میں رکھ کر اپنی کمائی سے بنک بھرے جا رہے تھے۔۔۔ خیر اب ایسا کچھ نہیں ہو گا' امی کے سامنے معاشی تنگدستی کا رونا نہیں رو سکیں گے' اگر روئیں گے تو میں امی کو آپشن دے آئی ہوں۔ وہ باذل اور عادل کو کہہ دیں گی کہ اگر بہن ساتھ دے سکتی ہے تو بیوی کیوں نہیں۔۔۔ کراؤ جاب ۔۔۔ کیسا؟" وہ بھی بات کے آخر میں ہنس دی۔

"یو آر۔۔۔ ویری چالاک۔" وہ چالاک پر زور دیتے ہوئے بولا' وہ ہنس دی "کبھی بے وقوف کہتے ہیں کبھی چالاک' آخر کہنا کیا چاہتے ہیں۔۔۔؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اس بے وقوف چالاک لڑکی سے بہت محبت ہے۔۔۔ نہ جانے میں اب تک اس کے بغیر زندہ کیسے تھا۔۔۔ اس لڑکی سے محبت نے مجھے جینا سکھایا ہے' احساس کرنا سکھایا ہے' عورت کی عزت کرنا اور اسے اس کا اصل مقام دینا سکھایا ہے۔۔۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھے۔۔۔ احمد ابراہیم کو شائزہ احمد سے بے انتہا محبت ہے اور میں مرتے دم تک اس محبت کو بڑھاتا رہوں گا۔۔۔ میں اپنی بیوی کو ہر طرح سے خوش رکھوں گا' پیار دوں گا' عزت دوں گا' اعتبار دوں گا۔۔۔ تاکہ اچھے شوہروں کی صف میں داخل ہو کر سیدھا جنت میں جاؤں اور وہاں۔۔۔ حوروں کے ساتھ۔۔۔" اس کی بات کے آخر میں شرارت کا عنصر واضح ہو گیا۔

"احمد۔۔۔" اس نے غصے سے احمد کو مکا دکھایا۔

"قسم سے غصے میں تو تم۔۔۔" وہ اسے مزید تپانے لگا۔

"آئی۔۔۔" وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے شوخ ہو رہا تھا۔

"آئی۔۔۔ ٹو" وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر جواب دے گئی۔۔۔ احمد اس کی مسکراہٹ پر فدا ہو گیا۔ شائزہ نے اپنا سر بیک سے ٹکا لیا تھکن اترنے لگی تھی۔ وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگی۔ احمد نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکان دیکھی' اس کے چہرے کو اتنا تروتازہ اور مسرور اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اپنے رب کا شکر ادا کرتے وہ بھی مسکراتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ زندگی اب ایسی ہی سیدھی سڑک کی طرح تھی جس پر ان دونوں کو ساتھ چلنا تھا۔ زندگی کی گاڑی کے لیے اس سڑک پر مشکلات بھی آسکتی تھیں مگر شکرانہ اس بات کا ادا کرنا تھا کہ وہ دونوں ساتھ ہیں۔ "میری تکمیل تم سے ہے۔" احمد نے پر سکون ہو کر ایک بار پھر وہی جملہ دہرایا تھا۔

☆ ☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	ماہ وش
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

فوزیہ یاسمین

باسط کے موبائل پر تیسری بار مام کا نمبر نظر آیا تو باسط بری طرح تلملا گیا اور اس کے یہ تاثرات اصفر اور رمیض کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے جبھی اصفر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ایسی کیا ایمرجنسی ہو گئی ہے کہ تمہاری مام کو تمہیں فون کرنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں بچا ہے۔" اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے باسط صرف سر جھٹک کر رہ گیا تو رمیض کہنے لگا۔

"جتنی بار تم اپنی مام کا فون ڈسکنیکٹ کرو گے وہ اتنی بار کال کریں گی تم ایک بار بات کیوں نہیں کر لیتے۔"

"کیونکہ جس موضوع پر انہیں بات کرنی ہے اس پر صرف بحث ہو سکتی ہے بات نہیں۔" باسط نے موبائل سوئچ آف کرتے ہوئے بے زاری سے کہا۔

"کیا تمہیں پتا ہے وہ کیا بات کرنے والی ہیں۔" رمیض نے پوچھا۔

"ہاں جبھی تو فون کاٹ رہا ہوں۔ مجھے پتا ہے وہ مجھے گھر آنے کی ہدایت دیں گی میں انکار کروں گا' وہ غصہ کریں گی۔ میں بحث کروں گا اور وہ فون بند کر دیں گی۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر اصل مسئلہ گھر جانے کے بعد شروع ہو گا۔

وہ میرے گھر میں گھستے ہی میری جان کھانا شروع کر دیں گی اور پھر میرے منہ سے کچھ نکل گیا تو اگلے ایک ہفتے تک کے لیے ان کا موڈ خراب ہو جائے گا۔"

"تو اتنے جھمیلوں سے گزرنے کی بجائے تم شرافت سے اپنے گھر کیوں نہیں چلے جاتے۔" اصفر کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"شرافت سے گھر جانے کی صورت میں' مجھے جس مصیبت سے گزرنا پڑے گا اس کے سامنے یہ جھمیلے کچھ بھی نہیں ہیں" باسط کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی پھر وہ سیدھا ہوتے ہوئے وضاحت کرنے لگا۔

"اصل میں مام نے میرے لیے پھر کوئی لڑکی پسند کر لی ہے اور میں مسلسل شادی سے انکار کر رہا ہوں میں ان کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھنے جاتا ہی نہیں چنانچہ انہوں نے لڑکیوں کو ان کے گھر والوں سمیت ہمارے گھر بلانا شروع کر دیا ہے۔

مگر میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ جب گھر میں کسی خاص مہمان کو آنا ہوتا ہے تو ان کی تیاریاں صبح سے شروع ہو جاتی ہیں جس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج صبح سے ہی گھر سے نکل جانا چاہیے اور اتنی دیر سے گھر میں آنا چاہیے کہ مہمان میرا انتظار کرتے کرتے خود ہی تھک کر لوٹ جائیں" باسط نے بات کا اختتام بڑی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کیا تو رمیض نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہارے مہمان نہایت ہی بدذوق ہوتے ہیں۔"

ورنہ جس لڑکے کا گھر شہر کے مہنگے ترین علاقے میں سب سے شاندار ہو جس کی وجاہت کے چرچے پورے سرکل میں ہوں اور جس کے بینک بیلنس کا علم خود اسے بھی نہ ہو۔ اس کا انتظار تو ساری رات کیا جا سکتا ہے۔" رمیض کی بات پر اصغر نے تائیدی انداز میں باسط کی پیٹھ ٹھوکی تو باسط ہنس دیا۔

"وہ شاید ایسا کر بھی لیں لیکن میرے ڈیڈ کی صاف گو فطرت انہیں ایسا کرنے نہیں دیتی۔

انہیں رات کو جلدی سونے کی عادت ہے وہ تکلف بالائے طاق رکھ کر مہمانوں سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ بہت رات ہو گئی ہے اب آپ اپنے گھر جائیں۔"

"تو یار اتنا انتظار کرانے کی بجائے جا کر ایک بار لڑکی سے مل لو کیا پتا تمہیں کوئی پسند آ ہی جائے۔" اصغر بولا۔

"پسند اور مجھے..." باسط نے مصنوعی حیرانی سے کہا۔

"ابھی پچھلے مہینے مام نے ایک لڑکی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا ڈالے تھے۔

اس کی اتنی تعریف سن سن کر میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہو گیا تھا اسے دیکھنے کا۔ حالانکہ وہ میرے خاندان کی ہے مگر کافی عرصے سے وہ کینیڈا میں مقیم ہے جس کی وجہ سے میں نے اسے عرصہ دراز سے نہیں دیکھا۔

پچھلے مہینے وہ خاص مجھ سے ملنے پاکستان آئی تو جیسے پوری خاندان میں ایک بم پھٹ گیا۔ جو اس سے ملتا اس کے حسن سے متاثر ہو جاتا۔

میں جہاں بھی جاتا ہر شخص اس کا قصیدہ پڑھنے بیٹھ جاتا آخر ایک دن میری اس سے ملاقات ہو ہی گئی۔

حالانکہ مام روز مجھے چلنے کے لیے کہہ رہی تھیں مگر میرا نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا جس کے نتیجے میں وہ خود ہی میرے گھر آ گئے۔

ایک دن میں آفس سے گھر آیا تو وہ میرے گھر کے لان میں موجود تھی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ وہی ہے میں تو سمجھا مام کی کسی دوست کی بیٹی ہو گی میں نے از راہ تکلف اس سے سلام دعا کی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

بعد میں جب مام پیچھے پیچھے پوچھنے آئیں تب مجھے علم ہوا کہ یہ تو وہ شاہکار ہے۔ جس پر سب فدا ہوئے جا رہے ہیں۔

میں نے مام کو صاف انکار کر دیا مام سمیت سارے خاندان کا خیال تھا کہ وہ بہت حسین ہے۔

اگر اس کے حسن کی پیمائش کی جائے تو میں بھی کہوں گا کہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ یعنی کہ لمبے بال اچھی ہائیٹ' پرفیکٹ فیگر' خوب صورت آنکھیں' کھڑا کھڑا ناک نقشہ اور کھلتی ہوئی رنگت' مگر! اس میں کوئی چونکانے والی بات نہیں تھی۔

یعنی میں اس سے مل کر اپنے کمرے میں بھی آ گیا اور مجھے ایسا کچھ لگا ہی نہیں کہ جیسے میری دل ودماغ میں یا میرے سوچنے میں کوئی فرق آیا ہو۔

میرے انکار پر خاندان میں گویا ایک اور بم پھٹ گیا لوگوں کو یقین نہیں آ رہا کہ اس حسن کے مجسمہ کو بھی کوئی ریجیکٹ کر سکتا ہے۔

اب تو لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ میں کبھی شادی ہی نہیں کروں گا اسی لیے مام زیادہ فکر مند رہنے لگی ہیں اور زیادہ تیزی سے لڑکی ڈھونڈنے کی مہم میں لگ گئی ہیں آج بھی انہوں نے کسی کو بلا لیا ہے پتا نہیں کون ہے۔" باسط کہتا چلا گیا۔

"ابھی تو شام کے سات بج رہے ہیں تمہارے ڈیڈ کے سونے میں تو ابھی کافی ٹائم باقی ہے تم کب تک اپنی مام کے فون آنسر نہیں کرو گے" اصغر نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہوں' مشکل تو ہے اتنی دیر موبائل سوئچ آف رکھنا۔ مگر گھر جا کر' اس لڑکی سے ملنے کے بعد' انہیں منع کرنا زیادہ مشکل امر ہے مجھے خود بھی کسی کو ریجیکٹ کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بس میں چاہتا ہوں مام روز روز کی پریڈ چھوڑ دیں مجھے جب شادی کرنی ہو گی میں خود کر لوں گا مگر یہ بات مام سمجھتیں نہیں اور غصہ کرنے لگتی ہیں" باسط نے لاپرواہی سے کہا۔

☆ ☆ ☆

رات کے ساڑھے بارہ بجے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے باسط خاصا مطمئن تھا مگر گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا سارا اطمینان ہوا ہو گیا۔

اس کے دس بجے سو جانے والے ڈیڈ' بڑے بے تکلفانہ انداز میں اپنے ہی ہم عمر شخص کے ساتھ لیونگ روم میں شطرنج کی بازی کھیلنے میں مصروف تھے ان موصوف کے ساتھ ہی سنگل صوفے کے ہتھے پر ایک لڑکی ٹکی ہوئی تھی۔

سفید کاٹن کے سوٹ میں بڑا سا دوپٹا شانوں پر پھیلائے بالوں کو کیچر میں قید کیے وہ گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹکائے' ہتھیلیوں کا پیالہ بنا کر اس میں چہرہ ٹکائے بڑے انہماک سے ان کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے اندازہ ہو گیا کہ ڈیڈ کو طویل عرصے بعد کوئی اچھا شاطر ملا ہے ورنہ وہ ہر ایک کے ساتھ بازی نہیں کھیلتے تھے۔

اور یقیناً" کھیل بڑا اچھا جا رہا ہے جبھی ان کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں ہے اس کے برعکس مام کی غیر موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سونے جا چکی ہیں یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اس لڑکی کی والدہ کے ساتھ کسی کمرے میں محو گفتگو ہوں باسط اب اس منظر کو دیکھنے کے بعد کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا وہ ست روی سے چلتا ان کے نزدیک آ گیا اس کے سلام کرنے پر وہ تینوں ایسے چونک اٹھے جیسے گہری نیند سے جاگ اٹھے ہوں۔

"وعلیکم اسلام تم اتنی جلدی آ گئے۔" اس کی پچھلی حرکتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈیڈی نے خاصی حیرانی سے کہا۔

"رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔" باسط نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اپنی رسٹ واچ ان کے آگے کی تو وہ اچھل پڑے۔

"اوہ گاڈ کھیل میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" اس لڑکی کے والد بھی تعجب سے بولے۔

"ہاں اور یہ بازی تو ابھی بھی ختم ہوتی نہیں لگ رہی

ایسا کرتے ہیں باقی کا کھیل صبح پورا کر لیتے ہیں۔ یا پھر ایسا کرو باسط تم آجاؤ۔ میری اگر نیند پوری نہ ہو تو پورا دن سر میں درد رہتا ہے۔" باسط کی آمد نے انہیں واقعی چونکا دیا تھا ان کی تھکن ایک دم عود کر آئی۔

اور ان کی بات نے باسط کو بری طرح چونکا دیا وہ سوچنے لگا کیا ان لوگوں کا یہیں قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ جو ڈیڈ بازی صبح کھیلنے کی بات کر رہے ہیں۔

"نہیں میرے خیال سے اس بازی کو رہنے ہی دیتے ہیں اب ہم بھی چلیں گے" وہ صاحب صوفے سے اٹھنے ہی لگے تھے کہ ڈیڈ کے ٹوکنے پر وہیں رک گئے۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ نیوز میں دیکھا نہیں بم بلاسٹ ہونے کے بعد تمہارے ہوٹل کی طرف جانے والی ساری سڑکیں بند ہو گئی ہیں اور کھل بھی جائیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اب جب تک تم ہمارے شہر میں ہو ہمارے گھر میں ہی رہو گے میرا گھر کسی فائیو اسٹار ہوٹل سے کم نہیں۔" باسط کا فیوز اڑ گیا وہ ہونق بنا ان کی شکلیں دیکھنے لگا جہاں دونوں حضرات کے بیچ نہیں نہیں۔ ہاں ہاں کی تکرار شروع ہو گئی تھی اور باسط کا وجدان کہہ رہا تھا کہ جیت ڈیڈ کے ہی حصے میں آئے گی۔

مام نے اس لڑکی کی تعلیم وغیرہ بتاتے وقت بالکل ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کب اور کہاں سے تشریف لا رہی ہے اور اب باسط کو لگ رہا تھا کہ انہوں نے دانستہ ایسا کیا ہو گا وہ یہی ارادہ کیے بیٹھی ہوں گی کہ جب وہ آئیں گے تب انہیں روک لیں گے اور شومئی قسمت کہ ان کے آتے ہی بلاسٹ بھی ہو گیا کاش یہ دھماکا ان کے ہوٹل سے نکلنے سے پہلے ہو جاتا تو وہ یہاں آ ہی نہ پاتے۔

حسب توقع اور خلاف آرزو ان کی بحث میں ڈیڈ کی فتح ہوئی اور وہ باسط کو اپنی جگہ کھیلنے کے لیے کہتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے باسط کا ارادہ انہیں ٹال کر اپنے کمرے میں چلے جانے کا تھا مگر انہوں نے ڈیڈ کو آواز دے کر ہانک لگا دی۔

"تمہارے بیٹے کو کچھ آتا بھی ہے یا پریکٹس کے لیے بٹھا رہے ہو۔" ان کی بات پر ڈیڈ زور سے ہنسے اور کہنے لگے۔

"آزما کر دیکھ لو خود ہی پتا چل جائے گا۔" وہ تو یہ کہہ کر اوپری منزل کو جاتی سیڑھیاں چڑھ گئے جبکہ باسط خاموشی سے ان کے صوفے پر جبراً" بیٹھ گیا۔

"فکر مت کرو بیٹے اگر تمہیں کھیلنا نہیں بھی آتا تب بھی کوئی بات نہیں تمہارے والد کھیل بڑی اچھی کنڈیشن میں چھوڑ کر گئے ہیں جیت تمہاری ہی ہو گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے طور پر اس کا حوصلہ بڑھایا تو باسط شطرنج پر بچھے مہروں کو بغور دیکھنے لگا۔

کھیل کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد اسے لگا وہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں تبھی باسط انہیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا آپ کو یقین ہے یہ بازی ڈیڈ جیتیں گے۔"

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں۔" ظہیر صاحب خوش دلی سے بولے۔

باسط کچھ دیر ان کی شکل دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر شطرنج کا بورڈ گھوما دیا۔

اب باسط ان کی جگہ پر تھا اور وہ باسط یعنی اس کے ڈیڈ کی جگہ پر تھے۔

"یہ کیا؟" انہوں نے حیرانی سے باسط کو دیکھا۔

"جیتی ہوئی بازی کھیلنے میں کوئی مزا نہیں ہے چیلنج تو تب ہے جب انسان ہار کو جیت میں بدلے۔ مجھے دوسرے کی کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" باسط نے سنجیدگی سے کہا تو انہوں نے ہنکار بھرتے ہوئے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا اور ایک بار پھر کھیل میں غرق ہو گئے۔

باسط بیٹھا تو بڑی بے دلی کے ساتھ تھا مگر تھوڑی دیر میں وہ پوری دلچسپی سے کھیل میں مشغول ہو گیا۔

ظہیر صاحب خاصے ماہر بندے تھے حالانکہ ہر چال چلنے سے پہلے وہ اپنی بیٹی اقرا کی جانب ضرور دیکھتے اور اس کے سر اثبات میں ہلانے کے بعد ہی مہرہ آگے بڑھاتے۔

ان کی اس حرکت پر باسط نے کئی بار اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو ابھرنے سے روکا تھا کیونکہ وہ پوری سنجیدگی اور خاموشی سے بازی ختم کرنا چاہتا تھا زیادہ بول کر وہ انہیں اور خاص طور پر اقرا کو خود سے بے تکلف ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا حالانکہ خلاف توقع وہ بڑی خاموشی سے بیٹھی تھی پھر بھی باسط کو اس کی موجودگی سے کوفت ہو رہی تھی۔

وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسی عموماً" لڑکیاں ہوتی ہیں البتہ حلیے سے وہ کافی صوبر اور باذوق لگ رہی تھی۔

مگر پچھلے مہینے جب باسط نے خاندان کی سب سے حسین لڑکی کو مسترد کر کے سارے خاندان کو انگشت بدنداں کر دیا تو بھلا اسے اس لڑکی میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

البتہ کھیل کا اختتام ہونے تک ظہیر صاحب کو باسط میں خاصی دلچسپی ہو گئی تھی۔

جب اس نے انہیں شکست دیتے ہوئے اپنا مہرہ ان کے بادشاہ کے سامنے رکھا اور بڑے سکون سے کہا۔

"شہ اور مات" تب بے زار ہونے کی بجائے انہوں نے بڑے کھلے دل سے اس کی تعریف کی وہ بار بار ایک ہی جملہ کہے جا رہے تھے۔

"کمال ہے بھئی تم تو ہاری ہوئی بازی بھی جیت گئے۔"

باسط کو اپنے جیتنے کا پہلے ہی یقین تھا اس لیے وہ بڑے مطمئن انداز میں انہیں شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ صبح ہوتے ہی آفس کے لیے نکل گیا تاکہ مام اس کے پاس اس کی رائے لینے یا دوسرے لفظوں میں اس کا دماغ کھانے نہ آجائیں اور پھر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ناشتے کی میز پر اس کا اقرا سے سامنا ہو ورنہ مام یک ٹک ان دونوں کو گھورے جائیں گی ان کے تاثرات سے ان کے احساسات کا اندازہ لگانے کی کوشش میں۔ لہٰذا صبح صبح نکل جانا ہی بہتر تھا مگر شام میں اس کے موبائل پر ڈیڈ کا میسج آگیا کہ وہ سب ڈنر پر حشام صاحب کے گھر انوائیٹڈ ہیں وہ بھی آسکے تو آجائے۔

اس کا دماغ خراب نہیں تھا جو وہ جاتا البتہ وہ پرسکون ہو کر گھر آگیا۔

لیکن جب اسے ملازم سے یہ پتا چلا کہ اقرا گھر پر موجود ہے تو وہ کوفت میں مبتلا ہو گیا۔

اسے اس کے رکنے پر سخت اعتراض تھا بلکہ اسے ان سب کے یہاں رکے رہنے پر اعتراض تھا بھلا یہ کوئی بات ہوئی کہ ڈیڈ نے کہا اب تم ہمارے گھر میں رکو گے اور وہ واقعی رک گئے۔

انہیں خوداری دکھاتے ہوئے راستہ بحال ہونے پر صبح اٹھتے ہی ہوٹل چلے جانا چاہتے تھے۔

باسط بگڑے موڈ کے ساتھ اپنے کمرے میں آگیا اور اونچی آواز میں ٹی وی آن کر لیا۔

تبھی رمیض کا فون آنے لگا اس نے اٹینڈ کرنے کی بجائے میسج کر دیا۔

"ابھی بات نہیں کر سکتا مصروف ہوں۔"

جس کے جواب میں رمیض کا بھڑکتا ہوا میسج آگیا۔

"ایسی بھی کیا مصروفیت ہے۔"

باسط ابھی جواب دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

اس کے اجازت دینے پر جب اقرا نے اندر قدم رکھا تو باسط حیرانی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"اگر آپ بزی نہ ہوں تو مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے کچھ جھجکتے۔ ہوئے پوچھا۔

"آں.... بزی تو ہوں خیر آجائیں۔" باسط نے قدرے رکھائی سے کہتے ہوئے ٹی وی بند کر دیا اور خود کو مصروف ظاہر کرنے اور ایک طرح سے اسے نظر انداز کرنے کے لیے اس نے موبائل پر رمیض کے میسج کا جواب دینے شروع کر دیا۔

"اقرا میرے کمرے میں آئی ہے مجھ سے کچھ بات کرنے۔" باسط میسج سینڈ کر کے بھی ایسے کھڑا رہا جیسے ابھی بھی موبائل میں مصروف ہو جبکہ اقرا اسے مصروف دیکھ کر بھی ڈھیٹ بنی کھڑی تھی اور باسط کو اس کی یہی ڈھٹائی بری لگ رہی تھی جو مطمئن انداز میں

باسط کی کتابوں کے شیلف کا جائزہ لینے لگی تھی۔
دوسری طرف رمیض اس کا جواب پڑھ کر خوامخواہ جوشیلا ہو گیا اور بڑے معنی خیز میسجز دھڑا دھڑ بھیجنے لگا۔
"اوہو ہو۔ کیا بات ہے بھئی۔"
"پھر تو واقعی تم مجھ سے بات کرنے کے قابل نہیں ہو گے۔"
"ویسے یہ اب تک تمہارے گھر پر کیوں موجود ہے۔"
"اوہ کم از کم یہ تو بتا دو دیکھنے میں کیسی ہے۔" اس کا آخری سوال پڑھ کر باسط بے اختیار اس کی طرف دیکھنے لگا جو اس کی جانب پشت کیے ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔
"بس ایسی ہی عام سی ہے یوں سمجھ لو کوئی چونکانے والی بات نہیں ہے۔" اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر ہی باسط کی انگلیوں نے حرکت کرنی شروع کر دی تھی۔
"اتنی ہی عام سی ہے تو تمہاری مام نے اسے کیوں پسند کر لیا" رمیض کا ایک اور سوال آ گیا۔
"مام کی پسند تو ایسی ہی ہے میرے ڈیڈ کو مت دیکھنا وہ نانا کی پسند تھے۔" اپنی بات پر باسط خود ہی محظوظ ہو کر بے ساختہ ہنس دیا۔
اقرا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو باسط سنبھل گیا اور رمیض کو فوراً "بائے" ٹائپ کر کے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔
"آئی ایم سوری۔ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"
"نہیں نہیں سوری تو مجھے کہنا چاہیے میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔" اقرا فوراً" شرمندگی سے بولی۔
"مجھے ڈسٹرب کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔" باسط بڑبڑایا۔
"جی۔" وہ سن نہ سکی۔
"جی کچھ نہیں۔ آپ کچھ کہنے آئی تھیں۔" باسط نے ٹالا۔
"ہاں۔" وہ گہرا سانس کھینچ کر ایسے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو بات کہاں سے شروع کرے۔

"کیا بات ہے مس اقرا۔ اینی پرابلم" باسط تو پہلے ہی اس کی آمد پر حیران تھا اب اس کے انداز دیکھ کر تو مزید ٹھٹک گیا۔
"آں۔۔۔ باسط صاحب۔ آپ کو یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ میرے گھر والے' آپ کے گھر کیوں آئے ہیں۔" اس کے پوچھنے پر فوری طور پر باسط کی سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے۔
وہ یقیناً" کسی اہم بات کی تمہید باندھ رہی تھی اس لیے باسط کو انجان بننا مناسب نہ لگا لہٰذا اس نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا البتہ بولا کچھ نہیں۔ تو وہ کچھ جھجکتے۔۔ ہوئے کہنے لگی۔
"دراصل میں چاہتی ہوں کہ آپ اس شادی سے انکار کر دیں۔" باسط بری طرح چونک اٹھا جو اقرا کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا چنانچہ وہ فوراً" صفائی دینے والے انداز میں کہنے لگی۔
"دیکھیں آپ یہ ہرگز نہیں سمجھیے گا کہ میں آپ کو ریجیکٹ کر رہی ہوں بھلا آپ کو کوئی لڑکی کیسے انکار کر سکتی ہے آپ کا ساتھ تو کسی بھی لڑکی کے لیے خوش نصیبی کی علامت ہو گا مگر۔۔۔"
"مگر آپ وہ خوش نصیب لڑکی نہیں بننا چاہتیں۔" اسے الجھتا دیکھ کر باسط نے خود ہی اس کا جملہ مکمل کر دیا تو وہ ایک بار پھر جلدی جلدی کہنے لگی۔
"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اصل میں' میں آپ کو کیسے سمجھاؤں میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی بلکہ میں تو یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی مگر پاپا اپنے بزنس کے سلسلے میں آپ کے شہر آ رہے تھے وہ مجھے بھی گھسیٹ لائے۔
تب میں نے سوچا انہیں سمجھانے سے بہتر ہے میں آپ کو منع کر دوں۔
کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے جس رشتے کے لیے کہا میں نے اس میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کر اسے مسترد کر دیا مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں آپ میں کیا خامی نکالوں۔
پاپا یہاں آنے سے پہلے ہی اس شادی کے لیے

پوری طرح راضی تھے اور آپ سے ملنے کے بعد تو وہ آپ سے بہت ہی متاثر ہو گئے ہیں۔

اس لیے وہ میرے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ جبکہ آپ کی طرف سے ایسا کوئی خطرہ نہیں۔ آپ نہ صرف میری بات سمجھ سکتے ہیں بلکہ آپ انکار بھی آرام سے کر سکتے ہیں۔

آپ کہیں گے مجھے لڑکی پسند نہیں آئی تو کسی کو حیرت بھی نہیں ہو گی جبکہ میں اگر.....''

''بس بس اتنے ایکسپلینیشن دینے کی کوئی ضرورت نہیں آپ فکر نہ کریں میں انکار کر دوں گا۔''

باسط نے اس کی طویل پکڑتی وضاحت کو ہاتھ اٹھا کر خاموش کرا دیا تو وہ جیسے ایک دم کھل اٹھی شاید اسے امید نہ تھی کہ باسط اتنی آسانی سے مان جائے گا۔

''تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ۔'' وہ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اٹس او کے۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔'' باسط اب بھی سنجیدہ تھا۔

''کیسی شرط'' وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

''آپ کو پوری ایمانداری سے انکار کی وجہ بتانی ہو گی۔'' وہ جانے باسط سے کس بات کی امید کر رہی تھی کہ باسط کا مطالبہ سن کر اس نے ایسے دبی ہوئی سانس باہر خارج کی جیسے وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی ہو۔

''وجہ بتائی تو تھی کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیا آپ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہیں'' باسط نے کھل کر پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنس دی اور پہلی بار براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی۔

''کیا آپ کو میری شکل دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ میں کسی میں انٹرسٹڈ ہو سکتی ہوں۔''

''تو پھر؟'' اس کے انداز پر باسط صرف اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''تو پھر یہ کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی اور بس۔'' اس نے خوش دلی سے کندھے اچکائے اور باسط کو خاموش دیکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں یہ یقین رکھوں کہ میرا نام کہیں بیچ میں نہیں آئے گا'' باسط کا سر بے اختیار اثبات میں ہل گیا تو وہ ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کرتی کمرے سے نکل گئی۔

باسط کچھ دیر دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر ہاتھ میں پکڑے اپنے موبائل کو دیکھنے لگا جہاں تھوڑی دیر پہلے اس کے اور رمیض کے درمیان ہوئی بات چیت میسیجز کی صورت میں اس کی اسکرین پر موجود تھیں اور جہاں ابھی تک اس کا جملہ لکھا صاف نظر آ رہا تھا۔

''بس ایسی ہی عام سی ہے یوں سمجھ لو کوئی چونکا نے والی بات نہیں ہے۔''

☼ ☼ ☼

اس کی خواہش کے مطابق باسط نے مام کو صاف انکار کر دیا وہ تھوڑا سا ناراض ہوئیں مگر باسط پر زیادہ زور نہ دے سکیں۔ وہ ان کا بے حد لاڈلا اور کسی حد تک ضدی بیٹا تھا وہ اسے مجبور نہیں کر سکتی تھیں اور پھر ان معاملوں میں وہ زبردستی کی قائل بھی نہیں تھیں۔

البتہ باسط انکار کر کے عجیب کشمکش میں پھنس گیا اسے لگتا جیسے کسی بے چینی نے اس کا احاطہ کر لیا ہو۔

ظہیر صاحب دو دن بعد واپس اپنے شہر لوٹ گئے اور ان دو دنوں میں اس کا سامنا اقرا سے بہت کم ہوا پھر بھی اس کے جانے کے بعد باسط کو لگا جیسے صرف اس کے گھر میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں سناٹا چھا گیا ہو۔

وہ کوئی بہت ہنس مکھ، باتونی اور چنچل شوخ حسینہ نہیں تھی جو پورے گھر میں رونقیں بکھرتی پھرتی ہو مگر اس کی موجودگی میں جیسے ایک پوری کائنات بسی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں اجڑ کر کھنڈرات بن گئی تھی۔

وہ کوئی بہت ہٹ دھرم نہیں تھا جو اس کے انکار کو اپنے لیے انا کا مسئلہ بنا لیتا مگر کوئی بات تھی جو اسے چبھ رہی تھی اسے لگتا جیسے اقرا نے انکار کی صحیح وجہ نہیں بتائی اور جیسے اس کا روم روم یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

شروع میں اسے لگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے احساسات اعتدال میں آجائیں گے مگر جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا اسے اپنا آپ اندر سے اتنا خالی ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

پھر بھی وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ جسے اتنا معمولی اور عام سی کہہ رہا تھا وہ اس کے اعصاب پر پوری طرح سے چھا گئی ہے وہ اس کے خیال کو جھٹکنے میں بری طرح سے ناکام ہو گیا ہے۔

لیکن آخر ایک دن اس آنکھ مچولی کا خاتمہ ہو ہی گیا وہ جو خود سے بھی یہ اعتراف نہیں کر پا رہا تھا ایک دن غیر ارادی طور پر مام اور ڈیڈ کے سامنے وہ آشکار ہو گیا۔

وہ بہت جلدی میں ناشتا کرنے ٹیبل پر آیا تھا جب اس نے مام کو یہ کہتے سنا۔

"ظہیر صاحب کے ہاں شادی اتنی اچانک طے پائی ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ جانے کے لیے ٹائم نکال سکیں گے یا مجھے اکیلے جانا پڑے گا۔"

"ظہیر صاحب کے ہاں شادی" باسط کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا اور وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کتنی زور سے بولا ہے کہ مام اور ڈیڈ دہل کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا اقرا کی شادی ہو رہی ہے۔" باسط کے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا تبھی وہ اپنے احساسات پر قابو نہ رکھ سکا اور خاصا جھنجلا کر بولا۔

"بتائیں نا مام۔ کیا اقرا کی شادی ہو رہی ہے۔" مام اور ڈیڈ پہلے تو ہونق بنے اسے دیکھتے رہے پھر مام سپاٹ لہجے میں کہنے لگیں۔

"نہیں۔ ظہیر صاحب کا بیٹا جو امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی شادی طے ہوئی ہے یعنی اقرا کے بھائی کی۔"

"تھینک گاڈ" باسط کو لگا اسے جیسے نئی زندگی مل گئی وہ بے ساختہ بولا اور تبھی مام اور ڈیڈ کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر اسے احساس ہوا اس نے اپنا آپ عیاں کر دیا ہے اس لیے کچھ خجل سا ہو کر کہنے لگا۔

"آپ لوگ جو سمجھ رہے ہیں وہ بات نہیں ہے۔"

ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ ایک ساتھ ابھری تو وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی تفسیر بنا جھینپ کر کہنے لگا۔

"آپ لوگ مجھے دیکھ کر ہنس کیوں رہے ہیں میں کیا جوکر لگ رہا ہوں۔"

"ہم ہنس نہیں رہے بلکہ خوش ہو رہے ہیں کیونکہ تم جوکر نہیں بلکہ آج پہلی بار انسان لگ رہے ہو۔" ڈیڈ خوش دلی سے بولے۔

"آپ بس فوراً" ظہیر بھائی سے بات کریں کہ وہ بیٹے کے ساتھ ساتھ بیٹی کی بھی تیاری کر لیں اتنی مشکل سے یہ مانا ہے کہیں پھر بدک نہ جائے۔" مام خوشی کے مارے بے صبری سے بولیں۔

"نہیں مام۔ آپ ابھی ظہیر انکل سے کوئی بات نہیں کریں گی پہلے میں خود اقرا سے بات کروں گا پھر آپ کا کام شروع ہو گا۔" باسط نے سوچتے ہوئے کہا۔

اس نے انہیں تو منع کر دیا مگر خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اقرا سے کیا بات کرے اسے کیسے سمجھائے کہ وہ اس کے لیے کتنی اہم ہو گئی ہے پتا نہیں وہ یقین بھی کرے گی یا نہیں۔

لیکن اب وہ مزید دیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا ابھی بھلے ہی ظہیر صاحب اپنے بیٹے کی شادی کر رہے تھے لیکن کل کو واقعی اقرا کی بھی ہو سکتی تھی یہ خیال اس کے لیے اس قدر ہوش ربا تھا وہ اگر واقعتاً" ہو گیا تو وہ کیسے سہ پائے گا۔

آخر بڑی مشکل سے اس نے ہمت کر کے اقرا کو فون کر لیا جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو اقرا نے ایسے اس کا نام دہرایا جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو کون باسط۔ باسط کو اس رد عمل پر خاصا دکھ ہوا تھا مگر وہ دل کڑا کر کے اپنے والدین کا حوالہ دینے لگا۔

"جی.... جی جی مجھے یاد آ گیا ہے باسط صاحب۔ آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں اصل میں' میں آپ کی کال کی توقع نہیں کر رہی تھی اس لیے تھوڑی حیران رہ گئی اور سب خیریت تو ہے نا۔" وہ ایک ساتھ جلدی جلدی بولے گئی۔

"اقرا میں آپ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔" باسط کو زندگی میں کبھی کوئی بات کرنا اتنا مشکل نہیں لگا تھا۔

"جی کہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا۔۔۔ اصل میں۔۔۔ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ کے والد آج نہیں تو کل آپ کی شادی طے کر ہی دیں گے تو کیوں نہ آپ ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنے فی الحال شادی نہ کرنے کے ارادے کو ملتوی کر دیں جو آپ کا شدید خواہش مند ہو اور صرف اور صرف آپ کا ساتھ چاہتا ہو۔" باسط کو خود یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کہہ رہا ہے۔

اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ اسے محبت ہوگی اور وہ کسی لڑکی سے اس قدر انکساری سے خود کو قبول کر لینے کی درخواست کرے گا اس لیے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب آگے کیا بولے۔

لیکن خود خاموش ہونے پر اسے احساس ہوا کہ اقرا بھی بالکل چپ ہے اور اس کی یہ خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ باسط کا اگلا جملہ سمجھ چکی ہے اسے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

جہاں اس سوچ نے اس کی ڈھارس بندھائی تھی وہیں اس فکر نے اسے پریشان بھی کر دیا کہ وہ اپنے فیصلے پر اٹل رہتے ہوئے اسے انکار ہی نہ کر دے اسی لیے اس نے بڑی دھیمی آواز میں پوچھا۔

"اقرا کیا آپ اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتیں میں آپ کے سوا کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتا آپ اگر فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتیں تو صرف منگنی کر لیں لیکن مجھے یہ اعتماد دے دیں کہ آپ کسی اور کی نہیں ہوں گی۔" باسط کے لہجے میں زمانے بھر کی التجا موجود تھی۔

مگر دوسری طرف وہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی اگر وہ سامنے ہوتی تو وہ اس کے تاثرات سے کچھ اندازہ بھی لگا لیتا مگر اب تو سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

لیکن باسط سے صبر نہ ہوا تو وہ ایک دم زچ ہو گیا۔

"ارے یار کچھ تو بولو یہاں جان پر اٹکی ہوئی ہے اور تمہاری آواز ہی نہیں نکل رہی۔" اس کے انداز پر اقرا کی کھنکتی بے ساختہ ہنسی جیسے کانوں میں رس گھول گئی۔

"جو میری خاموشی نہیں سمجھ سکتا وہ مجھے کیا سمجھے گا۔" باسط اس گول مول جواب پر حقیقتاً چڑ گیا۔

"اگر میں اتنا بے وقوف ہوں تو تم سمجھا دو نا کھل کر۔" اقرا ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"خاموشی کا مطلب اقرار ہوتا ہے بے وقوف" اقرا نے کہتے ہی فون بند کر دیا۔

تو کچھ دیر تو باسط واقعی بے وقوفوں کی طرح کھڑا رہا پھر جب سمجھ میں آیا تو خوشی سے نعرہ مارتا مام کو اطلاع دینے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر سب کچھ جیسے پلک جھپکتے میں ہو گیا اقرا کے بھائی کے ساتھ ہی باسط اور اقرا کی بھی شادی ہو گئی اور وہ اس کی شریک حیات بن کر اس کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

اس کے لیے یہ سب کسی خواب کی طرح تھا وہ اقرا کی رفاقت میں بہت خوش تھا وہ نا صرف ایک اچھی بیوی تھی بلکہ ایک بہت اچھی بہو بھی تھی۔

وہ مام اور ڈیڈ کے ساتھ بھی بڑی جلدی ایڈجسٹ ہو گئی تھی ورنہ مام کا مزاج ایسا تھا کہ باسط کو لگتا تھا اقرا کو ان کے ساتھ رہنے میں مشکل ہو گی۔

مام کو ہر معاملے میں اپنی چلانے کی عادت تھی باسط بیٹا ہو کر ان سے خائف ہو جاتا تو پھر ایک غیر لڑکی کو ان کی حکمرانی برداشت کرنا کتنا کٹھن لگے گا۔

مگر اقرا نے کبھی ایسی نوبت ہی نہیں آنے دی اسی لیے گھر کا ماحول قابل رشک حد تک پرسکون تھا بلکہ اب باسط کو حیرانی ہوتی تھی اس نے اقرا کو پہلی نظر میں ہی اپنے لیے منتخب کیوں نہیں کر لیا وہ تو اسی قابل تھی کہ اسے دیکھتے ہی پسند کر لیا جائے۔

ہاں البتہ وہ کبھی باسط کے ایک سوال کا جواب نہیں دیتی تھی کہ وہ باسط سے شادی کرنے کی خواہش مند کیوں نہیں تھی اس نے یہ سوال کئی بار پوچھا مگر اقرا ایک ہی بات کہتی۔

"میں آپ سے کیا کسی سے بھی شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔"

"میرا شمار کسی میں نہیں ہوتا میں ہر لڑکی کا آئیڈیل

ہوں۔" باسط اصلاح کرتا۔

"توبہ توبہ اتنا غرور" اقرا ہنس پڑتی۔

ایک دن وہ آفس سے گھر آیا تو اقرا کی کوئی دوست اس سے ملنے آئی ہوئی تھی وہ کسی کام کے سلسلے میں کراچی آئی تھی اور اقرا کے گھر بھی آگئی تھی اتنے عرصے بعد اپنے شہر سے آئی اپنی پرانی دوست کو دیکھ کر اقرا اتنی خوش ہوئی تھی کہ باسط کے آفس سے آنے کا وقت بھی ہو گیا اور اسے علم ہی نہ تھا۔

باسط کمرے سے آتی آوازیں سن کر واپس ڈرائنگ روم میں جانے کے لیے پلٹنے لگا تھا کہ اپنا نام سن کر ٹھٹک گیا۔

کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا ہوا تھا چنانچہ کمرے میں ہونے والی گفتگو با آسانی سنی جا سکتی تھی اور اقرا خاصے جوش میں قدرے بلند آواز میں بول رہی تھی۔

"باسط کی بیوی بننے کی امید تو خود مجھے بھی نہیں تھی اتنے بڑے خاندان کی بہو ہونا اور وہ بھی ایک ایسے شخص کی جس پر تمام لڑکیاں مرتی ہوں۔ ایک خواب ہی ہو سکتا ہے۔

اور پھر جب مجھے پتا چلا کہ باسط نے خاندان کی سب سے حسین لڑکی کو بھی مسترد کر دیا تب تو میں بالکل ہی مایوس ہو گئی مجھے تو اپنے والدین کا باسط کے گھر آنا ہی بے کار لگ رہا تھا۔"

"پھر تم نے ایسا کیا کیا کہ ایک دم کایا پلٹ گئی اور باسط بھائی مان گئے۔" اس کی دوست کے لہجے میں بلا کا تجسس تھا۔

"بس یہی تو میرا کمال ہے۔ میں انسان کو اس کی نفسیات کے مطابق ہینڈل کرتی ہوں جب میں پہلی بار باسط سے ملی تھی مجھے تبھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی طبیعت میں ضد بہت ہے انہیں اس کام میں کوئی دلچسپی نہیں جو آسانی سے ہو جائیں انہیں اپنی زندگی میں چیلنج پسند ہے۔

میرے پاپا اور ان کے ڈیڈ کے بیچ شطرنج کی بازی چل رہی تھی ڈیڈ نے گیم آدھا چھوڑ کر باسط کو بٹھا دیا تو باسط نے بورڈ گھما کر پاپا کی مشکل پوزیشن اپنے حصے میں لے لی اور ڈیڈ کی آسان جیت کو بھی شکست میں تبدیل کر دیا۔

کیونکہ انہیں پکی پکائی کھیر کھانے کا کوئی شوق نہیں وہ اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے متحرک ہوتے ہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔

اس لیے اگر ایسے شخص کو کسی کام کے لیے اکسانا ہو تو اسے اس کام کو کرنے سے منع کر دو وہ اگلے دن ہی اس کام کو کرنے کے لیے کمر کس لے گا۔

بس یہی دیکھتے ہوئے میں نے سوچا جو اتنی حسین لڑکی کو ریجیکٹ کر سکتا ہے وہ مجھے کیا پسند کرے گا کیوں نہ میں خود ہی شادی سے انکار کر دوں ہو سکتا ہے اس طرح وہ میرے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔" اقرا کی آواز میں جوش اور خوشی کے باعث کئی اتار چڑھاؤ تھے وہ روانی سے بولے جا رہی تھی۔

"اور اگر تمہارے انکار پر وہ سوچ میں پڑنے کی بجائے تمہیں یکسر فراموش کر دیتے تو۔۔۔" اس کی دوست نے شوخی سے پوچھا۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے میں پہلے ہی ذہنی طور پر ان کی طرف سے انکار کے لیے تیار تھی اسی لیے تو میں نے آسانی سے فیصلہ کر لیا۔

کیا ضرورت ہے مجھے ان کے منع کرنے کا انتظار کرنے کی۔ یہ کام میں خود بھی تو کر سکتی ہوں۔ اس طرح کم از کم انہیں ایک چیلنج ہی مل جائے گا۔

اور دیکھ لو میں نے ان کی نفسیات کو بالکل صحیح پرکھا ہے۔" اقرا نے اعتماد سے بھرپور چہکتی آواز میں کہا۔

باہر کھڑا باسط جیسے پتھرا کر رہ گیا تھا۔

جب سے اقرا نے انکار کیا تھا یہ سوال اس کے اندر کھلبلی مچا رہا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

کتنے ہی اندازے لگا ڈالے تھے اس نے۔ مگر یہ بات تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھی۔

وہ حیران سا کھڑا سوچ رہا تھا کیا شکست ایسی بھی ہوتی ہے کہ انسان ہار بھی جائے اور اسے پتا بھی نہ چلے کہ اسے مات ہو گئی ہے۔

☆ ☆

امریکہ سے فلائٹ لینڈ کر چکی تھی اردشیر پچھلے ایک گھنٹے سے فلاور بو کے لیے کھڑا تھا۔ زاوین دو سال کے بعد امریکہ سے اپنی تعلیم مکمل کر کے آ رہی تھی .... بلا آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور وہ سلیولیس ٹاپ پہ نیرو جینز .... اور لانگ شوز پہنے ماتھے پہ گلاسز ٹکائے ہینڈ کیری ہاتھ میں تھامے باہر آئی تو لوگوں کے ہجوم میں سفید کاٹن کی شلوار قمیص پہ ویسٹ کوٹ پہنے ریبین گلاسز لگائے ہاتھوں میں فلاور بو کے پکڑے اس "پینڈو" ملک اردشیر کو دیکھ کر اس کا موڈ بری طرح سے آف ہو گیا تھا زاوین نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ اس کے انداز میں سخت بے زاریت تھی۔

اس نے شاہ زیب کو کال کر کے اپنی فلائٹ کا ٹائم بتا دیا تھا مگر وہ فی الحال اسے کہیں دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے جس شخص سے سخت چڑ تھی ملک ہدایت نے زاوین کو ریسیو کرنے کے لیے اس شخص کو بھیج دیا تھا۔

"السلام علیکم!" اردشیر مسکراتے ہوئے زاوین کے قریب آیا۔ حلیہ تو اس کا پہلے جیسا ہی تھا البتہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین ہو گئی تھی اردشیر نے اس کے حسین چہرے کو اپنی بصارتوں میں مقید کیا۔

"ہائے!" بگڑے تیوروں کے ساتھ ماتھے پہ بل ڈالے چیونگم چباتے ہوئے مختصر جواب دیا گیا۔

"کیسی ہو زاوین؟" وہ اس کی بے رخی کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"دو سال ٹھیک رہی ہوں .... مگر اب نہیں لگتا ٹھیک رہوں گی۔" ہنوز بگڑے تیوروں کے ساتھ جواب دیا گیا تھا "اینی وے ڈیڈ نہیں آئے؟"

"وہ بہت مصروف تھے .... چائینہ سے ایک ڈیلی گیشن آیا ہوا ہے ان کے ساتھ میٹنگ تھی ان کی۔" اردشیر نے وضاحت کی۔

"جانتی ہوں میں .... ڈیڈ کے لیے ان کا بزنس ہمیشہ سے اہم رہا ہے، مجھ سے ...." زاوین نے غصے سے شکوہ کیا .... "نہیں ایسی بات نہیں ہے ماموں واقعی بزی تھے .... اور ممانی بھی آنا چاہتی تھیں مگر ...." وہ چند
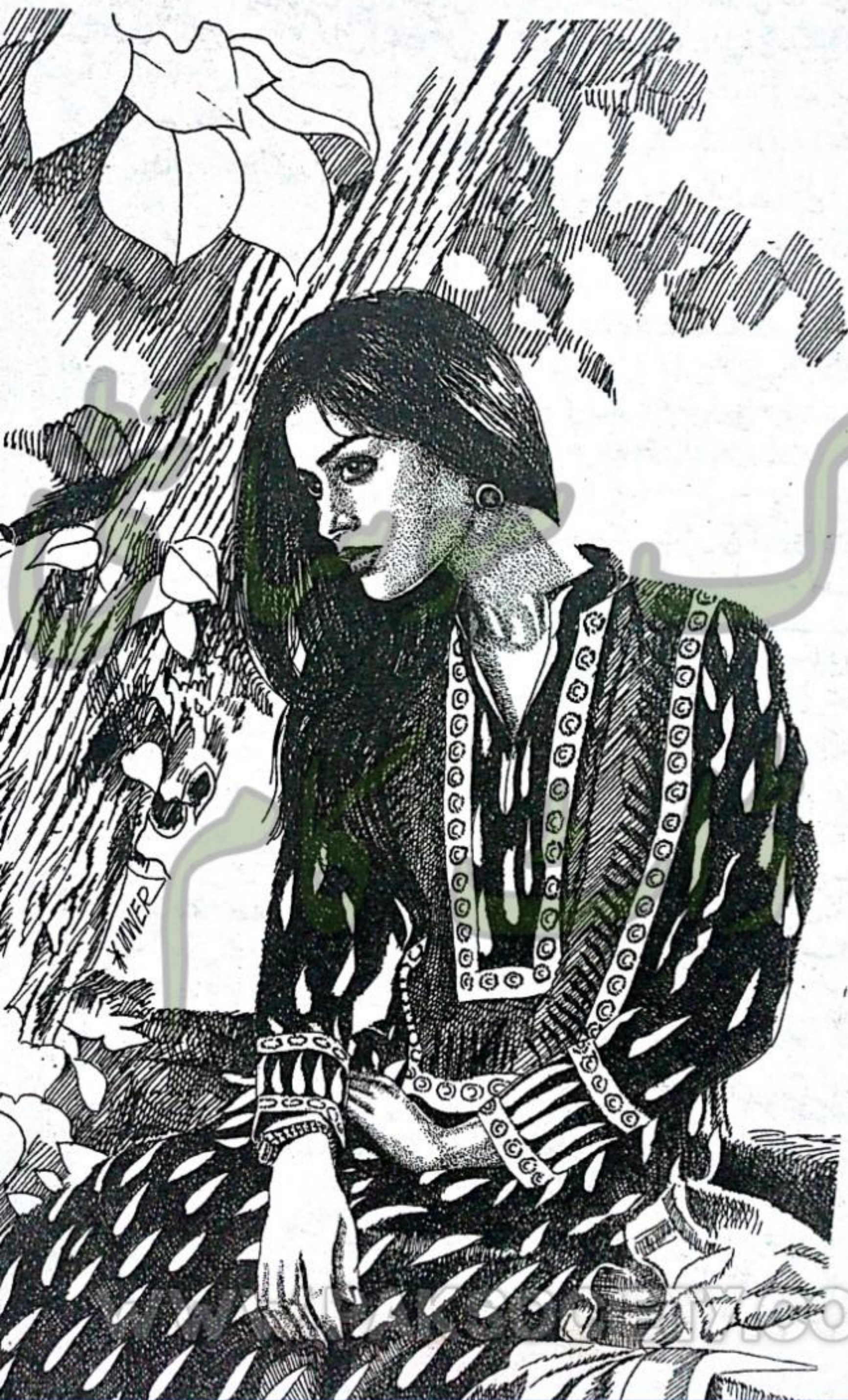
لمحوں کے لیے رکا۔

"مگر یام اپنی سو کالڈ این جی او کی کسی میٹنگ میں بزی ہوں گی؟" زاوین نے جھنجلا کر اس کی بات مکمل کی تو جواباً" وہ خاموش رہا... وہ کچھ غلط کہہ بھی نہیں رہی تھی ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم نے اسے ہمیشہ اگنور کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اتنی بدتمیز... خود سر ہو گئی تھی۔

"یہ پھول میں تمہارے لیے لایا تھا۔" اردشیر نے پھول اس کی جانب بڑھائے۔

"حالانکہ اس کی بالکل بھی ضرورت نہیں تھی۔" زاوین نے ناگواری سے پھول اس کے ہاتھ سے لیے تو اردشیر کا دل بجھ سا گیا۔ اسی اثنا میں شاہ زیب اس کے قریب آیا۔

"ہائے زیب ہاؤ آر یو؟" زاوین بے ساختہ خوشی سے اس کے گلے لگی۔

"آئی ایم فائن مائی ڈارلنگ!" شاہ زیب مسکرایا۔

قریب کھڑے اردشیر کا خون کھول اٹھا وہ اس کی منگیتر تھی اور اس کے سامنے وہ نہایت دیدہ دلیری سے اپنے پرانے فرینڈ سے گلے مل رہی تھی۔

"چلیں زاوین؟" شاہ زیب نے اس کے ہاتھ سے ہینڈ کیری لیا۔

"او کے لیٹس گو..." زاوین نے اسے جواباً" محبت پاس نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"زاوین میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اردشیر نے سنجیدہ چہرے کے ساتھ اسے باور کروایا۔

"سو واٹ؟ تم واپس چلے جاؤ... ڈیڈ کو تمہیں یہاں بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ تم میرے ناپسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں سرفہرست ہو... پھر بھی انہوں نے تمہیں یہاں بھیج دیا...؟ ربش... میں شاہ زیب کے ساتھ گھر آ رہی ہوں۔" زاوین رعونت سے کہتی ہوئی شاہ زیب کے ساتھ چلی گئی تھی۔

اور وہ حیرت و افسوس کا بت بنا جانے کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہا تھا ساری رات وہ جس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر جاگتا رہا تھا اس نے چند لمحوں میں اسے آسمان سے زمین پہ لا پٹخا تھا وہ اس سے تین سال بڑا تھا مگر وہ اپنی عمر یا اس کے اور اپنے بیچ رشتے کا لحاظ کیے بغیر چند لمحوں میں اس کی بے عزتی کر دیا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"زاوین تم بہت خوب صورت ہو گئی ہو..." شاہ زیب نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"تم بھی تو اچھے خاصے ڈیشنگ ہو گئے ہو۔"

"ویسے میں نے تمہاری تعریف اس لیے ہرگز نہیں کی تھی کہ جواباً" تم بھی میری تعریف کرو۔" شاہ زیب نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے میں سچ کہہ رہی ہوں... ویسے میری غیر موجودگی میں گرل فرینڈز تو خوب بنائی ہوں گی تم نے؟" زاوین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میری صرف ایک ہی گرل فرینڈ تھی' ہے اور رہے گی۔ زاوین ملک!" شاہ زیب اسے محبت پاس نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ویسے لڑکی پٹانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" زاوین ہنسی۔

"تمہارے علاوہ مجھے کسی کو پٹانا بھی نہیں ہے سمجھیں تم۔" شاہ زیب نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

"ٹینا کیوں نہیں آئی اسے بھی ساتھ لے آتے؟" زاوین کو جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"ٹینا کو فیور ہو رہا تھا وہ آنا چاہتی تھی مگر نہیں آ سکی۔" شاہ زیب نے اسے اطلاع دی۔

"او... اٹس او کے۔" زاوین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا یہ بتاؤ اب اس "پینڈو" کا کیا کرنا ہے؟" شاہ زیب نے اسے یاد دلایا۔

"میرا تو سوچ سوچ کر دماغ شل ہو جاتا ہے میں جس شخص کے ساتھ پانچ منٹ نہیں گزار سکتی اس کے

ساتھ ساری زندگی کیسے گزاروں گی؟" وہ زچ ہوئی۔

"ویسے تمہارے ڈیڈ اور مام نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے ایموشنل بلیک میل کر کے زبردستی تمہاری منگنی اس پینڈو سے کر دی۔" شاہ زیب نے غصے سے کہا۔

"پتا نہیں اس اسٹوپڈ پینڈو نے مام اور ڈیڈ پہ ایسا کیا جادو کر رکھا ہے کہ وہ اس کی کوئی بات ٹالتے ہی نہیں ـــ" زاوین جھنجلائی "نفرت ہے مجھے ملک اردشیر سے۔"

"تمہارا بھی تو قصور ہے نا ـــ نیک پروین اور مشرقی لڑکی بننے کے چکر میں تم نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ بغیر سوچے سمجھے کر لیا تھا؟" شاہ زیب کا غصہ ہنوز قائم تھا۔

"شاہ زیب میں کیسے اس رشتے کے لیے ہاں نہ کرتی؟ میرا انکار سن کر ڈیڈ کو ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا اگر خدانا خواستہ انہیں کچھ ہو جاتا تو ـــ تو میں خود کو کبھی معاف نہ کرتی۔" زاوین کے انداز میں بے بسی تھی۔

"تو پھر کر لینا اس پینڈو سے شادی ـــ میں کیا کر سکتا ہوں ـــ تمہارے ڈیڈ اور مام تو ویسے بھی مجھے پسند نہیں کرتے۔" شاہ زیب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو کچھ سوچ رہی تھی "زینب تم کچھ ایسا کرو کہ ـــ اردشیر خود ہی مجھ سے شادی سے انکار کر دے۔"

زاوین نے مدطلب نظروں سے شاہ زیب کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟" شاہ زیب نے ایک جگہ یوٹرن لیتے ہوئے اس کی بات آگے بڑھائی۔

"ہاں ویسے آئیڈیا تو اچھا ہے ـــ زاوین تم اپنے ایٹی ٹیوٹ سے اردشیر کو اتنا تنگ کرو اتنا زچ اور ذلیل کرو کہ وہ متنفر ہو کر یہ منگنی توڑ دے اس طرح منگنی توڑنے سے وہ تمہارے ڈیڈ اور مام کی نظروں میں بھی گر جائے گا اور ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا ـــ نہیں؟" شاہ زیب کی بات پہ زاوین دھیرے سے مسکرائی۔

"اردشیر بہت ڈھیٹ انسان ہے بچپن ہی سے مجھ سے بے عزتی کرواتا آ رہا ہے وہ میری بے عزتیوں کا

عادی ہے۔ اس بار کچھ بہت الگ کرنا پڑے گا کچھ ایسا کہ اس کا خون کھول اٹھے اور وہ اموشنل ہو کر یہ رشتہ توڑ دے۔" زاوین پر سوچ انداز میں بولی۔

"ہاں ڈھیٹ تو یہ واقعی بہت ہے ورنہ جتنی تم اس کی انسلٹ کرتی ہو کوئی غیرت مند ہوتا تو کبھی تم سے یہ رشتہ نہ جوڑتا۔۔۔ بہرحال تم پریشان مت ہونا اس بار اسے ایسا مزا چکھائیں گے کہ یاد کرے گا یہ پینڈو۔۔۔" شاہ زیب نے دانت پیسے۔۔۔ زاوین مسکرائی۔

"ویسے ماننا پڑے گا تم آج بھی اتنے ہی کمینے ہو جتنے دو سال پہلے تھے۔" زاوین کی بات پہ شاہ زیب نے مسکراتے ہوئے ایک طویل سانس لیا "اس محبت نے رانجھے کو جوگی بنا دیا تھا اور مجنوں کو کاسہ پکڑا دیا تھا مگر تمہاری محبت نے کمینہ بنا دیا ہے مجھے ہاہاہاہا۔۔۔" شاہ زیب نے اپنی ہی بات پہ قہقہہ لگایا "کم آن یار راستوں میں آئے پتھر تو ہٹانے ہی پڑتے ہیں نا؟" شاہ زیب اب محبت پاش نظروں سے زاوین کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"مجھے تمہاری دوستی پہ ہمیشہ سے فخر رہا ہے شاہ زیب۔۔" زاوین اس کے محبت بھرے انداز پہ مسکرائی۔

"میں تمہارے آنے کی خوشی میں اس ویک اینڈ پہ پارٹی دے رہا ہوں" اس نے اطلاع دی۔ "ارے اس کی کیا ضرورت تھی زیب؟"

"میری جان ضرورت تھی۔۔۔ اسی لیے تو پارٹی دے رہا ہوں۔۔۔ ٹینا کی ماریہ اور علی کے ساتھ مل کر خوب ہلا گلا کریں گے چل شل ماریں گے اور پرانی یادوں کو تازہ کریں گے ۔۔۔ اور ویسے بھی ان چند لمحوں کی ملاقات سے میرا دل نہیں بھرا۔۔۔ میں تمہارے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔" شاہ زیب محبت بھرے انداز میں زاوین کی جانب جھکا۔ "میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا زاوین!" زاوین نے مسکراتے ہوئے اسے پیچھے کیا۔

"اپنے دل کو سمجھاؤ میں سارا دن تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ ایک بار اس پینڈو سے میری جان چھوٹ جائے پھر ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔"

"زاوین ایک وقت آئے گا جب تم چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہو گی۔" میری نظروں کے سامنے میرے پاس! اور جانتی ہو میں نے سوچ رکھا ہے شادی کے بعد کم از کم چھ مہینے میں کوئی کام نہیں کروں گا۔۔۔ ہم ہنی مون ٹور پہ یورپ جائیں گے اور اپنی لائف کو انجوائے کریں گے۔۔۔" شاہ زیب نے فیصلہ سناتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ اور آنے والے دنوں کو پلان کرنے لگا۔

"اگر کام نہیں کرو گے۔۔۔ ڈیڈ کا بزنس نہیں سنبھالو گے تو اس پینڈو کی چھٹی کیسے کروائیں گے ہم؟ تمہیں اپنی قابلیت سے ڈیڈ کو متاثر کرنا ہو گا۔" زاوین نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ "ایک تو یہ پینڈو۔۔۔ ہر طرف سے ہماری خوشیوں میں روڑے اٹکانے کے لیے آن کھڑا ہوتا ہے۔" شاہ زیب نے جھنجلا کر اسٹیرنگ پہ مکا مارتے ہوئے کہا۔

"ڈونٹ وری عنقریب یہ ہماری لائف سے نکل جائے گا۔" زاوین کے لہجے میں یقین تھا۔

"ہاں امید پہ دنیا قائم ہے۔" شاہ زیب نے شانے اچکائے۔

"ارے ہاں زاوین مجھے تم سے ایک کام تھا۔"

"کیسا کام؟"

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ ماما اور پاپا میں سیپریشن ہوئی تو میں نے علی سے کچھ رقم ادھار لی تھی۔ مجھے الگ فلیٹ میں شفٹ ہونا تھا۔۔۔ علی نے مجھے پانچ لاکھ دیے تھے تمہیں تو معلوم ہے فی الحال میں جاب لیس ہوں اور وہ مجھ سے اپنی رقم کا تقاضہ کر رہا ہے اس کی سسٹر کی شادی ہے اگر تم۔۔۔ مجھے آئی مین اگر تم پانچ لاکھ مجھے ادھار کے طور پہ۔۔۔" شاہ زیب نے جھجک کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ڈونٹ وری زیب تمہیں میرے ہوتے ہوئے بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں کل پانچ لاکھ مل جائیں گے۔" زاوین نے

مسکراتے ہوئے اس کی پریشانی دور کی تو شاہ زیب کے چہرے پہ گہری اور خوشی سے بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تھینک یو سو مچ میری جان۔۔۔" شاہ زیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"جان بھی کہتے ہو اور تھینک یو کہہ کر پرایا بھی کردیتے ہو؟"

زاوین نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادیا۔

☆ ☆ ☆

ابھی سورج نہیں ڈوبا ذرہ سی شام ہونے دو
میں خود ہی لوٹ جاؤں گا مجھے ناکام ہونے دو
مجھے بدنام کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہو کیوں
میں خود ہو جاؤں گا بدنام پہلے نام ہونے دو
ابھی مجھ کو نہیں کرنا ہے اعتراف شکست
میں سب تسلیم کرلوں گا یہ چرچا عام ہونے دو
میری ہستی نہیں انمول پھر بھی بک نہیں سکتا
وفا میں بیچ لیتا پر ذرہ نیلام ہونے دو
نئے آغاز میں ہے حوصلہ کیوں توڑ بیٹھے ہو
تم سب کچھ جیت جاؤ گے ذرا انجام ہونے دو

اردشیر کا دل بجھ گیا تھا وہ مایوس ہو گیا تھا وہ ایک نہ سدھرنے والی لڑکی تھی جس سے وہ چپکے چپکے محبت کر بیٹھا تھا وہ ہر روز خود کو تسلی دیتا تھا اس کے سدھرنے کی خود کو امید دلاتا تھا مگر وہ ہر روز اس کی امیدوں کے دیوں کو بجھادیتی تھی۔

دو سال امریکہ میں گزار لینے کے بعد وہ اور خود سر ہو گئی تھی اس کی شخصیت۔۔۔ اس کے مزاج اور اس کی سوشل ایکٹوٹیز میں رتی بھر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔۔۔ دو سال کی جدائی نے بھی بدتمیزیوں کو کم نہ کیا تھا اس کی بچپن ہی سے عادت تھی کہ اگر اسے کوئی کسی بھی بات پہ سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ دو منٹ میں اس کو بے عزت کردیا کرتی تھی اس کے باوجود کوثر بیگم زاوین کی پھوپھی ہونے کے باوجود سوچ سمجھ کر اس کے سامنے بولا کرتی تھیں اور اس سے بہت محبت جتایا

کرتی تھیں اور کیوں نہ جتاتیں وہ اردشیر کی ماں تھیں اور زاوین ان کی ہونے والی بہو تھی جس سے بہرحال انہیں بہت پیار تھا زاوین کی آمد کا کوثر بیگم کو علم ہوا تو وہ خوشی سے قصور سے دوڑی چلی آئی تھیں زاوین صبح اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پہ آئی اردشیر اور کوثر بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا گئے تھے۔۔۔ وہ سلیولیس نائٹی میں ڈائننگ ٹیبل پہ آگئی تھی۔

اردشیر کے ساتھ پھوپھی کوثر کو بیٹھا دیکھ کر زاوین کی بھنویں سکڑ گئی تھیں ناگواری کے تاثرات اس کے چہرے سے واضح عیاں ہو رہے تھے۔۔۔ جنہیں نظر انداز کرتے ہوئے کوثر بیگم اپنی چیئر سے اٹھ کر اس کے قریب آگئی تھیں اور انہوں نے محبت سے زاوین کو اپنے سینے سے لگالیا تھا۔

"میں صدقے جاواں۔۔۔ میری شہزادی آگئی۔۔۔ کی حال اے میری بٹی کا؟" کوثر بیگم نے اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبات کیا اور پیار سے اس کا حال پوچھا۔۔۔ اس کا موڈ ہنوز خراب تھا۔۔۔ "ٹھیک ہوں" مختصر جواب۔

"میں واری جاواں میری شہزادی کتنی سوڑیں ہو گئی ہے؟"

"پھوپھی میں پہلے بھی بدصورت نہیں تھی۔" زاوین نے منہ پھلا کر جواب دیا تو کوثر بیگم گھسیا گئیں

۔۔۔ "ارے نہیں میرے پتر۔۔۔ میری رانی میرا مطلب تھا کہ تو ہور سوڑیں ہو گئی ہے" ۔۔۔ کوثر بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو بگڑے تیوروں کے ساتھ چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جانتی ہوں میں پھوپھی۔۔۔ کہ میں بہت خوب صورت ہوں۔ آپ کی رائے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔" اس کے گستاخانہ انداز پہ ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم نے جزبز سا ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

کوثر بیگم شرمندہ انداز میں پھر سے اردشیر کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

"ہائے۔۔۔ گڈ مارننگ۔" زاوین نے ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم پہ سرسری سی نگاہ ڈال کر دھیرے سے کہا اور ساتھ ہی بکر کو آواز دی۔

"رشید کہاں ہو؟ کافی لاؤ میرے لیے۔" اردشیر نے چائے پیتے ہوئے کن انکھیوں سے اس کے ماتھے پہ پڑے بل دیکھے۔

"رشید سے میں نے تمہاری پسند کا اٹالین آملیٹ بنوایا ہے۔۔۔ یہ لو" فوزیہ بیگم نے پلیٹ زاوین کے آگے رکھی۔

"تھینکس" اس نے آملیٹ کا ایک ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھا اسی اثنا میں رشید (بٹلر) کافی لے کر آگیا تھا۔

"زوین پتر یہ صبح ہی صبح کافی پی کے اپنا کلیجہ کیوں ساڑتی ہے؟ یہ لے یہ مالٹے کا جوس پی۔۔۔" کوثر بیگم نے محبت بھرے انداز میں جوس کا گلاس اس کے قریب رکھا۔

"پھوپھی۔۔۔ بائیس سال کی ہو گئی ہوں میں۔۔۔ آپ کو میرا نام لینا نہیں آیا اور پلیز مجھے اپنے یہ پینڈو آنہ قسم کے الٹے سیدھے مشورے ہرگز نہ دیا کریں۔۔۔ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ میرے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔۔۔" زاوین نے غصے سے بولتے ہوئے اچٹتی سی نگاہ اردشیر پہ ڈالی جو غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

"یہی تو پرابلم ہے کہ تمہیں اپنے اچھے برے کی بالکل بھی تمیز نہیں ہے۔" ملک ہدایت نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اسے گھورا ملک ہدایت کے لہجے میں درشتگی تھی۔

"ڈیڈ آپ کو تو ویسے بھی میری ہر بات بری لگتی ہے آپ کے لیے شروع سے ہی مجھ سے زیادہ آپ کے پینڈو بہن بھائی اہم رہے ہیں۔ اس لیے میں آپ کی بات کا برا نہیں مناؤں گی۔" زاوین نے جھنجلا کر کافی کا مگ اٹھایا اور لبوں سے لگالیا۔

فوزیہ بیگم کو بھی اس کے لہجے اور گستاخانہ انداز پہ شرمندگی ہو رہی تھی۔۔۔ "معا" کوثر بیگم خفیف سے انداز میں بولیں۔

"نہ پا ہدایت۔۔۔ میری شہزادی پہ غصہ نہ کریں میں تو کم عقل سی عورت ہوں میرے تو آویں منہ سے بات نکل گئی تھی آج کل کی کڑیاں بڑی سیاڑیں ہیں اپنا چنگا ماڑا جانتی ہیں۔۔۔ ہم تو پرانے زمانے کے لوگ ہیں سویرے سویرے دودھ اور لسی پینے والے لوگ۔۔۔ ہمیں کیا پتا یہ شہری کڑیاں آج کل کیا کھاتی پیتی ہیں۔۔۔" کوثر بیگم نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔۔۔

اردشیر کی بھوک ختم ہو گئی تھی زاوین نے ہمیشہ اس کے ساتھ اس طرح کا رویہ روا رکھا تھا اور وہ برداشت کر بھی لیا کرتا تھا مگر اپنی بیوہ ماں کی انسلٹ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ وہ غصے سے زاوین کو ہی دیکھ رہا تھا مگر وہ ڈھٹائی سے انجان بنی چھری کانٹے کی مدد سے ناشتا کرنے میں مصروف تھی اسے دل ہی دل میں ایک خوشی ہو رہی تھی۔

شام کو اردشیر کوثر بیگم کی وجہ سے جلدی آفس سے آگیا تھا۔۔۔ وہ ماں بیٹا ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔۔۔ کوثر بیگم پلازمہ ٹی وی پہ پنجابی مووی دیکھ رہی تھیں۔۔۔ اردشیر ان کے ساتھ بیٹھا تھا جب وہ ہائی ہیل پہنے بیک لیس ٹاپ پہ لانگ اسکرٹ پہنے گلے میں موتیوں کا میچنگ ہار پہنے اپنے کمرے سے تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تھی۔

"یہ گھر ہے کوئی سینما ہال نہیں۔۔۔ آپ ماں بیٹے نے یہ اسٹوپڈ سی مووی دیکھنی ہے تو والیم کم رکھیں۔" وہ ناک بھوں چڑھاتی بولی۔

"اچھا تو یہ گھر تمہارے لیے گھر کب ہوا؟ تم نے تو ہمیشہ اسے ایک ہوٹل ہی سمجھا ہے نا۔۔۔ جہاں تم صرف سونے اور کھانے پینے آتی ہو۔" اردشیر نے بھی طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے غصے سے کہا۔

"او تو چیونٹیوں کے بھی پر نکل آئے۔۔۔" اس نے تنفر سے اردشیر کو دیکھا جو آج بھی کاٹن کی شلوار قمیص پہ ویسٹ کوٹ پہنے۔۔۔ اسے انتہائی بے ہودہ اور برا لگ رہا تھا جتنا وہ بچپن سے لے کر اب تک اسے لگتا آیا تھا۔

"میرا نام اردشیر ہے۔۔۔ تم ابھی جانتی نہیں ہو مجھے۔" اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جتایا۔ اسے بھی زاوین پہ بے انتہا غصہ آرہا تھا۔

زاوین تمسخرانہ انداز میں ہنسی۔۔۔ "مجھے تم جیسے اسٹوپڈ اور نان سینس پینڈو شخص کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"اچھا چھڈ میری بچی اس کی گل کا کیوں برا مناتی ہے؟ یہ بتا اتنا تیار شیار ہو کر کہاں جارہی ہے میری شہزادی۔۔۔؟ ادھر آدو گھڑی میرے کول وی آکر بیٹھ جا۔۔۔ کل میں نے واپس قصور چلے جانا ہے۔۔۔" کوثر بیگم نے اس کی توجہ مبذول کرواتے ہوئے پیار سے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

"پھوپھی میں کہاں جارہی ہوں یہ بتانا میں آپ کو ضروری نہیں سمجھتی۔۔۔ اور ویسے بھی جاہل لوگوں کے پاس بیٹھ کر مجھے اپنا وقت برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس کے انداز پہ کوثر بیگم شرمندہ ہوگئیں۔

"چل نہ بتا پتر۔۔۔ میں تو بس ایویں پوچھ بیٹھی۔۔۔ تت تو ٹھیک کہتی ہے، ہم ٹھہرے پینڈو اور جاہل لوگ۔۔۔ ہمارے پاس بیٹھ کر تیرا وقت ہی برباد ہونا ہے ہمارے پاس بیٹھ کر تونے کونسا چنگی گل سیکھنی ہے؟ ہمارا اور تمہارا بھلا کیا جوڑ؟" دکھ سے کوثر بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔۔۔ اردشیر کا خون کھول اٹھا تھا۔۔۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھوپھی یہ فرق اپنی بیٹے کو بھی بتا اور سمجھا دیں تو مہربانی ہوگی آپ کی" وہ رعونت سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔۔۔ اردشیر غصے میں اس کے پیچھے آیا۔

"رکو اور میری بات سنو۔۔۔" عقب سے اردشیر نے اسے آواز دی۔

"تمہاری فضول بات سننے کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ شاہ زیب باہر میرا انتظار کررہا ہے۔" زاوین نے اسے تپانے کے لیے جان بوجھ کر شاہ زیب کا نام لیا تھا اردشیر غصے سے اس کے آگے آ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ راستہ چھوڑو میرا۔" وہ غصے سے دھاڑی۔

"بدتمیزی کیا ہوتی ہے؟ جس دن میں نے تمہارے ساتھ کی تو تمہارا دماغ ٹھکانے آجائے گا کہ بدتمیزی کہتے کسے ہیں؟" اردشیر اسے شانوں سے دبوچ کر دھاڑا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ ہاتھ ہٹاؤ اپنے۔" وہ غصے اور بے یقینی سے چیخی۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔۔ میں بچپن ہی سے تمہارے یہ گستاخانہ رویے برداشت کرتا آرہا ہوں۔۔۔ جس دن میری برداشت کی حد ختم ہوگئی تو اس دن بہت برا ہوگا۔۔۔ اور ہاں آئندہ اگر تم نے میری ماں سے بدتمیزی کی ان کی شان میں کوئی گستاخی کی تو تم خود دیکھو گی کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا۔" اردشیر نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیلا تھا اور واپس چلا گیا تھا۔

اس نے اردشیر کو ہمیشہ ذلیل و رسوا کیا تھا مگر اسے یوں غصے میں وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔۔۔ دل ہی دل میں وہ خوش بھی ہو رہی تھی۔ آج وہ اس کے رویے پہ پھٹ پڑا تھا۔ اب اسے اپنے ایٹی ٹیوٹ سے اسے مزید غصہ دلانا تھا زچ کرنا تھا۔ تاکہ وہ خود ہی اپنے اور اس کے بیچ وہ نام نہاد رشتہ ختم کردے۔

☼ ☼ ☼

"پاہدایت نے اپنی کڑی کو ذرہ وی ہدایت نہیں دی۔۔۔ وڈے نکے کا کوئی شرم لحاظ ہی نہیں ہے زوین کو۔۔۔ اک گل کرو تو چار سناتی ہے مجھے تو تیری بڑی فکر ہے میرے پتر۔۔۔" اردشیر سر جھکائے صوفے پہ بیٹھا تھا اور کوثر بیگم اپنے کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھیں اور ساتھ اپنے جذبات کا اردشیر سے اظہار بھی کررہی تھیں۔

"اماں آپ فکر نہ کیا کریں ایک بار نکاح ہوجائے میرا زاوین سے۔۔۔ تیر کی طرح سیدھا نہ کردیا تو میرا نام بھی ملک اردشیر صفدر نہیں۔" اردشیر کے انداز میں غصے کے ساتھ ساتھ یقین تھا۔

"پتر مجھے تو یہ سدھرنے والی کڑی نہیں لگتی۔۔۔ تو کہتا ہے تو میں پاہدایت سے گل کرتی ہوں۔ زوین شادی سے پہلے ہمیں لیتر (جوتے) پہ لکھتی ہے تو شادی کے بعد ہماری مت مار کر رکھ دے گی۔۔۔؟"

میرے پتر میں اب اتنے جوگی نہیں ہوں۔ بڑے غم دیکھے ہیں میں نے.... اب اور نہیں سہ سکتی۔"

کوثر بیگم کپڑے چھوڑ کر اردشیر کے پاس آ بیٹھیں۔ زاوین کے انداز و اطوار اور اس کی بد زبان عادت سے وہ سخت نالاں نظر آرہی تھیں۔ ان کے لہجے میں دکھ کے ساتھ افسردگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"نہیں اماں آپ ماموں سے کوئی بات نہیں کرنا۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں صرف اور صرف انہی کی وجہ سے ہوں۔ انہوں نے ہمیں اس وقت سہارا دیا جب ہم ابا کی وفات کے بعد بے آسرا ہو گئے تھے ہمیشہ انہوں نے فنانشلی ہمیں سپورٹ کیا۔ مجھے پڑھایا لکھایا.... میری ہر ضرورت میری ہر خواہش کو ایک باپ کی طرح پورا کیا۔ اتنے احسانات کیے ہیں ماموں اور ممانی نے ہم پہ.... میں کیسے اس رشتے سے انکار کر سکتا ہوں اماں؟" اردشیر نے بے بسی سے انہیں یاد دلایا تو کوثر بیگم نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"اماں مجھ پہ ترس نہ کھایا کرو۔ جتنے بڑے احسان کیے جاتے ہیں ان کے بدلے بھی اتنے ہی بڑے چکائے جاتے ہیں۔"

وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا تو کوثر بیگم نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"اچھا چل اب تو پریشان نہ ہو اللہ چنگی کرنے والا ہے۔ اللہ اس کو ہدایت دے میں نے سویرے چلے جانا ہے۔ ماں کے سامنے ایسے سر سٹ کر (جھکا) بیٹھے گا تو واپس پینڈ جا کر وی مجھے چین نہیں آئے گا۔"

اردشیر ان کے آبدیدہ انداز پہ مسکرا دیا۔

"اماں اب میں گاؤں آؤں گا تو مجھے ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی بنا کر کھلانا یہاں آکر تو گاؤں کے کھانوں کے مزے ہی بھول گئے ہیں۔ اور ویسے بھی اتنے عرصے سے میں نے آپ کے ہاتھ کے پکے کھانے نہیں کھائے۔" اردشیر نے فرمائش کی۔

"ہائے میں واری جاواں اپنے پتر کے.... مجھے پتا ہوتا تو میں ایتھے آنے سے پہلے ساگ پکا کر اور مکئی کا آٹا لے کر آجاتی؟ پر ایتھے ایسی چیزیں لانے کا وی کیا فائدہ؟ تجھے یاد ہے چار سال پہلے میں ایتھے ساگ پکا کر دیسی گھی کا تڑکا لگا کر لائی تھی۔ رات کو میں نے فریج میں رکھا تھا اور سویرے زوین نے ساگ اٹھا کر کوڑے کی ٹوکری میں سٹ دیا تھا۔"

کوثر بیگم اسے اپنے ساتھ بھینچے اپنے ہی دھیان میں بولے جا رہی تھیں اور اس کی نظروں کے سامنے ماضی سے لے کر اب تک ایک فلم سی چلنی شروع ہو گئی تھی۔

وہ شلوار قمیص پہنے والا ایک سیدھا سادا سا میٹرک پاس گاؤں کا ایک لڑکا تھا جسے ملک ہدایت اس کے باپ کی وفات کے بعد گاؤں سے اپنے ساتھ شہر اپنے گھر لے آئے تھے ان کے لگژری لائف اسٹائل کی اس سیدھے سادے لڑکے کو بالکل بھی سمجھ بوجھ نہ تھی۔ زاوین عمر میں اس سے کئی سال چھوٹی تھی مگر وہ اردشیر کو بے وقوف بنانے اسے زچ کرنے.... یا اس کی بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ چھوڑتی تھی اس کے فرینڈز گھر آتے تو وہ ان کے ساتھ مل کر اردشیر کو پینڈو کہہ کر چھیڑا کرتی تھی۔ وہ کالج لائف میں آیا تو زاوین اکثر اس کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں جا کر اس کے نوٹس وغیرہ پھاڑ دیا کرتی تھی.... اور اس کے یہ انداز و اطوار آج بھی قائم و دائم تھے۔ مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردشیر کی برداشت کی حد ختم ہونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن کوثر بیگم واپس قصور چلی گئی تھیں۔ ماں کے واپس چلے جانے سے اردشیر کا دل بھی اداس ہو گیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ شام کو آفس سے لیٹ گھر آیا تھا پورچ میں گاڑی لگا کر جب وہ گھر کے اندر جانے لگا تو اس نے زاوین کو لان میں ٹہلتے ہوئے فون پہ کسی سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا مگر جو چیز اس نے زاوین کے ہاتھ میں دیکھی تھی اسے دیکھ کر اردشیر کا میٹر گھوم گیا تھا.... اس کے ایک ہاتھ میں موبائل تھا اور دوسرے

ہاتھ کی انگلیوں میں سگرٹ دبا ہوا تھا جسے وہ اک انداز سے کش لیتے ہوئے ختم کر رہی تھی۔۔۔ قریب ہی لان کے ٹیبل پہ سگریٹ کی پوری ڈبیا اور لائٹر رکھا تھا۔۔۔ وہ غصے میں بے ساختہ اس کے قریب آیا۔ تب تک وہ فون سن چکی تھی۔۔۔ اور اب سگریٹ کے کش لیتے ہوئے موبائل ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا بکواس ہے؟" وہ نہایت غصے میں اس کی انگلیوں میں دبے سگریٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اندھے ہو کیا؟ اسے بکواس نہیں سگریٹ کہتے ہیں۔" تڑخ کر جواب دیا گیا تھا۔

"فضول بکواس نہیں سننا مجھے کب سے پی رہی ہو یہ اور کیوں؟" وہ اس کے سر پہ کھڑا غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے عادت ہے اور میں سموکر ہوں اور ویسے بھی میں جب مرضی اور جتنی مرضی سگریٹ پیوں۔ تم کون ہوتے ہو مجھ سے تفتیش کرنے والے؟" زاوین نے جھوٹ بولتے ہوئے اسے مزید زچ کیا اور غصہ دلایا۔

اردشیر نے نہایت غصے سے اس کی انگلیوں سے سگریٹ جھپٹ کر گھاس پہ پھینک دیا اور اسے کلائی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے اپنے قریب کر لیا۔

"آئندہ مجھے یہ مت کہنا کہ تم کون ہوتے ہو مجھے پوچھنے والے۔۔۔ کیونکہ میں تمہارا بہت کچھ ہوں اور اہم بات آئندہ تم نے سگریٹ پیا تو ہاتھ توڑ دوں گا میں تمہارے۔" اردشیر غضبناک انداز میں لب بھینچے غصے سے بولا۔۔۔ اور اس نے دو ٹوک انداز میں وارننگ تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم مجھے دھمکی دو۔۔۔؟ بازو چھوڑو میرا۔" وہ چیخی۔

"اسے میری دھمکی سمجھو یا وارننگ۔ میں نے تمہارے ہاتھ میں سگریٹ دیکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا جتنی جلدی اپنی گھٹیا عادتیں بدل سکتی ہو بدل لو ورنہ کتنا برا ہو گا یہ تمہیں آنے والا وقت بتائے گا۔"

اردشیر غصے میں اسے لان چیئر پہ پھینک کر اندر بڑھ گیا تھا۔

اس کے اندر جاتے ہی زاوین کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔۔۔ اسے اپنی منزل بہت قریب دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے جھوٹ اس کی حرکتیں اس کی بدتمیزیاں دن بہ دن متنفر کر رہی تھیں اردشیر کو اور یہی تو وہ چاہتی تھی۔ اس رات زاوین ریلیکس ہو کر سوئی تھی مگر اردشیر اس رات سو نہیں سکا تھا وہ ساری رات اس نے جاگ کر گزاری تھی بار بار زاوین کے ہاتھ میں سگریٹ اور کش لیتی ہوئی زاوین کی تصویر اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہی تھی۔۔۔ پہلے وہ بدزبانی کیا کرتی تھی۔ اب وہ غلط کام کر کے اسے پریشان کر رہی تھی اور یہ حرکتیں اردشیر کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ کسی بھی قیمت پہ وہ اس کی منگیتر تھی۔ اس کی عزت تھی اس کی ہونے والی بیوی۔

✵ ✵ ✵
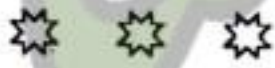
اگلی صبح وہ اس کے روم کا دروازہ ناک کر کے اس کے کمرے میں آیا تو وہ سلیو لیس نائٹی میں ملبوس بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹی تھی۔۔۔ اس کے سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا وہ فیس بک پہ کسی سے چیٹ کر رہی تھی۔۔۔ اس کی ننگی پنڈلیاں دیکھ کر اس نے رخ موڑ لیا تھا۔۔۔ زاوین نے گردن موڑ کر دیکھا تو اردشیر کو کھڑا دیکھ کر اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"تم۔۔۔؟ تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟" تڑخ کر پوچھا گیا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" وہ اسے پیار سے سمجھانے کے موڈ میں آیا تھا "مگر مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا۔۔۔ جا سکتے ہو تم اب۔۔۔"

وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ اس کا موڈ ہنوز خراب ہو رہا تھا اور غصہ وہ بھی برقرار تھا۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ تم میرے ساتھ ایسا ہی ہو کیوں کرتی ہو؟" بالآخر اس نے مجبور ہو کر پوچھا "میرا مسئلہ تم ہو صرف اور صرف تم۔۔۔ تم مجھے

شروع سے ہی بہت برے لگتے ہو میں شاہ زیب کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتی ہوں ڈیڈ نے زبردستی تمہیں میری زندگی میں شامل کیا ہے۔" زاوین اب آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ اردشیر کے دل میں خواہشوں کے گھروندے مسمار ہونے لگے۔

"شاہ زیب تم سے فلرٹ کررہا ہے وہ اچھا لڑکا نہیں ہے.... میں نے سنا ہے کہ آج کل اس کا افیر تمہاری دوست ٹینا کے ساتھ چل رہا ہے۔ تمہیں یہ بات کیوں سمجھ نہیں آئی کہ شاہ زیب تمہاری دولت کی وجہ سے تم سے اپنی جھوٹی محبت کے دعوے کرتا ہے۔" اردشیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "آئی سویئر میں نے شاہ زیب کے بارے میں بہت سی غلط باتیں سن رکھی ہیں۔"

"اگر تمہیں شاہ زیب کے بارے میں الٹی سیدھی بکواس کرنی ہیں تو ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ.... مجھے تمہاری اس طرح کی کوئی بھی فضول بکواس نہیں سننی۔" زاوین نے درشتگی سے اسے کمرے سے نکل جانے کو کہا۔

تو وہ چند لمحے اسے پریشانی سے دیکھتا رہا۔

"زاوین تم بہت پچھتاؤ گی.... شاہ زیب ٹوٹلی فلرٹ ہے۔"

"اسٹاپ اٹ.... ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ تم فضول میں بکواس کر رہے ہو" زاوین نے دوٹوک انداز میں ہاتھ کے اشارے سے اسے کمرے سے نکل جانے کو کہا۔ تو وہ غصے میں باہر نکل گیا۔

اسٹوپڈ پینڈو.... عذاب بن گیا ہے یہ شخص میرے لیے نا جانے کب جان چھوٹے گی اس سے؟" زاوین نے غصے سے ہیر برش پٹخا۔

اسی رات ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم کسی آفیشل ڈنر پہ گئے ہوئے تھے وہ گھر میں اکیلا تھا جب وہ رات دو بجے گھر میں داخل ہوئی تھی تو اردشیر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا.... رات کے اس پہر وہ گھر آئی تھی اس نے پورچ میں زاوین کی گاڑی کی آواز سن لی تھی زاوین نے اسے اپنے کمرے کے باہر کھڑا دیکھا تو لڑکھڑاتی ہوئی لیونگ روم میں داخل ہوئی.... اردشیر نے اس کی حالت دیکھی تو بھونچکا رہ گیا.... اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی.... وہ نشے میں دھت تھی۔

اردشیر نے شدید طیش اور ورطہ حیرت سے آگے بڑھ کر اس کو بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما ڈالا....

تت.... تم نے نشہ کرر کھا ہے؟" اردشیر کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"چھچ.... چھوڑو.... مجھے زیب نے آج کک کچھ زیادہ ہی پلا دی ہے۔" زاوین اس کی بانہوں میں جھول گئی.... اور بکھرے لہجے میں بتانے لگی۔

اردشیر نے پوری قوت سے اس کے گال پہ تھپڑ کھینچ کر مارا تو وہ لڑکھڑا گئی.... اس کا مارا ہوا تھپڑ اتنا شدید تھا کہ اس کا سارا نشہ ہوا ہو گیا تھا۔

"ہاؤ ڈیر یو.... تمہاری اتنی ہمت کہ تم مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ۔" جواباً" زاوین نہایت غصے میں اس پہ جھپٹی تو اردشیر نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا.... اور گھسیٹتے ہوئے اس کے کمرے میں لے آیا۔

"تم انتہائی ڈھیٹ اور خود سر لڑکی ہو.... بتاؤ کیا علاج کروں میں تمہارا؟" اردشیر نے غصے میں دروازہ بند کیا اور اسے بیڈ پہ پٹخ دیا۔

"اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس طرح کے غلط کاموں کی سزا کیا ہوتی ہے.... مجھے اپنی قسمت پہ رونا آتا ہے کہ تم جیسی بے ہودہ لڑکی ایک سزا بن کر میری زندگی میں شامل ہو گئی ہے.... ہر گزرتا ہوا دن مجھے تم سے نفرت کرنے پہ مجبور کررہا ہے۔" اردشیر نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔

"چھوڑو مجھے.... میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ایک دو ٹکے کے انسان تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ صبح تمہاری اس گھر سے چھٹی نہ کروائی تو میرا نام بھی زاوین ملک نہیں۔"

"میں کیا ہوں اور خود کو کیا سمجھتا ہوں اگر تمہیں

سمجھانے لگا تو چودہ طبق روشن ہو جائیں گے تمہارے ... آئندہ اگر تم نے ایسے غلط کام کیے تو جان نکال دوں گا میں تمہاری ... بہت خاموش رہ لیا میں نے اب نہیں رہوں گا۔" اردشیر انتہائی غصے میں اسے باور کرواتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

زاوین نے اپنی گردن مسلتے ہوئے اسے ڈھیر ساری گالیاں دیں ... آج کی ایکٹنگ اسے خاصی مہنگی پڑی تھی ... اسے اردشیر پہ شدید غصہ آرہا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس کی گردن دبا دے ... تھوڑی دیر کے بعد اس نے شاہ زیب کو کال کی تھی۔

"آج ڈرنک کی ایکٹنگ کرنا خاصی مہنگی پڑی ہے مجھے ..." اس کی اطلاع پہ شاہ زیب نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ ہمدردی ہونی چاہیے ... اصولاً" تمہیں اردشیر پہ غصہ آنا چاہیے اور تم ہنس رہے ہو؟" زاوین نے اس کے ہنسنے پہ برا منایا۔

"تم نے بھی تو اس کی غیرت کو للکارا ہے ... غصہ تو اسے آنا ہی تھا۔" اس کا برا موڈ دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اردشیر نے آج مجھے کہا ہے کہ میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی سزا ہوں وہ مجھ سے تنگ آرہا ہے شاہ زیب۔

میں نے اس کی ماں کے ساتھ بدتمیزی کی تو اسے بے انتہا غصہ آیا ... میں نے جان بوجھ کر اس کے سامنے سیگرٹ پیا تو اس کا پارہ ہائی ہو گیا ... آج میں نے Drinker کی ایکٹنگ کی تو وہ آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا ... آئم شیور وہ جلد ہی مجھ سے تنگ آجائے گا اس کا ٹیمپو لوز ہو رہا ہے اور وہ مجھ سے منگنی توڑ لے گا۔" زاوین کے لہجے میں خوشی کے ساتھ ساتھ بے انتہا یقین تھا۔

گڈ ویری گڈ تم اسی طرح اپنے مشن پہ ڈٹی رہو ... عنقریب ہمارا کام ہو جائے گا۔" شاہ زیب مسکرایا تھا اور وہ بھی پرامید تھا کہ زاوین کی جان اردشیر سے جلد ہی چھوٹنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

کبھی کبھی ہماری تمام تدبیریں ہمارے پلان الٹے ہو جاتے ہیں ... زاوین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا ... رات وہ جتنی زیادہ خوش تھی اگلی صبح اسے اتنی ہی بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا ... زاوین کی غلط حرکتیں اس کے اپنے گلے ہی پڑ گئی تھیں۔ ہوا کچھ یوں کہ ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم اسٹڈی میں شام کی چائے پی رہے تھے جب اردشیر فیصلہ کن انداز میں اسٹڈی میں آیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ نہایت سنجیدہ تھا۔

"وعلیکم السلام ... اردشیر بیٹا تم کچھ پریشان لگ رہے ہو خیر تو ہے؟" ملک ہدایت نے چائے کی پیالی ٹیبل پہ رکھی۔

"جی ماموں ... پریشان تو میں واقعی بہت زیادہ ہوں۔" وہ سر جھکا کر ان دونوں کے سامنے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹا خیر تو ہے؟" اب کے فوزیہ بیگم بھی اس کے چہرے پہ چھائی گہری خاموشی دیکھ کر متفکر ہوئیں۔

"آپ دونوں کو یہ بتاتے ہوئے مجھے خود بہت شرمندگی ہو رہی ہے کہ زاوین کا دن بہ دن پھر سے شاہ زیب کے ساتھ میل جول بڑھ رہا ہے ... کچھ دن پہلے میں نے زاوین کو اسموکنگ کرتے ہوئے دیکھا اور کل ... کل رات تو اس نے میری برداشت کی انتہا کر دی ... مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں آپ کو کیسے بتاؤں؟" وہ پریشانی سے بولتے بولتے رک گیا۔

"اردشیر بیٹا کھل کر بتاؤ ... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے!" فوزیہ بیگم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"ہاں بیٹا ... جلدی بتاؤ خیر تو ہے؟" ملک ہدایت کے چہرے پہ پریشانی کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی تھی۔

"زاوین رات شراب کے نشے میں دھت حالت میں گھر آئی تھی۔ آپ دونوں ڈنر پہ گئے ہوئے تھے ..." اردشیر نے لب بھینچ کر سر جھکائے انہیں اطلاع دی تو ... ملک ہدایت حیرت و بے یقینی سے اردشیر کو دیکھنے لگے۔

"یہ... یہ کیا کہہ رہے ہو اردشیر؟" فوزیہ بیگم نے حیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اردشیر کو دیکھا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں زاوین نے ہماری عزت ہمارے وقار... ہمارے خاندانی رکھ رکھاؤ کی دھجیاں اڑا دی ہیں... اٹس ٹو مچ۔" اردشیر نے ہنوز ٹرانس کی کیفیت میں بتایا... تو ملک ہدایت شدید ترین غصے کے عالم میں اپنی چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کہا تھا میں نے فوزیہ بیگم کہ نہ بناؤ اپنی یہ نام نہاد این جی او... میری بیٹی کو تمہاری ضرورت ہے مگر نہیں... سارا سارا دن تم آیا کے پاس میری بچی کو چھوڑ کر اپنے سوشل ورک میں مصروف رہا کرتی تھی... یہ اردشیر... اس نے مرد ہو کر بھی سگریٹ نہیں پیا اور میری بیٹی؟ نا صرف سگریٹ پیتی ہے بلکہ شراب جیسی حرام چیز کا استعمال کر رہی ہے اور تمہیں خبر تک نہیں؟ کہا تھا میں نے لڑکی ذات ہے اسے اتنی آزادی مت دو... مت اکیلے بھیجو اسے امریکا... مگر نہیں تم نے میری بات مانی ہوتی تو یہ سب ہرگز نہ ہوتا اس بیٹی کی وجہ سے کسی دن میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا... دل کا مریض تو یہ مجھے اپنی حرکتوں سے پہلے ہی بنا چکی ہے... نا جانے کس گناہ کی سزا دی ہے اللہ نے مجھے۔" وہ غصے میں نان اسٹاپ بولتے بولتے آبدیدہ ہو گئے تھے۔

"ہاں سارے قصور تو صرف میرے ہی ہیں... میں نے ہی تو اسے ٹائم نہیں دیا اس کی تربیت نہیں کی... میری وجہ سے ہی تو زاوین بگڑی ہے آپ تو بری الذمہ ہیں... آپ بھی تو باپ ہی تھے نا... آپ نے کون سا بیٹی کو بھی وقت دیا تھا؟ ہمیشہ اپنے بزنس کو بڑھانے کے چکروں میں بیٹی کو اگنور کرتے رہے... میں اکیلی کہاں تک اس کا خیال رکھوں؟ وہ اتنی خود سر ہو گئی ہے کہ میری بات تک نہیں مانتی... کتنی بار میں نے اسے شاہ زیب جیسے لالچی لڑکے سے دوستی ختم کرنے کو کہا ہے... اب وہ میری بات نہیں سنتی تو میں کیا کروں؟" فوزیہ بیگم بھی زچ ہوتے ہوئے بولیں۔

"پلیز آپ دونوں آپس میں مت لڑیں آپ لوگوں کو بتانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ شاہ زیب اسے بہت غلط لائن پہ لگا رہا ہے... ہمیں زاوین کو اس راستے سے ہٹانا ہو گا... ورنہ... ورنہ ہماری عزت کو... اپنے پیروں تلے روندنا اس کی عادت بن جائے گا۔" اردشیر لب بھینچے بڑے نپے تلے لفظوں میں بات کر رہا تھا ملک ہدایت اردشیر کے سامنے خفت اور شرمندگی سے سر تک نہ اٹھا پا رہے تھے۔ فوزیہ بیگم کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی۔

"فوزیہ... اس لڑکی کا گھر سے نکلنا بند کرواؤ... میں آج... ابھی اور اسی وقت اس کا نکاح پڑھوا رہا ہوں... زبردستی... ڈرائیور سے کہو... وہ قصور سے بہن کوثر کو لے آئے... میری برداشت کی حد ختم ہو گئی ہے... اس سے پہلے کہ یہ لڑکی اپنے کسی غلط قدم سے زمانے بھر میں میری عزت نیلام کرے... میں اسے اردشیر کے نکاح میں دے رہا ہوں... یہ اس کو جیسے چاہے سدھارے... میں آج ابھی اور اسی وقت اسے اردشیر کے حوالے کر رہا ہوں... اردشیر باہر گارڈ کو اطلاع دے دو... اسے اکیلے گھر سے باہر نہ نکلنے دے۔"

ملک ہدایت نے طیش میں اپنا فیصلہ سنایا۔

"مم... مگر ہدایت اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گا؟" فوزیہ بیگم گھگھیائیں۔

"سب ہو جائے گا... اردشیر کے ساتھ اس کا شرعی نکاح صرف اور صرف گھر کے افراد کی موجودگی میں ہو گا... جو اولاد والدین کی نافرمان ہو ان کی شادیوں پہ بینڈ باجے نہیں بجا کرتے... سمجھا دینا اپنی بیٹی کو۔" ملک ہدایت اسٹڈی سے باہر نکل گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

فوزیہ بیگم زاوین کے کمرے میں آئیں تو وہ کیپری اور ٹاپ میں ملبوس بیڈ پہ بیٹھی لیپ ٹاپ گود میں رکھے فیس بک پہ شاہ زیب سے چیٹ کر رہی تھی۔ "ہائے مام... آئی تھنک آپ پچھلے ہفتے میرے روم میں آئی تھیں۔ تب بھی آپ کو کوئی کام تھا... غالباً" آج بھی آپ کو کوئی کام ہی ہو گا؟" زاوین نے کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے مسکرا کر ان پہ طنز کیا۔

"ویسے تم ہمیں ذلیل و خوار کرنے اور کروانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے ہی کب دیتی ہو؟" فوزیہ بیگم برہم انداز میں بولتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھیں ۔۔۔ آج وہ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

"اب آپ کو میری کونسی بات بری لگ گئی ہے مام؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہ پوچھو کہ تمہاری کونسی ایسی بات ہے، جو ہمیں بری نہیں لگتی؟"

"کم آن مام ۔۔۔ آج آپ ڈیڈ کی زبان میں مجھ سے بات کر رہی ہیں ۔۔۔ کیوں؟ وجہ پوچھ سکتی ہوں میں؟"

"میں اور تمہیں ڈیڈ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم ہمارے بے جا لاڈ پیار اور آزادی کا اتنا غلط استعمال کرو گی؟" فوزیہ بیگم اسے ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

"میں واقعی نہیں جانتی کہ میں نے ایسا کیا کر دیا ہے جس پہ آپ اتنا غصہ کر رہی ہیں؟"

"مجھے تمہاری گھٹیا حرکتوں کی لسٹ نہیں سنانی ۔۔۔ تمہاری لیے یہی کافی ہے کہ تمہیں یہ اطلاع دی جا رہی ہے ۔۔۔ آج تمہارا نکاح کر رہے ہیں ہم اردشیر کے ساتھ۔"

فوزیہ بیگم کے الفاظ تھے یا بم بلاسٹ ہوا تھا ۔۔۔ وہ حیرت و بے یقینی سے اچھل پڑی تھی "واٹ؟ نکاح؟ یہ ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں ۔۔۔" فوزیہ بیگم نے باور کروایا۔

"مام ۔۔۔ آ ۔۔۔ آپ مم ۔۔۔ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟"

"تم ہماری عزت کا جنازہ نکالنے پہ تلی ہوئی ہو ۔۔۔ اور ہم اتنا بھی نہ کریں؟ جانتی ہو تمہاری خود سری اور ان غلط حرکتوں کی وجہ سے مجھے تمہارے ڈیڈ کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی ہے؟"

"مام آپ اور ڈیڈ میری ایک بات کان کھول کر سن لیں میں یہ نکاح کسی صورت نہیں کروں گی ۔۔۔ میں اس پینڈو اسٹوپڈ کی شکل دیکھنا گوارہ نہیں کرتی اور آپ ساری زندگی کے لیے مجھے اس جاہل کے پلے باندھ رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ جاہل نہیں ہے سی اے کیا ہے اس نے۔ شکر کرو اردشیر جیسا شریف شخص تم سے شادی کر رہا ہے۔"

"مام مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ اس وقت میری ماں ہیں ۔۔۔ اس وقت آپ اردشیر کی وکیل لگ رہی ہیں۔"

"غلطی میری ہی ہے۔ اگر میں ایسی ماں پہلے بن جاتی تو نوبت یہاں تک ہرگز نہ آتی۔"

"تو ٹھیک ہے کر لیں جو کرنا ہے میں یہ نکاح ہرگز نہیں کروں گی ۔۔۔" اس نے حتمی انداز میں فیصلہ سنایا۔

"نکاح نہیں کرنا تو پھر ہماری موت کے لیے تیار ہو جاؤ ۔۔۔ تمہارے ڈیڈ کو تین سال پہلے بھی تمہاری وجہ سے ہارٹ اٹیک ہوا تھا ۔۔۔ اگر اس بار تمہارے ڈیڈ کو کچھ بھی ہوا تو یاد رکھنا اس کی ذمہ دار بھی تم ہی ہو گی ۔۔۔ تم ساری زندگی خوشیوں کو ترسو گی۔ میں ساری زندگی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی اور نہ معاف کروں گی اور جائیداد سے بھی عاق کر دوں گی۔" فوزیہ بیگم غصے سے دھاڑیں۔

"اس ملک کی مشہور و معروف سوشل ورکر کے منہ سے یہ باتیں سن کر حیرت ہو رہی ہے مجھے ۔۔۔ حقوق نسواں کے لیے ایک این جی او چلانے والی عورت کی آزادی اور حقوق پہ لمبی چوڑی تقریر کرنے والی ۔۔۔ میری ماں میری مرضی کے خلاف زبردستی میرا نکاح میری ناپسندیدہ شخصیت سے کیسے کر سکتی ہے؟"

"جب گھوڑا بے قابو ہونے لگے تو اس کی لگام کھینچنی پڑتی ہے ۔۔۔ تمہارے ساتھ ایسا کبھی نہ کیا جاتا مگر تم نے ہمیں یہ انتہائی قدم اٹھانے پہ مجبور کر دیا ہے ۔۔۔ یہ تمہارے ڈیڈ کا حکم ہے اور ان کے حکم کی خلاف ورزی کی تمہیں بالکل بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" ان کا لہجہ ہنوز دو ٹوک تھا۔

"ڈیڈ کا وہ بھانجا ہے اور آپ کا وہ بھتیجا ہے۔ مجھ سے زیادہ تو ہمیشہ آپ دونوں کے لیے اردشیر اہم رہا ہے میری تو آپ دونوں کو کبھی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"ضرورت تھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔۔۔ کیونکہ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو۔۔۔ جتنی محبت ہم تم سے کرتے ہیں یا جتنی ہمیں تمہاری فکر ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔۔۔ جب تمہاری اولاد ہو گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ ماں باپ کا رشتہ کتنا انمول ہوتا ہے۔۔۔ بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو ماں باپ اسے آگ میں جھونک نہیں دیتے۔۔۔ بلکہ اس کو آگ سے بچاتے ہیں۔۔۔ پھر ہم تمہیں شاہ زیب جیسے فلرٹ اور لالچی شخص کے پلے کیسے باندھ دیں؟"

"تو اردشیر کونسا۔۔۔"

"زاوین تم ایک فضول بحث کر رہی ہو۔۔۔ شاہ زیب کو اردشیر جیسے نیک اور شریف لڑکے سے کمپیئر مت کرو ہم تمہارا نکاح کر رہے ہیں۔۔۔ دیٹس اٹ۔۔۔ مجھے اور کوئی بات نہیں کرنی تم سے۔" فوزیہ بیگم اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔۔۔ اور زاوین اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی تھی۔۔۔ وہ اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گر گئی تھی وہ نہایت پریشانی سے جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

یہ دنیا میں ہوتا آیا ہے انسان جس چیز سے چڑتا ہے وہی چیز اس کے آگے آجاتی ہے۔ جس طرح زاوین کو اموشنل بلیک میل کر کے منگنی کے لیے راضی کر لیا گیا تھا اسی طرح اموشنلی ملک ہدایت نے اپنی کنپٹی پہ پسٹل رکھ کر اسے نکاح کے لیے رضامند کر لیا تھا۔

زاوین نے جو کھیل کھیلا تھا اردشیر سے چھٹکارا پانے کے لیے۔ اسی کھیل نے اسے شکست دے دی تھی۔۔۔ وہ جیتنے کے لیے یہ کھیل کھیل رہی تھی۔۔۔ مگر اسی کھیل نے اسے ایسی ہار کا سامنا کروایا تھا کہ وہ چاروں شانے چت ہو کر گر پڑی تھی۔ نکاح سے پہلے اس نے گھر سے فرار ہونے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی گئی تھی۔۔۔ سو ملک ہدایت کی زندگی کی خاطر اس نے اردشیر سے نکاح کر لیا تھا۔

نکاح کے بعد ملک ہدایت نے اردشیر اور زاوین کو بحریہ ٹاؤن میں واقع فرنشڈ اور لگژری اپارٹمنٹ میں شفٹ کروا دیا تھا زاوین ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔۔۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی اور اتنی اچانک کیسے کروا لیا گیا تھا؟

کبھی کبھی کچھ چیزوں کی سمجھ بالکل بھی نہیں آتی۔۔۔ زندگی نے بھی اسے ایک نہ سمجھ میں آنے والے معمے میں ڈال دیا تھا۔۔۔ اردشیر اسے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا۔۔۔ فوزیہ بیگم نے کچھ پرانے ملازمین کو اپارٹمنٹ میں بھجوا دیا تھا۔۔۔ تاکہ انہیں کسی بھی قسم کے پرابلم کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

وہ کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔۔۔ جب اردشیر کمرے میں آیا تھا اس کے چہرے پہ فتح کا احساس نمایاں نظر آرہا تھا۔۔۔ وہ حسب سابق کرتہ شلوار میں ملبوس تھا۔۔۔ اور وہ جینز پہ شرٹ پہنے۔۔۔ بیڈ پہ بیٹھی بار بار ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکالتی اور آنکھیں صاف کرتی۔۔۔ اردشیر بیڈ کے گرد چکر کاٹ کر بالآخر اس کے سامنے بیڈ پر چت لیٹ گیا تھا۔

زاوین نے نفرت سے اردشیر کو دیکھا تھا۔

"اگر تمہیں یاد ہو تو تم نے مجھے چیلنج کیا تھا۔۔۔ پھر کیا خیال ہے تمہارا نام بدل دیا جائے؟" اب وہ کروٹ بدلے اس کے چہرے پہ نظریں گاڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا زاوین غصے میں اٹھ کر بیڈ سے اترنے لگی تو اردشیر نے اس کی کلائی پکڑلی۔۔۔ اور ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے پہلو میں آگری۔۔۔

"چھوڑو مجھے۔" اس نے روتے ہوئے اپنی کلائی چھڑانی چاہی۔

"مجھ سے نکاح کر لینے پہ ماتم کرنا چاہتی ہو تو میرے ساتھ مل کر کر لو۔۔۔؟ میں نے جس لڑکی سے محبت کی وہ کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ میرے لیے یہ بہت تکلیف دہ بات ہے۔"

"چھوڑو مجھے جاہل انسان۔۔۔" زاوین نے نفرت سے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا تو اردشیر نے ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کرتے ہوئے اس کی کوشش کو ناکام

بنادیا۔۔۔ وہ مارے حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

"میری ماں سے تم نے بہت بدتمیزی کی تھی۔۔۔ یہ تھپڑ اس بدتمیزی کا جواب تھا۔" اردشیر اسے چھوڑ کر بیڈ سے اٹھ گیا اسے شاہ زیب شدت سے یاد آرہا تھا۔۔۔ اردشیر نے اس سے موبائل چھین لیا تھا۔۔۔ لینڈ لائن کی مین تاریں اتار کر تمام فون اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔ ملازمین کو اس کے اپارٹمنٹ سے نہ نکلنے دینے کی سختی سے ہدایت کردی گئی تھی۔۔۔ جب وہ ملازمین کو ہدایات دے کر واپس کمرے میں آیا تو وہ اسی طرح بیڈ پہ بیٹھی رو رہی تھی۔

"اٹھو اور جا کر صوفے پہ بیٹھ کر شاہ زیب سے بچھڑنے کا ماتم کرو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔۔۔" اردشیر نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ سے اٹھایا۔

"اور ہاں۔۔۔ اپنے سونے کا کہیں بندوبست کرلینا۔۔۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں اس بیڈ پہ سونے کا حق دیا جائے۔" اردشیر بیڈ پہ لیٹتے ہوئے بولا تو وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔۔۔ زندگی اس سے کچھ نئے امتحان لینے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

زاوین کو اپنے کمرے سے نکال دینے کے بعد وہ سوچنے لگا تھا کہ کیا وہ اسے اپنے دل سے نکال پائے گا؟ جواب نفی میں آیا تھا۔۔۔ دل میں بسنے والوں کو آسانی سے کہاں نکالا جاسکتا ہے؟ سو رات ساری وہ بے چین رہا تھا اسے غصے میں اردشیر نے اپنے کمرے سے نکال تو دیا تھا مگر رات چپکے چپکے اس کے دل میں سوئے ہوئے جذبات سے سرگوشیوں میں مصروف رہی تھی۔۔۔ کئی بار دل نے اس سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اٹھ کر اسے دیکھے۔۔۔ اسے کمرے میں لے آئے مگر اگلے ہی لمحے شدید غصہ ان جذبات پہ حاوی ہوجاتا تھا اس نے اردشیر کو تنگ بھی تو بہت کیا تھا۔

صبح جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو وہ لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ ساری رات رونے سے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرا اترا ہوا تھا وہ اب بھی ایک

ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔

"میرا موبائل مجھے واپس کرو۔۔۔ مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔" اسے دیکھتے ہی زاوین کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔۔۔ اس نے چھوٹتے ہی اپنا موبائل مانگا۔

"کیوں؟ کیا یہاں اپنے عاشق کو بلانا ہے فرار ہونے کے لیے؟" تڑخ کر جواب دیا گیا۔

"میں تمہاری بک بک سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔ سیدھی طرح میرا موبائل واپس کرو۔" وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بلند آواز میں بولی۔

"آہستہ بولو۔۔۔ اگر آئندہ مجھ سے تم نے اتنی بدتمیزی سے بات کی تو زبان کاٹ دوں گا تمہاری۔" اردشیر نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر غصہ دکھایا۔

"کمرے میں آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔۔۔" اردشیر نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اسے حکم دیا۔

"مجھے نہیں آنا تمہارے کمرے میں اور نہ مجھے تمہاری کوئی بات سننی ہے۔" زاوین نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ملازم یہاں کام کررہے ہیں۔۔۔ ان کے سامنے تماشا کری ایٹ مت کرو اور سیدھی طرح کمرے میں آؤ۔۔۔" سختی سے دوسری بار آڈر کیا گیا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھ پہ اس طرح رعب جھاڑنے والے۔۔۔؟" وہ زچ ہوئی۔

"تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں تمہارا کون ہوتا ہوں؟" اردشیر نے اسے کلائی سے پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آیا "یہاں بیٹھو اور بتاؤ مجھے کیا مسئلہ ہے تمہارا؟" اس نے زاوین کو صوفے پہ پھینکا۔

"تم ایک جاہل اور پینڈو انسان ہو۔۔۔ تمیز نہیں ہے تمہیں لڑکیوں سے بی ہیو کرنے کی؟" زاوین نے اپنا بازو مسلتے ہوئے اسے نفرت سے دیکھا۔

"میرا صرف ایک ہی لڑکی سے واسطہ پڑا ہے۔۔۔ اور یہ سب میں نے اسی سے سیکھا ہے۔" اردشیر نے کمرہ لاک کیا۔

"کمرہ کیوں لاک کر رہے ہو؟" ایک انجانا سا خوف اس کے لبوں پہ آیا۔ اردشیر کے لبوں پہ مسکراہٹ عود آئی۔

"رومانس نہیں کرنے والا میں تم سے... اور نہ ہی تم اس قابل ہو۔" اردشیر اس کے قریب آیا۔

"رومانس اور تم جیسے گھٹیا انسان سے؟ مائے فٹ... کبھی سوچنا بھی مت۔" زاوین نے نفرت سے کہا۔

"اتنے بڑے دعوے نہ کرو... اور ہاں میری غیرت کو یوں للکارا ابھی مت کرو... جس دن میں نے اپنا شرعی حق استعمال کرتے ہوئے تمہارے ساتھ زبردستی کی تو سارے کس بل نکل جائیں گے تمہارے..." اردشیر طیش میں اسے شانوں سے تھام کر اس پہ جھکا۔

"پیچھے ہٹو مجھ سے... اور میرا موبائل واپس کرو ابھی اور اسی وقت۔" زاوین نے جھنجلا کر اسے خود سے دور کیا۔

"موبائل تو تمہیں کسی قیمت پہ نہیں ملے گا۔" اس نے فیصلہ سنایا۔

"مگر کیوں؟" وہ چیخی۔

"مجھ سے زیادہ تم خود کو بہتر جانتی ہو... اس لیے میں تمہارے کسی کیوں اگر۔ مگر جیسے سوالوں کے جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" وہ باتھ روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"تم... تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے..." وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اس کے پیچھے آئی۔

"تم نے مجھے جتنا ذلیل و خوار کیا ہے نا... اب ان سب باتوں کے گن گن کر بدلے لوں گا میں... تاکہ تمہیں پتا چلے کہ کسی کو ذلیل و رسوا کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کسی کو جوتے کی نوک پہ رکھنے کا دکھ اور اذیت کیا ہوتی ہے۔" انتقام کی آگ اس کے لہجے میں بھڑک رہی تھی... زاوین حیرت سے اسے دیکھنے لگی... اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے ماں باپ نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے سمندر میں پھینک دیا ہو۔

اردشیر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا تھا... اور وہ وہیں بے بسی سے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی اردشیر تیار ہو کر ناشتا کر کے آفس چلا گیا تھا۔ وہ اپارٹمنٹ کو لاک لگا کر گیا تھا... تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے... اس کے جانے کے بعد اس نے گھر کی صفائی کرتی ملازمہ سے پوچھا تھا۔ "رانی بات سنو۔" ملازمہ لیونگ روم کے ڈسٹنگ کر رہی تھی جب وہ اس کے عقب میں کھڑی بولی تھی۔

"جی بی بی جی...؟"

"تمہارے پاس موبائل ہے؟"

"نہیں بی بی جی... میرے پاس تو موبائل نہیں ہے... پر خانسامے کے پاس موبائل ہے جی... مگر اسے بھی اردشیر صاحب نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ..." رانی تفصیل بتاتے بتاتے رک گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو۔" زاوین اب کچن میں آئی جہاں خانسامہ کھانا بنا رہا تھا۔ "رشید تمہارے پاس موبائل ہے؟" زاوین نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا "نن نہیں بی بی جی..."

"جھوٹ مت بولو... تمہارے پاس موبائل ہے۔" زاوین نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"ج... جی بی بی جی موبائل تو ہے جی... میں معذرت چاہتا ہوں جی... اردشیر صاحب مجھے چھوڑیں گے نہیں... اور پھر یہ میری نوکری کا سوال ہے جی... میں آپ کو موبائل نہیں دے سکتا جی..." رشید نے مجبور و بے بس انداز میں انکار کیا۔

"دیکھو رشید... مجھے صرف پانچ منٹ کے لیے تمہارا موبائل چاہیے... اردشیر کو بالکل بھی پتا نہیں چلے گا۔"

"نن نہیں بی بی جی... مجھے مجبور مت کریں جی... انہوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رکھی ہے جی... وہ میرا حشر نشر کر دیں گے۔" زاوین نے اپنی انگلی سے ڈائمنڈ رنگ اتاری اور رشید کی طرف بڑھا دی۔ "یہ لو اور اسے رکھ لو... اور پلیز مجھے ایک کال کرنے دو... میں وعدہ کرتی ہوں اردشیر کو میری اس کال کا بالکل بھی پتا نہیں چلے گا..." زاوین نے اپنی

رنگ رشید کی طرف بڑھائی۔

رشید شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ عنقریب اس کی بیٹی کی شادی تھی اور یہ انگوٹھی اتنی قیمتی تھی کہ وہ باآسانی اپنی بیٹی کا جہیز بنا سکتا تھا۔ پانچ منٹ کی کال پہ اسے دس لاکھ کی انگوٹھی مل رہی تھی اس سودے میں منافع ہی منافع تھا۔۔۔ سو اس نے انگوٹھی پکڑ لی تھی اور جیب سے موبائل نکال کر زاوین کی طرف بڑھا دیا تھا۔۔۔ زاوین موبائل پکڑ کر رانی سے چھپاتے ہوئے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے کمرہ لاک کر کے شاہ زیب کو کال ملائی تھی۔ بیل جا رہی تھی مگر اس نے کال پک نہیں کی تھی۔ پھر دس منٹ میں اس نے پچاس بار اسے کال کی تھی مگر اس نے کال پک نہیں کی تھی۔ اب تنگ آ کر شاہ زیب نے اپنا موبائل بند کر لیا تھا۔

اس نے ٹینا کو کال ملائی۔۔۔ اس کا نمبر بھی بند تھا زاوین نے جھنجلا کر بے بسی سے علی کو کال ملائی۔۔۔ دوسری ہی بیل پہ کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو علی۔۔۔ میں زاوین بول رہی ہوں۔"

"ارے زاوین کہاں ہو۔۔۔؟ میں کل تمہارے گھر آیا تھا۔۔۔ گارڈ نے بتایا کہ تم لندن گئی ہوئی ہو؟ مگر یہ نمبر تو پاکستان کا ہے؟" علی نے چھوٹتے ہی اس سے دو تین اکٹھے ہی سوال کر لیے تھے۔

"ہاں وہ میں۔۔۔" وہ گڑبڑائی۔۔۔ "وہ میں شاہ زیب اور ٹینا کو کال کر رہی تھی۔ ٹینا کا نمبر بند ہے اور شاہ زیب نے کال پک نہیں کی۔۔۔ کیا تم شاہ زیب سے میرا رابطہ کروا سکتے ہو؟" زاوین کے سوال پہ علی مسکرایا تھا۔ "اب ان دونوں سے رابطہ اتنا آسانی سے نہیں ہو گا کیونکہ آج کل وہ دونوں بہت مصروف ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہو گا؟"

"نہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ دونوں کیوں مصروف ہیں کیونکہ میرا کچھ دنوں سے ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

"اچھا ویسے حیرت ہے یار ساری دنیا جانتی ہے اور تم ان دونوں کے اتنے قریب ہو کر بھی اتنی اہم خبر نہیں جانتی؟" علی کو حیرت ہو رہی تھی۔

"اچھا تو وہ دونوں تمہیں سرپرائز دینا چاہتے ہوں گے۔۔۔" علی نے قیاس ظاہر کیا۔

"کیسا سرپرائز۔۔۔؟" وہ مزید حیران ہوئی۔

"بھئی شاہ زیب اور ٹینا عنقریب منگنی کر رہے ہیں۔۔۔ آج کل وہ دونوں اس سلسلے میں شاپنگ کر رہے ہیں اور خاصے مصروف ہیں آج کل۔" علی کے انکشاف پہ اس کا سر چکرا گیا تھا۔۔۔ "مگر یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے شاہ زیب تو۔۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کمال ہے یار شاہ زیب تو تمہارا بیسٹ فرینڈ ہے اس نے تمہیں نہیں بتایا؟ ٹینا اور شاہ زیب کا پچھلے دو سال سے افیئر چل رہا تھا۔" علی حیرت کے ساتھ اسے تفصیل بتا رہا تھا۔۔۔ اور زاوین کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اردشیر کے جملے اس کے آس پاس گونج رہے تھے۔ "شاہ زیب تم سے فلرٹ کر رہا ہے وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔۔۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل اس کا افیئر تمہاری دوست ٹینا کے ساتھ چل رہا ہے تمہیں یہ بات کیوں سمجھ نہیں آ رہی کہ شاہ زیب تمہاری دولت کی وجہ سے تم سے اپنی جھوٹی محبت کے دعوے کرتا ہے۔" اس کے اردگرد جھکڑ سے چل رہے تھے موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

جس شخص کی وجہ سے وہ اپنے والدین کی نافرمان بیٹی بنی تھی۔۔۔ جس شخص کو پانے کی خاطر اس نے جھوٹ بول کر اپنے کردار کے آگے سوالیہ نشان لکھوا لیا تھا۔ جس کی خاطر اس نے گھر سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔۔۔ جس شخص کی خاطر وہ اردشیر سے نفرت کا بارہا اظہار کرتے ہوئے اس کی نظروں میں خود کو گرا چکی تھی کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے وہ شخص اسے دھوکا دے رہا تھا۔۔۔ محض اس کی دولت کی خاطر اس سے اپنی جھوٹی محبت کے دعوے کرتا تھا؟ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔۔۔ اس نے اپنے بے جان وجود کو گھسیٹتے ہوئے۔ رشید کو اس کا موبائل واپس کر دیا تھا مگر وہ واپس آ کر کمرے میں ڈھے گئی تھی اور زار و قطار رونے لگی تھی۔۔۔ رانی

نے بارہا اسے کھانے اور چائے کا پوچھا تھا مگر ہر بار اس نے روتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔۔۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی تھی۔۔۔ بے تحاشا رونے سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور سر پھٹ رہا تھا۔

اردشیر گھر آیا تو وہ کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اردشیر نے اپنی گھڑی اتارتے ہوئے ایک سرسری سی نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے طنز کیا تھا۔

"تمہارا ماتم ابھی ختم نہیں ہوا؟ ہاں بھئی جتنی تمہیں شاہ زیب سے محبت ہے کم از کم چالیس دن تو تمہارا سوگ بنتا ہے نا۔" جواباً وہ خاموش رہی اور نان اسٹاپ روتی رہی۔۔۔ اردشیر واش روم کی طرف بڑھا تھا جب وہ فریش ہو کر باہر نکلا تو وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔

"چلو اٹھو۔۔۔ باہر آؤ اور کھانا کھالو۔۔۔ کھانے کے بعد یہ رونے دھونے کا سلسلہ پھر یہیں سے شروع کر لینا۔" اس نے روتی ہوئی زاوین کو آفر کی۔ اردشیر نے دن میں بار بار رشید کو کال کر کے اس کے کھانے پینے کے بارے میں پوچھا تھا مگر ہر بار اسے یہی اطلاع ملی تھی کہ بی بی نے کچھ نہیں کھایا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" مختصر جواب۔

"خود کو بھوکا رکھ کر میرے سر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔۔۔ اٹھو اور چل کر کھانا کھاؤ۔" اردشیر نے غصے سے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ سے کھینچا۔

"خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔۔۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے کچھ نہیں کھانا ہے تو کیوں زبردستی کر رہے ہو میرے ساتھ؟" اس نے روتے ہوئے اردشیر کو دیکھا۔

"تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے پلیز کچھ کھالو۔۔۔" اس کی حالت دیکھ کر ایک دم سے اردشیر کا دل پسیج گیا تھا۔

"اوکے میں صرف کافی لوں گی۔۔۔ رشید سے کہو مجھے کافی بنا دے۔ میرے سر میں بہت درد ہے۔" زاوین نے کنپٹی مسلتے ہوئے کہا۔۔۔ تو اردشیر نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ "اوکے تم آرام کرو۔۔۔ میں رشید سے کہتا ہوں وہ تمہارے لیے کافی بناتا ہے۔" وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اگلی صبح زاوین کو بخار کے ساتھ ساتھ فلو بھی ہو گیا تھا۔۔۔ اس کی حالت کے پیش نظر وہ آفس نہیں گیا تھا۔۔۔ رشید نے سوپ بنا دیا تھا۔۔۔ رانی اس کے لیے سوپ لائی تو اس بار بغیر کسی سوال جواب یا انکار کے اس نے خاموشی سے سوپ پی لیا تھا۔۔۔ "اردشیر چلا گیا ہے آفس؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"نہیں بی بی جی۔۔۔ صبح آپ کو بڑا تیز بخار تھا جی۔۔۔ اسی لیے صاحب آج دفتر نہیں گئے۔" رانی نے اطلاع دی "اوکے یہ برتن لے جاؤ۔" زاوین نے سوپ پی کر ٹرے رانی کی طرف بڑھائی۔

"بات سنو۔" وہ باہر نکلنے لگی تو زاوین نے عقب سے اسے آواز دی۔

"مام اور ڈیڈ تو نہیں آئے؟"

"نہیں جی۔" وہ جواب دے کر کمرے سے نکل گئی تھی اور زاوین نے مایوسی سے سر تکیے پہ گرا لیا تھا آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے رواں ہو گئے تھے۔ اسی اثنا میں اردشیر کمرے میں آیا تھا۔۔۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"بہتر ہوں۔" مختصر جواب۔

"مجھے مام اور ڈیڈ سے بات کرنی ہے۔" اس نے فرمائش کی۔

اردشیر نے بغیر کسی بحث و تکرار کے اپنے موبائل پہ ملک ہدایت کا نمبر ڈائل کیا تھا اور موبائل اسے پکڑا دیا تھا۔۔۔ باپ کی شفیق آواز سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ڈیڈ مجھے معاف کر دیں میں نے ہمیشہ آپ کو بہت تنگ کیا ہے میں جانتی ہوں آپ مجھ سے ناراض ہیں دوسری طرف ملک ہدایت کی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے تھے۔

"زاوین میری جان تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو۔۔۔ تمہارے رویے نے ہمیں واقعی بہت دکھ پہنچایا ہے مگر ہم تم سے ناراض نہیں ہیں۔۔۔ اردشیر کو تمہاری زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ تمہاری ماں اور میں نے بہت

سوچ سمجھ کر کیا تھا اور مجھے یقین ہے جس دن تم اپنی آنکھوں سے اس کے لیے نفرت کی پٹی اتار دوگی تو تم ہمارے انتخاب پہ فخر کروگی۔"

ملک ہدایت اسے شفقت سے سمجھا رہے تھے۔۔۔ اور وہ بس خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔۔۔ فوزیہ بیگم نے بھی اس سے بات کی تھی۔

مام اور ڈیڈ کی آواز سن لینے کے بعد۔۔۔ اس کے اجڑے ہوئے دل کو تھوڑا سکون مل گیا تھا۔۔۔ دو دن ریسٹ کر لینے اور باقاعدگی سے میڈیسن کھانے کے بعد اس کی طبیعت بہت بہتر ہو گئی تھی۔۔۔ مگر اس پہ عائد پابندیاں اب بھی قائم و دائم تھیں۔۔۔ اردشیر اس پہ ایک لمحے کے لیے بھی اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بہت سے شاپنگ بیگز تھے۔۔۔ وہ سیدھا اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔۔۔ "میں تمہارے لیے کچھ ڈھنگ کے کپڑے لایا ہوں۔ کل سے تم اس طرح کے بے ہودہ لباس نہیں پہنوں گی۔" اردشیر نے شاپنگ بیگز اس کے بیڈ پہ رکھے اور اس کے دو دن سے پہنے ہوئے کیپری اور سلیو لیس ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ وہ خاموش رہی۔

"اور ہاں تمہارے لیے ایک اور اطلاع ہے۔" وہ کمرے سے جاتے جاتے رکا۔

"میں نے رشید کو دو ہفتے کے لیے چھٹی دے دی ہے اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ کل سے کھانا تم خود بناؤ گی۔"

"مجھے کھانا بنانا نہیں آتا ہے۔۔۔ اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔" اس نے غصے سے جواب دیا۔

"نہیں آتا تو سیکھ لو۔۔۔ اب بنانا پڑے گا تمہیں۔" وہ آڈر دے کر باہر نکل گیا تھا۔ رات وہ اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہا تھا جب وہ اس کے کمرے میں آکر پوچھ رہی تھی۔

"میری یہ قید کب ختم ہو گی؟"

"بے جا آزادی کے بھی خوب مزے لیے ہیں تم نے۔۔۔ اب ذرا اس قید کا بھی مزا چکھو۔" ترنخ کر جواب دیا گیا تھا۔

"مجھے ماما اور ڈیڈ سے ملنا ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ان سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"کیوں وہ میرے پیرنٹس ہیں۔۔۔ تم مجھے ان سے ملنے سے نہیں روک سکتے ہو۔" اس نے احتجاج کیا۔

"ان سے نہ ملنے کا فیصلہ صرف میرا ہی نہیں۔۔۔ ماموں اور ممانی کا بھی ہے۔۔۔ وہ خود تم سے نہیں ملنا چاہتے۔" زاوین خاموش ہو گئی تھی۔ وہ کمرے سے نکلنے لگی تو اردشیر نے اسے آواز دی۔

"بات سنو میری۔۔۔" وہ رک گئی مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"ادھر آؤ اور آکر میرے پاؤں دباؤ۔" اگلا حکم ملا۔۔۔ اس نے حیرت اور غصے سے فورا" پلٹ کر اسے دیکھا۔

"تمہاری ملازمہ نہیں ہوں میں۔۔۔ سمجھے تم۔"

"بیوی تو ہو۔۔۔ اسی رشتے کے ناطے دبا دو۔" فرمائش کی گئی۔

"بیوی پاؤں دبانے کے لیے نہیں ہوتی۔۔۔ مگر تم ٹھہرے پینڈو۔۔۔ تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔" وہ جھنجلا کر باہر نکلنے لگی تو اردشیر نے اٹھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"تو پھر تم ہی بتا دو۔۔۔ بیوی کس لیے ہوتی ہے؟" چہرے پہ سنجیدگی طاری کیے ذو معنی انداز میں پوچھا گیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ گڑبڑا کر دروازہ کھولنے لگی۔ تو اردشیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔۔۔ زاوین نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"میرا تو چھونا بھی گوارہ نہیں کرتی تم۔۔۔ شاہ زیب کی تو بانہوں میں جھولتی ہو گی تم؟" اردشیر نے غصے سے اس کا بازو موڑا۔۔۔ تو اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی

"چھوڑو مجھے۔" وہ چیخی۔

"سچ سچ بتاؤ۔۔۔ اس کی محبت میں خود کو کس حد تک برباد کیا ہے تم نے۔۔۔؟" اس کے سوال نے اسے اپنی

ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔۔۔ اس نے خود اردشیر کی نظروں میں خود کو گرایا تھا۔۔۔ سو یہ سوال کرنا تو اردشیر کا حق تھا۔۔۔ اس نے اردشیر کی نظروں میں اپنا اعتماد خود توڑا تھا۔

"میرے پاس تمہارے اس گھٹیا سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔۔۔ چھوڑو مجھے۔" وہ درد سے کراہی۔۔۔ اردشیر نے اب بھی اس کا بازو مروڑ رکھا تھا۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔۔۔ اس کی گرفت ذرا سی ڈھیلی کیا پڑی زاوین موقع غنیمت سمجھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اگلے دن رشید چلا گیا تھا۔۔۔ اور اردشیر اسے کھانا پکانے کا آڈر دے کر آفس چلا گیا تھا۔ زاوین کو کھانا بنانا نہیں آتا تھا سو اس نے کھانا پکانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی فریج میں جو کھانا رکھا تھا۔۔۔ رانی نے وہی گرم کر کے زاوین کے آگے رکھ دیا تھا۔ شام کو اردشیر جب آفس سے واپس آیا تو۔۔۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔۔۔ "کھانا نہیں بنایا تم نے؟" اس نے بگڑے تیوروں سے پوچھا "نہیں بنایا۔۔۔" مختصر جواب۔

"تو ٹھیک ہے۔ بھوکی رہو۔۔۔" وہ اپنی قمیص کے بازو فولڈ کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا زاوین نے اپنا سر تھام لیا۔۔۔ وہ ایک ہفتے سے اس اپارٹمنٹ میں بند تھی آج اس کا دم گھٹ رہا تھا یہاں۔۔۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس پنجرے میں قید کر دیا گیا تھا آنے والا ہر دن اس کے لیے ایک نئی آزمائش بن کر آ رہا تھا۔۔۔ اس نے اپنی زندگی کو خود ہی الجھایا تھا۔۔۔ اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی زندگی کو کیسے سلجھائے؟

یہ ضروری تو نہیں کہ سورج سوا نیزے پہ ہی آئے محسن
کوئی اپنا جب بدل جائے تو قیامت ہو ہی جاتی ہے

زندگی زاوین کے لیے قیامت ہی تو بن گئی تھی۔۔۔ وہ روز اس پہ اک نیا ستم کیا کرتا تھا دوسرے دن زاوین نے رانی سے کھانا بنوایا تو اس سے اگلے دن اردشیر نے رانی کو بھی فارغ کر دیا تھا۔۔۔ اس نے اردشیر سے خوب احتجاج کیا تھا مگر اس نے زاوین کی ایک نہ سنی تھی۔۔۔

وہ گن گن کر اس سے بدلے لے رہا تھا۔۔۔ ملک ہدایت اور فوزیہ بیگم ایک مہینے کے لیے اس سے ملے بغیر لندن چلے گئے تھے۔ ڈاکٹرز نے ملک ہدایت کو بائی پاس کروانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اسی سلسلے میں لندن گئے تھے۔۔۔ زاوین کو راہ راست پہ لانے کے لیے ایک پلان کے تحت۔۔۔ وہ زاوین سے نہیں مل رہے تھے۔

ہر طرف سے زندگی نے زاوین پہ اپنا گھیرا تنگ کر دیا تھا۔۔۔ رانی کے بغیر اکیلے گھر میں سارا دن اس نے روتے ہوئے گزارا تھا۔۔۔ اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔۔۔ سو پیٹ کا دوزخ بجھانے کے لیے اسے کچن میں آنا پڑا تھا۔۔۔ اس نے کبھی کیچن میں جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔۔۔ سو اپنے اناڑی پن کی وجہ سے اپنے لیے انڈا فرائی کرتے ہوئے وہ اپنا ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔۔۔ بھوک کو بھول کر وہ اپنے جلے ہوئے ہاتھ کو پکڑ کر رونے بیٹھ گئی تھی۔

جب اردشیر۔۔۔ اپارٹمنٹ کا لاک کھول کر اندر آیا تو وہ کہیں دکھائی نہ دی۔۔۔ اس نے کچن میں جھانکا تو وہ ڈائننگ چیئر پہ بیٹھی رو رہی تھی۔ اردشیر نے ہاتھ میں پکڑے شاپرز ٹیبل پہ رکھے اور اس کے قریب آیا۔

"شاہ زیب سے بچھڑنے کا ماتم کب ختم ہو گا تمہارا؟ تمہاری یہ رونی صورت دیکھ دیکھ کر تنگ آ گیا ہوں میں۔" وہ جھنجلائے انداز میں بے زاریت سے بولا۔۔۔ اچانک اس کی نظر اس کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پہ پڑی تو بے ساختہ وہ اس کے قریب آ گیا۔

"کیا ہوا ہاتھ پہ؟" اس کے رونے میں اور زیادہ شدت آ گئی تھی۔ اردشیر نے اس کی ہتھیلی دیکھی۔۔۔ تو متفکر ہو گیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی ہاتھ جل گیا ہے میرا۔ میں نے ہمیشہ تم سے بدتمیزی کی تھی مگر تم میرے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔" وہ شکوہ کرتی ہوئی رو رہی تھی۔

"اس پہ کچھ لگایا ہے یا یونہی بیٹھ کر رو رہی ہو؟" اردشیر نے پریشانی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ "مجھے روز روز مارنے سے ایک ہی بار زہر دے کر مار دو۔۔۔ تمہیں

سکون مل جائے گا۔" اردشیر اس کا ہاتھ چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد جب وہ دوبارہ گھر آیا تو اس کے ہاتھ میں کچھ ٹیوبز تھیں۔۔۔ اردشیر نے ان ٹیوبز کو مکس کیا تھا اور اس کی جلی ہوئی ہتھیلی پہ لیپ کر دیا تھا۔ اب وہ خاموش ہو گئی تھی۔ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے اپنی قمیص کے بازو فولڈ کیے تھے اور شاپرز میں سے کھانا نکالنے لگا۔۔۔ مختلف برتنوں میں کھانا ڈالنے کے بعد اردشیر نے مائیکرو ویو میں کھانا گرم کیا۔۔۔ ساتھ میں اپنے اور زاوین کے لیے ٹیبل پہ برتن رکھے۔۔۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ سگھڑ عورتوں کی طرح بڑے سلیقے سے ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا چکا تھا۔

زاوین کی بھوک پھر سے چمک اٹھی تھی۔ کیونکہ یہ اس کے فیورٹ ریسٹورانٹ کا کھانا تھا۔۔۔ اردشیر نے اس کی پلیٹ میں چائنیز رائس ڈالے۔۔۔ پانی کا گلاس اس کے قریب رکھا۔۔۔ اور خود کھانا کھانے لگا۔۔۔ آج اس نے آفس میں بھی لنچ نہیں کیا تھا اس لیے اسے بھی شدید بھوک لگ رہی تھی اچانک اس کی نظر زاوین پر پڑی تھی۔ وہ بائیں ہاتھ سے بڑی مشکل سے چمچے سے رائس ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اردشیر نے چمچہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔۔۔ اور پھر اس نے رائس بھر کر اس کے لبوں کی طرف چمچہ بڑھایا۔ زاوین غصے سے پیچھے ہٹ گئی۔

اردشیر شانے اچکا کر پھر سے اس کی پلیٹ میں چمچہ رکھ کر کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تو وہ بے بسی سے اسے رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ سارے دن کی بھوکی تھی اور پھر یہ اس کے فیورٹ ریسٹورانٹ کا کھانا تھا اور تیسرا ستم یہ کہ اس کا سیدھا ہاتھ جلا ہوا تھا وہ چاول ہمیشہ چمچے اور کانٹے کی مدد سے کھایا کرتی تھی۔۔۔ اسے عادت تھی۔ اب الٹے ہاتھ سے کھانا کھانے میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔۔۔ اردشیر نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے چمچہ لے لیا تھا۔

"اگر اب تم نے نہ کھایا تو میں تیسری بار ہرگز تمہیں کھلانے کی کوشش نہیں کروں گا۔" اردشیر نے اسے دھمکی دی تو اس نے منہ کھول دیا۔۔۔ اردشیر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ پھر ایک کے بعد دوسرا۔۔۔ تیسرا چمچہ جھجک کر اس کے ہاتھوں سے کھانے کے بعد۔۔۔ اس کی جھجک کم ہو گئی تھی۔۔۔ اور پھر اس نے پلیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تھا۔

"اور ڈالوں؟" اردشیر نے ڈش سے اور چاول اس کی پلیٹ میں ڈالنے چاہے تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ "نہیں میں کھا چکی ہوں۔"

"اوکے۔" اردشیر چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ میں اپنے لیے چائے بنا رہا ہوں تم پیو گی؟ اردشیر نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

چولہے پہ چائے کا پانی چڑھانے کے بعد اس نے کھانا اٹھا کر فریج میں رکھا۔ باقی برتن اٹھا کر اس نے سنک میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ تمہارے ہوتے ہوئے بھی یہ کام مجھے ہی کرنے پڑیں گے تو میں کبھی رانی اور رشید کی چھٹی نہ کرواتا۔"

"دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والے ہمیشہ اس گڑھے میں خود ہی گرتے ہیں۔" زاوین نے اس پہ طنز کیا۔

"چلو شکر ہے۔۔۔ کم از کم تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والے ہمیشہ اس گڑھے میں خود ہی گرتے ہیں۔۔۔ جیسے تم اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گر گئی ہو۔۔۔ پچھتاوا تو ہوتا ہوگا تمہیں۔۔۔؟" اردشیر نے بھی اس پہ طنز کرتے ہوئے حساب برابر کیا۔۔۔ تو وہ جز بز سی ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد اس نے چائے بنا کر اس کے آگے مگ رکھا اور خود اپنا مگ پکڑے ٹی وی لاؤنج میں آ گیا۔۔۔ زاوین بھی الٹے ہاتھ میں مگ پکڑے احتیاط سے چلتی ہوئی لاؤنج سے گزر کر اپنے روم کی طرف بڑھی تو عقب سے اردشیر نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اس طرح کے بے ہودہ

لباس مت پہننا۔۔۔ ؟ مگر تم ایک انتہائی ڈھیٹ لڑکی ہو مجال ہے جو تم پہ کسی بات کا اثر ہو جائے؟" وہ اسکرٹ پہ ٹاپ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی آدھی پنڈلیاں ننگی ہو رہی تھیں۔

"ہاں میں واقعی ڈھیٹ ہوں۔۔۔ تم جیسے شخص کو برداشت کر رہی ہوں۔۔۔ ڈھیٹ ہی تو ہوں۔" اس نے خود کو کوسا۔

"برداشت کا مطلب جانتی ہو؟" اردشیر نے مگ ٹیبل پہ رکھا۔

"مجھے جاننے میں دلچسپی بھی نہیں ہے۔" زاوین اپنے کمرے کا دروازہ زور سے بند کر کے اندر چلی گئی تھی۔

"یہ کبھی نہیں سدھرے گی۔" اردشیر نے ریموٹ اٹھا کر چینل چینج کیا۔

☆ ☆ ☆

جیسے گھڑی چلتے چلتے اچانک سیل ختم ہو جانے کی وجہ سے رک جاتی ہے زاوین کی زندگی بھی ایسے ہی رک گئی تھی ٹھہر گئی تھی۔۔۔ رفتہ رفتہ وہ اس کی قید کی عادی ہو رہی تھی۔۔۔ اب وہ اس گھر سے نکلنے کے لیے ضد نہیں کرتی تھی۔۔۔ اس نے کبھی اردشیر سے اپنے لیے موبائل کا تقاضہ نہیں کیا تھا اگلے دو دن میں اس کا جلا ہوا ہاتھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اور ان دو دنوں میں اردشیر نے اس کے کھانے پینے کا خوب خیال بھی رکھا تھا۔۔۔ دو دن اردشیر نے اسے خود ناشتا بنا کر دیا تھا دوپہر اور رات میں وہ رسٹورانٹ سے کھانا لے آیا کرتا تھا۔۔۔ تیسرے دن اس کی بہتر ہوتی طبیعت دیکھ کر اردشیر نے اسے ایک نیا آڈر دیا تھا۔

"میرے کپڑے پریس کر دو۔" اردشیر نے اپنا سوٹ لپیٹ کر اس کی گود میں پھینکا۔

"مجھے نہیں آتے یہ کپڑے شپڑے پریس کرنے۔" زاوین نے اس کا سوٹ اپنی گود سے اٹھا کر واپس اس کی طرف اچھالتے ہوئے غصے سے کہا جسے کیچ کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"بائی داوے تمہیں آتا کیا ہے؟" وہ اس کے بیڈ پہ اس کے روبرو بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔۔۔ "کھانا بنانا تمہیں نہیں آتا۔۔۔ کپڑے تم پریس نہیں کر سکتی۔۔۔ بات کرنے کی تمہیں تمیز نہیں ہے۔۔۔ آخر کچھ تو آتا ہی ہو گا تمہیں؟

ہاں غصہ دکھانا۔۔۔ مجھ سے نفرت کرنا۔۔۔ میری ہر بات کی نفی کرنا۔۔۔ مجھ سے بدتمیزی کرنا۔۔۔ زبان چلانا ۔۔۔ یہ سب خوب آتا ہے تمہیں۔۔۔ اپنے اس عاشق پہ تو ایسے رعب نہیں جھاڑتی ہو گی تم؟" اردشیر نے موڈ میں اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔۔۔ تو اس کا زخمی دل ایک بار پھر کرچی کرچی ہونے لگا۔

"مجھ سے اس طرح کی فضول باتیں مت کیا کرو۔ کتنی بار کہوں میں تم سے۔۔۔" وہ مجبور و بے بس انداز میں بولتے ہوئے اپنے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"مجھ۔۔ "ہاتھ چھڑانے کی بھی بہت جلدی ہوتی ہے تمہیں۔۔۔ یہ بتاؤ خود کو کتنی بار سونپا تھا تم نے اسے ؟" اردشیر نے شدید طیش میں اسے بالوں سے پکڑ لیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ "جب میں یہ بات سوچتا ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔۔۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔" غصے سے اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔۔۔ اردشیر نے اب بھی اس کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا وہ درد اور خوف سے کانپ رہی تھی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"مم۔۔۔ میں نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔ خدا کے لیے میرا یقین کرو۔۔۔ میں نے بھی کوئی غلط کام نہیں کیا ۔۔۔ صرف تمہیں چڑانے کی خاطر۔۔۔ تم سے رشتہ توڑنے کی کوشش میں۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے کبھی بھی سگریٹ اور شراب نہیں پی۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔" وہ زار و قطار روتے ہوئے بتانے لگی۔

"تم ایک نمبر کی جھوٹی ہو۔۔۔ مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔" اردشیر نے اس کے بال چھوڑتے ہوئے غصے سے کہا۔

"تو مت کرو یقین۔۔۔ یہی میری سزا ہے کہ ایک فلرٹ اور چھچھورے شخص کی خاطر میں نے اپنا کردار صاف

ہونے کے باوجود تمہاری نظروں میں گندا کرلیا۔ یہی سزا ہے میری۔۔۔ ایک نافرمان بیٹی کے لیے یہ سزا کافی ہے۔۔۔ کہ تم دن رات مجھے ذلیل کرو۔" وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔۔۔ اردشیر اس کے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔۔۔ وہ ساری رات زاوین نے رو کر گزاری تھی۔ اللہ سے معافی مانگتے ہوئے گزاری تھی۔۔۔ اردشیر بھی اپنے کمرے میں بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔۔۔ سچائی زاوین کے لہجے سے عیاں ہو رہی تھی۔۔۔ وہ ساری رات خود کو سمجھاتا رہا تھا۔ اس کے سچا ہونے پہ خود کو یقین دلاتا رہا تھا۔۔۔ صبح جب وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلا تو کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔۔۔ وہ کچن میں آیا تو وہ اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"ایک کپ میرے لیے بھی بنا لینا۔"

اردشیر کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس کے جواب کا انتظار کرتے ہوئے کیچن میں ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا یہاں تک کہ اس نے چائے بنا کر مگ اس کے آگے رکھ دیا تھا مگر وہ بولی کچھ نہیں تھی۔

"اماں بہت دنوں سے قصور آنے کا کہہ رہی ہیں۔۔۔ تم اپنے کپڑے بیگ میں رکھ لو۔۔۔ آج ہم قصور جا رہے ہیں۔ دو چار دن انہی کے پاس رہیں گے۔" اردشیر نے اسے بتاتے ہوئے جواب طلب نظروں سے دیکھا مگر وہ کوئی بھی سوال جواب کیے بغیر باہر نکل گئی تھی۔۔۔ اور پھر ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد نا صرف اس نے اپنا سوٹ کیس تیار کرلیا تھا بلکہ اردشیر کی لائے ہوئے بوتیک کے ان مہذب سوٹوں میں سے ایک پہن بھی لیا تھا۔

اسے اپنے تیار ہو جانے کی اطلاع دینے کے لیے اس کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے نا صرف حیران ہوا تھا بلکہ اندر ہی اندر خوش بھی ہوا تھا۔۔۔ وہ اس کے لائے ہوئے بوتیک سوٹ میں ملبوس شانوں پہ دوپٹا ڈالے کھڑی تھی اسے دیکھ کر بے دھیانی میں شیو بناتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پہ کٹ لگ گیا خون کے قطرے تیزی سے واش بیسن میں گرنے لگے۔۔۔ اردشیر نے جلدی سے ٹشو نکال کر زخم پہ رکھا مگر کٹ گہرا لگنے کی وجہ سے خون نہیں رکا تھا۔۔۔ زاوین تیزی سے گرتے خون کے قطرے دیکھ کر واش روم میں آگئی تھی۔۔۔ "ڈیٹول نہیں ہے کیا؟" زاوین نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔۔۔ اردشیر نے خون روکنے کے لیے ٹشو اپنی ٹھوڑی پہ رکھ کر دبایا ہوا تھا۔

"اس کیبنٹ میں دیکھو۔" اردشیر نے سامنے کیبنٹ کی طرف اشارہ کیا۔

زاوین نے جلدی سے کیبنٹ کھولا اور سامنے رکھی ڈیٹول کی شیشی نکالی۔ "کاٹن نہیں ہے کیا؟"

"آئی تھنک وہ نہیں ہے۔" اردشیر نے کہا تو زاوین نے ٹشو نکال کر عجلت میں ڈیٹول اس پہ ڈالا اور اس کی ٹھوڑی سے ہاتھ ہٹا کر ٹشو اس کے زخم پہ رکھ دیا۔ "بلڈ ابھی رک جائے گا۔" زاوین نے اسے تسلی دی اور واش روم سے نکل گئی۔۔۔ اردشیر خاموش نظروں سے اسے واش روم اور اپنے روم سے نکلتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس لڑکی کو اپنے دل سے کیسے نکالوں؟

دن بارہ بجے وہ قصور جانے کے لیے گھر سے نکلے تو زاوین نے حسرت سے آسمان پہ نگاہ ڈالی۔۔۔ وہ پورے بائیس دن اس اپارٹمنٹ میں قید رہی تھی۔۔۔ آج تیسویں دن اس نے باہر کی دنیا دیکھی تھی۔۔۔ اردشیر نے اس کا ہینڈ کیری اور اپنا سوٹ کیس جیپ میں رکھا۔۔۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ پہ آگیا۔۔۔ وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ نہیں بیٹھی تھی۔۔۔ اور اردشیر نے اصرار بھی نہیں کیا تھا۔۔۔ وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔۔۔ خالی اور ویران نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی کافی دیر خاموش رہنے کے بعد اردشیر نے بور ہو کر اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے سی ڈی پلیئر آن کر دیا تھا۔۔۔ امرندر گل کا پنجابی سونگ گونجنے لگا۔

✲ ✲ ✲

اک تیرے لئی میں لے آیا
نویں جیپنی او

توہی آکھدی ایں پینڈواے
اے گل ٹھیک نہیں او۔۔۔

زاوین نے بے ساختہ اردشیر کو دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی زاوین پہ مرکوز تھیں زاوین نے اس کی نگاہوں اور گانے کے بول سن کر گڑبڑاتے ہوئے نگاہیں پھیرلی تھیں تمام راستے ان کے بیچ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔۔۔ قصور پہنچ کر اپنے آبائی گاؤں اور اپنے گھر داخل ہوتے ہی۔۔۔ وہ ہشاش بشاش ہوگیا تھا۔

کوثر بیگم ان دونوں کے واری صدقے جارہی تھیں ۔۔۔ زاوین کو دیکھ کر وہ کتنی ہی دیر اسے اپنے سینے سے لگائے کھڑی رہی تھیں۔ خوشی سے ان کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ دوپہر کے کھانے میں انہوں نے خوب اہتمام کررکھا تھا۔

"واہ اماں ۔۔۔ آپ کے ہاتھ کے دیسی کھانوں کا جواب نہیں۔" اردشیر نے مرغ پلاؤ کھاتے ہوئے تعریف کی۔

"بس تجھے تو اپنی کملی سی ماں کی تعریف کرنے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے ۔۔۔ زوین میری شہزادی یہ ۔۔۔ یہ شامی کباب لے نا ۔۔۔ میں نے تیرے لیے آج اتنے چر چیچے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا ہے۔" کوثر بیگم نے مسکراتے ہوئے شامی کباب کی پلیٹ اس کے آگے رکھی ۔۔۔ تو زاوین خاموشی سے شامی کباب اٹھا کر کھانے لگی۔

"میرے پتر میں تمہارے خانسامے جیسا ویسا کھانا تو نہیں بنا سکتی پر ماڑا چنگا گزارے لائق پکا ہی لیتی ہوں۔"

"پھوپھی کھانا واقعی مزے کا ہے۔" زاوین نے تعریف کی۔۔۔ تو کوثر بیگم مسکرادیں۔

"اماں یہ زیادتی ہے اپنی بہو کو دیکھ کر مجھے تو بھول ہی گئی ہیں آپ ۔۔۔؟" اردشیر نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔

"چل ایویں باتیں نہ مار ۔۔۔ مجھے تم دونوں کے قصور آنے پہ اتنی خوشی ہوئی ہے کہ میں کی دساں؟" اردشیر ان کی ایکسائٹمنٹ پہ مسکرادیا۔

کھانے کے بعد کوثر بیگم انہیں کمرے میں لے آئی تھیں۔

"او شنو ذرہ چنگی سی چائے بنا کرلا۔"

"اچھا ملکانی جی ۔۔۔" برتن سمیٹتی شنو ۔۔۔ نے اثبات میں سرہلایا تھا۔

"زرین پتر میں نے تم دونوں کا کمرہ صاف کروادیا تھا ۔۔۔ تم آرام کرنا چاہو تو تھوڑی دیر لیٹ جاؤ۔" کوثر بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

"جی پھوپھی ۔۔۔ مجھے روم بتادیں کونسا روم ہے میرا؟" زاوین چیئر سے اٹھ گئی۔ اس کے سر میں بہت درد تھا اور وہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔

"شنو چھتی آ ادھر ۔۔۔" انہوں نے ملازمہ کو آواز دی "جا زوین پتر کو ان کا کمرہ دیکھادے۔"

"جی اچھا ۔۔۔ آئیں چھوٹی بی بی۔" زاوین شنو کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

"کوثر بیگم نے ہاتھ میں موبائل پکڑے اس پہ کچھ دیکھتے ہوئے اردشیر کو دیکھا۔

"گل سن اردشیر ۔۔۔"

"جی اماں؟" اس نے موبائل ایک طرف رکھا۔

"زوین تو بڑی سدھری ہوئی لگتی ہے ۔۔۔ پہلے تو گل گل پیچھے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی ۔۔۔ آج تو بڑی تمیز سے گل بات کررہی تھی؟"

کوثر بیگم متجسس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوش بھی نظر آرہی تھیں۔

"اماں میں نے آپ سے کہا تھا نا سارے کس بل نکال دوں گا اس کے ۔۔۔ ایک بار اس کا نکاح ہوجانے دیں مجھ سے ۔۔۔ دیکھ لیں تیر کی طرح سیدھی ہوگئی۔" اردشیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہ میرے پتر زیادہ سختی چنگی نہیں ہوتی ۔۔۔ لاڈوں میں پلی بڑھی ہے۔ آپے ای ٹھیک ہوجائے گی ۔۔۔ ہر وقت تو نہیں ڈانٹتا تو اسے؟ دیکھ اتنی کمزور ہوگئی ہے اس کے ماں پیو نے دیکھا تو کیا سوچیں گے وہ نماڑیں؟" کوثر بیگم نے اسے سمجھایا۔

"اماں کچھ نہیں کہتے ماموں اور ممانی ۔۔۔ جتنا اس

نے ہمیں ذلیل اور بے عزت کیا ہے نا... اس بے عزتی کے آگے کچھ بھی نہیں ہے میرا رویہ اس کے ساتھ... اور یہ آپے ای ٹھیک ہو جانے والی لڑکی نہیں ہے... جانتی تو ہیں آپ اسے... کیسے جوتے کی نوک پہ رکھتی تھی ہمیں؟ اسی لیے ماموں اور ممانی نے اسے سدھارنے کا پورا حق دے رکھا ہے مجھے... ان کے تو کنٹرول میں ہی نہیں تھی... پر کاٹ دیے ہیں میں نے اس کے۔" اردشیر کو غصہ آیا۔

"نہ میرے پتر... پرانی باتیں بھول جا... نویں زندگی میں پرانی باتیں لائے گا تو یہ زندگی وی چنگی نہیں گزرے گی... اور زیادہ سختی نہ کر اس پہ... ورنہ ٹوٹ جائے گی یہ... پیار سے رکھ اسے... تیرے تو زوین کے ساتھ دوہرے رشتے ہیں میرے پتر... اس کا خیال رکھا کر پہلے یہ جیسے وی تھی پر اب تیری بیوی ہے میری نوہے (بہو) اور وہ بھی اکلوتی نو۔" کوثر بیگم کے لہجے میں زاوین کے لیے دنیا جہان کا پیار دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

اک تیرے لئی میں لے آیا
نویں جیب نی او
تو ہی آکھدی ایں پینڈو
اے گل ٹھیک نہیں او

وہ پنجابی سونگ گنگناتا ہوا کمرے میں آیا تو وہ ہینڈ کیری سے کپڑے نکال رہی تھی... زاوین نے ایک نظر اس کو شوخ انداز میں گنگناتے ہوئے دیکھا اور اگلے ہی لمحے نظریں ہٹالیں... "تم نے رات کا کھانا کیوں نہیں کھایا...؟" اردشیر نے اس کے قریب بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بھوک نہیں تھی مجھے۔" مختصر جواب۔

"کیوں بھوک کیوں نہیں تھی؟" وہ بیڈ پہ چت لیٹ گیا۔

"بس نہیں تھی بھوک... دیٹس اٹ... تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟" بھنویں سکڑ کر زاوین نے اسے ریلیکس موڈ میں لیٹے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا مطلب تمہارا کمرہ؟ میں اپنے اور تمہارے مشترکہ روم میں آیا ہوں۔" وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"امپاسیبل... میں تمہارے ساتھ کسی صورت بھی یہ کمرہ شیئر نہیں کروں گی۔ تم جا کر کسی اور کمرے میں سوؤ۔" اس نے دوٹوک انداز میں فیصلہ سنایا۔

"اس میں ایسا کیا "امپاسیبل" ہے؟ ہم میاں بیوی ہیں... اب میں جا کر کسی دوسرے کمرے میں سوؤں تو اماں کیا سوچیں گی؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کیا سوچیں گی مگر یہ طے ہے کہ میں تمہارے ساتھ کمرہ شیئر نہیں کروں گی۔" وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔

"تم انتہا درجے کی ضدی لڑکی ہو... میں تم سے بیڈ نہیں صرف کمرہ شیئر کرنے کہہ رہا ہوں... تم بات کو سمجھ کیوں نہیں رہی ہو؟" اسے غصہ آیا۔

"تو ٹھیک ہے تم یہاں سو جاؤ میں پھوپھی کے پاس جا رہی ہوں۔" زاوین نے غصے میں اپنے کپڑے پھینکے اور باہر نکلنے لگی۔

اردشیر نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا... "تم ان کے پاس نہیں جاؤ گی۔"

"چھوڑو میرا ہاتھ... تم ہر معاملے میں مجھ سے زبردستی کیوں کرتے ہو؟" وہ افسردہ لہجے میں بولی... تو اردشیر نے اسے خود سے قریب کر لیا۔

"صرف ایک معاملے میں تم سے زبردستی نہیں کی میں نے... یہ بات تو ماننی پڑے گی تمہیں؟"

"مجھے تنگ مت کرو... میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہے۔" اس کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے۔

"لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں؟" اس نے آفر کی۔

"نہیں تم سے کوئی بعید نہیں... میرا سر دباتے دباتے میری گردن ہی نہ دبا دو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں شکوہ کیا... تو اردشیر کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"اتنا ظالم نہیں ہوں میں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔"

"جو تم ہو میں وہی سمجھتی ہوں تمہیں۔" بے زاریت سے جواب دیا گیا۔

"اچھا تو پھر آج تمہیں یہ باور کرواہی دیا جائے کہ جو میں نظر آتا ہوں وہ میں ہوں نہیں۔" وہ ذو معنی انداز میں بولتا ہوا اسے لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"پلیز مجھے تنگ مت کرو۔" زاوین نے اب التجائیہ انداز میں اپنے شانوں پہ پھیلا اس کا بازو ہٹایا۔

"تنگ تو ہمیشہ تم نے مجھے کیا ہے۔" اس کا انداز سرگوشی لیے ہوئے تھا۔

"بار بار پرانی باتیں مت دہرایا کرو۔۔۔ اس نے تنگ آکر کہا۔

"تو چلو آج کچھ نئی باتیں کرلیتے ہیں؟" اردشیر نے اس کے بالوں سے کیچر نکالا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی نہ نئی نہ ہی پرانی۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ ہم پرانی باتیں بھول کر کچھ نئی باتیں کریں۔" اردشیر نے فرمائش کی۔

"میں اس قابل کہاں کہ تم مجھ سے اپنی فرمائشیں کرو۔" زاوین نے طنزیہ انداز میں اردشیر کے الفاظ دہرائے۔۔۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"طنز کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اور بدلہ لینا تم سے۔" دوبدو جواب دیا گیا۔

"اچھا کیا بدلہ لیا ہے میں نے تم سے؟" وہ انجان بنا۔

"یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا کیا؟ کہ تم نے کتنا ظالمانہ رویہ اپنائے رکھا ہے مجھ سے؟"

"تم بھی تو میری برداشت کی تمام حدیں توڑنے پہ تل گئی تھی۔ ورنہ میں نے تو ہمیشہ تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے۔" اردشیر آج موڈ میں تھا سو اعتراف کر گیا۔ "میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں آئی یہ سچ ہے میں نے تم ہی سے محبت کی ہے۔" زاوین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"محبت؟" زاوین نے لفظ محبت کو دہرایا۔۔۔ "ہاں محبت! مگر تم نے ہمیشہ مجھ سے نفرت کی۔۔۔ میری انسلٹ کی۔۔۔ مجھے نیچ کیا مجھے نیچا دکھایا" اردشیر کے شکوے پہ اب اس کے پاس کچھ بھی کہنے کے لیے نہیں تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا اب اس نے اپنا بازو بھی اس کے کندھے سے ہٹا لیا تھا۔

"میں پھوپھی کے پاس جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"اوکے چلی جاؤ۔۔۔ مگر ان کے کمرے میں مت سونا۔" عقب سے حکم دیا گیا تھا جس کا جواب دیے بغیر وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔۔۔ دو گھنٹے کے بعد جب وہ کمرے میں واپس آئی تو وہ بیڈ پہ گہری نیند خود پہ لحاف اوڑھے سو رہا تھا۔۔۔ کمرے میں جلتا آتش دان اب بجھ گیا تھا تھوڑی دیر وہ شش و پنج میں کھڑی سوچتی رہی کہ وہ کہاں سوئے؟ کمرے میں ایک بیڈ کے علاوہ ایک کپڑوں والی الماری تھی دو چیئرز اور ایک ٹیبل موجود تھا۔۔۔ صوفہ ہوتا تو وہ اسی پہ سو جاتی۔۔۔ بیڈ پہ لحاف بھی ایک ہی تھا۔۔۔ بلا آخر اس نے اپنی گرم شال نکالی۔۔۔ بیڈ سے تکیہ اٹھایا اور کارپٹ پہ لیٹ گئی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں بچپن سے لے کر اب تک گزری ہوئی زندگی فلم کی طرح چلنے لگی۔۔۔ اردشیر سے نفرت اور شاہ زیب سے محبت تک۔۔۔ ایک ایک یاد اس کا چہرہ بھگونے لگی۔۔۔ وہ کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی۔۔۔ اس نے شاہ زیب کی محبت میں ڈیڈ اور مام سے بار ہا بدتمیزی کی تھی۔۔۔ اردشیر سے خوامخواہ نفرت کی تھی اس کی خاطر کئی بار جھوٹ بولے تھے ڈیڈ اور مام کی ڈانٹ کے ساتھ ساتھ اردشیر سے تھپڑ کھائے تھے۔ ایک ایسے شخص کے لیے۔۔۔ جو اسے دھوکا دے رہا تھا؟ وہ یہ سب اس شخص کو اپنا بنانے کے لیے کرتی رہی تھی جو اس کا تھا ہی نہیں پھر اسے اردشیر کا خیال آیا۔۔۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ تنگ تو ہمیشہ اسی نے اردشیر کو کیا تھا۔ مگر وہ کمال ہمت سے برداشت کیا کرتا تھا۔۔۔ وہ پینڈو جاہل اجڈ جیسا بھی تھا کم از کم وہ دھوکے باز تو نہیں تھا۔۔۔ ملک ہدایت نے ایک بار زاوین کی حرکتوں سے تنگ آکر اسے زاوین کو اپنانے کی التجا کی تھی اور چپ چاپ اس

نے ان کے فیصلے پہ سر جھکا لیا تھا۔۔۔ اپنی سوچوں کو سوچتے سوچتے اور ٹھنڈ سے ٹھٹھرتے ہوئے اور روتے ہوئے صبح نا جانے کب اور کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔

رات جلدی سونے کی وجہ سے اس کی آنکھ بھی صبح سویرے ہی کھل گئی تھی۔۔۔ اردشیر نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر۔۔۔ زاوین کو ڈھونڈا۔۔۔

"بہت ضدی لڑکی ہے یہ۔۔۔ سو گئی ہو گی اماں کے پاس۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے، جمائی لیتے ہوئے بڑبڑایا تو بیڈ کے قریب کارپٹ پہ زاوین کو ایک پتلی سی چادر میں سکڑا سمٹا سوتا ہوا دیکھ کر اگلے ہی لمحے فکرمندی سے بیڈ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کے دل کو ایک عجیب سا افسوس ہوا۔

اردشیر نے اس کے پاس بیٹھ کر دھیرے سے اسے جگایا۔

"کیا ہے؟" وہ نیند میں بڑبڑائی۔

"تمہیں سردی لگ رہی ہے اٹھو شاباش۔ اٹھ کر بیڈ پہ سو جاؤ۔۔۔" اردشیر نے پیار سے کہا۔

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہہ کر اپنی شال سر تک تان لی۔

"زاوین اٹھو شاباش۔۔۔ یہاں بہت سردی ہے اٹھ کر بستر پہ آؤ۔" اردشیر زبردستی اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پہ لے آیا۔۔۔ وہ بیڈ پہ لیٹی تو اردشیر لحاف اس پہ اوڑھا کر خود واش روم میں گھس گیا۔

☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد وہ چھت پہ آ گئی تھی۔ اور اردشیر کھیتوں میں نکل گیا تھا۔۔۔ کوثر بیگم کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر چھت پہ آئیں تو وہ چارپائی پہ بیٹھی تھی۔۔۔ سردیوں کی دھوپ میں بیٹھنا اسے مزا دے رہا تھا۔

"میری شہزادی اتھے بیٹھی ہے؟" کوثر بیگم چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پہ بیٹھتے ہوئے محبت سے بولیں۔

"جی پھوپھی۔۔۔ دھوپ میں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے مجھے۔"

"چل میں تجھے کھیتوں میں لے جاتی ہوں۔۔۔ تجھے وہاں جا کر اور بھی اچھا لگے گا۔" کوثر بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اردشیر بھی کھیتوں کی طرف ہی گیا ہے۔"

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے انکار کیا۔

تو کوثر بیگم نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ "یہاں اکیلی بیٹھ کر سوائے سوچیں سوچنے کے ہور کیا کرے گی تو چل میری شہزادی۔ اٹھ شاباش میں تجھے باہر لے کر جاتی ہوں۔۔۔ تو یوں چپ چپیتے بیٹھتی ہے تو میرے دل وچ ہول اٹھنے لگتے ہیں۔"

وہ کوثر بیگم کے اصرار پہ اٹھ گئی تھی۔۔۔ اور چپ چاپ ان کے ساتھ چل دی تھی راستے میں کئی عورتوں نے ملک اردشیر کی شہری اور ماڈرن بیوی کو اشتیاق سے دیکھا تھا۔۔۔ سرسبز لہراتے ہوئے کھیتوں کو دیکھ کر واقعی اسے اچھا لگ رہا تھا۔۔۔ کھیتوں میں ایک طرف اردشیر ٹریکٹر چلاتے ہوئے انہی کی طرف آ رہا تھا۔۔۔ زاوین کو یہاں کھیتوں میں دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ ڈیرے کا ملازم دوڑ کر صاف ستھری چارپائی بچھانے لگا۔

"ملکانی جی تو سی اتھے بیٹھو۔" ڈیرے کے ملازم نے خوش دلی سے کوثر بیگم اور زاوین کو چارپائی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔۔۔ وہ دونوں چارپائی پہ بیٹھ گئیں۔۔۔ زاوین حیران ہو کر ٹریکٹر چلاتے اردشیر کو دیکھنے لگی۔

"اسلم بیوی کیسی ہے تیری؟" کوثر بیگم نے ملازم سے پوچھا۔

"بس ملکانی جی ڈھیلی مٹھی ہی رہتی ہے۔ دعا کرنا اس وار اللہ مجھے پتر کا منہ دکھائے۔" اسلم سر جھکائے بولا اس کی تین بیٹیاں تھیں اور آج کل اس کی بیوی پھر امید سے تھی۔

"اللہ تیری دلی مراد پوری کرے گا۔۔۔ چل ذرا میرے ساتھ اتنے دن کے بعد ڈیرے آئی ہوں۔ تیری بیوی سے مل لوں۔۔۔" کوثر بیگم اٹھ کر اسلم کے ساتھ سامنے بنے کچے پکے گھر کی طرف بڑھ گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اردشیر بھی ٹریکٹر سے اتر کر

زاوین کے قریب آگیا تھا۔

وہ آئیں ہمارے کھیتوں میں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی ہم کھیتوں کو دیکھتے ہیں

وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

"تمہیں ٹریکٹر چلانا بھی آتا ہے؟" زاوین نے اپنی حیرت کو زبان دی۔

"پینڈو جو ہوں... جس پینڈو کو ٹریکٹر چلانا نہ آئے وہ اس شہری کی طرح ہی ہوتا ہے جسے ساری عمر شہر میں رہنے کے باوجود اردو بولنا نہ آئے۔" جواباً وہ خاموش رہی۔

"آئی تھنک تم زندگی میں پہلی بار چارپائی پہ بیٹھی ہو؟" اردشیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "اور پہلی بار ہی یوں گاؤں کے کھیتوں میں آئی ہو؟ ہے نا؟"

"ہاں زندگی میں پہلی بار میں نے کسی سے تھپڑ کھایا تو تمہارے ہاتھ سے... زندگی میں پہلی بار کھانا بناتے ہوئے تمہاری وجہ سے میرا ہاتھ جلا... زندگی میں پہلی بار آزادی کے بعد قید کی صعوبت اٹھائی تو وہ بھی تمہاری وجہ سے۔

مجھ سے کسی نے موبائل چھینا تو وہ بھی تم نے چھینا۔

مجھ پہ کسی نے پابندیاں لگائیں تو وہ بھی تم نے لگائیں... مجھے کسی نے زبردستی یہ لباس پہننے پہ مجبور کیا تو وہ بھی تم نے کیا... میری زندگی میں ایسے بہت سے کام ہو چکے ہیں جو میں نے پہلے کبھی نہیں کیے تھے اس لیے مجھے ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا اب کہ میں نے زندگی میں پہلی بار کیا کیا... کیا ہے؟" وہ دھیرے سے بولی تو اردشیر اسے دیکھے گیا۔

"زندگی اکثر ہمیں بے بس کر دیتی ہے... جب ہمارے پاس کوئی آپشن نہیں رہتا... میرے پاس تو پہلے بھی کوئی آپشن نہیں تھا... اور غالباً" اب تمہارے پاس بھی کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے... جہاں اتنے کام تم نے اپنی مرضی کے خلاف کیے ہیں وہاں ایک اور کام نہیں کر سکتی تم؟" اردشیر نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"کیسا کام...؟" اس نے الجھ کر اردشیر کو دیکھا۔

"مجھ سے محبت نہ سہی سمجھوتہ ہی کر لو..." اس نے آفر کی۔

"سمجھوتہ ہی تو کر لیا ہے۔" اس نے ہتھیار پھینکے... "ورنہ یہاں تمہارے ساتھ نہ بیٹھی ہوتی؟"

"اچھا تو یہ معجزہ کب اور کیسے ہوا؟" وہ مسکرایا... کیونکہ اسے یقین تھا آج اس نے سمجھوتہ کیا تھا آنے والے وقت نے اسے اردشیر سے محبت کرنے پہ بھی مجبور کر ہی دینا تھا۔

"کچھ چیزیں اچانک ہی ہو جاتی ہیں... خود بخود ہی..." وہ دھیرے سے بولتی ہوئی آسمان کی وسعتوں پہ اڑنے والے پرندوں کو دیکھ رہی تھی... اور اردشیر... وہ صرف زاوین کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں کچھ چیزیں اچانک اور خود بخود ہی ہو جاتی ہیں... جیسے میں تمہاری محبت میں مبتلا ہو گیا تھا... نا چاہتے ہوئے بھی... خود بخود..." "نا جانے کیوں؟ اس کی بات پہ زاوین نے ایک طویل سانس لیا اور گردن موڑ کر اردشیر کو دیکھا۔

"اتنی خود سر... اکھڑ... بد مزاج اور نہ سدھرنے والی لڑکی سے کیا ضرورت تھی محبت کرنے کی؟"

"پینڈو جو ٹھہرا شہری لوگوں کی ہیر پھیر اور چالاکیوں سے واقف نہیں تھا... اس لیے محبت کے دھوکے نے بڑی آسانی سے مجھے دھوکا دے کر تمہاری محبت میں مبتلا کر دیا تھا" وہ بے چارگی سے بولا۔

"اتنے سیدھے اور بے چارے نہیں ہو تم... جتنا خود کو ثابت کر رہے ہو..." زاوین اب کھیتوں میں کام کرتے ہاریوں کو دیکھنے لگی۔

"جس مرد کی زندگی صرف ایک ہی عورت کے گرد گھومتی ہو وہ مرد سیدھا سادا اور بے چارہ ہی ہوتا ہے۔" اردشیر کے انداز پہ وہ دھیرے سے مسکرا دی...

"زندگی میں پہلی بار تم میری کسی بات پہ مسکرائی ہو۔" اردشیر نے اسے یاد دلایا۔

"اور زندگی میں پہلی بار کسی مرد نے مجھے لڑکی کی بجائے عورت کہا ہے۔" زاوین نے بھی اسے یاد دلایا تو

وہ بھی مسکرا دیا۔

"سوری مجھے اتنی خوب صورت لڑکی کو عورت نہیں کہنا چاہیے تھا۔" اردشیر نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

اسی اثنا میں کوثر بیگم بھی ان کے پاس آگئی تھیں انہیں ایک ساتھ ایک ہی چارپائی پہ بیٹھا دیکھ کران کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"ماشاء اللہ تم دونوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے کتنے سوڑیں لگ رہے ہو... اللہ تم دونوں کو نظربد سے بچائے۔" کوثر بیگم نے ان دونوں کی بلائیں لیتے ہوئے دعا دی...

"اماں چلیں... مجھے تو بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اردشیر چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ اور کوثر بیگم اردشیر کی معیت میں چلتی ہوئی... اردشیر کی جیپ کی طرف آئیں جسے وہ پہلے ہی اسٹارٹ کرچکا تھا۔

"اردشیر پتر یہ نویں گڈی کب لی تم نے؟" کوثر بیگم نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اسے جیپ کہتے ہیں اماں... یہ ہفتہ پہلے میری سالگرہ پہ ماموں نے مجھے گفٹ کی ہے" اردشیر نے انہیں بتایا۔ تووہ اپنے بھائی کو دعائیں دینے لگیں۔

چار پانچ دن قصور میں گزارنے کے بعد اردشیر نے کوثر بیگم کے سامنے اپنا واپسی کا عندیہ سنایا تو زاوین نے کوثر بیگم سے گزارش کی۔

"پھوپھی مجھے مام اور ڈیڈ کے واپس آنے تک اپنے پاس رکھ لیں... واپس جاکر میں پھر سے اکیلی ہوجاؤں گی..." اسے پھر سے اپارٹمنٹ کی تنہائی اور ویرانی سے خوف آنے لگا۔

"اللہ میری شہزادی کو کبھی کلا نہ کرے... تو جتنے دن یہاں میرے کول رہنا چاہتی ہے رہ لے پتر ابھی تیری نویں نویں شادی ہوئی ہے۔ میرے پتر تو اردشیر سے اجازت لے... لے... اور رہ لے میرے پاس۔"

زاوین نے اردشیر کو دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

"نہیں اماں میں فی الحال آپ کی بہو کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا یہ میرے ساتھ ہی شہر جائے گی۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"مگر کیوں؟ میں یہاں پھوپھی کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے احتجاج کیا "اور میرا کیا ہوگا؟ تمہارے بغیر میں وہاں اکیلا کیسے رہوں گا؟" بے ساختہ کوثر بیگم کے سامنے اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

کوثر بیگم مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

"تمہیں میرے ہوتے ہوئے بھی میرے بغیر رہنے کی عادت ہے... تم آسانی سے رہ لوگے۔"

"تم نے مجھے میری زندگی میں اپنے ہونے کا احساس بھی تو نہیں دلایا...؟" ذومعنی انداز میں جواب دیا گیا... اب وہ لاجواب ہوگئی تھی۔

وہ شادی سے پہلے اس کی تقریباً" ہر بات مان لیا کرتا تھا... اب اس سے اپنی ہر بات منوانے لگا تھا... وہ بے بسی کی تصویر بنی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

قصور سے واپسی پہ وہ بالکل ایسے ہی خاموش بیٹھی رہی تھی جس طرح وہ یہاں آتے ہوئے آئی تھی اور اردشیر نے بوریت سے بچنے کے لیے جیپ میں کیسٹ پلیئر آن کیا تو ندیم عباس کا پنجابی سونگ گونجنے لگا۔

تینوں چھڑیئے تے تھاں مریئے
اے دل تینوں دے بیٹھے ہون کریئے تے کی کریئے
نت یارنوں جی کرنا... یار جے کول ہووے
اساں دنیانوں کی کرنا...؟

اردشیر نے گہری نگاہوں سے زاوین کو دیکھا... وہ سامنے سڑک کو دیکھ رہی تھی سڑک پہ بھاگتی دوڑتی زندگی کو دیکھ رہی تھی۔

اپارٹمنٹ میں آنے کے بعد... اس نے شاور لیا تھا اور جب وہ جینز پہ سویٹر پہنے۔ کچن میں چائے بنانے آئی تو اردشیر کچن میں پہلے سے موجود تھا۔ "میں اپنے لیے چائے بنا رہا تھا میں نے تمہارے لیے بھی بنالی۔ یہ لو۔" اردشیر نے چائے کا مگ اس کی طرف بڑھایا اور پھر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے سے نظر نہ ہٹا پایا...

آج وہ خاصی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ بہت دنوں کے بعد اس نے زاوین کو کو کھلے بالوں میں دیکھا

تھا۔

زاوین نے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا۔

"مجھے اس کی ضرورت تھی۔ تھینکس۔" اور مجھے تمہاری اردشیر نے دل میں سوچا۔

"چائے اچھی بنانے لگے ہو۔" زاوین نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"کل میں رشید اور رانی کو واپس بلا رہا ہوں۔۔۔ کیونکہ انہیں چھٹی پہ بھیجنے کا مجھے نقصان اور تمہیں فائدہ ہو رہا ہے۔" وہ اس کے پیچھے آیا۔ وہ خاموشی سے چائے کے سپ لینے لگی۔

"میں جانتا ہوں جب تم اچانک خاموش ہو جاتی ہو تو یہی سوچتی ہو۔
مجھے چھوڑنے کا فیصلہ تو ہر روز کرتی ہے وہ
مگر اس کا بس نہیں چلتا میری وفا کے سامنے
اردشیر نے دھیرے سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے شعر پڑھا۔

"مجھے چائے پینے دو۔" وہ جھنجلائی۔

"اوکے میں تمہارے چائے پینے کا انتظار کرلیتا ہوں۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر مطمئن انداز میں بیٹھا۔

"تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟ تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مجبوراً" مجھے تمہاری زندگی میں شامل کردیا گیا ہے۔" زاوین نے مگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"محبت۔۔۔ وفا اور شرافت کی مٹی سے بنا ہوا ہوں۔۔۔ ورنہ تمہارے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر۔۔۔ کسی دوسری عورت کے پاس اپنے جذبات کی تسکین بجھانے کے لیے ضرور جایا کرتا میں۔۔۔ مگر نہیں میری فطرت میں۔۔۔ کسی کو دھوکا دینا شامل نہیں ہے۔۔۔ میں نے تم سے محبت کی ہے۔۔۔ اور یہی میری سزا ہے کہ میں اپنے جذبات کی تسکین بھی تم ہی سے چاہتا ہوں۔"

اردشیر اس کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ وہیں بیٹھی اس کے لفظوں پہ غور کرتی رہی تھی۔۔۔ وہ اپنا موبائل وہیں ٹیبل پہ چھوڑ گیا تھا۔۔۔ مگر زاوین نے اس کے موبائل کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔۔۔ اب اسے کسی کو فون نہیں کرنا تھا دوسرے دن وہ اپارٹمنٹ کو لاک لگائے بغیر آفس آگیا تھا۔۔۔ زاوین نے گھر سے نکلنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔۔۔ کیونکہ اب اسے کسی سے بھی نہیں ملنا تھا رشید اور رانی واپس آگئے تھے۔۔۔ اسی رات اردشیر نے آفس سے آتے ہی اسے رات آفیشل ڈنر پہ جانے کو کہا تھا۔۔۔ اور حسب سابق اس نے جانے سے انکار کر دیا تھا "تم اکیلے چلے جاؤ۔۔۔ میرا جانا ضروری نہیں ہے۔"

"ضروری ہے وہاں سب کپلز ہوں گے۔۔۔ میں اکیلا وہاں آکوڑ لگوں گا۔" وہ اس کے کمرے میں کھڑا تھا اور اسے رات ڈنر پہ اپنے ساتھ چلنے پہ آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مگر میں کیا کروں گی وہاں جا کر؟" زاوین کی سوئی ایک ہی بات پہ اٹکی ہوئی تھی۔

"تم کچھ مت کرنا۔۔۔ بس میری بیوی نظر آنے کی ایکٹنگ کرلینا۔۔۔ ایکٹنگ تو تم ویسے بھی بہت اچھی کر لیتی ہو۔۔۔ نہیں؟" اس کا چبھتا ہوا طنز اس کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔

"کتنے بجے جانا ہے؟" سنجیدہ چہرے کے ساتھ پوچھا گیا۔ "رات دس بجے" ۔۔۔ اردشیر نے اطلاع دی۔

"اوکے میں تیار ہو جاؤں گی۔" وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھی۔

باقی کا ٹائم ان دونوں نے اپنے اپنے کمروں میں گزارا تھا۔۔۔ زاوین کے دل سے اس کی ایکٹنگ والی طنزیہ بات نکل ہی نہیں رہی تھی۔۔۔ ناجانے کیوں وہ آج کل اتنی حساس ہو رہی تھی کہ بات بات پہ اس کی آنکھیں چھلک جایا کرتی تھیں۔۔۔ وہ زندگی کو ایک کارپٹ روڈ کی طرح سمجھتی تھی صاف ستھرا اور سیدھا راستہ۔۔۔ مگر اس راستے میں کتنے اسپیڈ بریکرز تھے کتنے گڑھے تھے اس کا اندازہ اسے اب آہستہ آہستہ ہو رہا تھا۔۔۔ اس کی انسلٹ ہوتی تھی تو اس کو احساس ہوتا تھا کہ وہ اردشیر کی کیسے بے عزتی کیا کرتی تھی۔

زندگی گزارنے سے زندگی کا پتا چلتا ہے۔۔۔ زندگی کا فلسفہ پڑھنے سے زندگی کی سمجھ نہیں آتی۔۔۔ اسے بھی زندگی کا اصل پتا اب چل رہا تھا۔۔۔ اسے کبھی کبھی ایسا لگتا جیسے اس کی زندگی کسی الجبرے کے سوال کی طرح اس کا جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے الجھ گئی تھی۔۔۔

انہیں سوچوں میں غرق وہ غائب دماغی سے تیار ہونے لگی تھی ڈنر پہ جانے کے لیے اس نے اردشیر کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے شفعون کے نہایت خوب صورت اور نفیس بلیک ٹیل فراک اور چوڑی دار پاجامے کا انتخاب کیا تھا۔

اس کی دودھیا رنگت پہ بلیک کلر ہمیشہ بہت جچتا تھا۔ اس کے کافی کلر کے سلکی اور سیدھے بال کمر تک لمبے تھے جنہیں اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ پنک لپ اسٹک اور اپنی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں پہ سیاہ لائز کی موٹی سی لائن لگانے سے اس کی آنکھیں اور بھی حسین لگ رہی تھیں۔۔۔ اس نے لائز لگانے کے بعد کانوں میں بندے پہنے۔۔۔ خود پہ اسپرے کیا۔۔۔ اور ایک بار پھر ہیر برش اٹھا کر اپنے بال سنوارنے لگی۔ جب وہ جھنجلایا ہوا کف لنکس بند کرتا ہوا اس کے کمرے میں آیا تھا۔ "تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟ ایک تو تم لڑکیاں تیار ہونے میں بھی گھنٹوں لگا دیتی ہو۔" اس کی نظر آئینے کے سامنے کھڑی زاوین پہ پڑی تو۔۔۔ وہ اپنا اگلا جملہ بھول گیا۔۔۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ وہ مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔ زاوین بھی اسے سیاہ ڈنر سوٹ پہ ٹائی لگائے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔۔ اس نے ہمیشہ اردشیر کو کرتہ شلوار۔۔۔ یا شلوار قمیص پہ ویسٹ کوٹ پہنے ہی دیکھا تھا۔۔۔ آج وہ سیاہ ڈنر سوٹ میں اچھا خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"حسین تو تم ہو ہی۔۔۔ مگر اتنا حسین لگنے کی تمہیں کیا ضرورت تھی؟" وہ گمبھیر انداز میں بولتا ہوا اس کے قریب آیا۔

زاوین نے ہیر برش رکھ دیا۔۔۔ اور جواباً" خاموشی سے ڈریسنگ کے دراز سے اپنی رنگز نکالنے لگی۔۔۔

"میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے؟" وہ اور بھی اس کے قریب آگیا تھا۔

"میں اس بات کا کیا جواب دوں؟" زاوین نے آئینے میں اپنے بے حد قریب اپنے عقب میں کھڑے اردشیر کو دیکھا۔۔۔ جو محبت پاش نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم اتنا حسین لگ کر میری نیت خراب کر رہی ہو۔" اردشیر نے اپنے بازو اس کی کمر میں حائل کرتے ہوئے اپنی ٹھوڑی اس کے کندھے پہ ٹکاتے ہوئے۔۔۔ محبت سے کہا۔ تو پہلی بار زاوین کو جھنجلاہٹ اور غصہ نہیں آیا تھا بلکہ اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔

"یہ یہ کیا کر رہے ہو تم؟" وہ دھڑکتے دل سے اس کے حصار میں کسمسائی۔۔۔

"اسے غالباً" پیار اور محبت کہتے ہیں۔" اردشیر نے مسکراتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

"تم بھول رہے ہو۔۔۔ ہمیں ڈنر پہ جانا ہے؟" زاوین نے بکھری سانسوں کے ساتھ اسے یاد دلایا۔

"میں اس وقت یہ بھول جانا چاہتا ہوں کہ ہمیں کہیں جانا ہے۔" اردشیر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے سرگوشی کی وہ بہکنے لگا۔

"اردشیر پلیز۔۔۔ زاوین نے پہلی بار اس کا نام لیتے ہوئے دھیرے سے اس کے سینے پہ اپنے ہاتھ رکھ کر اسے روکا۔

اسی اثنا میں اردشیر کی پاکٹ میں رکھا موبائل بھی بجنے لگا تھا۔۔۔ اردشیر کے چہرے پہ بے زاریت عود آئی تھی۔۔۔ اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا۔۔۔ زاوین کے چہرے پہ دھیمی سی مسکراہٹ عود آئی اور وہ موقع غنیمت جان کر اس کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

"ہاں شہباز۔۔۔؟ میں' میں بس نکل رہا ہوں۔۔۔ ڈونٹ وری' ہم دس منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔" اردشیر فون پہ کسی کو مطمئن کر رہا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد وہ زاوین کی جانب پلٹا۔

"چلو.... ہمیں واقعی دیر ہو رہی ہے۔" اردشیر مسکراتے ہوئے اس کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اور پھر ڈنر پہ ہر کسی نے ان دونوں کو ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔ سب انہیں وقتاً" فوقتاً" شادی کی مبارک باد دے رہے تھے۔ جس پہ زاوین صرف مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی اور اردشیر نہایت خوش گوار موڈ میں مسکراتے ہوئے مبارک باد وصول کرتا رہا تھا۔ زاوین کی نظر اس ڈنر پارٹی میں ٹینا کے والدین کی طرف اٹھی تو نا چاہتے ہوئے بھی وہ ان کے قریب آگئی۔

"ہائے آنٹی کیسی ہیں آپ؟" زاوین نے ٹینا کی مام سے ان کا حال پوچھا۔

"بس بیٹا گزر رہی ہے زندگی.... تمہارے مام ڈیڈ نے چپکے سے تمہاری شادی کر دی اور ہمیں انوائٹ تک نہیں کیا؟" ٹینا کی مام نے اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے شکوہ کیا۔

"جی بس آنٹی میری شادی لندن میں اچانک ہی مام ڈیڈ نے طے کر دی تھی.... ڈیڈ بائی پاس کے سلسلے میں پچھلے ایک ماہ سے وہیں ہیں.... وہ آجائیں تو ولیمہ پہ انوائیٹ کریں گے آپ کو؟" زاوین نے بات بنائی۔

"اینی وے یہ بتائیں ٹینا کیسی ہے؟ میں لندن میں ہی تھی جب مجھے یہ نیوز سننے کو ملی تھی کہ ٹینا اور شاہ زیب منگنی کر رہے ہیں؟" شاہ زیب کا نام لیتے ہوئے اس کے دل کو عجیب سی تکلیف ہوئی تھی۔

"بس بیٹا کچھ نہ پوچھو.... جو ہم پہ بیتی ہے" ایک طویل سانس لیتے ہوئے ٹینا کی مام کے چہرے پہ عجب سا دکھ چھا گیا تھا۔

"ٹینا کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ آج کل وہ گھر پہ ہے اس کا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے۔ سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ کسی سے بات کرتی ہے۔ زاوین بیٹا تم کسی دن ٹائم نکال کر گھر لگاؤ نا چکر.... ٹینا تمہاری دوست ہے اسے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔" اس کی مام دکھ سے اسے بتا رہی تھیں اور وہ حیران ہو کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

"او مائے گارڈ.... یہ، یہ سب کیسے ہوا آنٹی؟"

"بس کچھ نہ پوچھو بیٹا.... شاہ زیب کے ساتھ ہم نے ٹینا کے اصرار پہ اس کی منگنی کر دی تھی.... وہ جاب لیس تھا۔ ٹینا کے پاپا نے اسے اپنے ساتھ بزنس میں شامل کر لیا کہ چلو شاہ زیب ہمارا ہونے والا داماد ہے وہ اسٹیبلش ہو جائے گا تو ہماری بیٹی کا فیوچر سیکیور ہو جائے گا.... ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہی ہماری بیٹی کا فیوچر تباہ کر کے ہمیں اتنا بڑا دھوکا دے جائے گا شاہ زیب تمہارے انکل کے بزنس میں پانچ کروڑ کا فراڈ کر کے رقم لے کر دبئی فرار ہو گیا.... اور جاتے ہوئے ٹینا کے نمبر پہ یہ مسیج چھوڑ گیا کہ مجھے تو تم سے کبھی محبت تھی ہی نہیں.... میں نے دولت کے لالچ میں تم سے منگنی کی تھی.... آج میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ لہٰذا میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں.... یہ دھوکا اور یہ صدمہ ٹینا برداشت نہ کر سکی اور اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔" ٹینا کی مام کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

اور زاوین اس انکشاف پہ جیسے اپنی جگہ کھڑی فریز ہو گئی تھی۔ اس کے آس پاس جیسے جھکڑ سے چل رہے تھے۔

"زاوین بیٹا تم بہت خوش نصیب ہو تمہیں اردشیر جیسا شریف اور مخلص لائف پارٹنر ملا ہے.... تمہارے انکل اردشیر کی بہت تعریف کرتے ہیں ماشاء اللہ بہت ذہین اور قابل بچہ ہے.... اس نے اپنی ذہانت اور محنت سے تمہارے ڈیڈ کے بزنس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے.... اور بیٹا سب سے بڑھ کر عورت کے لیے اللہ کی طرف سے یہ زندگی کا انعام ہوتا ہے کہ اسے شریف.... چاہنے والا مخلص شوہر ملے.... اردشیر ہیرا ہے اس کی قدر کرنا.... ہم نے جس پتھر کو ہیرا سمجھا تھا وہ جاتے ہوئے ہمیں بھی پتھر بنا گیا...." ٹینا کی مام نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سمجھایا تھا.... اب اس کی نظریں سامنے کھڑے اردشیر پہ جمی ہوئی تھیں.... وہ شہباز اور ایک دو دوسرے دوستوں میں کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

زاوین کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو گئے تھے....
منظر صاف ہو گیا تھا واپسی پہ وہ از حد خاموش تھی....
اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔
"کیا بات ہے اتنی خاموش کیوں ہو؟" اردشیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"غالباً" میں پہلے بھی ایسے ہی خاموش رہتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"ہاں مگر آج تم خاموش ہونے کے ساتھ بہت پریشان بھی لگ رہی ہو۔" اردشیر نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔
"ماموں اور ممانی کی یاد آ رہی ہے کیا؟" اس نے قیاس ظاہر کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
"ہم بس گھر پہنچنے ہی والے ہیں.... میں گھر جا کر تمہاری بات کروا دوں گا ان سے۔" اردشیر نے اسے تسلی دی۔ مگر وہ پھر بھی روتی رہی.... پتا نہیں اسے کیوں رونا آ رہا تھا اپنے بچ جانے پہ یا ٹینا کے برباد ہو جانے پہ.... ؟ شاہ زیب کی مکرو شخصیت کے عیاں ہو جانے پہ آیا اردشیر کی شرافت اور خلوص کو جان لینے پہ؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ تمام راستے کیوں روتی ہوئی آئی تھی؟
گھر آ کر وہ اپنے کمرے میں گھس گئی تھی اور بیڈ پہ کتنی ہی دیر گم سم سے انداز میں بیٹھی رہی تھی۔ جب وہ اس کے کمرے میں آیا تھا اس کے ہاتھ میں زاوین کا موبائل تھا اور وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے دھیرے سے بولا تھا۔
"میں تمہارا موبائل تمہیں واپس کر رہا ہوں.... تمہاری نادانیوں کے بدلے میں مجھے مجبوراً" تم پہ اس حد تک سختی کرنی پڑی کہ میں نے تم سے تمہارا موبائل چھین لیا تمہیں اس گھر میں قید کر کے رکھا.... اس کے لیے میں شرمندہ ہوں مگر میں مجبور تھا زاوین.... تمہیں شاہ زیب جیسے شخص سے بچانا چاہتا تھا.... تمہیں راہ راست پہ لانا چاہتا تھا.... شاید میرا طریقہ غلط تھا۔"
اردشیر نے اس کا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اعتراف کیا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اب۔"

"مگر کیوں؟"

"اس کیوں کا جواب مت پوچھنا اردشیر۔۔۔ اور پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا میں نے بچپن سے لے کر اب تک ہمیشہ تمہارے ساتھ برا سلوک روا رکھا۔ ہمیشہ تمہاری انسلٹ کی۔۔۔ شاہ زیب سے محبت میری کم عمری کی سب سے بڑی نادانی تھی یقین جانو۔۔۔ میں ضدی اور خود سر ضرور تھی مگر میں نے شاہ زیب کے ساتھ مل کر کبھی خود کو رسوا نہیں کیا۔۔۔ میں آزاد خیال ضرور تھی مگر یقین کرو میں نے کبھی سگریٹ یا شراب نہیں پی۔۔۔ وہ سب ڈرامہ تھا۔۔۔ تمہیں چڑانے کے لیے۔۔۔ تاکہ تم تنگ آکر مجھ سے شادی نہ کرو۔۔۔" وہ ایک بار پھر روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی اور وہ لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ سجائے سب کچھ سن رہا تھا۔

"جانتا ہوں میں۔۔۔ اور مجھے تمہاری بدنصیبی پہ از حد افسوس بھی ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے باوجود تمہاری شادی بلا آخر مجھ سے ہی ہوئی۔" اردشیر نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تمہارا میری زندگی میں شامل ہونا میری بدنصیبی نہیں میری خوش نصیبی ہے۔" زاوین نے اعتراف کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سینے سے ٹکا لیا۔

تم کو چاہا تو محبت کی سمجھ آئی مجھے
ورنہ اس لفظ کی تعریف سنا کرتا تھا

اردشیر نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے شعر پڑھا۔۔۔ تو وہ روتے روتے مسکرا دی۔

خوب صورت تو پہلے بھی بہت تھا لیکن۔۔۔
ہم نے چاہا تو عجب ڈھنگ سے نکھرا ہے وہ شخص

اردشیر نے اس کی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس کا حسین چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اب کیا پورا دیوان سناؤ گے؟"

"تمہارے حسن اور میرے دل میں جو تمہاری محبت ہے اس کے آگے دیوان بھی کم ہے۔" اردشیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"اب کہاں لے کر جا رہے ہو؟" اس نے حیرانگی سے اردشیر کو دیکھا۔

"تمہارے اور اپنے مشترکہ کمرے میں۔" اردشیر نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں اس بیڈ پہ سونے کا حق دیا جائے۔" زاوین کو اچانک اردشیر کی غصے میں کہی ہوئی بات یاد آئی۔

اردشیر مسکراتے ہوئے اسے اسی طرح اپنے حصار میں لیے اپنے کمرے میں لے آیا تھا اور اسے اپنے بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"بکواس کی تھی میں نے۔۔۔ میرے کمرے پہ۔۔۔ اس بیڈ پہ۔۔۔ مجھ پہ اور میری زندگی پہ صرف تمہارا ہی تو حق ہے۔" اردشیر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو زاوین کو بے اختیار اپنی قسمت پہ رشک آیا۔

"تمہیں پتا ہے میں تمہیں اچھا خاصا بورنگ اور آن رومانٹک انسان سمجھتی تھی۔" وہ مسکرائی۔

"تم نے اپنے جملے میں لفظ پینڈو کا اضافہ نہیں کیا؟" اردشیر نے شریر انداز میں اسے یاد دلایا۔۔۔ تو وہ ہنس پڑی۔۔۔

"تم نا صرف ایک رومانٹک انسان ہو بلکہ تمہارا سینس آف ہیومر بھی بہت اچھا ہے۔" زاوین نے اعتراف کیا۔

"آج کا دن میرے لیے بہت لکی ہے تمہیں میری خوبیاں دکھائی دینے لگی ہیں۔"

"اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ محبت بھی۔" زاوین نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر اس کے سینے سے سر ٹکا لیا تھا۔۔۔ اردشیر کو بھی اس یقین کے ساتھ مسکرا دیا تھا کہ اب ان دونوں کی زندگی کو محبت یقین اور اعتماد نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔۔۔ اب زندگی کے سفر میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
سالگرہ نمبر
سعدیہ عزیز آفریدی
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

دنیا جانتی تھی وہ مذہب کے کتنے بڑے علم بردار تھے۔ انہوں نے زندگی کو کبھی آسانی میں نہیں پایا... نہ پانے کی کوشش کی۔ ان کا اچھا خاصا کاروبار تھا جو انہیں وراثت میں ملا اور جسے انہوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بڑھاوا دیا اس لیے جب ان کا بیٹا خادم علی ان کے راستے سے الگ چلتا تو انہیں شدید دکھ گھیر لیتا ان کے دونوں بڑے بیٹے عامر اور اویس ان کے کاروبار کو ان کی امیدوں سے بھی بڑھ کر لے کر چل رہے تھے۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی ان کے تینوں بیٹے شادی شدہ تھے سب زندگی کی آسائشات کے ساتھ خوش بھی تھے۔

دکھ تھا تو اسلم صاحب کے دل میں تھا کیوں کہ خادم علی نہ نماز کا پابند تھا نہ ہی انہوں نے اسے کبھی روزے رکھتے دیکھا۔ یہی وجہ تھی خادم علی ان کی نظر میں کبھی کوئی مقام نہیں بنا سکا۔ ان سمیت باقی دونوں بیٹوں کے ماتھے پر سجدہ ریزی کا نشان تھا اسی نشان کی وجہ سے سب ان کی قدر منزلت کرتے وہ خاندان کے لوگ ہوتے یا کاروباری یا محلے دار، اسلم صاحب کو لوگ بڑے بڑے اجتماعات میں بلاتے ان کی فیض آمیز باتوں پر مجمع جھوم جھوم جاتے، لیکن خادم علی وہ لیے دیے رہتا اسے اسلم صاحب کے اجتماعات سے دلچسپی تھی نہ ہی اس طرح کی تقریبات میں وہ شریک ہوتا۔ وہ آفس کے بعد کا وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتا اور کبھی کبھی راتوں کو دیر سے بھی آتا اس کی بیوی اس سے ناخوش نہیں تھی تو خوش بھی نہیں رہتی کیوں کہ وہ خود ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جہاں مرد آٹھ سے نو تک گھر آجایا کرتے تھے جن کی ساری دلچسپیاں صرف گھر اور بیوی بچوں تک محدود رہتی تھیں اور یہ عادت اس کے شوہر میں ناپید تھے ہاں وہ اس کا اور اس کے بچے کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا اس کی مثال تو اس کی ماں بھی دیتی جیسے اپنے داماد سے ہزار ہا طرح کی شکایتیں تھیں۔ اس پورے گھر میں اگر اس سے کوئی خوش تھا تو وہ صرف خادم علی کی ماں تھی جو غیر مشروط اس سے محبت کرتی تھی وہ نا اس سے دیر سے آنے پر سوال کرتی نہ ہی رات کو دیر سے خادم علی کے نا، نا کرنے پر روٹیاں ڈالتے ہوئے اس سے پوچھتی کہ اتنی رات کو گھر لوٹا ہے تو کہاں وقت گنوا کر آیا ہے، کبھی کبھی خادم علی اپنی ماں کے گلے لگ کر پوچھ ہی لیتا تھا۔

”ماں کبھی تو تمہارا بھی دل چاہتا ہوگا تم باقی سب کی طرح مجھ سے سوال کرو میری آوارگی پر کوئی من گھڑت قصہ گھڑو اور اس پر میری رائے مانگو کے شاید تم غلط نہیں تھیں۔“

اسما اس کی اس بات پر صرف مسکراتی تھیں اسے کھانا چین سے کھانے کی رائے دیتی تھی، لیکن ایک بار جب اس نے ضد کر کے یہی سوال دہرایا تو اسما کو جواب دینا ہی پڑا۔ انہوں نے خادم علی کی پیشانی چومی تھی پھر صرف ایک جملہ بولا تھا۔

”میرا بیٹا کبھی کچھ ایسا کر ہی نہیں سکتا جس پر اس کی ماں کا سر کسی کے سامنے جھکے۔“ وہ ہنس پڑا تھا۔

”کتنی چالاکی سے ماں آپ نے اتنی بڑی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی۔ اب دس بار خطا کرنے سے پہلے سوچنا پڑے گا۔“

اسما نے اس کا کان پکڑ کر مروڑ دیا تھا اور زندگی اسی خاموشی عہد کے ساتھ گزر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

لیکن آج... ان کے گھر میں ایک مذہبی تقریب تھی پورے گھر میں چہل پہل تھی۔ ان کی تینوں بہوئیں کچن کے کام میں مصروف تھیں دونوں بیٹوں نے باہر کا سارا کام سنبھالا ہوا تھا اگر اس تقریب سے کوئی غائب تھا تو خادم علی غائب تھا۔

اسلم صاحب اس کے اس طرح غائب ہونے کو اپنی بے عزتی شمار کر رہے تھے اور دوسرے ان کی سب سے بڑی بہو ثنا جو اس گھر کا بٹوارہ چاہتی تھی وہ ان کوششوں میں تھی کہ کسی طرح دلوں کے یہ فاصلے اتنے طویل ہو جائیں کہ اس میں سے اپنا من پسند راستہ چننا آسان ہو جائے یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرح سے بار بار خادم علی کے گھر میں نہ ہونے کو ایشو بنا رہی

تھی اسی قدر اسلم صاحب کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور ان کا جب غصے کا گراف بگڑتا تو لازمی اس کا ردعمل اسما پر پڑتا اس وقت بھی وہ تیار ہو رہی تھیں جب اسلم صاحب کمرے میں داخل ہوئے انہیں دیکھ کر خفگی سے بولے۔

"اتنا تو لڑکیاں بالیاں بھی تیار ہونے میں نہیں لگاتیں جتنا ٹائم آج تم نے لے لیا ہے۔" اسما منہ کھولے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ "میں تو ابھی ہی...." اسلم صاحب بیڈ پر بیٹھ گئے غصے سے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

"کیا میں ابھی ہی.... دو گھنٹے ہو گئے ثنا سے جب تمہارے مطابق پوچھا اس کا ایک ہی جواب تھا امی جان تیار ہو رہی ہیں۔" اسما نے جو ایئر رنگ کانوں میں ڈالنے تھے وہ انہوں نے ایسے ہی سنگھار میز پر رہنے دیے تھے اور ان کے قریب آ کر نرمی سے بولی تھیں۔

"آپ کس وجہ سے ڈسٹرب ہیں۔" اسلم صاحب نے انہیں دیکھا تھا۔

"میں پورے گھر کو ایک دھاگے میں پروئے رکھنا چاہتا تھا، لیکن خادم علی کی لاپروائیاں.... سب ان باتوں کو لے کر تنقید کرنے لگے ہیں اور انہیں لگتا ہے وہ بے تحاشا محنت کر رہے ہیں اور خادم علی ان کی محنت پر پل رہا ہے۔" اسما صدمے سے انہیں دیکھتی ہیں۔

"آپ جانتے ہیں یہ سچ نہیں ہے وہ بہت اچھی وکالت کر رہا ہے وہ نہ نکما ہے نہ نکھٹو....."

"ہاں، لیکن اس کے اخراجات اس کی آمدن سے زیادہ ہیں.... جو جوائنٹ اکاؤنٹ سے پورے ہوتے ہیں اور یہی باتیں سب کے لیے باعث احتجاج ہیں اور مجھے لگتا ہے میں اٹھنے والے اس ابال کو زیادہ دیر روک نہیں سکوں گا۔" اسما ان کے مزید قریب آتی ہیں ان کو اعتماد سے دیکھتی ہیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے اسلم! ہمارا خادم علی کیا برا انسان ہے؟ اتنا برا انسان کے اس سے سب کو نفرت ہو جانی چاہیے بے زاریت کے بعد اسے اکیلا چھوڑ دینا چاہیے۔" اسلم انہیں بس دیکھ کر رہ گئے وہ کچھ بول نہیں پائے، لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کی برات پر بھی کوئی رائے نہیں دی تھی۔ اسلم چلے گئے تھے اسما ان کے جانے کے بعد باہر نکلی تھیں پھر تقریب اپنے جوبن پر تھی جب ایک بجے وہ اپنی گاڑی میں گھر میں داخل ہوا تھا بہت تھکا ہوا، مگر اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی۔ وہ گھر میں لگے قمقموں اور لائٹس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ وہ ان کے پاس آیا تھا اور بالکل بچوں والی خوشی سے اس نے ان کے سامنے گلاب کے بینگل کیے تھے۔

"آپ کو بہت پسند ہیں نا؟ مجھے معلوم تھا پاپا تقریب کی بڑی سے بڑی چھوٹی سی بات یاد رکھنے میں.... یہ بات ضرور بھول جائیں گے۔" وہ انہیں بینگل پہنانے لگا تھا وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط کر رہی تھیں وہ اپنا کام ختم کر چکا تو اس نے سر اٹھا کر اسما کو دیکھا۔ پھر پیار بھری خفگی سے بولا۔ "ماں.... آپ بھی ہر وقت نیر سلطانہ بنی رہتی ہیں۔ کیا ہوا....؟ کیوں رو رہی ہیں....؟"

"کچھ نہیں ہوا یہ بتاؤ تھے کہاں تم...." وہ ان کے قریب ہو گیا تھا اس نے انہیں اپنے مضبوط حصار میں لے لیا تھا پھر نرمی سے بولا۔

"ہمارے آفس کے ایک پیون سمیع اللہ ہیں ان کو اچانک دل کا دورہ پڑ گیا فوراً" آپریٹ کروانا تھا، ان کی امی کا فون آیا تو ہم سب دوستوں نے ان کے لیے فنڈ ریز کیا ان کے لیے بلڈ ڈونٹ کیا.... اب جب وہ وارڈ میں شفٹ ہوئے تو ہم سب دوست اپنے گھروں کو آئے ہیں۔" اسما کی آنکھوں میں آنے والے آنسو پیار بن گئے تھے۔

"اپنے جیسے انسانوں کی خدمت کرنا ہر کسی کو نہیں ملتا یہ کام...." وہ مسکرانے لگا۔

"پھر تو میں جنتی ہوں.... بخشا جاؤں گا نا...."

"نہیں۔ کیوں کہ عبادت میں فیل انسان زندگی اور آخرت کے ہر پرچے میں فیل ہی رہتا ہے...." یہ اسلم صاحب تھے جو اسما کو دیکھتے ہوئے کار پورچ تک آ گئے تھے۔ خادم علی کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اسما نے خفگی سے انہیں

دیکھا تھا۔

"وہ نماز پڑھتا ہے۔ بس اس کے ماتھے پر آپ کی طرح نشان نہیں ہے۔"

"نماز... نماز عشق پڑھتا ہوگا۔ ورنہ کوئی تو اس کے نمازی ہونے پرہیزگار ہونے کا گواہ ہوتا۔"

"اللہ کو دل کی سچائی اور محبت سے پیار ہے گواہ تو اسے چاہیے جیسے اپنے عمل پر خود شک ہو... ابا جان میں عبادت دکھاوے کے لیے نہیں کرتا۔" اسلم صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تو تمہیں لگتا ہے ہم سب دکھاوے کے لیے عبادت کرتے ہیں۔" خادم علی گھبرا گیا تھا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے ابا جان میں تو بس کہہ رہا تھا دنیاوی واہ واہ عزت و تکریم کی نہ مجھے چاہ ہے نا ہی طلب۔"

"عزت و تکریم بھی اللہ ہی دیتا ہے یہ جس کے حصے میں ڈال دے۔" خادم علی انہیں سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔ "جی میں بھی یہی سمجھتا ہو عزت اور ذلت دینا میرے اللہ کا کام ہے اور میں ہمیشہ اس سے نرمی اور رحم کا طلب گار رہتا ہوں۔"

اسلم صاحب نے اس سے منہ موڑ لیا تھا جیسے وہ اسے اب جواب دینے کے قابل بھی نہیں سمجھتے تھے اب ان کا رخ اسما کی طرف تھا۔

"آپ اس سے فضول گوئی کریں گی یا دعا میں شریک ہوں گی۔"

"ہاں آپ جائیں میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

اسما کو بیٹے کی کم مائیگی پر دکھ ہوا تھا، لیکن وہ شوہر کے حکم پر ان کے ساتھ چل پڑی تھیں کہ پچھلے پینتیس سال سے وہ اسی طرح ان کے قدم پر قدم رکھتی چل ہی رہی تھیں۔ واعظ نے حاضرین سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے اور خاموش ہو جانے کی اپیل کی ہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ عامر نے بھاگ کر جنریٹر آن کر دیا تھا دعا آدھی ہوئی تھی جب الیکٹرک شارٹ سرکٹ سے شامیانے میں آگ لگ گئی ذرا کی ذرا دیر میں افراتفری مچ گئی واعظ سب سے پہلے اٹھ کر بھاگے تھے۔

خادم علی اسی وقت نہا کے نکلا تھا اور اس چیخ و پکار سے گھبرا گیا تھا۔ اسما بھاگ کر شامیانے میں جانا چاہ رہی تھیں دونوں بہوؤں نے انہیں روک رکھا تھا، خادم علی کو دیکھ کر جیسے کوئی مرنے والا آخری کوشش کرتا ہے وہ تڑپ کر چلائی تھیں۔ "اسلم اندر ہیں خادم علی انہیں بچالو۔"

خادم علی کی بیوی نے اس کا ہاتھ پکڑا تب خادم علی نے دیکھا اس کی دونوں بھابھیاں ایک ایک ہاتھ سے اپنے شوہروں کو بھی روکے کھڑی تھیں اس نے آہستگی سے اپنی بیوی سے ہاتھ چھڑایا تھا اور اس آگ میں کود گیا تھا۔ اسلم صاحب قرآن پاک ورد وظائف کی کتابیں سینے سے لگائے ہونق کھڑے تھے خادم علی کو دیکھ کر انہوں نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا تھا خادم علی کو پھر بھی اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ بلا آخر چیخ بھی پڑے تھے۔ "مت آؤ موت کی طرف... واپس چلے جاؤ..."

وہ اب ان کے بالکل قریب آگیا تھا۔ "بہت برا صحیح، لیکن آپ سے محبت کرتا ہوں ابا۔ کیسے جلنے کے لیے چھوڑ دوں..." وہ انہیں لے کر نکلا راستے میں ایک جلتا ہوا بانس ابا کی طرف آتا دیکھ کر اس نے اپنے ہاتھ سے انہیں بچانے کی کوشش کی اس کی شرٹ میں آگ لگ گئی، لیکن وہ اپنے خلوص میں کامیاب ٹھہرا۔ اسلم صاحب کے ساتھ جب وہ باہر نکلا تو اس کی کلائی پر بہت بڑا آبلہ تھا، ابا کو جس طرح وہ اپنے سائے میں لایا تھا اس کے پیروں پر بھی آبلے تھے۔ ابا نے ان سب کو دیکھا تھا اور قرآن اسما کو تھما کر پہلی بار... شاید اپنی زندگی میں بھی پہلی بار خادم علی کو سینے سے لگا لیا تھا۔

"میں تمہیں کبھی سمجھ نہیں پایا، لیکن تم واقعی... مختلف ہو... کچھ بہت زیادہ مختلف۔"

دوسرا دن بہت سرپرائزنگ تھا جب سب اسلم صاحب کی تعریف کر رہے تھے۔

"آپ نے واقعی اپنی پیشانی کے نشان کی لاج رکھ لی اسلم صاحب..." تب اسلم صاحب نے اپنے قریب بیٹھے خادم علی کو خود سے قریب کیا تھا۔

"یہ سب اس کی جدوجہد اور ایثار کی وجہ سے ہوا۔ اس کی پیشانی پر کوئی نشان نہیں، لیکن اس کے دل میں رہتا ہے اللہ۔۔۔ اس کے ہاتھ کا نشان۔۔۔ میری ظاہری عبادت سے بازی لے گیا۔ امجد صاحب! ہمیں گواہ اور ظاہرداری نے کھینچ رکھا ہے، لیکن یہ سب چیزوں سے آزاد ہے۔ یہ اللہ کی عبادت صرف اللہ کے لیے کرتا ہے دنیا کے لیے نہیں۔۔۔ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اسے نمازی سمجھیں، لیکن یہ دکھی لوگوں کی خدمت کرکے۔۔۔ اپنے بیوی بچوں کے لیے حلال کما کے ہم سب سے آگے ہے۔" خادم علی شرمندہ ہو کر اٹھ گیا تھا اسما جو لاؤنج سے باہر کھڑی اس کی یہ تعریف سن کر خوش ہو رہی تھیں۔ خادم علی کو دیکھ کر مسکرانے لگی تھیں۔

"ابا تنقید میں بھی۔۔۔ اور تعریف کرنے میں آجائیں تو ان سے زیادہ کوئی بڑھ کر مبالغہ آرائی نہیں کرسکتا۔" اسما نے مسکرا کے اس کے بال بگاڑ دیے۔

"جاؤ ڈرائنگ روم میں کافی لوگ ہیں جو تم سے ملنے تمہاری خیریت دریافت کرنے آئے ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا کوریڈور میں چلنے لگا تھا۔

"ایک لمحے کے لیے میں بھی خوف زدہ ہوا تھا، لیکن پھر میں نے سوچا موت تو ہر ذی روح کو آنی ہے اگر ابا کو بچاتے ہوئے آگئی تو خوش نصیبوں میں لکھا جاؤں گا۔۔۔" اسما اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور بہت خوش تھیں۔

"سارے زخم بھر جائیں گے، لیکن تمہاری کلائی کا یہ نشان ہمیشہ تمہیں میری محبتوں اور دعاؤں میں سب سے پہلے یاد کیا کرے گا۔" اسلم صاحب لاؤنج سے باہر نکلے تھے اور مہمانوں کے جانے کے بعد اسما کے قریب آگئے تھے پہلی بار انہوں نے اسما کو خود سے قریب کیا تھا۔

"محبت محسوس کرنے کی چیز ہے دکھانے کی نہیں۔۔۔ لیکن اس حادثے نے یہ محبت دکھائی بھی اور محسوس بھی کروائی۔ اللہ کے کلام کو بچانے کی خواہش نے میرے بیٹے کے دل میں مجھے بچانے کی خواہش کو بے دار کیا۔ عبادت، محبت کے سوا کچھ بھی نہیں۔۔۔ یہ بات اتنے عرصے بعد سمجھ پایا۔۔۔"

"سمجھ تو گئے۔۔۔ دیر کیسی۔۔۔ جو چیز زندگی میں بھی آجائے وہی جیت ہے۔" اسما نے ان کے کندھے سے سر ٹکا دیا تھا دونوں کے چہرے محبت کی طرح مطمئن تھے، خوش تھے۔

☆ ☆

فرحین اظفر

سوہا اور مایا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید 'انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کردیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کرلیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)
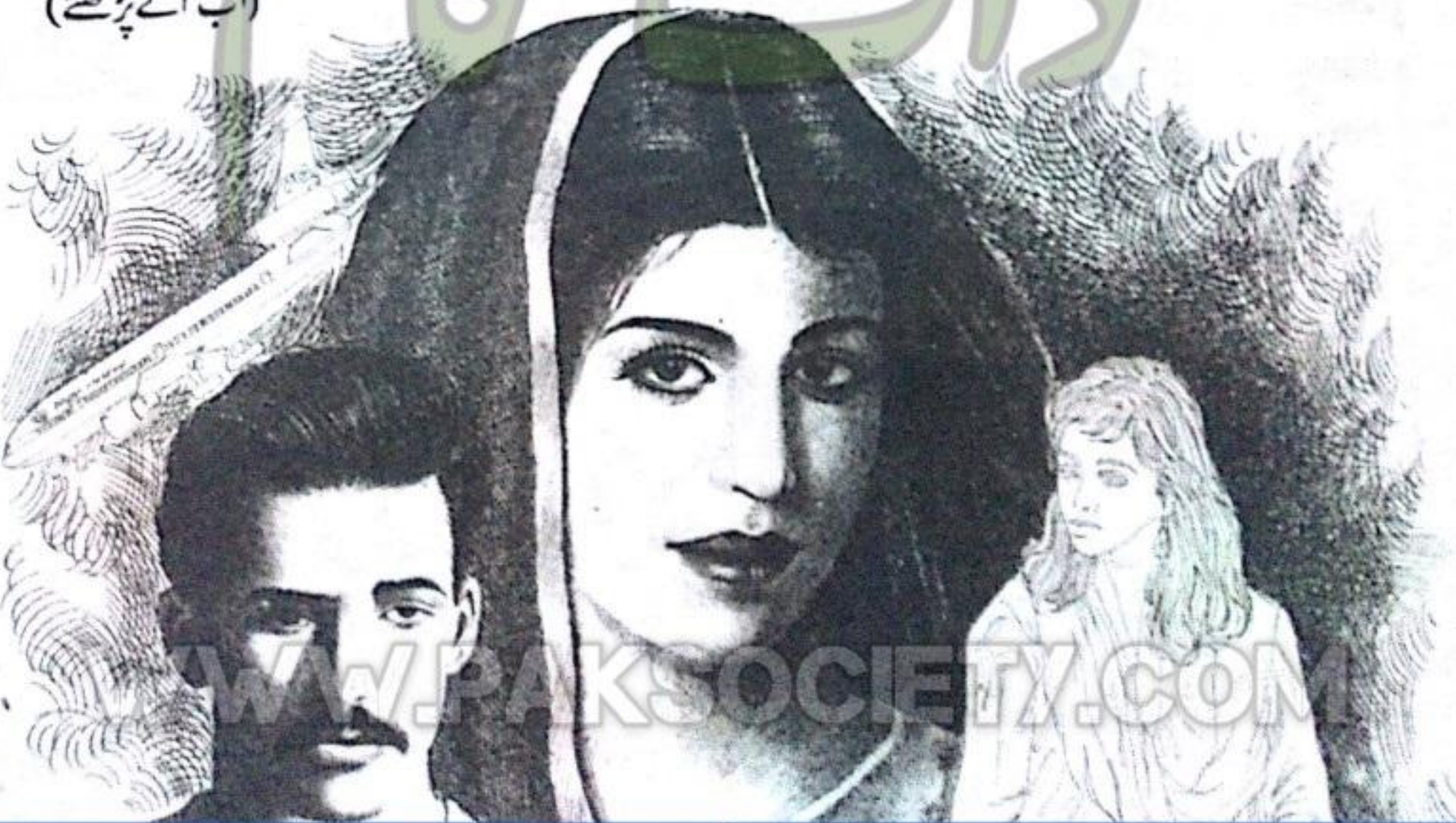
چوتھی قسط

صبح صبح کا وقت تھا۔ فجر کی نماز کے عادی افراد رات کو دیر سے سونے کے باوجود صبح جاگ گئے تھے۔ کچن میں ناشتے کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔

نائلہ بہت دیر سے اس کی غائب دماغی نوٹ کر رہی تھی۔ ناشتا بنانے میں بہت بار روٹی جلتے جلتے بچی۔ بے دھیانی میں دودھ کا گرم برتن اٹھا لیا۔ اور پھر تیزی سے واپس رکھتے رکھتے بھی تھوڑا سا دودھ گر ہی گیا۔

"کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو۔ دھیان کہاں ہے تمہارا۔"

نائلہ سے رہا نہیں گیا۔

عفت چونکی نہیں۔ وہ جانتی تھی۔ نائلہ بہت جلد اس کی غیر حاضر دماغی کو نوٹ کر لے گی۔

"پتا نہیں کیا بات ہے۔ صبح سے دل کو گھبراہٹ سی لگی ہوئی ہے۔"

"دس پانچ روپے صدقے کی نیت سے الگ کر دو۔"

اماں نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے اس کی بات سن لی تھی۔

"ہم نے بڑوں سے یہ ہی سنا ہے۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہو تو' دل یونہی نہیں گھبرایا کرتے۔ اور صدقہ بڑی مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔"

اماں شفقت سے بولتی پانی کا گلاس لے کر باہر نکل گئیں۔

"ابا کے لیے رات والے سالن میں روٹی مل دینا۔"

"جی اچھا۔" نائلہ فریج سے سالن کا پیالہ نکالنے لگی۔

جبھی ماہا نے کچن میں قدم رکھا۔

"حدید بھائی کل رات اپنے لاؤنج میں گر گئے۔" اس نے ایک ہی سانس میں خبر نشر کی عفت کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا چھوٹ کر دھپ سے زمین بوس ہو گیا۔

"لائٹ گئی ہوئی تھی۔ وہ پانی پینے کمرے سے نکلے تو اندھیرے میں...." ماہا تفصیل بتانے لگی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ان کی۔"

نائلہ نے جھک کر زمین سے پیڑا اٹھایا اور عفت کو تنبیہی نظروں سے دیکھتی۔ ماہا سے بولی۔

"اب تو بہتر ہے مگر' رات میں بہت تکلیف تھی۔ صبح صبح سوہا کا فون آیا تھا۔ رات بھر جاگے ہیں تینوں۔"

ماہا نے جلدی جلدی بتا کر' نائلہ کو تیار ہونے کا کہا۔

"میں اور امی جائیں گے ابھی' تم اور تائی جان بھی چلی چلو اگر چاہو۔"

جلدی میں ناشتا نمٹا کر چاروں خواتین نکل گئیں گھر میں ابا کے پاس عفت تھی۔

یہ حادثہ بھی خطرناک سہی مگر حدید کے ایکسیڈنٹ جتنا بہرالحال نہیں تھا۔ مگر عفت کو لگ رہا تھا آج' دل کی بے کلی کا عالم ہی کچھ اور ہے۔

"حدید کو پانی پینے کے لیے اٹھ کر باہر کیوں آنا پڑا میں تو' سوہا کو خاص طور پر تاکید کر کے آئی تھی کہ...."

اس نے کچن میں آکر دو چار برتنوں پر یونہی ہاتھ مارا۔

"اللہ کرے اب اس کی تکلیف ختم ہو گئی ہو۔"

صدق دل سے جانے کون سی بار دعا نکلی تھی۔

کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

کپڑے دھونے کا ارادہ کیا تو سرف میں بھگو کر یونہی چھوڑ دیے۔ جھاڑو اٹھائی اور اماں' ابا کے کمرے میں الٹے سیدھے ہاتھ مار کر کوڑا صحن میں جھاڑو سمیت سامنے ڈھیر کر دیا۔ ناشتے کے برتن سینک میں یونہی ڈال دیے۔ وہ

وہیں پڑے رہ گئے۔
کتنی دیر گزر گئی تھی ان لوگوں کو گئے ہوئے۔ صبح سے دوپہر ہونے لگی۔ ابا کو بھوک لگی۔ اس نے وہی رات کا سالن بھگو کر روٹی میں ان کے آگے رکھ دیا۔ ابا معمولی سے رعشہ زدہ ہاتھوں سے ڈبڈباتی روٹی رغبت سے منہ میں ڈال رہے تھے۔ وہ وہیں کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔
کیا کیا منظر اور کون کون سے خیال ذہن کے اسکرین سے گزرتے رہے۔ معاً" وہ آگے بڑھی۔
"ابا میں کھلادوں۔"
"کیوں۔" ابا حیرت سے دیکھنے لگے۔
"بس وہ شوربہ پتلا ہے نا گر نہ جائے۔"
"لے میں تو روز کھاتا ہوں۔ آج کون سی نئی بات ہے۔"
ابا ہنس کر بولے وہ 'بے دلی سے ان کے کمرے سے نکل آئی۔
مارے باندھے صفائی کر کے دال چڑھائی۔
"کسی کو اتنا خیال نہیں ہے کہ ایک فون کر کے اس کی خیریت کی اطلاع ہی دے دے۔" اس کی بے بسی انتہا پر تھی۔

☆ ☆ ☆

حدید کی حالت رات سے کافی بہتر تھی۔
انس کے چہرے پر تھکن اور نیند کے اثرات تھے۔ اور سوہا کے چہرے پر رونے کے بھی۔
"سب میرا قصور ہے امی۔ نہ میں اتنی لاپروائی برتتی۔ نہ یہ سب ہوتا۔" سوہا کی آواز بھرا گئی۔
"پاگل ہو گئی ہے آنٹی۔ رات سے یہ بات کہہ کہہ کر کتنی بار رو چکی ہے۔"
"ارے بیٹا۔ اپنی لاپروائی کا احساس تنگ کر رہا ہو گا اور کیا۔"
تائی امی نے بہت بردباری سے اپنا تجربہ پیش کیا۔
"سوہا نے کوئی لاپروائی نہیں کی۔"
حدید نے ایک نظر سوہا کو دیکھ کر کہا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔
نائلہ نے بطور خاص اس کا انداز نوٹ کیا اور حسب عادت دل میں جل کر رہ گئی۔
"بھی عفت اس کی جگہ ہوتی تو سب پیچھے لگ چکے ہوتے۔" وہ کڑھتی ہوئی سوچنے لگی۔
حدید نے ایک بار بھی عفت کا نہیں پوچھا۔ یہ بات نائلہ کو اور بھی بری لگی۔ وہ خود اپنی ہی سوچوں سے الجھتی رہی۔
سوہا ان لوگوں کو کھانے کے لیے روک رہی تھی۔ مگر تائی امی کو واپس کی جلدی پڑ گئی۔
"ماہا کے اسکول سے آنے تک تو رکیں۔ وہ بھی تو آپ لوگوں کے ساتھ ہی جائے گی۔"
سوہا نے انہیں دوپہر کے کھانے تک روک لیا۔ اور تیاریوں میں لگ گئی۔ نائلہ کو بھی مارے باندھے کچن میں آنا پڑا۔ مگر اس نے ایک بار بھی سوہا سے یہ نہیں کہا کہ وہ "آرام کرلے کھانا وہ خود بنالے گی۔ حالانکہ انس ذرا دیر بعد ہی سونے چلا گیا۔ حدید کو بھی نیند نے آگھیرا۔ اور سوہا بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ اسے بھی نیند آرہی تھی۔ مگر اخلاقیات کے تقاضے بڑے زور آور تھے۔
امی کچھ دیر بعد کچن میں آئیں۔

"اماں کہاں ہیں چچی۔" نائلہ نے یونہی پوچھا۔
"وہ لاؤنج میں صوفے پر سو گئی ہیں۔"
اماں کا انداز جتاتا ہوا نہیں تھا۔ مگر وہ پھر بھی شرمندہ ہو گئی۔
"تم بھی سو جاؤ سوہا۔ کھانا میں اور نائلہ دیکھ لیں گے۔"
امی سے سوہا کی حالت اور نائلہ کی چشم پوشی چھپی نہ رہ سکی۔ سوہا پس و پیش کرنے لگی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"ارے ابھی آرام کرو۔ ہمارے جانے کے بعد بھی کام کرو گی۔ اچھا ہے فریش ہو جاؤ گی۔"
"ہاں اور کیا۔ تم آرام کرو۔"
شرمِ حضوری میں نائلہ کے منہ سے بھی نکل گیا۔
ماہا کے آنے تک کھانا تیار تھا۔ اس کے کا اسکول یہاں سے دور تھا۔ وہ خود تھک کر چور تھی۔ امی اور نائلہ کے علاوہ سب ہی سو رہے تھے۔
دوپہر کا کھانا دیر سے کھایا گیا اور' سوہا سے کھانے کے لیے بھی نہیں اٹھا گیا۔ کھانے کے فوراً" بعد سب نے واپسی کی راہ پکڑی۔
"سوہا میں تمہارے پاس ضرور رک جاتی۔ مگر تم جانتی ہو پیپرز کے دنوں میں کام کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اور اسکول یہاں سے بہت دور ہے۔ میں اور اتنا سفر کر کے آتی ہی تو تمہارے کیا کام آسکوں گی۔"
ماہا بہت سچائی اور شرمندگی سے اپنی صفائی دے رہی تھی۔
"ارے کوئی بات نہیں نا۔ اب تو حدید بھائی ٹھیک ہیں۔ میں سنبھال لوں گی۔" اس نے امی اور ماہا دونوں کی تشفی کروائی۔
نیچے لاؤنج میں انس' نائلہ سے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا۔
ابھی یہ بات کسی کو پتا نہیں تھی مگر' اس نے محسوس کر لیا تھا کہ سوہا کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے حدید کو مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا کہ' اسے اپنی ٹانگ پر بالکل زور نہ دینا پڑے۔ ایسے میں اسے مکمل توجہ کی ضرورت تھی۔ تو یقیناً" کام بھی بڑھ جانا تھا۔
"میں کیسے رک سکتی ہوں۔ ٹیوشن کے لیے بچے آتے ہیں۔ ایگزام ہونے والے ہیں۔" نائلہ نے کورا جواب دیا۔ اماں کی بھی تسلی ہو گئی۔ انس ایک دم چپ ہو گیا۔
"آپ ماہا سے کیوں نہیں کہتے۔"
"جب تم ٹیوشن کی وجہ سے نہیں رک رہیں۔ تو وہ تو پھر اسکول میں جاب کرتی ہے۔"
انس نے بہت سرسری انداز میں کہا تھا۔ اس کا مقصد کچھ جتانا نہیں تھا۔ مگر نائلہ مقابل کی ہر بات کو اپنے زاویے سے دیکھنے کی عادی تھی۔
"چلیں۔ احساس تو ہوا۔" بظاہر اس نے ہنس کر کہا تھا۔
"مجھے ہمیشہ سب ہی کا احساس رہتا ہے۔ لوگ بے حس سمجھ لیں تو اس میں میرا کیا قصور۔" اب کی بار انس نے ذرا بلند آواز میں جتا کر کہا۔
انس کے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتی ماہا اور چچی جان کو دیکھ کر نائلہ نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سلام کر کے تیزی سے باہر نکل گئی۔
ان کے جانے کے بعد بھی انس بہت دیر تک نائلہ کی باتوں کو سوچ کر الجھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شام کو سوہا کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی۔ انس فوراً" اسے لے کر ڈاکٹر کے یہاں بھاگا۔ جاتے وقت وہ جتنا فکر مند تھا واپسی پر اتنا ہی خوش۔ سوہا کی طبیعت کی خرابی کی وجہ آنے والی خوش خبری تھی۔

انس نے حدید کو بھی اس خوشی میں شامل کیا۔ سوہا تو وہاں ٹھہری ہی نہیں اسے بے حد شرم محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے فوراً" ہی فون کر کے امی اور ماہا کو اپنی خوشی میں شریک کر لیا۔

امی نے اس کے لیے ڈھیروں ہدایات کا پلندا جاری کر دیا۔ جس میں دواؤں کی پابندی اور بھرپور غذا کی فروانی سرفہرست تھیں۔

وہ چپ چاپ مسکراتے ہوئے سنتی رہی۔

کمرے کے دروازے پر آہٹ ہو رہی تھی۔ اندر آنے والا انس تھا۔ اس نے امی کو مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا۔

☆ ☆ ☆

خالی کمرے میں خاموشی ہمکلام تھی۔

وہ آج بڑے دنوں بعد موقع لے کر نکلی تھی۔ اس سے پہلے ایک بار کوشش کی تو ابا کی طبیعت اتنی بھلی چنگی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو دکھانے کو مانتے ہی نہیں۔

ایک دن معدے میں ہلکا سا درد تھا وہ فوراً" ابا کے سر ہو گئی مگر اسپتال آکر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شبیر حسین دو دن کی چھٹی پر تھا۔

اسے موبائل فون کی کمی، ضرورت اور اہمیت کا بیک وقت شدت سے احساس ہوا۔

اماں نے نسیم باجی کو فوراً" انکار کہلانے کے بجائے نائلہ پر رضامندی کے لیے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

نسیم باجی بھی بہت زور دے رہی تھیں۔

نائلہ کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ دل ابھی انس کی بے وفائی (اپنے تئیں) کے جھٹکے سے سنبھلا ہی کہاں تھا۔ اور ابھی تو محبت کے پنچھی نے فقط چند خواب ہی دکھائے تھے۔ کھٹے میٹھے مزے لینے سے پہلے ہی پر کٹنے کا اندیشہ ستانے لگا تھا۔

وہ شبو کے سامنے رو ہی تو پڑی۔

"میں مرجاؤں گی مگر کسی دوہاجو سے شادی نہیں کروں گی۔"

"تو کون کہہ رہا ہے کہ کرو اس سے شادی' انکار کر دو۔"

اس کا لہجہ بڑا لاپروا سا تھا۔ درمیان میں رکھی تھیلی میں سے کینو اٹھا کر چھیلنے لگا۔

اس کی خاطر تواضع عام طور پر اسی طرح کی ہوتی تھی۔ کبھی عمدہ قسم کے بڑے بڑے کینو' کبھی سونف الائچی کی خوشبو والے پان۔ کسی چھابڑی سے خریدے گئے ٹھنڈے پکوڑے اور کبھی کبھار کولڈ ڈرنک۔

"کس برتے پر انکار کر دوں۔ تم.... تم۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔

"ہاں ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔" شکاری نے اپنا سوچا سمجھا دانہ پھینکا۔

"تم.... مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔" اسے لگا زندگی میں پہلی بار کوئی بات کہنی اس قدر مشکل ہے۔

"او یہ کیا بات ہوئی۔ میں نے کب انکار کیا۔"

"تو پھر.... رشتہ کب.... بھیجو گے۔" اس کی آواز لجلجا گئی۔

"جب تم کہو۔"

"سچ۔" نائلہ کے اندر زندگی دوڑ گئی۔

"ہوں۔"

اس نے منہ کھڑکی سے باہر نکالا۔ اور پھوں کی آواز کے ساتھ بیج فضا میں اچھال دیے۔

"تو پھر جتنی جلدی ہو سکے۔ اسی ہفتے بلکہ کل ہی۔"

"رک جا بھئی۔ چھری تلے دم تو لے۔ کڑیئے۔"

وہ چھلکے سمیٹ سمیٹ کر کچن میں پھینکنے چلا گیا۔

یہ فلیٹ بقول اس کے، کسی دوست نے اسے رہائش کے لیے دیا تھا۔

ایک تنہا آدمی کے زندگی گزارنے کے لیے یہاں خاطر خواہ سامان اور صرف ایک بیڈ روم سیٹ ہی تھا۔ نائلہ اس وقت وہیں تنہا بیٹھی تھی۔

یہ وہ لڑکی تھی۔ جو تن تنہا اپنی ماں اور بہن کے بغیر کبھی گھر کی دہلیز پار نہیں کرتی تھی۔ اگر آج وہ اس طرح ایک غیر محرم کے ساتھ اکیلی یہاں موجود تھی۔ تو اس میں اس آدمی سے زیادہ قصور یقیناً "خود اس کا اپنا تھا۔

اس نے اس راز میں کبھی اپنی دن رات کی سنگی ساتھی۔ سہیلیوں، رازداروں جیسی سگی بہن کو بھی شامل نہ کیا تھا۔

نہ تو اس کے حالات زندگی اتنے خراب تھے نہ اس سے منسلک رشتے۔

ہاں مگر قسمت۔ وہ شاید اب خراب ہونی چاہتی تھی۔ شبو آخر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

ان کے درمیان تکلف اور دوری کی دیواریں اپنا نام و نشان کھو چکی تھیں۔

"میری بہن رہتی ہے میرپور میں۔ آج ہی اس سے بات کرتا ہوں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر سمجھو بات نمٹ جائے گی۔" اس نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"پھر کبھی کبھی ایک بات میرے دل کو بہت چبھتی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر خود پر حسرت طاری کر کے بولا۔

"کونسی بات۔" نائلہ کو چونکنا ہی تھا۔

"بھلا میرے اندر ایسا کیا دیکھا تم نے۔" اس نے چہرے پر مسکینی طاری کر لی۔ چڑیا دانہ چگنے آ بیٹھی تھی۔ اب تو بس جال پھینکنے کی دیر تھی۔ اور صحیح وقت کا تعین کسی شکاری سے بہتر کون کر سکتا ہے۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ شکل و صورت میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ انسان کو اندر سے خوب صورت ہونا چاہیے۔"

کہتے سمے کسی کا خوب صورت چہرہ نگاہوں میں لہرایا۔ اس نے سر جھٹک دیا۔

"مگر تم میرا اعتبار بھی تو نہیں کرتیں۔"

"ایسے کیوں سوچتے ہو۔ خود سے بڑھ کر بھروسا ہے تم پر۔"

"اچھا۔" پکے نقوش والے سانولے چہرے پر شوق دید آن سمایا۔

"تو پھر میرا ایک کہنا مانو گی۔"

اس نے یوں کھسیا کر اپنے چھدرے بال کھجائے۔ جیسے کہنے میں بڑی شرم آتی ہو۔

"ایک چھوڑ۔ دس کہو۔"

"جب سے ملی ہو۔ یہ کس کے چادر لپیٹے رکھتی ہو۔ میں نے... میں نے آج تک تمہارے بال نہیں دیکھے۔ مجھے بڑا شوق ہے ایمان سے۔" نائلہ نے اس کا چہرہ دیکھا اور ایک دم زور سے ہنس پڑی۔

"بس اتنی سی بات۔"

اس نے اپنی نقاب والی چادر کے سرے کھول کر آہستہ سے سرسے سرکا دی۔

قسمت بھی خوشیوں کے روزن یونہی پرے سرکاتی ہے۔ اور زندگی گنبد بے در ہو جاتی ہے۔ مگر پتا دیر سے چلتا ہے۔

☆ ☆ ☆
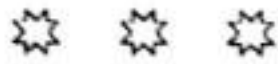
دن تیزی سے گزر رہے تھے۔

حدید کی حالت پہلے سے بہتر تو تھی۔ مگر ابھی بھی اس کے لیے با آسانی اٹھ کر چلنا پھرنا ممکن نہ تھا۔ درمیان میں اگر وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اب تک وہ بالکل ٹھیک ہو چکا ہوتا۔

اس دن بھی سوہا نے ناشتا بنانے میں اتنی دیر لگا دی کہ انس آفس کے لیے تیار ہو کر کچن کے دروازے تک آپہنچا۔

"جلدی کرو نا دس گھنٹے لگا دیے۔ دو بندوں کا ناشتا نہیں بنا۔"

اسے سوہا کو سست روی سے کام کرتے دیکھ کر غصہ آگیا۔

ابھی گرمیاں عروج پر نہیں تھیں مگر سوہا پسینے پسینے ہو رہی تھیں۔

"بس ابھی پانچ منٹ میں۔"

اس نے فرائنگ پین میں انڈا توڑ کر ڈالا۔

انڈے کی خوشبو سے اسے زور کی ابکائی آئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتی نکل کر واش روم میں بھاگی۔

انس غصے میں سر جھٹک کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

حدید لاؤنج میں بیٹھا سارا منظر دیکھتا رہا۔ وہ واش روم میں حال سے بے حال ہو رہی تھی۔ انس اپنی بائیک نکال کر یہ جا وہ جا۔

وہ اسٹک کے سہارے اٹھ کر کچن تک آیا۔ کوئلہ بنے انڈے کا چولہا بند کیا۔ سوہا ہانپتی ہوئی آکر لاؤنج میں صوفے پر گر سی گئی۔

"سوہا!" حدید پانی کا گلاس لے کر آیا۔

"تھینک یو۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔ جانے کیوں آنکھیں ڈبڈبا سی گئی تھیں۔

حدید نے محبت سے اس کا سر تھپکا۔ وہ دیکھ چکا تھا انس نے شادی کے بعد اور آج سے پہلے شاید ہی کبھی سوہا پر اس طرح غصہ کیا ہو۔

وہ جانتا تھا سوہا نہ تو کام کے معاملے میں ست ہے نہ غیر ذمہ دار۔ مگر انسان کو کبھی کبھی غصہ آ ہی جاتا ہے۔ قصور اس کا بھی نہیں تھا۔

وہ کمرے میں آکر عفت کا نمبر ملانے لگا۔

☆ ☆ ☆

ایک ہفتے کے اندر اندر خوشی کی خبر سنانے والے نے 'بیس دن بعد بھی کچھ سنانا تو دور اپنی شکل تک نہ دکھائی تھی۔

شبو نے اسے بتایا تو تھا کہ اس کی بہن کسی بات پر ناراض ہے۔ اسے منانے کے لیے ہو سکتا ہے اسے 'میرپور خاص جانا پڑے۔ چند دن تو اس نے یہ سوچ کر صبر کیا کہ وہ شاید سچ مچ میرپور چلا گیا ہو۔

مگر دل کی بے چینی جب حد سے سوا ہو گئی تو لے دے کر ایک یہی بہانہ رہ جاتا تھا کہ وہ' ابا کے ہلکے سے سر درد کو طبیعت کی خرابی پر معمول کر کے اپنے ساتھ اسپتال گھسیٹ لے گئی۔ شبیر حسین اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

"اس کا تو ٹرانسفر ہو گیا ہے۔"

"جی۔" اسے لگا آس پاس کوئی زوردار بم دھماکہ ہوا ہے۔ جس سے اس کے جسم کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مگر اعصاب کے پرخچے ضرور اڑ گئے ہیں۔ اس کا ہوائیاں اڑتا چہرہ سامنے والے کے لیے شاید نیا نہ تھا۔

"آپ کا بھی کچھ لے بھاگا ہے کیا وہ۔"

"کیا۔۔۔ کیا مطلب۔" بمشکل تمام حواس یکجا کر کے اس نے سامنے والے کی بات سنی۔ "بہت سوں کے ساتھ طرح طرح کے فراڈ کر کے گیا ہے۔ آپ جیسی کتنی ہی آچکی ہیں۔ اس کا اتا پتا پوچھنے۔"

اس نے گھومتے ہوئے سر کو تھام کر کاؤنٹر کا سہارا لیا۔ ورنہ ضرور زمین پر گر جاتی۔ نگاہوں کے سامنے دھندلاتی منظر کو پلکیں جھپک جھپک کر صاف کرتے ہوئے اس نے دور ابا کو بینچ پر سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

اپنی بے بسی اور بے غیرتی کے سارے منظر اس کی نظروں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔

"میں نے بہت سے معصوم لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ یقیناً" احتساب کی گھڑی بہت جلد آپہنچی ہے۔"

دل میں جانے کب سے سوئے پڑے ضمیر کو جاگنے کا خیال آیا تھا۔ جب چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔ اور اس کی عزت داؤ پر لگ چکی تھی۔

"کیا ہوا۔ بولتی کیوں نہیں۔ نمبر نہیں لیا۔"

ابا اس کی اڑی اڑی رنگت کی وجہ جاننے سے قاصر تھے۔

"ڈاکٹر آیا ہے۔"

"نہیں اس کا ٹرانسفر ہو گیا۔" بولتے بولتے وہ بنچ پر گر سی گئی۔

٭ ٭ ٭

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ حدید نے خود اسے بلایا ہے۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں۔ تمہیں گھر آئے ہوئے۔ ذرا اپنی شکل ہی دکھا جاؤ آکے۔"

وہ دن بھر میں ہزاروں بار اس کی کہی ہوئی بات کو دل ہی دل میں دہرا کر مسکرائی تھی۔

"آؤ گی نا۔ میں انتظار کروں گا۔"

اس کے لہجے میں کوئی گمبھیرتا نہیں تھی۔ وہ بہت سنجیدگی اور اپنائیت سے بات کر رہا تھا۔

مگر یہ دل خوش فہم۔۔۔ سارے جھگڑے اسی کے کھڑے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک ایک بات کو ست رنگی دھنک اوڑھا کر پیش کرتا ہے۔

مگر۔۔۔

برا ہوا کہ اس کے دل کی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صاف منع کر دو۔"

اماں نے سنتے ہی اسے جھڑک دیا۔

"لیکن کیوں اماں۔"

"کیوں کا کیا سوال ہے۔ ان لوگوں نے تو کھیل ہی بنا لیا ہے۔"

نائلہ حیرت انگیز طور پر چپ تھی۔

"خدمتیں کروانے کے لیے میری اولاد رہ گئی ہے۔" اماں کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔
اس نے بے بسی سے اماں کو دیکھا۔ پھر چپ سادھ لی۔ ان کے اس طرح سوچنے کا انداز میں کچھ غلط بھی نہ تھا۔
انس سے انہیں نائلہ کے لیے جو امید تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اب اگر ضرورت کے وقت وہ لوگ ماہا کے بجائے ان دونوں کو یاد کرتے تھے تو یہ اپنا دامن سمیٹنے اور انہیں مایوس کرنے کو اپنا حق سمجھتی تھیں۔
عفت کو ان کی عقل اور ذہنیت پر محض اتنا ہی افسوس تھا کہ وہ دونوں اس کا سگا خون تھیں۔ مگر ان کی سوچیں اس سے کوسوں دور تھیں۔

☆ ☆ ☆

دل کے افق پر بے کلی اور اداسی کے گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔
تین نفوس بیک وقت انتظار کی گھڑی کی سوچوں سے بندھے تھے۔
سوہا کو انس کا انتظار تھا۔
اس نے انس کے جانے کے چند منٹوں بعد ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ 'بظاہر کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود معافی مانگ کر انس کا موڈ ٹھیک کر دے گی۔
انس کا انتظار عفت کو بھی تھا۔
اس انتظار میں خوشی بھری بے تابی نہیں تھی۔ بلکہ اماں نے دوٹوک انداز میں جس طرح انکار کیا تھا۔ اسی لہجے کی خوف بھری مایوسی تھی۔ اماں اور نائلہ دونوں ہی نہیں چاہتی تھیں کہ اب وہ وہاں جائے۔ تو اب حدید کی بات ماننا تو خیر ناممکن ہی ہو گیا تھا۔
حدید کو عفت کا انتظار تھا۔
اس کے خیال میں یہی ٹھیک وقت تھا۔ اسے اپنی دلی کیفیات سے آگاہی دینے کا۔ اس نے پہلے کبھی عفت کے لیے اس طرح کے جذبات محسوس نہیں کیے تھے۔ مگر ایکسیڈنٹ کے بعد جس طرح اس نے اس کا خیال رکھا تھا۔ تو دیوانی قسم کی تو نہیں مگر ہاں دل کے کسی کونے میں ایک نرم ملائم جذبہ محبت نے اپنا بسیرا ضرور کر لیا تھا۔
اسے احساس تھا انس اپنی خالہ جان اور نائلہ دونوں کی امیدوں کا مرکز تھا۔ اس نے اگر سوہا کو اپنا لیا تھا کہ دونوں کی توقعات خود بخود اس کی طرف منتقل ہو گئی تھیں۔
اس بار وہ خالہ جان کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ ان کی توقعات کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ عفت شکل اور صورت و تعلیم میں واجبی سہی، مگر وہ اس کی آنکھوں میں چھپی محبت کو پڑھ چکا تھا جو یقیناً" صرف اور صرف اسی کے لیے تھی۔
اس نے سوچ لیا تھا کہ بہت جلد وہ اس راز میں سوہا اور انس کو بھی شامل کر لے گا۔
"اور عفت... وہ میرے منہ سے سن کر کیسا محسوس کرے گی۔" اس کے ہونٹوں پر ایک محظوظ شرارتی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

انس آفس سے واپسی پر بے حد پژمردہ تھا۔ سوہا اور حدید دونوں ہی نے اسے آفس کی تھکن اور صبح والے واقعے پر معمول کیا۔ وہ دروازے سے سیدھا اس کے کمرے میں ہی آیا تھا۔ حدید بہت دیر سے اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ متوجہ نہیں ہوا تو حدید کو اسے پکارنا پڑا۔
"کیا بات ہے۔ کس سوچ میں گم ہو۔" سوہا چائے رکھ کر جا چکی تھی۔

"کہیں نہیں یار۔" اس نے گہری سانس لے کر چائے کا کپ اٹھالیا۔
"پھر بھی... روز اتنے تھکے ہوئے نہیں لگتے۔ آج زیادہ ہی..."
"ہاں بس۔" انس نے ایک گھونٹ بھرا۔ حدید سمجھ گیا ابھی وہ بتانا نہیں چاہتا۔
"اچھا آج ایک کام کرنا۔ خالہ جان کے یہاں سے عفت کو لے آنا جاکر۔"
"کیوں۔" اس نے ایک دم ناگواری سے پوچھا۔
حدید کو محسوس ہوا انس کو اس کی بات بری لگی ہے۔
"ویسے ہی کہہ رہا تھا۔ آجائے گی تو سوہا کی تھوڑی ہیلپ ہوجائے گی۔"
"کیوں سوہا کو کیا ہوا ہے۔" انس کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔
"تمہیں نہیں پتا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ آرام کی ضرورت ہے... اور میری وجہ سے..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوگیا۔
"کیا تمہاری وجہ سے۔ کیا اسے آرام نہیں ملتا۔ اور وہ کیا دنیا کی پہلی عورت ہے جو..."
"کیسی باتیں کرتے ہو یار کیا حرج ہے اسے بلانے میں۔"
حدید حتی المقدور دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا کہ انس کا موڈ خراب نہ ہو۔
"خالہ جان کو پسند نہیں ہمارا بلانا۔ جب تمہاری طبیعت پوچھنے آئی تھیں تو نائلہ جی الٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔" انس نے اسے تفصیل بھی بتادی۔
"اچھا!" سن کر حدید کو افسوس ہوا۔
"مگر میں نے تو صبح عفت کو فون کردیا تھا۔"
"کیوں۔ کیوں کیا تم نے فون' مجھ سے پوچھے بغیر ہی کردیا۔" وہ ایک دم بری طرح بگڑ گیا۔
"مجھے تم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حدید کو اس کا انداز برا لگا تو منہ بنا کر کہنے لگا۔
"تو ٹھیک ہے۔ جاکر لے آؤ خود ہی میں نہیں جاؤں گا۔" وہ چائے یونہی چھوڑ کر باہر نکل گیا۔
حدید نادم اور شرمسار سا باہر سے آتی اس کی آواز سن کر الجھتا رہا۔
"یہ تم نے چائے بنائی تھی اتنی کڑوی اور اتنی ٹھنڈی صبح سے ایک کام میرے لیے کیا' وہ بھی تھرڈ کلاس۔"

✡ ✡ ✡

لمحہ لمحہ گزرتے' اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ یہ وہ خود ہی جانتی تھی یا اس کا خدا۔ ایک دل کہتا تھا اڑ کر حدید کے پاس پہنچ جائے۔ دن بھی تو کتنے ڈھیروں گزر گئے تھے' اسے دیکھے ہوئے' بات کیے ہوئے۔
ایک دل کہتا تھا انس بھائی نہ ہی آئیں تو اچھا ہے۔ اماں تک تو خیر تھی' نائلہ سے کچھ بعید نہ تھا۔ کچھ بھی الٹا سیدھا بول سکتی تھی۔
"وہ پہلے ہی یقیناً" سوہا اور ماہا کو کسی نہ کسی لحاظ سے ہم سے بہتر سمجھتے ہیں جب ہی ان سے زندگی بھر کا رشتہ جوڑا۔ اور اب یہ فضول کی باتیں ہمارا کتنا امیج خراب کردیں گی۔ یہ بیوقوف نائلہ سمجھتی کیوں نہیں۔
کیا انس اور حدید دنیا کے پہلے اور آخری مرد ہیں۔ اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے تو یقیناً" ہمارا جوڑ بھی تو اتارا ہوگا۔ جانے اسے خدا سے امید کیوں نہیں۔ انسانوں سے اتنی توقعات کیوں ہیں۔"
بار بار حدید سے صبح فون پر ہوئی بات یاد آنے لگتی۔
دل بے قرار کو کتنی مشکل سے امید کی ننھی سی کرن کا آسرا ملا تھا۔ حدید نے خود فون کیا تھا۔ حالانکہ وہ سوہا سے

بھی کہہ سکتا تھا پھر عفت سے براہ راست کہنے کی وجہ۔ "یقیناً" حدید نے مجھے یاد کیا ہوگا۔
بار بار اس خیال کی تیز ہوا چلتی۔ اس کا دل منچلی پتنگ کی طرح اونچی اڑان بھرتا۔ پھر نائلہ اور اماں کی باتیں یاد آتیں اور پتنگ کٹ کر ڈولتی ڈگمگاتی مایوسی کی گہری کھائی میں جا گرتی۔
نائلہ خوب دیکھ رہی تھی کہ اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں۔ مگر صد شکر کہ اس نے بار بار ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔
اماں نے شوشہ چھوڑا تھا کہ انہیں انس سے کوئی بات کرنی ہے۔ مگر وہ کیا بات کرنے والی ہیں۔ اسے علم تو نہ تھا مگر انتظار ضرور تھا کہ بلی تھیلے سے باہر کب آئے گی۔ مگر انتظار کی گھڑیاں اتنی طویل ہوگئیں کہ صبح سے شام اور شام سے رات ہوگئی۔ انس کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے۔

☆ ☆ ☆

سوہا پانی کا جگ اور گلاس رکھنے آئی تھی۔
"انس کا موڈ ٹھیک ہوگیا۔" حدید بے ارادہ ہی اس سے پوچھ بیٹھا۔
"جی اب تو بہت بہتر ہے۔" وہ دھیرے سے ہنس دی۔
"وہ ہوا کیا تھا موصوف کو آج.... ہیں۔" وہ موبائل سے کھیل رہا تھا۔
"پتا نہیں' ویسے کہہ رہے تھے کہ آفس میں کوئی پرابلم چل رہی ہے اور کچھ نہیں بتایا۔" وہ ابھی تک بیڈ کے پاس ہی کھڑی تھی۔
"بیٹھ جاؤ کھڑی کیوں ہو۔" اس نے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بنائی سوہا ذرا کی ذرا اٹک گئی۔
"آپ سے بھی وہ ناراض ہوگئے تھے شام میں۔"
"ہاں بس یونہی بے وجہ.... میں نے کہا تھا عفت کو لے آو جا کے۔" حدید نے سرسری انداز میں بتایا۔
"اچھا آپ نے کہا تھا جبھی۔"
"جبھی کیا۔" وہ چونک گیا۔
"وہ بھی لینے گئے ہیں۔"
"اب اس وقت کیوں۔" انس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔
"کہہ رہے تھے کوئی ضروری کام ہے۔ اب پتا چلا آپ نے کہا تھا تو کیوں نہ جاتے۔" وہ ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی۔
حدید اس کے جانے کے بعد اپنے بھائی کی محبت پر مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

"وہ جانتی تھی عفت حدید کو پسند کرتی ہے۔
کل تک اسے کوئی اعتراض نہ تھا.... مگر اب....
اب تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ آنے والے وقت کا خوف بھوت بن کر اعصاب پر سوار تھا۔
لڑکیاں راستے سے بھٹک جاتی ہیں۔ کبھی سراب کو منزل سمجھنے لگتی ہیں' لیکن ایسی فاش غلطی کو نہ تو نادانی کے حاشیے میں رکھا جا سکتا تھا۔ نہ قسمت کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا تھا۔ رات اپنی پوری تاریکیوں سمیت اس کا وجود نگلنے کے لیے دھرتی پر اتر آئی تھی۔
آنسو اس داغ کو نہیں دھو سکتے تھے۔ جو آنے والا وقت کالک بن کر اس کے منہ پر ملنے والا تھا۔ نہ ہی گزرا ہوا وقت واپس آسکتا تھا۔ نہ خودکشی کا جرات مندانہ قدم اس کے ماں باپ کو رسوائی کے طوق سے بچا سکتا تھا۔ سہمی

ہوئی دھڑکنیں' رکی رکی سانسیں اور اب کیا ہو گا کی تلوار اس کے سر پر تنی' اپنی نوکیلی دھار سے جیسے کنپٹی کی رگوں تک اتر آئی تھی۔

بظاہر اس کا وجود ساکت تھا اور ایسی کتنی ہی راتیں سولی پر ٹنگے گزار چکا تھا۔

"یا اللہ۔ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔"

لذت گناہ میں گم ہو کر انسان حرام اور حلال کی تمیز کھو دیتا ہے۔ بھلائی اور برائی کی تمیز کھو دیتا ہے۔ مگر وقت گزرنے کے بعد جب لذت ختم ہو جاتی ہے اور صرف گناہ باقی رہ جاتا ہے تو یہی حرام اور حلال اور بھلائی اور برائی کی تمیز پہلے سے زیادہ واضح جزئیات اور گہرے خدوخال لیے شعور کی سیڑھیاں چڑھ کر عقل کے سب سے اونچے چبوترے پر آکھڑے ہوتے ہیں۔ تب انسان دنگ ہو کے سوچتا ہے کہ اس وقت ہماری عقل کہاں جاسوئی تھی۔

بلاشبہ جب انسان کے بدترین اعمال کے سیاہ نتائج اپنی ہولناکیوں سے اس کا دم نکالنے کے درپے ہوتے ہیں تو خود احتسابی کا عمل زندگی کے کسی بھی مقام سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ بھی زندگی کے اسی مقام پر تھی۔

اور اس کڑے مقام سے گزرتے ہوئے اس پر پوری طرح منکشف ہو چکا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بھیانک غلطی نہ صرف کر چکی ہے۔ بلکہ اسے سدھارنے یا مٹا کر ٹھیک کرنے کا کوئی کوئی اختیار اس کے پاس نہیں۔

اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکلی اور پیٹ میں درد کی شدید لہر۔ سانس تیز ہو کر دھونکنی کی مانند چڑھ گئیں۔ یوں لگا آنتیں اس قدر کھنچ گئی ہیں کہ پیٹ کے تمام عضلات سمیت حلق سے باہر آجائیں گی۔ وہ تیزی سے اپنی مسہری سے اٹھی۔ اسے زوردار چکر آیا۔ اس نے بے اختیار بیٹھ کر خود کو سنبھالا۔ اسی وقت درد کی ایک اور لہر۔ وہ بے اختیار گرتی پڑتی باتھ روم تک پہنچی۔

وضو کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر لاتی ایاں کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹا اور لڑھکتا ہوا نالی کے پاس جا گرا۔ اندر سے نائلہ کے بری طرح اوکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ واضح مگر مدھم۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے نیم گرم تازہ پانی کو نالی میں بہتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

✲ ✲ ✲

چہرے پہ تبسم ہے
لبوں پہ شوخی ہے
آنکھوں میں شرارت ہے
تم خود ہی کھو جاناں!
کہکشاؤں کے جھرمٹ میں
تاروں کی مسافت ہے
اعجاز ہے یہ الفت کا
یہ کس کی محبت ہے

مسکراتے لبوں پر کلیاں سی چٹک رہی تھیں۔ کان میں کسی کا مسکراتا لہجہ امرت جل ٹپکا رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ پوری رات آنکھوں میں جاگتے اور لبوں سے مٹھاس برسائے اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔

"پیپرز بن کر آگئے ہیں۔ تیاری کریں محترمہ۔"

حسیب نے فون ریسیو ہوتے ہی سب سے پہلے یہ خبر اسے سنائی تھی۔

وہ خوش بھی ہوئی اور کچھ پریشان بھی۔
"اتنی جلدی۔"
"کیوں تم چاہتی تھیں کہ دیر لگ جائے۔"
"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"
"اچھا تو پھر کیا مطلب تھا۔"
چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں سے باتیں نکلیں تو صبح کاذب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مگر نہ توماہا کی آنکھوں میں نیند کی چھب لہرائی نہ حسیب کے لہجے کی بشاشت ذرا سی بھی ماند پڑی۔ وہ کہتا رہا۔ وہ سنتی رہی۔
دونوں طرف خواب تھے' وعدے تھے' امیدیں تھیں' امنگیں تھیں۔ آنے والی زندگی اپنی روشن بانہیں وا کیے ان کے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔
وہی گھر تھا اور اسی گھر کے ایک حصے میں.....
زندگی مایوس اور تاریکی کے مہیب سائے اوڑھے ایک کمرے میں آنے والی صبح کے خوف سے دبکی بیٹھی تھی۔
وہ چکراتے سر اور بے ترتیب سانسیں سنبھالتی باہر نکلی تو اماں کو کمرے کے دروازے سے اندر گم ہوتے دیکھا۔
"اماں نے مجھے دیکھ لیا۔ اماں کو پتا چل گیا۔" ایک قیامت اس کے وجود سے ہو کر گزری تھی۔
لرزتے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے اور اپنے وجود پر اسرائی کے کالے سائے پر پھیلائے محسوس ہو رہے تھے۔

✵ ✵ ✵

رات کو انس بہت دیر سے گھر واپس آیا۔ حدید اور سوہا دونوں ہی اس کا انتظار کرتے کرتے سو چکے تھے۔ ناشتے کی میز پر اسے اکیلا دیکھ کر حدید سے رہا نہیں گیا۔
"سوہا کہہ رہی تھی۔ تم رات میں عفت کو لینے گئے تھے۔"
"ہاں گیا تو تھا مگر جاتے میں ہی بائیک پنکچر ہو گئی۔ اسے بنوانے میں اتنی دیر لگی کہ پھر میں نے سوچا آج آفس سے واپسی پر لیتا آوں گا۔"
"اچھا۔ میں نے فون پر کہہ دیا تھا عفت نے انتظار کیا ہو گا۔"
"میں کروں گا فون آج' نائلہ اور عفت میں سے جو بھی..." اس نے بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔
حدید نے اس کے انداز میں عجلت محسوس کی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ نائلہ کو نہیں عفت کو لانا۔ مگر کہہ کچھ اور گیا۔
"تمہاری پروموشن کا کیا بنا۔"
"بس یار۔ لوگ اپنے بندوں کو آگے کر دیتے ہیں۔ نہ کوئی میرٹ ہے نہ قابلیت کی مانگ۔ بس چاپلوسی اور خوشامد کرتے رہو۔ جیبیں بھرتے رہو اور ترقی کرتے رہو۔" اس کا لہجہ پژمردہ سا ہو گیا۔
"مطلب نو چانس۔ ایک دم فنش۔"
"نہیں ابھی چل رہا ہے چکر مگر اب مجھے امید نہیں ہے۔"
سوہا اپنی اور حدید کی چائے نکال کر ناشتا کرنے آبیٹھی۔
"تم آفس کب جوائن کرو گے۔" انس جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔
"دیکھو اسی ہفتے یا شاید نیکسٹ۔"

سوہا ناشتا کرتے میں سے اٹھ کر اسے گیٹ تک چھوڑنے چلی گئی جبکہ حدید کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ کتنی دیر سے اپنے پیروں پر گندمی ہاتھوں کی لرزش اور اشک ندامت کی نمی محسوس کر رہی تھیں انہیں لگتا تھا اب کہنے کو کچھ باقی نہیں بچا۔ کہنے کے لیے تو نائلہ کے پاس بھی کچھ نہ تھا۔ گھنٹوں بہائے گئے آنسو نہ اس کی عزت واپس لاسکتے تھے۔ نہ گزرا ہوا وقت۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ غلطی کر چکی ہے مگر۔ اسے سدھارنے کا موقع.... اب شاید نہیں ملنے والا تھا۔

یوں بھی جب غلط لفظ کو لکھنے کے بعد ایک بار مٹایا جائے۔ پھر دوبارہ' پھر بار بار یہ عمل دہرایا جائے تو کاغذ' اپنی چکنی سطح پر لگنے والی رگڑ کو ایک حد تک سہنے کے بعد پھٹ جاتا ہے۔ پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اس پر نئے سرے سے کوئی لفظ تحریر کیا جائے خواہ وہ لفظ صحیح ہو یا غلط۔

نائلہ سے ایک بار انجانے میں غلطی ہوئی جو وہ' ایک دھوکے باز شخص سے ناطہ جوڑ بیٹھی۔ مگر بار بار اس سے ملنا اس کی غلطی نہیں تھی۔ وہ جانتے بوجھتے یہ غلط کام کرتی رہی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سزا کی حق دار ٹھہری۔

اماں کے لبوں پر لگی خاموشی کی مہر کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ منتیں کر کر کے ہار رہی تھی اور اماں کی خاموشی سے مر رہی تھی۔

"کچھ تو کہیں اماں۔ گالیاں دیں۔ ماریں پیٹیں۔ بددعائیں۔ کوسنے دیں مجھے۔ مگر ایسے چپ مت رہیں۔ ورنہ میں مر جاؤں گی اماں خدا کے لیے۔"

وہ ان کے پیروں میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

عفت ناشتے کے لیے کچھ سامان لینے قریبی دکان تک گئی تھی۔ ابا اپنی نیند کی دوا کے زیر اثر دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔ اماں نے اپنی ڈبڈبائی نظریں اس پر ذرا کی ذرا ڈالیں۔

نائلہ کا ورم زدہ چہرہ خود اپنے اوپر گزرنے والے حادثے کا گواہ تھا۔ ان کا دل بند ہونے لگا۔ ایک قیامت جو بے پاؤں ان کی طرف اپنے خون آشام پنجے کھولے بڑھ رہی تھی۔ ان کے چھوٹے سے گھر کے سکون کو تاحیات بے سکونی میں بدلنے والی تھی۔ درحقیقت انہیں ادراک ہی اب ہوا تھا کہ بے سکونی کس چیز کا نام ہے۔ نیندیں اڑ جانے کے پہلے اسباب انہیں بہت حقیر لگنے لگے تھے۔

ان کی برسوں کی عزت کی دھجیاں بکھرنے والی تھیں۔ ان کی سفید پوشی کی چادر کو لیر لیر کر دینے والی تھی۔ بے بسی کی انتہائی حد سے بھی چند قدم آگے انہوں نے اپنے آپ کو کھڑا پایا۔

"کچھ تو بولو اماں۔ اللہ کے واسطے نہیں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔"

ان کا جھریوں بھرا ہاتھ لمحے بھر کے لیے لرزتا ہوا اس کے ہاتھوں پر ٹھہرا' پھر انہوں نے اس کے ہاتھ اپنے پیروں پر سے ہٹا دیے۔

"اماں۔" مایوسی کی اتھاہ میں ڈوبتی اس کی آواز فقط لبوں کی جنبش بن کر رہ گئی۔ وہ بے یقینی سے اماں کو کمرے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

چچی جان کی خوشی سے بھرپور آواز' گھر کے ماحول میں کسی نوحے سے کم نہ تھی۔

"سچ پوچھیں تو میرا بہت دل گھبرا رہا تھا یہ رشتہ کرتے وقت۔ حالانکہ انس نے بڑا اطمینان دلایا تھا۔ مگر پردیس

میں بسنے والوں کی کیا خبر۔ خدا کا شکر ہے جلد ہی کاغذات بن گئے۔ بس اب وہ لوگ نزدیک ہی کی کوئی تاریخ مانگ رہے ہیں۔"

اماں پتھر کے بت کی مانند ساکت تھیں۔ نائلہ تو پتا نہیں کہاں سر منہ لپیٹے پڑی تھی۔ عفت نے ہی آداب میزبانی نبھاتے ہوئے چائے سامنے لا کر رکھی تھی اور اب ایک پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر زبردستی سجائے بیٹھی تھی۔

اماں کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر وہ خود بھی عجیب سی ہو گئیں۔ اماں کی پتھرائی ہوئی نظریں زمین پر گڑی تھیں۔

"بھابھی کی طبیعت ٹھیک ہے۔"

انہوں نے اپنی بھاوج کا چہرہ دیکھتے ہوئے عفت کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ عفت تو خود انجان تھی اور اماں کے اس عجیب و غریب رویے کا سبب جاننے سے قاصر اس نے دھیرے سے اماں کا گھٹنا ہلایا۔

"اماں!" وہ کسی گہرے دھیان سے چونکیں۔

"ہوں۔"

"چچی بتا رہی ہیں۔ ماہا کے کاغذات بنوالیے ہیں حسیب بھائی نے۔"

وہ چند لمحے یونہی خالی نگاہوں سے تکتی رہیں پھر سنبھل کر اپنی دیورانی کی طرف دیکھا وہ بھی اماں کے انداز کو نا سمجھی سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں مبارک ہو۔" اسی خالی انداز اور کھوکھلی آواز کے ساتھ انہوں نے مبارک باد کے پتھر خالی ٹین کے ڈبے میں لڑھکائے اور اٹھ کر اندر کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"وہ چچی جان دراصل آج اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

عفت نے گڑبڑا کر صفائی دینے کی ناکام سی کوشش کی۔

"مجھے تو زیادہ ہی خراب لگ رہی ہے۔ دیکھا نہیں تم نے کسی بات کا جواب دینا تو دور کی بات ڈھنگ سے سنی تک نہیں۔"

من پسند خوش خبری پر من پسند رسپانس نہ ملنے پر ان کے انداز میں خفگی سی در آئی۔ عفت خجل سی ہو گئی۔ چچی جان مزید کوئی بات کیے بغیر سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آفس سے واپسی پر انس روز سے زیادہ تھکا ہوا اور بجھا بجھا سا تھا۔ سوہا نے اسے ماہا کے فون کے بارے میں بتایا' مگر اس نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

"آپ کو بہت دیر ہو گئی آج واپسی پر۔" اس کی بے توجہی پر وہ خود بھی بجھ سی گئی۔

ماہا کی رخصتی اور شادی کے حوالے سے وہ بہت ایکسائٹمنٹ محسوس کر رہی تھی۔ انس نے اس کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہ کیا تھا بلکہ دو لفظ بھی جواب میں نہ کہے تھے۔ سوہا کا دل برا ہونے لگا۔ جب سے شادی ہوئی تھی۔ سوائے شروع کے چند ایک دنوں کے انس نے آج تک اس سے ڈھنگ اور فرصت سے بات نہیں کی تھی۔ حالانکہ اب تو کتنے دن گزر چکے تھے ہر وقت کسی نہ کسی سوچ اور پریشانی میں گم رہتا تھا۔

اس کی پریگننسی کی اطلاع پر جس خوشی اور جوش کا اظہار کیا تھا وہ بھی اب کہیں گم ہو گئی تھی۔ بلکہ اسے تو لگتا تھا انس ہی کہیں گم ہو گیا ہے۔ جو شادی سے پہلے اس کی محبت کا دم بھرتا رہتا تھا اور ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا تھا۔

وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھے سوچے گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ انس نہ صرف اس کا ارتکاز محسوس کر چکا ہے۔ بلکہ اس سے الجھ بھی رہا تھا۔

"کھانا لے آؤ۔ کب تک یہاں بیٹھو گی۔" سوہا بے دلی سے اٹھ گئی۔

جانے کیا ہوتا جا رہا تھا اس کو من پسند بیوی بجی سنوری' سامنے دل کو بہلانے کے لیے ہی بیٹھی تھی اور اس کا دل جانے کون سی گتھیاں سلجھانے میں لگا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے سوہا نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی۔ کپڑے چینج کیے بغیر وہ سر کو پیچھے ڈھلکا کر آنکھیں موند چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

امی صبح سے کئی بار دل ہی دل میں ماہا کی نظر اتار چکی تھیں جس کے لبوں پر صبح سے ہی ایک شرمیلی مسکان نے اپنا گھر کر لیا تھا۔

"تم نے سوہا کو فون کرکے آنے کے لیے کہا تھا کیا۔" شام کی چائے پیتے ہوئے انہیں خیال آیا۔

"کہا تو تھا مگر' سوہا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کہہ رہی تھی انس بھائی سے پوچھ کر بتائیں گی۔"

"لو تو وہ کون سا منع کر دے گا۔" امی دھیرے سے ہنس دیں۔

انہیں بھی تو آج صبح سے' جب سے حسیب کی بہن سے بات کی تھی۔ یونہی بات بے بات ہنسی آرہی تھی۔ حقیقت یہ بھی کہ فی زمانہ ایک تنہا عورت کے لیے جس کا ساتھی اسے سالوں پہلے بیچ سفر میں چھوڑ کر ابدی نیند سو گیا ہو۔ زندگی گزارنا کسی امتحان سے کم نہ تھا اور پھر اولاد نرینہ سے محرومی اور بیٹیوں کا ساتھ نیندیں اڑانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بیٹیاں جوان ہوتے دیر لگتی ہے کیا۔ پلک جھپکتی نہیں کہ کندھے برابر آن لگتی ہیں۔ اپنے فرائض سے احسن طریقے سے سبکدوشی کا احساس کس قدر روح کو سکون بخشنے والا تھا۔ یہ تو کوئی رضوانہ حسن سے پوچھتا۔

حسن کی دائمی جدائی کے بعد جس طرح انہوں نے خود کو سنبھالا اور دونوں لڑکیوں سوہا اور ماہا کی پرورش کی تھی اس وقت کی کٹھنائیوں کو سہنے کے بعد بہت دعاؤں کے بعد یہ وقت آیا تھا کہ سوہا کے بعد اب ماہا بھی عزت سے اپنے گھر کی ہونے جا رہی تھی۔

"آج آنے کا پروگرام ہے بھی یا نہیں۔" ماہا مسکراتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

"شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی آج تو۔" مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ نماز کے لیے اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼
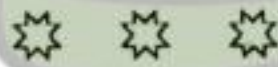
سوہا نے انس سے گھر جانے کی بات چھیڑی۔ انس جانا نہیں چاہتا تھا' مگر جانتا تھا اس کی ساس حسیب اور ماہا کے حوالے سے صلاح مشورے کے لیے اس کی منتظر ہوں گی۔

جدید بھی یہی چاہ رہا تھا کہ سوہا' چند دن اپنی امی کے گھر آرام کر لے۔ دوسرے عفت آجائے تو اس کا دل بھی.... انس حسب معمول خاموش سا تھا۔

سوہا نے ہلکی پھلکی تیاری کرکے نیچے قدم رکھا تو جدید نے بے ساختہ اس کی تعریف کی۔

"دن بھر کے کام کے باوجود تم اس وقت فریش لگ رہی ہو۔" وہ سادگی سے مسکرا دی۔

"یہ میرے بھائی کی محبت کا کرشمہ ہے یا میکے کے متوقع وزٹ کا۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

سوہا نے بے اختیار انس کی طرف دیکھا۔ وہ بائیک کی چابی انگلی میں پھنسائے موبائل پر جانے کس کو کیا میسج کر رہا تھا۔ جدید کی بات کی طرف اس کی توجہ ایک فیصد بھی نہیں تھی۔ بلکہ پیشانی پر ابھری معمولی سی شکن بتاتی

تھی کہ وہ کسی سنجیدہ نوعیت کی گفتگو میں مصروف ہے۔

"میکے کا ہی ہو گا۔ آپ کے بھائی کی محبت اتنی کرشمہ ساز کہاں۔"

اس کا دل چاہا حدید کو جواب دے اور انس کو جتا بھی دے۔ مگر وہ صرف ایک جتاتی ہوئی نگاہ حدید پر ڈال کر سینڈل پہننے لگی۔

"اب نکل بھی جاؤ انس۔ یہ باتیں اور ایس ایم ایس بعد میں بھی ہو سکتے ہیں۔" اس نے بھی انس کی لاتعلقی محسوس کرلی تھی۔

انس نے چونک کران دونوں کو دیکھا اور مصروف سے انداز میں اٹھ کر باہر نکل گیا۔ سوہا بھی گہری سانس بھر کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

انس کی بے توجہی حدید نے محسوس کرلی تھی۔ سوہا کو یہ سوچ کر اطمینان ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ جب انہوں نے اپنے گھر میں قدم رکھا۔

پچھلی بار کی خوش گوار شام کو یاد کرتے ہوئے وہ لوگ سیدھے اوپر جانے کے بجائے آج بھی نیچے صحن ہی میں بیٹھے تھے۔

"تائی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ان کا سکتہ ٹوٹ چکا تھا' مگر چہرے پر ایسی مردنی چھائی تھی جیسے خدانا خواستہ کوئی مرگ...... کم از کم سوہا کو تو ایسا ہی لگا۔ اس نے جلدی سے سر جھٹک کران فضول سوچوں کو ذہن میں آنے سے روکتے ہوئے عفت سے پوچھا تھا۔ فی الحال صرف وہی بات کرنے کے قابل تھی۔ نائلہ صبح سے کمرے میں پڑی تھی۔

عفت اس سے پوچھ پوچھ ہار چکی تھی کہ اسے آخر ہوا کیا تھا۔ نائلہ کی چپ نہیں ٹوٹی البتہ عفت کو اتنا اندازہ ہو چکا تھا کہ نائلہ کی رونی صورت اور اماں کی خاموشی کا آپس میں کوئی تعلق ضرور ہے۔

"نائلہ کہاں ہے۔" عفت جس سوال سے بچ رہی تھی' سوہا نے وہی کر ڈالا تھا۔

"وہ کمرے میں ہے۔ اس کی طبیعت صبح سے خراب ہے۔" بتاتے ہوئے عفت کی آواز میں عجیب سی بے چارگی در آئی۔

سوہا متعجب تو ہوئی' مگر دل ہی دل میں......

"اللہ خیر کرے۔ ایسا بھی کیا ہو گیا۔ یہاں تائی امی کا ایسا عجیب رویہ اور وہاں نائلہ۔"

"حسیب ماہا کی رخصتی چاہ رہا ہے۔" انس نے گلہ کھنکار کر صاف کیا اور بات شروع کی۔

"آیا تو میں اسی سلسلے میں تھا آنٹی سے بات کرنے مگر......"

اس نے رک کر اپنی خالہ جان کو دیکھا جن کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ جیسے انہیں کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ بھلے وہ کسی بھی سلسلے میں بات کرنے آیا ہو یا چاہے بات ادھوری چھوڑ کر ابھی واپس چلا جائے۔

"میں نے سوچا تھا عفت...... کو اپنے ساتھ لے جاؤں چند دنوں کے لیے۔"

"کیوں خیریت۔"

اماں کے منہ سے نکلنے والی پہلی بات پر عفت بھی چونک گئی۔ حالانکہ بات غیر متوقع نہیں تھی۔

"جی بس۔ سوہا کی طبیعت کا آپ کو پتا ہے تو میں نے سوچا اگر عفت......"

"تو تم نے سوچا ہمیشہ کی طرح عفت تم دونوں بھائیوں کی خدمت کرنے وہاں پہنچ جائے۔" اماں کا لہجہ ٹھنڈا مگر بات گرم تھی۔ انس گڑبڑا گیا۔

عفت کو اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے منظر سے بچنے کی خاطر باتھ روم میں پناہ لے لی۔

"نہیں نہیں خدمت کرنے کیوں۔ میرے لیے تو دونوں ہی بہنوں جیسی ہیں۔" انس سے بات بنائی نہیں گئی۔

کمرے میں تکیے میں منہ دے کر پڑی نائلہ کے آنسوؤں میں روانی آئی۔

"دیکھو بھئی۔ میرے لیے بھی تم دونوں میرے اپنے بیٹے جیسے تھے اور مجھے بھی تم دونوں سے بہت سی امیدیں تھیں مگر....."

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اس انداز میں سوہا کو دیکھا کہ وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔

"میرا خیال ہے میں امی سے مل لوں۔"

"ہاں ہاں چلی جانا پہلے میری بات سن لو۔"

سوہا نے سخت بے چارگی محسوس کی اور کھڑے ہوتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔ باتھ روم کے دروازے کی جھری سے جھانکتی عفت، کمرے میں ساری دنیا اور خود سے بھی خفا پڑی نائلہ اور ان کے سامنے بیٹھی سوہا..... تینوں کے دل ایک ساتھ، لیکن جدا جدا انداز میں دھڑک اٹھے۔

"اب اگر آج میں یہ بات تم سے کہنے جا رہی ہوں تو، خود کو حق بجانب سمجھ کر۔"

اماں کے دماغ میں صبح سے پکتی کھچڑی کو دم لگنے کا وقت آ گیا تھا۔ سوچ سوچ کر جہاں ان کا دماغ شل ہو گیا تھا۔ وہیں اپنی زندگی ایک ایسی اندھیری بند گلی کی مانند لگ رہی تھی جس کے دوسرے سرے پر اندھی کھائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ایسی گلی میں قدم تو نائلہ نے رکھا تھا، مگر دوسرے سرے پر جو رسوائیوں اور بدنامی کی اتھاہ گہرائیاں منہ کھولے منتظر تھیں۔ اس میں اس سمیت پورے خاندان کو گرنا ہی تھا۔ تو کیا تھا اگر وہ اس میں گرنے کے بجائے کسی اور کی نظروں میں کسی..... کسی ایک کی نظروں میں خود کو گرا لیں زمانے میں تو سرخ رو ٹھہریں گی نا..... کسے پتا چلے گا کہ.....

"ٹھیک ہے اگر حدید کو اتنی ہی ضرورت ہے تو، اس سے کہو چار بندوں کو لائے اور نکاح کر کے نائلہ کو لے جائے۔ بصورت دیگر میں اپنی بچیوں کو وہاں جانے کی اجازت دینا تو دور کی بات، تم لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ بھی نہیں رکھوں گی۔"

"جی!" انس کے حواسوں پر بجلی گری۔ سوہا دم بخود رہ گئی۔ نائلہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور عفت..... اس کی پسینے میں بھیگی ہتھیلی اور انگلیوں میں دبی دروازے کی کنڈی چھوٹ کر چوکھٹ پر آ گری۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

فاخرہ گل

خلائی سالا اور اوپر والا

چھٹی قسط ۶

یہ عین اس وقت جب گلی میں سوکھی روٹی اور ٹین ڈبے لینے والوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں علی بھی اپنے کمرے سے نمودار ہوا۔ چینا ایک صوفے پر بیٹھی نیل پالش لگا رہی تھی جبکہ خالہ دھوبی کو دیے جانے والے کپڑوں کی گٹھڑی بنائے اس کے سامنے ہی خود بھی پاؤں اوپر کر کے گٹھڑی ہی بنی بیٹھی تھیں۔ علی کو آتا دیکھا تو گٹھڑی کی گرہیں ایک ایک کر کے کھلنے لگیں۔

"یہ تمہارا جاگنے کا وقت ہے؟"

"کمال ہے ایک تو گھر کی بچت کرتا ہوں پھر بھی آپ کو اعتراض ہے۔" علی نے خالہ کو آنکھوں کے بجائے معدے سے دیکھا کیوں کہ جب اس کا معدہ خالی ہوتا تو زبان کے علاوہ تمام اعضا ساتھ چھوڑتے محسوس ہوتے تھے۔

"گھر کی بچت اور تم؟" خالہ نے سامنے رکھی گٹھڑی پر پاؤں پسارے۔

"تو اور کیا' دیر سے جاگتا ہوں تو کیا ناشتے کی بچت نہیں ہوتی؟"

"واہ واہ واہ علی تم تو واقعی چینا کے بھائی ہو کاش چینا تمہیں فلاسفر کہہ سکتی۔"

چینا نے داد طلب نظروں سے خالہ کو بھی دیکھا' مگر انہوں نے کوئی لفٹ نہ کروائی۔

"کھانا دنیا کا وہ واحد کام ہے' جو انسان روزانہ کم از کم تین مرتبہ کرتا ہے' مگر پھر بھی نہیں اکتاتا' اور جو اکتائے سمجھ لیں کہ یا تو وہ بیمار ہے یا کسی کی محبت میں گرفتار ہے۔"

"ایک تم اور ایک تمہارا یہ فضول سا بھائی.... کبھی کھانے کے علاوہ بھی سوچ لیا کرو۔" ضمیر بھائی نے کسی ولن کی طرح انٹری دی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے کہیں سے چیک بک ڈھونڈ لو ورنہ اگر پولیس نے کارروائی کر دی نا تو سارے محلے میں ہم چور مشہور ہو جائیں گے۔"

"واؤ.... اللہ تیرا شکر ہے کہ ہم بھی مشہور ہونے والے ہیں۔" چینا نے جوش میں صرف اس کا آخری جملہ ہی یاد رکھا۔

"یہ گم نامی کی زندگی بھی کیا زندگی ہے.... سچ کتنا مزا آئے گا نا پولیس کارروائی کے بعد جب سب لوگ ہمیں دیکھ کر پہچان لیا کریں گے۔" چینا نے بات کرتے ہوئے مچھر مارا اور یہ تو پھر چینا تھی ورنہ مچھر کو تو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سنجیدہ ترین بندے کو بھی بیٹھے بٹھائے تالیاں "مارنے" پر مجبور کر سکتا ہے۔

"چینا تمہارا دماغ واقعی خراب ہے۔" ضمیر بھائی نے اعتراف کیا تو خالہ کو اپنی ہی جنس کی توہین برداشت نہ ہوئی۔

"ضمیر وہ بے چاری خوش ہے تو ہونے دو' کسی کے جذبات سے کھیلنا جانتے ہو کتنی بری بات ہے۔"

"جذبات سے؟ میں نے تو آج تک بال سے نہیں کھیلا۔"

"تو ضمیر بھائی آپ کے بال اس قابل ہیں ہی نہیں کہ آپ ان سے کھیلیں' ہاں کوئی دوسرا آپ کے چکنے چپڑے بالوں پر اسکیٹنگ کرنا چاہے تو اور بات ہے۔" علی نے نسوانہ انداز میں جمائی لی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' نہ ڈھونڈو' یہ میرا ہی تو مسئلہ نہیں ہے نا۔" ضمیر بھائی بھی زچ ہو کر وہیں بیٹھ گئے۔

"میں تمہارے ساتھ مدد کرتی، لیکن میرا اپنا چشمہ نہیں مل رہا اور میں تو چشمہ لگائے بغیر اپنا چشمہ بھی نہیں ڈھونڈ سکتی۔"

"خالہ وہ ذرا بوڑھی عورت دیکھیں سامنے" چینا نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا تو سب ادھر متوجہ ہوئے۔

"کہا تو ہے کہ عینک کے بغیر اتنی دور نہیں دیکھ سکتی۔" خالہ نے آنکھیں سکیڑ کر کھڑکی کے باہر دیکھا۔

"ارے خالہ وہ بوڑھی عورت جو اس ڈیشنگ سے آدمی کے ساتھ کھڑی ہے۔"

"اچھا وہ آدمی' جو بلیک تھری پیس میں ہے؟ جس کے کوٹ کی اوپری جیب میں گلاب کی ادھ کھلی کلی' بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں زرقون کی انگوٹھی اور دائیں گال پر مونچھوں کے بالکل ساتھ ہلکا سا تل ہے' کیا اس آدمی کی بات کر رہی ہو؟" خالہ نے پوچھا۔

"نہیں بات تو چینا اس کے ساتھ کھڑی بوڑھی عورت کی کر رہی ہے جو اس عمر میں بھی بغیر عینک کے کچھ پڑھ رہی ہے۔" چینا نے گہرا سانس لیا کہ خالہ نے دیکھا تو......

"کون بوڑھی عورت؟ ارے نظر کہاں آتا ہے اتنی دور سے؟"

اور تب چینا کا شدت سے دل چاہا تھا کہ اٹھ کر بال ہی نوچ لے 'اپنے نہیں بلکہ خالہ کے' لیکن پھر دانت پیس کر ہی رہ گئی۔

"ویسے ایک آئیڈیا ہے۔" علی نے ضمیر بھائی کی بے چارگی محسوس کرتے ہوئے کچھ سوچا اور باوجود اس کے کہ اسے اپنا سابقہ آئیڈیا بھی فلاپ ہوتا نظر آ رہا تھا ہمت نہ ہارتے ہوئے بولا۔

"آپ پولیس اسٹیشن جائیں اور وہاں جا کر ایک رپورٹ درج کروا کر آئیں چیک بک کی چوری کی۔"

"کیا مطلب؟" ضمیر بھائی سمیت چینا اور خالہ نے بھی علی کو یوں دیکھا جیسے عام طور پر لوگ موبائل فون کا کارڈ دیکھتے ہیں۔ کھرچنے سے پہلے نہیں بعد میں۔

"مطلب یہ کہ کل حوالدار نے رپورٹ تو درج کی نہیں ہے اس لیے آپ خود ہی رپورٹ درج کروا آئیں گے تو یہ اس بات کا ثبوت بھی ہوگا کہ ہم نے چوری نہیں کی' اگر کرتے تو رپورٹ تو نہ لکھواتے نا۔" علی نے گھر میں اکلوتا ذہن ہونے کا ثبوت دیا تو ضمیر بھائی کو اس لمحے علی بغیر بتائے ہی خوب صورت ترین انسان لگنے لگا۔

ویسے بھی خوب صورت وہ نہیں ہوتا جس کے نقش خوب صورت ہوں یا جس پر دنیا فدا ہو بلکہ خوب صورت تو وہ ہوتا ہے جو آنکھوں کے سامنے آتے ہی دل میں جگہ بنا لے اور اس لمحے علی نے ضمیر بھائی کے دل میں کم از کم کنال بھر کا پلاٹ تو اپنے نام کروا ہی لیا تھا۔ جب ہی وہ بغیر کچھ کہے فوراً" ہی یوں وہاں سے اٹھے جیسے ذرا سی دیر ہوئی تو پولیس اسٹیشن وہاں سے غائب ہو جائے گا۔

☼ ☼ ☼

اوکھا ہویا ہم سے اکڑا کی کریئے
ایسے گل پر ہو گیا جھگڑا کی کریئے
جی کرتا ہے اوس رقیب کی گد ڈکٹ لگائیں
لیکن ہے وہ ہم سے تگڑا کی کریئے

ابا دونوں ہاتھ کمر پر باندھے یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ہی چلے جا رہے تھے۔ حوالدار کے رپورٹ درج نہ کرنے پر ایسا غصہ تھا کہ دل چاہ رہا تھا اس کے ساتھ وہ کریں جو گنے کے ساتھ اس کا رس نکالنے کے لیے کیا جاتا ہے اور پھر فون پر موجود اس حسینہ کی آواز میں اب انہیں وہی نرماہٹ لگنے لگی تھی جو ہاٹ پاٹ میں دیر تک رکھی روٹی میں ہوتی ہے۔ یعنی تازگی سے عاری! اور اس سب میں سارا قصور ان کے خیال میں حوالدار کا تھا جس نے اب تک کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

"ابا...... میں نے رکھے تھے ریموٹ کے سیل کہیں۔ دیکھے ہیں آپ نے؟" چندا ہاتھ میں ریموٹ لیے پوچھ رہی تھی اور ابا جو پہلے ہی گھر آیا رشتہ ہاتھ سے نکل جانے کے ممکنہ امکان پر پریشان تھے بغیر کچھ بولے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لیا اور زور سے اپنی ہی

ہتھیلی پر دے مارا۔

"ٹی وی کے ریموٹ وی پاکستانی بچوں کی طرح تھپڑ کی زبان سمجھتے ہیں پتری۔۔۔ ایک دم کوئی جذباتی ہو کے نواں سیل نہ ڈال دییں اس میں۔"

"ٹھیک ہے ابا۔" ریموٹ واپس لیتے ہوئے اس نے ابا کے چہرے پر اڑتی دھول نما پریشانی دیکھی۔

"آپ ہیں کچھ پریشان آج کیا ہے بات؟"

"او بات تے کش وی نئیں، بس چیک بک دی ٹنشن نے پرشان کیا ہوا ہے، تے فیر بنک والوں کو وی تے سوچنا چاہیے. ناکہ اپنا روپیہ پیسہ ہوتا ہے تے چیک بک وی کم از کم فٹ ڈیڑھ فٹ وڈی تے ہونی چاہیے کہ نیئں؟"

"فٹ ڈیڑھ ابا؟" چندا نے حیرت سے یوں دیکھا گویا کیدو اور ہیر کی صلح ہو رہی ہو۔

"تے ہور کی؟ فٹ ڈیڑھ کی ہو گی تے کوئی جیب وچ تے نیئں ناں ڈال سکے گا۔" ابا نے منطق پیش کی اور اپنی تائید میں خود ہی سر بھی ہلانے لگے بالکل ایسے جیسے دلہن ایجاب و قبول کر رہی ہو فرق صرف اتنا تھا کہ ابا سر ہلانے کے ساتھ اپنی بھنوؤں کو بھی اس قدر اونچا کرتے کہ لگتا ماتھے کے رستے بالوں سے ملوانا چاہ رہے ہوں۔

"اور اگر چیک بک کوئی ڈال کے لے جائے اپنے پرس میں؟" چندا نے ممکنہ خطرہ۔۔۔ جھجکتے ہوئے بیان کیا تو ابا کے آئی برو بالوں کے عنقریب ہی رک گئے۔

"جے ایسا ہویا تے فیر میں نے وہ کرنا ہے جو آج تک نیئں کیا؟"

"کرنا کیا ہے ایسا آپ نے ابا؟"

"پتری میں نے آج تک کسی پر ہاتھ نیئں اٹھایا۔ پر دوسروں پر انگلی ضرور اٹھائی ہے۔ تے جے کسی نے میری چیک بک اٹھائی ناں تے میں نے اس کا پورا بنک اٹھا لینا ہے، آہو!" ان کے ممکنہ اقدام پر چندا نے گہری سانس لی اور مسکرا کر کمرے سے واپس چلی گئی۔ اس کا یہ ہی مسکرانا ابا کو اب پریشان کر رہا تھا۔

☆☆☆

ضمیر بھائی پولیس اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ رات میں آنے والا حوالدار کسی ایمرجنسی میں اپنے آبائی شہر جا چکا ہے اور اس کی جگہ چند روز کے لیے کسی دوسرے کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ سپاہی نے تو یہ تک بتایا کہ حوالدار کی خواہش تھی کہ اسے ڈرون پر بٹھا کر اس کے گھر کی چھت پر گرا دیا جائے۔ جھولے کا جھولا ہو جائے گا اور سرپرائز کا سرپرائز، لیکن اس کی یہ خواہش رد کرتے ہوئے اسے ٹرک پر بھیجا گیا ہے۔

"السلام علیکم جناب!" ضمیر بھائی نے خود کو مہذب ظاہر کرتے ہوئے سلام کیا، جس کا کوئی بھی جواب موصول نہ ہوا، بلکہ سامنے موجود وردی میں بیٹھا حوالدار مسلسل لکھنے میں ہی مصروف رہا تو انہوں نے خود بھی کرسی گھسیٹی اور اس سے پہلے کہ بیٹھ بھی جاتے حوالدار کی غصیلی نظریں اٹھیں تو وہ وہیں کے وہیں رک گئے۔ اب حالت یہ تھی کہ دیکھنے والے نہ تو ان ہی کھڑے ہوؤں میں شمار کر سکتے تھے نہ بیٹھے ہوؤں میں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کر رہے تھے تم؟"

"کچھ نہیں جناب! میں تو بس۔۔۔"

"میں تو بس کیا ہوتا ہے؟ پتا بھی ہے سرکاری املاک کو ادھر ادھر کرنے کے جرم میں تمہیں کتنی سزا ہو سکتی ہے؟"

"لیکن جناب! میں نے تو کسی سرکاری املاک کو۔۔۔" دھیرے دھیرے کوشش کے بعد آخر کار ضمیر بھائی اپنا شمار کھڑے ہوئے لوگوں میں کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"اچھا تو کیا یہ کرسی سرکاری املاک نہیں ہے؟ اسے گاڑی میں رکھ کر لائے ہو؟"

"لیکن وہ۔۔۔"

"لیکن ویکن کیا۔۔۔ ایک تو جرم کرتے ہو اوپر سے اعتراف جرم بھی نہیں کرتے۔" حوالدار نے سامنے کھڑے ضمیر بھائی کو یوں دیکھا جیسے بچے عمارتوں سے

گنبد دیکھا کرتے ہیں۔" جناب! پہلے کبھی اوپر سے اعتراف جرم کیا ہے کیا؟"

"پہلے اور اب میں بڑا فرق ہے۔ پہلے پ سے اور اب الف سے لکھتے ہیں' سمجھے؟" حوالدار نے قابلیت جھاڑتے ہوئے بات گول مول کر ڈالی۔ سرکاری محکموں کی یہ ہی تو خاصیت ہوتی ہے کہ جہاں اوپر والوں پر حرف آنے لگے۔ اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے وہ حرف ہی مٹا دیا جاتا ہے لیکن ایسا بعض اوقات نہیں بھی ہوتا۔

"حیرت ہے' ہم تو پہلے اور اب دونوں کو پین سے لکھتے ہیں؟" ضمیر بھائی نے فری ہونے کی گستاخی کرنا جائز خیال کیا۔

"یہ ہی نہیں ہم تو پی آر کو بھی۔۔۔"

"ہاں یہ۔۔۔" حوالدار کو لفظ پی آر اتنا پسند آیا کہ ان کی بات ہی کاٹ دی۔ ہم تو اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہی پی آر کی وجہ سے ہیں۔۔۔ افسروں سے پی آر عوام سے پی آر۔

"عوام کی مال و دولت سے پی آر۔۔۔" اس مرتبہ ضمیر بھائی نے مکمل فرینک ہو کر ان کی بات کاٹی اور حساب برابر کیا مگر اب حوالدار صاحب مذاق کے موڈ سے باہر آچکے تھے۔

"اوئے۔۔۔ بس۔۔۔ زیادہ لفظوں کے ہیر پھیر کیے نا تو ہیرا پھیری کے جرم میں اندر کردوں گا؟"

"وہ جناب! میں دراصل آیا تھا۔" حوالدار کے اشارے پر کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنی اوقات کو اچھی طرح یاد رکھنے کے بعد ایک بار پھر ضمیر بھائی نے ادب و آداب والا ماحول بنایا۔ "اچھا اچھا پہلے تم آیا تھے۔۔۔ تھے یا ابھی بھی ہو؟"

"نہیں جناب! میں آیا نہیں تھا بلکہ۔۔۔"

"کمال ہے' کبھی کہتے ہو تم آیا تھے' کبھی کہتے ہو نہیں تھے۔۔۔ قانون سے غلط بیانی کا انجام جانتے ہو۔"

"وہ تو جناب! میں جانتا ہوں مگر۔۔۔"

"اچھا اچھا یعنی قانون جانتے ہوئے بھی اس کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔" حوالدار نے آنکھوں کی گروٹ بدلی تو ضمیر بھائی حقیقتاً" بوکھلا گئے۔

"لیکن جناب! میں نے تو کوئی بھی غلط کام نہیں کیا۔"

"غلط کام نہیں کیا؟" حوالدار نے یوں حیرت سے دیکھا جیسے کرسی پر ضمیر بھائی کی جگہ کوئی مشکوک تھیلا موجود ہو۔

"ارے پولیس اسٹیشن تو آئے ہو نا۔ یہ کوئی اچھا کام کیا تم نے؟"

"ہاں جی واقعی یہ تو میں نے بڑا غلط کام کیا۔" ضمیر بھائی نے اس وقت کو کوسا جب وہ علی کی بات مان کر فورا" سے گھر سے نکل آئے تھے اور معاملے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حوالدار کی ہاں میں ہاں ملانے میں ہی عافیت جانی۔

"تم نے یہاں آکر غلط کام کیا؟ یعنی تم پولیس اسٹیشن کو غلط کاموں کا اڈہ کہہ رہے ہو؟" حوالدار نے قانون لیوا حملہ کیا۔

"نن نن نہیں جناب! دراصل میرا مطلب تھا کہ سارے غلط کام تو آپ کے پاس ہی ہوتے ہیں۔۔۔ ان روزنامچوں میں۔" حوالدار کے گھورنے پر ضمیر بھائی نے اوپری دل سے اپنی بات میں آخری تین الفاظ شامل کرتے ہوئے سوچا کہ "تکرار ہاؤس" کے مکین تو وہ ہیں' پھر حوالدار آخر ان سے تکرار کرکے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ خوامخواہ کی فضول تکرار کرنے ہی کی وجہ سے تو ان کا گھر "تکرار ہاؤس" کے طور پر جانا پہچانا جانے لگا تھا۔

"جانتے ہو کہ دنیا میں سب سے کم جرائم جیل میں ہوتے ہیں؟" "جی جی۔۔۔ وہ بھی بس آپ کا تعاون ہی ہے ورنہ تو۔۔۔" ضمیر بھائی نے اپنی دانست میں تعریف کی تھی۔

"بس ہم تو ہر وقت جرم مٹانے میں لگے رہتے ہیں۔۔۔ دیکھ لو میز پر ابھی بھی انک ریموور رکھا ہوا ہے جہاں کہیں جرم لکھا نظر آئے فورا" اس سے مٹا دیتے ہیں۔"

"جی وہ تو سب ٹھیک ہے' لیکن میں حاضر ہوا تھا

کہ۔۔۔۔"

"ارے لائن حاضر تو ہم ہوتے ہیں' تم کہاں حاضر ہوئے تھے؟ کیا تم بھی ہم میں سے ہو؟" حوالدار نے ضمیر بھائی کو ستر سالہ بیوی سمجھتے ہوئے بوریت سے دیکھا۔

"نہیں میں تو ضمیر ہوں' جو آج کل شاید پولیس والوں کے پاس کم کم ہی نظر آتا ہے اور ویسے بھی سنا ہے کہ قانون کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا۔"

"یعنی یہ فادر ان لاء' مدر ان لاء' برادر ان لاء اور سسٹر ان لاء سب تمہارے ہیں؟" ان باتوں سے ضمیر بھائی کو حوالدار کے دماغ پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا اور انہیں احساس ہو رہا تھا کہ جب وہ دوسروں سے اس طرح کی بے تکی باتیں کرتے ہیں تو ان پر کیا بیتتی ہے۔

"اوہو۔۔۔۔ میں یہاں کام کے لیے آیا تھا؟"

"تو پھر اٹھ کر کام کرو' بیٹھے ہوئے کیوں ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کے افسر کے پاس ہی چلا جاؤں اور ان ہی کو ایک چیک بک چوری ہونے کی رپورٹ لکھواؤں' کیونکہ آپ تو میرا سر کیا بال بھی کھا گئے ہیں۔" دھمکی کام کر گئی اور حوالدار فوراً" سیدھا ہو کر بیٹھ کر رپورٹ لکھنے کے ساتھ ساتھ مفت مشورہ بھی دینے لگا۔

"رپورٹ تو میں لکھ رہا ہوں' لیکن ہاں بال اگر کمزور ہیں تو آملہ استعمال کریں' بالوں کے لیے بہت اچھا ہے۔"

ضمیر بھائی نے اس سگھڑ حوالدار کی بات تو سنی' مگر دل میں سوچتے ہی رہ گئے کہ اگر آملے بالوں کے لیے اتنے ہی اچھے ہیں تو ہاشم آملہ کے سر پر بھلا بال کیوں نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆

ابا کو اپنی قسمت پر بالکل عوامی ہونے کا یقین ہو رہا تھا اور وہ اس طرح کہ جب ان کے ہاتھ میں دولت لٹانے کو چیک بک تھی تو علیشا نام کی کوئی رنگینی نہ تھی اور جب رنگینی آئی تو دولت نہ رہی۔ بالکل اسی طرح جیسے عوام اور پیٹرول کے ساتھ ہوا۔ اور اب ہاتھ میں لائٹر پکڑے وہ یہ بات ہی سوچ رہے تھے کہ وہ کس قدر عقل مند ہیں جو انہوں نے گھر میں یہ دو تین لائٹرز رکھے ہوئے تھے۔ تب وہ ان لائٹرز کو اپنی فضول خرچی جان کر دیکھ دیکھ کر آنسو بہاتے تھے مگر آج انہیں دیکھ کر وہ ایسے خوش اور پرجوش تھے گویا گھر میں سگریٹ جلانے کے تین لائٹر نہیں بلکہ سونے کی تین اینٹیں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے لیے اب یہ فیصلہ کرنا بھی بے حد مشکل تھا کہ وہ ان لائٹرز کو کسی پیٹرول پمپ پر جا کر فروخت کریں یا اس کی بہترین قیمت کوئی گھریلو صارف اور موٹر سائیکل سوار ادا کر سکے گا۔

اسی سوچ بچار میں گم بیٹھے دل نے خواہش کی کہ کاش اس وقت چیک بک کا روگ نہ لگا ہوتا تو وہ لائٹرز بیچ کر رقم علیشا کو بھیج دیتے اور ان کی باقی رقم ویسے کی ویسے پڑی رہتی۔ اسی سوچ بچار میں تھے کہ چندا نجانے کیا سوچتے ہوئے مسکرا کر ان کے سامنے سے گزرنے ہی لگی تھی کہ انہوں نے روک لیا۔

"شاوا شے پتری' کتنی بار سمجھایا ہے کہ ہر ویلے نہ مشکرایا کر' بندے کا منہ ضائع ہو جاتا۔"

"ابا۔۔۔۔ میں سمجھی نہیں' ضائع ہو جاتا ہے منہ کیسے؟" چند لمحوں پہلے کی مسکراہٹ بھی ایک ہی چیک بک کی طرح غائب ہوئی تھی۔

"اوئے۔۔۔۔ ہر وقت مشکرانے سے منہ پر لیکیں (لکیریں) پڑ گئیں تے سمجھو منہ تے فیر ضائع ہو گیا کہ نہیں؟"

"جی جی بالکل۔۔۔۔" ہمیشہ کی طرح چندا نے ان کی بات بغیر کسی بحث کے مانی۔ "اک تے میری چیک بک غیب ہو گئی ہے۔ میں تے کہتا ہوں جس نے وی میری چیک بک ڈھونڈی نا' میں نے ادی اس کو دے دینی ہے؟" ابا کی اس قدر اوین سخاوت پر چندا ایک جھٹکے سے یوں رکی جیسے گاڑی کو پانچویں گیئر میں بریک لگی ہو۔

"ابا ایک نہیں تین بار قسمیں کھائیں کہ کہہ رہے ہیں آپ سچ۔" خوشی کے مارے چندا کا منہ کسی اسٹیج

ڈرامے کے اشتہار کی طرح ہو چلا تھا۔

"چل ٹھیک ہے کھاتا ہوں قسمیں، پر گل سن فیر میرے لیے روٹی نہ بنائیں.... پہلے ہی تین قسمیں کھالی ہیں 'اوپر سے روٹی کھا کے بد ہضمی نہ ہو جائے پتری۔"

"ٹھیک ہے ابا' روٹی بھی نہیں بناؤں گی اور خیال ہے میرا کہ مل جائے گی آج ہی آپ کو چیک بک بھی۔" چندا کی بات پر ابا نے اسے ان ہی نظروں سے دیکھا جن نظروں سے بس میں ساتھ بیٹھی عورتیں انہیں دیکھتی ہیں۔ یعنی شک کی نظر سے اور بادل ناخواستہ "میری چیک بک ہے کہ بیڈ کے ساتھ رکھی جی کہ فٹو فٹ مل جائے گی؟"

"وہ میرا مطلب تھا.... کہ میں کروں گی ابھی سے ہی دعائیں 'کیونکہ جانتی ہوں کہ ہوتا ہے کتنا زیادہ اثر بیٹی کی دعاؤں میں۔" بمشکل بات سنبھالتے وہ کمرے سے نکلی تو ابا اپنی زبان سے داڑھ میں خلال کرتے ہوئے موچھوں کو بڑے پیار سے سہلا کر بولے۔

"پتری جانتا ہوں میں کہ بیٹی کی دعائیں اور بیوی کی ادائیں کش وی کرواسکتی ہیں۔" سماعتوں میں اسی ٹیلی فونک حسینہ لاڈ اٹھواتا لہجہ جھولے جھول رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

علی لاؤنج میں بیٹھا گھر میں پیش آنے والے حالات و واقعات پر بغیر کسی کے کہے غور و فکر کر رہا تھا۔ جب اس نے چندا کو دبے پاؤں یہاں وہاں دیکھ کر سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھا۔ سرگرمیاں کچھ مشکوک ہونے کا شک ہوا تو علی نے خود کو ذرا چھپا کر اسے مکمل مشکوک ہونے کا بھرپور موقع دیا۔ چوروں کی طرح دونوں اطراف میں دیکھ کر دھیرے دھیرے اب چندا لانڈری روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔

پورشن ان کا' لانڈری روم ان کا اور چندا کا یوں اس میں داخل ہونا' علی کے کان کھڑے کر رہا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ ضمیر بھائی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے' ورنہ علی کا سیدھا دھیان ان کی طرف جاتا تھا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور ضمیر بھائی کا پھینکا ہوا جال ہے' جس میں پھنسنے کے لیے وہ سب سے چھپ کر لانڈری میں ملنے جا رہی ہے.... لیکن چونکہ یہ خیال بھی درست نہیں تھا' اس لیے وہ تو گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کیونکہ پوری دنیا میں اگر کوئی ایسا بندہ ہے' جو چاہتا ہے کہ اس کے کام کا کسی کو پتا نہ چلے اور دکھاوا نہ ہو تو وہ صرف چور ہی ہے' اس کے علاوہ تو لڑکیاں بھی گھر میں برتن دھو کر ہر کسی کو جتاتی ہیں کہ ہم نے آج برتن دھوئے ہیں۔ اس تجسس میں علی بھی اٹھا اور جیسے ہی وہ لانڈری میں داخل ہوئی اس کے پیچھے ہی وہ بھی یوں اندر گھسا جیسے بس میں چڑھنے والا آخری مسافر ہو۔

"تم یہاں...." چندا نے غصے کا اظہار ایسے کیا جیسے علی ان کے پورشن میں ہو اور یہ لانڈری نہیں بیڈ روم ہو۔

"جی ہاں.... کوئی اعتراض؟" علی کے انداز نے چندا کی یادداشت واپس دلائی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو یہ بتاؤ؟" علی نے چندا کے چہرے پر وہ کرب دیکھا جو آج سے کئی برس پہلے راگ رنگ دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ہوا کرتا تھا۔

"کیوں بتاؤں؟ میں کرتی ہوں ہر کام اپنی مرضی سے۔"

"مرضی سے؟" علی کو اس کی ڈھٹائی کے ساتھ ہی یاد آیا کہ اس وقت وہ دونوں اس چھوٹے سے لانڈری روم میں اکیلے کھڑے ہیں۔

"ہاں ہر کام کرتی ہوں اپنی مرضی سے' جب کرتی ہے مرضی ہنستی ہوں جب کرتی ہے مرضی خاموش رہتی ہوں' کسی اور کی نہیں سنتی؟"

"ارے واہ پورشن میرا' یہ لانڈری روم میرا اور اس میں چندا کسی اور کی.... یہ نہیں ہو سکتا' جلدی بتاؤ یہاں کیا کر رہی ہو؟ ورنہ تمہارے ابا کو بلالاؤں گا۔" ابا کا نام آنا تھا کہ چندا یوں اچھلی جیسے فرش پر اسپیرنگ لگے ہوں۔ پہلے تو پیڈسٹل فین کی طرح دائیں بائیں گھومیں پھر چہرے پر دردانہ تاثرات سجائے منمنائی۔

"یہاں رکھے تھے کل دھونے والے کپڑے۔"

"تم نے دھونے تھے؟"

"نہیں وہ... وہ چاہیے تھے مجھے۔"

"دھو کر تکیوں کے غلاف سینے تھے؟"

"نہیں، نہیں نہیں، پلیز بتادو کہ گئے ہیں کہاں وہ کپڑے؟"

"میں بتادوں تو مجھے کیا ملے گا؟" لوہا گرم دیکھ کر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔

"کپڑے دھونے والے صابن کی ایک پوری ٹکیا... لیکن ابا کو نہ بتا دینا تم... ورنہ وہ ہو جائیں گے غصہ میری اس فضول خرچی پر۔" ابا تو خیر جب غصہ ہوتے تب ہوتے، لیکن علی کو اس کی بات پر غصہ آ گیا۔

"تم مجھ سے سرف کا پورا پیکٹ لے لو خدارا اور یہ نان رومانٹک باتیں نہ کرو۔"

"سمجھی نہیں میں تمہاری بات کا مطلب... چاہتے ہو کہنا کیا؟" چندا دائیں بائیں شیلف پہ رکھے کپڑے دھونے کے اوزار دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی تم سے لے کر سرف کا پورا پیکٹ، میں کروں دھلی دھلائی صاف ستھری باتیں؟"

"تو اب تم کون سا میرے ساتھ گندی گندی باتیں کر رہی ہو؟"

"گندے کپڑوں کی باتیں تو ہوئیں نا گندی باتیں؟" چندا نے علی کے عقب میں رکھے اس ٹب نما باکس کو دیکھا جس میں کل تک دھونے والے کپڑے موجود تھے۔

"ایک شرط پر بتاؤں گا کہ وہ کپڑے کہاں ہیں اور وہ یہ کہ پہلے تم مجھ سے دوستی کرو، پکی والی... اور اتنی پکی کہ فیس بک پر میں اسٹیٹس لکھوں تو تیس سیکنڈ میں تمہارا لائیک آئے، کسی فیس بک گروپ میں، میں لڑوں تو تم مجھ سے دو ہاتھ آگے نظر آ کے میری غلط بات کو بھی سپورٹ کرو، میں پیج بناؤں تو لائیک کروانے کے لیے ہلکان ہو جاؤ، دوسروں کو ان بکس کر، کر کے میری تعریفیں کرو اور فیس بک کے کونے کونے میں میری تعریفیں کر کے لوگوں کو میرا مرید کردو، میرے خلاف آنے والے کسی بھی کمنٹ اور کمنٹ لکھنے والے کا وہ حال کرو کہ وہ ان بکس میں بھی میرے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اپنی عزت بچانے کا سوچیں اور... اور ہاں..."

سامنے کھڑی حیران پریشان چندا کو اس کی باتیں سمجھ آ رہی ہیں یا نہیں، اس بات سے قطع نظر وہ بات کرتے کرتے اس کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔

چندا کو لگا کہ علی اسے صابن اور سرف کی خوشبوؤں میں پرپوز کرنے والا ہے۔ فلموں کے مناظر آنکھوں کے آگے گھوم گئے تھے۔ پچھلی تمام دشمنی اور اختلافات کو نظر انداز کر کے چندا نے خود کو مزید رومانٹک ظاہر کرنے کے لیے اداکارہ شبنم کی طرح گہرے سانس ایسے لیے کہ لگا اس کا وقت نزع چل رہا ہو۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ گھٹنوں کے بل اس تک آنے والی محبت میں گھٹنوں گھٹنوں ڈوب جائے گی۔ علی اسے ایک دم دنیا کا وہ ہیرو لگنے لگا تھا جس کا نام آج بھی گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہیرو کے طور پر سب سے زیادہ فلمیں کرنے کے ریکارڈ موجود ہے اور آج سے نہیں گاؤں سے اسے سلطان راہی کی فلمیں پسند تھیں اور ابھی اسے علی بھی سلطان راہی ہی لگ رہا تھا اور جب اس نے محسوس کیا کہ علی کچھ بولنے لگا ہے تو اس کے ایک ایک لفظ کو اپنے ذہن و دل میں اتار لینے کی نیت سے اس نے آنکھیں بھی بند کرلیں اور گہرے سانس لینے لگی کہ علی کی آواز کانوں میں پڑی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ دنیا کے سب مسئلوں سے بشمول تمہارے ابا تمہیں بچالوں گا مگر تمہیں خدا کا واسطہ ہے، مجھے ٹیگ کرنے والے ہتھوڑا مار گروپ نما لوگوں سے بچالینا۔" علی یقینی طور پر ان سے تنگ تھا، تب ہی اس کی آواز بھی لڑکھڑا گئی۔

"معاف کرنا علی... میری فیس بک ایک دفعہ گاؤں میں رہ گئی تھی مرغے کے آگے کھلی... اس نے پھاڑ دی اسی وقت، میں نے ابا سے کہا بھی کہ میری فیس بک پھٹ گئی ہے مجھے کروا دیں جلد، مگر ابا کہتے ہیں کہ خوب صورت لڑکیوں کو ہوتی نہیں ضرورت پڑھنے کی، کیونکہ کوئی بے وقوف ان کے لیے بڑی محنت سے بن

رہا ہوتا ہے ڈاکٹر' انجینئر یا پھر دکان دار وغیرہ؟"

"آسان نہیں ہوتا ڈاکٹر' انجینئر بننا۔۔۔ جگر چاہیے ہوتا ہے جوانی برباد کرنے کے لیے۔" علی اس کی بات سے بدمزا ہوا۔

"تم کیا جانو کہ جب روم کی بیڈ شیٹ بھی ڈبل ہوتی ہے تو اپنے سنگل ہونے پر کیسا رونا آتا ہے۔ بس۔۔۔ بس اسی لیے کہہ رہا تھا کہ پیار نہ سہی پیار کا ادھار ہی کرلو۔۔۔ اور کچھ نہیں تو دوستی کرکے ادھار کا ٹوکن ہی پکڑا دو۔"

"چلو ٹھیک ہے' ہوگئی آج سے دوستی پکی۔" چندا نے سانسیں اپنی اوقات پر واپس لانے کے بعد ہلکا سا مسکرا کر گرین سگنل دیا تو وہ جو اتنی دیر سے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے موجود تھا۔ جھٹ سے اپنے قدموں پہ کھڑا ہوگیا۔

"بس تو پھر آج سے میری پرابلم تمہاری پرابلم اور تمہاری پرابلم بھی تمہاری ہی پرابلم' منظور؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن اب بتادو کہ گئے کہاں وہ کپڑے؟"
اس کی بات پر غور کیے بغیر چندا نے پھر سے اپنی بات دہرائی۔

"وہ تو خالہ نے آج ہی دھوبی کو دے دیے۔۔۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا ابھی سے میرے کپڑے دھونے کی ذمہ داری لینا چاہتی ہو۔" علی نے سلطان راہی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی' باوجود اس کے کہ اس کی کوشش شاہ رخانہ تھی' لیکن چونکہ ابھی مکمل ماحول نہیں تھا اس لیے کامیاب نہ ہوسکا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔ اس میں تو میں نے رکھی تھی چیک بک ابا کی۔"

اور پھر علی کے پوچھنے پر اس نے تمام تفصیل یوں بتائی کہ وہ کسی لڑکی کی مدد کرنے کے لیے اسے کچھ رقم بھیجنا چاہتی تھی' جس پر اس کا خیال تھا کہ ابا راضی نہیں ہوں گے' بس اسی لیے چیک بک چوری تو کرلی مگر اس سے پہلے کہ اسے استعمال کرنے کا سوچتی' خلاف توقع معاملہ اتنا بگڑ گیا اور پھر تو علی کو چندا پر جو تھوک کے حساب سے پیار آیا اس کا شمار ہی نہیں۔

اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ فطرتاً "نہیں بلکہ صرف مروتاً" ایک کنجوس لڑکی ہے اور اتنی سیلف میڈ ہے کہ اس نے خود کو سدھارنے کے لیے بھی کسی کی مدد نہیں لی۔ جتنا بگڑ سکی خود ہی اور اپنے ہی بل بوتے پر بگڑی اور اب جبکہ وہ علی سے پکی اور سچی والی دوستی کرچکی تھی تو پھر علی کو بھی دوستی کا فرض نبھاتے ہوئے اسے مزید بگاڑنا نہیں بلکہ مزید سدھارنا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ابا کا سایہ اس کے سر پر سلامت نہ رہے' البتہ گھر پر سلامت ضرور رہے۔

٭ ٭ ٭

اپنے گھر تو وہی جمانا مشکل ہوتا ہے
اس کے ہاں ہر سال نیا نے ہوتے جاتے ہیں

جوں جوں بیگم نئی نویلی ہوتی جاتی ہے
توں توں شوہر پھٹے پرانے ہوتے جاتے ہیں

کسی کا تو پتا نہیں' البتہ ایک بار چینا کے ابا نے یہ ضرور کہنا تھا کہ بیوی کو شوہر کی ضرورت شادی کے اوائل برسوں میں اور شوہر کو بیوی کی ضرورت آخری برسوں میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے اندازہ کیا جائے کہ شادی کے آخری برس کون سے ہیں تو چینا کے ابا کی ہی تحقیق کے مطابق عرض ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کی خود پر توجہ چاہتا ہو تو سمجھیں کہ بس اخیر ہی ہوگئی ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ شوہر جن کو ان کی بیویاں اخیر دنوں میں بھی نئے نویلے سرتاج کی طرح ٹریٹ کریں۔۔۔ لیکن وہ خوش قسمت تو یقینی طور پر اسی دنیا کے کسی کونے میں ہوں گے اور نظر ہمیں اس لیے نہیں آتے' کیونکہ دنیا گول ہے تو اس کا کونا کیسے ڈھونڈا جائے۔ البتہ ضمیر بھائی کا شمار یقینی طور پر ان لوگوں میں نہیں ہوتا تھا' جب ہی اس وقت کھانا کھانے بیٹھے تو ڈونگے میں موجود تمام ٹنڈوں کا بھنایا دیکھ کر جل ہی تو گئے۔

"واہ بھئی واہ کمال ہے تم عورتوں کا۔۔۔ یعنی سارا سارا دن ٹی وی کے آگے بیٹھ کر کوکنگ پروگرام میں دنیا

بھر کے کھانے دیکھتی رہتی ہو اور شام کو شوہروں کے آگے ڈونگوں میں چھپا کر رکھ دیتی ہو یہ افسردہ سے ٹنڈے... دل تو چاہ رہا ہے ایک سیلوٹ دے ماروں تمہارے منہ پر......"

اتنا دکھ اور کرب تو ضمیر کے چہرے پر بغیر استری کیے کپڑے پہننے پر بھی نظر نہیں آتا تھا' چینا آج ان ٹنڈوں کو دیکھ کر آیا تھا۔ چینا بھی پریشان تھی' لیکن وہ ان عورتوں میں سے تھی جو کسی بھی محاذ پر شوہروں سے ڈرنا تو دور دبنا بھی نہیں جانتی تھی' اس لیے اندر اُٹھتے غصے کو زبان دی۔

"واہ... واہ... واہ... ایک تو سارا دن کام کرو اور پھر شام کو شوہروں کے منہ سے اس طرح کے جلے کٹے جملے سنو تو چینا کی بات کان کھول کر سن لو ضمیر کہ بیویوں کا بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی انہیں ایک سیلوٹ دے مارے تو وہ اسے اکیس توپوں کی سلامی کے بغیر وہاں سے بھاگنے نہ دیں۔"

چینا بھی موڈ میں نظر آئی تو ضمیر بھائی نے بڑی فرماں داری سے ڈونگے میں سے تین اٹکھیلیاں کرتے ٹنڈوں کو اپنی پلیٹ میں کھلا میدان فراہم کیا اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ان پر یوں دہی انڈیلی جیسے بارش ہو جانے پر کرکٹ اسٹیڈیم میں پچ پر ٹینٹ بچھائی جاتی ہے۔ اس تمام عمل کا مقصد خود کو چینا سے اور ٹنڈوں کو خود سے چھپانا تھا اور اب وہ ٹنڈوں پر بکھری دہی کا دھوکا دہی کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

"اب یہ الگ بات ہے کہ بیویاں اکثر اوقات دل کی دل ہی میں رہنے دیتی ہیں۔"

"چلو چھوڑو نا چینا اب جانے بھی دو' کیوں دوسروں کی بیویوں کی باتیں کر کر کے اپنے گھر کا ماحول خراب کر رہی ہو۔" ضمیر بھائی اب اتنی رغبت سے کھانا کھا رہے تھے کہ لگتا چند لمحے پہلے کی گئی باتیں انہوں نے عالم بے ہوشی میں کہی تھیں۔

"واہ ضمیر... کاش چینا تمہیں فضول انسان کہہ سکتی۔" منہ بسورتے ہوئے وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی' تو ضمیر بھائی کو اپنی ہنسی خوشی ٹنڈے کھانے کی قربانی ضائع ہوتی نظر آئی۔ "فضول انسان؟ لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"

"ظاہر ہے جو انسان فضول باتوں سے منع کرتا ہے وہ فضول انسان ہی کہلاتا ہے نا۔" چینا نے اپنے ذہن کے عین مطابق تشریح پیش کی اور پھر اس کا دھیان بٹانے کو بولی۔ "کیا بنا جہاں گئے تھے؟"

"میں وہاں کچھ بنانے گیا تھا یا انہیں بتانے؟"

"ہاں نا چینا کا وہی مطلب تھا کہ انہوں نے کیا کہا؟"

وہ حوالدار تو تھا نہیں یہ نیا تھا اور مجھے نہیں جانتا تھا۔" ضمیر بھائی نے نوالہ کا سموسہ بنایا "تمہیں نہیں جانتا تھا؟ پھر تو بڑی عزت سے ملا ہوگا نا۔"

"نہیں تو... پھر بھی ایسے ہی ملا جیسے پرانا جاننے والا ہو۔"

"اب کیا ہوگا؟" چینا نے پریشانی سے کہا۔

"اب میرے پیٹ میں درد ہوگا۔" ضمیر بھائی نے پلیٹ سرکا کر گلاس میں پانی ڈال کر پیا۔

"جو شخص قسطوں میں خودکشی کرنا چاہے نا' اسے چاہیے تم سے نہ سہی تم جیسی کسی نیم کک سے شادی کرلے۔"

"تم نے چینا کو نیم کک کہا ضمیر... کاش چینا تمہیں ککڑ کہہ سکتی۔" اور عین اسی وقت خالہ کے کمرے کے کھلے دروازے سے مسرت نذیر کی جھومتی آواز ضمیر بھائی کی آنکھوں سے ہوتی ہوئی چینا کے کانوں تک پہنچی۔

چٹا ککڑ بنیرے تے
ٹنڈیاں پکان والی اے
منڈا اک گیا تیرے تے

چٹا ککڑ نہ کریا کر
کھانا ای تے کھا رانجھنا
نیئیں تے پراں ہوکے مریا کر

ابا اس وقت اپنے معمول کے مطابق روزانہ کے انسپکشن پر تھے اور ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہے

تھے۔ فریج کھولا تو ایک عجیب سی باس محسوس ہوئی‘ پاس میں کھڑی چندا کو کام کرتے دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور خود پر زبردستی سائنس دانہ کیفیت طاری کرتے ہوئے بولے۔

"مجھے مسوس ہوتا ہے کہ فریج میں کوئی ایسی چیز ہے، جو اب فریج میں مزید رہنے کو تیار نہیں۔"

"ابا فریج تو آپ کے سامنے خالی ہے ہو گئی ہے کیوں یہ غلط فہمی؟" چندا نے سامنے آکر دیکھا فریج میں ایک ڈھکی ہوئی پلیٹ کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"تے وہ جو آدا کپ شوری بچا تھا ڈیڑھ ہفتے پہلے‘ وہ؟"

"ابا اسے تو رکھا ہے نا برف کے خانے میں تا کہ رہے فریز۔" چندا کی اس کفایت شعاری پر تو ابا دل کھول کر خوش ہوئے تھے۔ جب ہی اس نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے پانی پلانے کی فرمائش بھی کر دی اور خود واپس اسی کرسی پر بیٹھ گئی جہاں سے آئی تھی۔

ابا نے گلاس لیا اور ابھی آدھا گلاس پانی ڈالا ہی تھا کہ چندا بول اٹھی۔

"اتنا نہیں ابا... میں تو پیوں گی تھوڑا ہی۔"

"تے پہلے بتانا تھا نا... اب یاد آیا ہے کہ تھوڑا پانی پینا ہے‘ خواہ مخواہ سارا ضائع کیا۔" ابا نے فوراً گلاس الٹایا اور دو گھونٹ پانی ڈال کر اسے پکڑایا۔ نتیجتاً گلاس کے اندر موجود سارا پانی فرش پر جا گرا تو بولے۔

"یہ سارا پانی تیری وجہ سے ضائع ہوا ہے‘ پہلے مجھے پتا ہوتا کہ تو نے صرف دو گھونٹ ہی پینا ہے تو ڈالتا ہی گلاس کی پچھلی سائیڈ پر... آخر ہم پاگل تھوڑی ہیں کہ پیسے تو دیں پورے گلاس کے تے استعمال کریں صرف اوپر والا حصہ... ہونہہ۔"

ابا عقل مندی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کچن سے نکلے تو چندا نے سوچا کہ فریج میں رکھی ہوئی اکلوتی ڈھکی ہوئی پلیٹ کسی حق دار تک پہنچا دی جائے۔ بس یہ سوچ ذہن میں آتے ہی وہ اٹھی اور فرش پر بکھرے پانی کو ہوا کے حوالے کرتے ہوئے پلیٹ اٹھائی اور پہلا حق پڑوسیوں اور پڑوسیوں میں سے بھی دوست کا سمجھتے ہوئے سیڑھیاں ایسے اترنے لگی جیسے کوئی دل سے اترتا ہے۔ دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ!

اور اس کے کچن میں پہنچنے سے پہلے ہی علی وہاں پر کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ خود کلامی بھی جاری تھی۔

"مجال ہے، جو کبھی اس گھر میں کھانے کے لیے کوئی ڈھنگ کی چیز مل جائے... ادھر پیٹ میں چوہے دھرنا دیے بیٹھے ہیں اور بھوک بھی خنک رقص چھوڑ کر اب کھٹک کر رہی ہے۔" اسی دوران چندا کچن میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھوں میں پلیٹ دیکھ کر علی کی آنکھوں کی مانند پڑتی چمک پھر سے ابھرنے لگی۔

"چندا تم؟ کتنے صحیح وقت پر آئی ہو... یقین کرو کتنی ہی دیر سے بس تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر تم مزید کچھ دیر نہ آتیں تو جانے میرا کیا حال ہوتا۔"

ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے علی نے تمام باتیں کیں۔ کیوں کہ اس وقت اس کے دل پر محبت پلیٹ کے اندر رکھی اس غائبانہ چیز کے لیے جاگ رہی تھی۔

"لیکن باقی سب گھر والے ہیں کہاں؟" چندا ان سب کیفیات کو اپنے لیے سمجھی تھی۔

"کیا میں تمہیں گھر والا نہیں لگتا؟"

"ہاں وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن..." چندا نے اسے اپنے قریب آتے دیکھا تو جملہ پورا بولا ہی نہیں گیا۔ علی کی آنکھوں میں موجود چمک چندا کے دل کی دھڑکن بجلی کی قیمتوں کی طرح بڑھاتی ہی چلی جا رہی تھی۔ بڑے اسٹائل سے بے خودی کے عالم میں وہ اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا اس کے قریب سے قریب تر ہوا چلا جا رہا تھا اور اسے یہ سوچ سوچ کر ہی شرم آرہی تھی کہ اب علی باقی تمام کے تمام ڈائیلاگ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولے گا۔ اور پھر اس کے قریب آکر جیسے ہی علی کی نظر کچن کے دروازے پر پڑی تو اسے کراس کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ایک منٹ.... میں دروازہ بند کرلوں' کیوں کہ اگر کسی نے دیکھ لیا نا تو کچھ باقی نہیں بچے گا۔" چندا نے ایک بار پھر زور سے آنکھیں میچیں' وہ خود کو خوش قسمت سمجھ رہی تھی کہ اسے علی ملا جو اتنا سمجھ دار اور ہر بات کا خیال کرنے والا ہے۔

"اور تمہیں پتا ہے کہ ایسے کام ہمیشہ دروازہ بند کرکے کرنے چاہئیں تاکہ بندہ پرسکون بھی رہے اور کوئی ڈسٹرب بھی نہ کرے۔" بات کرتے کرتے وہ چندا کے قریب آیا اس کی آنکھیں کھلیں اور اس سے پہلے کہ وہ بھی کچھ کہتی علی نے بڑے ہی پیار سے اس کی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ لی۔ وہ بھی یوں کہ چندا کا ہاتھ پکڑنا تو دور کی بات ہے ہاتھ ٹچ بھی نہ ہوا اور چندا کا یہ خیال کہ شاید وہ اس سے پلیٹ لے کر ٹیبل یا شیلف پر رکھنے لگا ہے ایک بار بھی غلط ثابت ہوا اور وہ فوراً سے اوپر پلیٹ ہٹا کر اندر سے بریانی کھانے لگا۔

"دوسروں کا تو پتا نہیں.... لیکن ہمارے گھر میں اگر کوئی باہر سے چیز لے کر ہمارے گھر دے تو وہ چیز وصول کرنے والا خوش نصیب اس طرح دروازہ بند کر تنہائی میں ہی کھا لیتا ہے۔"

"لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو تم...." علی کا غیر متوقع ردعمل دیکھ کر چندا کا وہی حال تھا جو عین باؤنڈری پر کھڑے کرکٹ پلیئر کا کیچ چھوٹ جانے پر ہوتا ہے۔

"بہت رومانٹک ہو رہا تھا نا؟" علی کے سوال پر چندا کی کھسیانی سی گھوری ہی تھی۔

"دراصل مجھے خوراک سے اتنا پیار ہے کہ جہاں کہیں مزے دار کھانا دیکھوں رومانٹک ہو جاتا ہوں۔"

"تم ٹھونسو یہاں بیٹھ کر.... جا رہی ہوں میں۔"

"اچھا سنو.... اگر جا ہی رہی ہو تو اندر سے کنڈی لگا جانا۔" علی نے اسے واقعی جاتا دیکھا تو بولا جس پر چندا حیران رہ گئی۔

"کنڈی لگا جاؤں اندر سے؟"

"ہاں بھی تمہیں بتایا تو تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو کچھ باقی نہیں بچے گا۔"

"لیکن باہر جا کر لگاؤں گی کیسے اندر سے کنڈی؟"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اندر ہی رہو اور مجھے سوچنے دو کہ روشنی کی رفتار سے کیسے کھایا جا سکتا ہے۔" علی نے مستقل کھاتے ہوئے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ چندا بولتی وہ پھر سے بولا۔

"ویسے میں سوچ رہا تھا کہ گھر میں تو ہم نہ ایک دوسرے سے آزادانہ مل سکتے ہیں نہ دیر دیر تک باتیں کرسکتے ہیں' تو کیوں نا تم بھی میرے ہی کالج میں ایڈمیشن لے لو' یہ مسئلہ تو حل ہو۔"

"ہم تو آئے ہی ہیں شہر اعلا تعلیم حاصل کرنے.... اور اس کام کے لیے تو ہیں ابا بھی راضی۔ بس ذرا ہو جائے نا حل مسئلہ چیک بک والا۔" چندا کے جوش سے لگتا تھا کہ کسی انعام شو میں تکا لگاتے لگاتے اس نے انعام کیچ کرلیا ہو۔

"بس تو پھر صبح کالج کے لیے تیار رہنا.... چیک بک بھی مل جائے گی۔" اور ابھی اگلا جملہ پچھلے نوالے کی طرح اس کے منہ میں ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور سیلابی ریلے کی طرح چینا اور خالہ اندر داخل ہو کر ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"تم دونوں یہاں؟ یہ چینا کیا دیکھ رہی ہے؟" چینا نے حیرت سے ان دونوں کو بوکھلائے ہوئے دیکھا۔

"دونوں نہیں آپی ہم چاروں یہاں.... اور آپ ہم تینوں کو دیکھ رہی ہیں۔" علی نے اسے الجھایا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.... چینا کیا اندھی ہے' جو چار لوگوں میں سے صرف تین کو دیکھ رہی ہے؟"

"ویسے چینا علی کی بات آدھی سچ ہی ہے کیوں کہ خود مجھے بھی صرف اور صرف تین ہی لوگ نظر آرہے ہیں۔" خالہ بھی کنفیوز تھیں کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اگر کچن میں چار لوگ ہیں تو نظر تین کیوں آرہے ہیں اور اگر تین ہی ہیں تو اس نے یہ کیوں کہا کہ ہم چاروں یہاں ہیں۔

"علی چینا کو سچ سچ بتادو کہ چوتھا کون ہے جسے تم نے چھپا رکھا ہے اور کیا چھپایا ہوا ہے؟"

"چینا، شش..." اچانک خالہ کے ذہن میں جانے کیا آیا کہ انہوں نے چینا کو اپنا کان ان کے منہ کے قریب لانے کو کہا اور خدا جانے انہوں نے کیا کہا کہ چینا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سالن کے اوپر تیرتے آئل کی طرح واضح نظر آنے لگی۔

"نہیں خالہ... ابھی تو چینا خود بچی ہے... ابھی تو ایسا سوچا بھی نہیں کبھی، ورنہ سب سے پہلے یہ خوش خبری چینا آپ کو ہی بتاتی۔"

اسی دوران علی نے چندا کو اشارہ کیا کہ وہ کچن سے نکل جائے، لیکن یقینی طور پر اس کے لیے ہم سب معاملات نئے تھے اس لیے اشاروں کی زبان نہ سمجھ پائی اور زور سے بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ نہیں ہے اور... کہاں سے لاؤں؟" اور تب علی سر پکڑ کر رہ گیا۔ کیوں کہ چینا اور خالہ اس دوران خالص "خواتینی" گفتگو سے چونک کر اب پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"کیا لائی تھی یہ تمہاری باجی؟" چینا نے چڑ کر پہلے علی پھر اس کے ہاتھ میں موجود پلیٹ اور پھر چندا کو دیکھا۔

"آپی خدا کا واسطہ ہے زبان سنبھال کر بات کیا کریں۔" وہ جل کر رہ گیا تھا اور اس کا ذہن لمحہ کے ہزارویں حصے میں خود کو چندا کے بچے اٹھائے دیکھ رہا تھا اور دکھ کی بات یہ تھی کہ چندا کے بچے اسے ماموں ماموں پکار رہے تھے۔

"پیار کے رستے میں یہی دو لفظ سب سے بڑی رکاوٹ ہیں... بھائی اور باجی۔"

"تو پھر سیدھی طرح بتاؤ کہ تم دونوں یہاں کر کیا رہے ہو؟" خالہ نے شک کی نظر سے پوچھا۔

"آپس سے باتیں!"

"اس سے پہلے؟"

"آپس میں باتیں!"

"کچن میں باتیں؟ کیوں باقی گھر بند تھا کیا؟" چینا نے نکتہ چینی کی۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ باقی گھر کھلا ہوا تھا اور کیا کچن میں باتیں نہیں کر سکتے؟ یہ لائبریری ہے کیا۔" علی بری طرح زچ ہو گیا تھا۔

"دروازہ کیوں بند تھا؟ پہلے تو کبھی کچن کا دروازہ بند نہیں ہوا؟" خالہ کی نظر اسی زاویے پر رک سی گئی تھی۔

"آپ نے سنا نہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں؟ تو اگر دیواروں کے کان ہوتے ہیں تو پھر دروازہ ہوا ان کا منہ... بس اسی لیے ہم نے ان کا منہ ہی بند کر دیا تاکہ بے تکے سوال نہ کر سکیں۔" علی کا خیال تھا کہ اتنے تفصیلی جواب کے بعد اب وہ اور کچھ نہیں پوچھیں گی، لیکن خاموش رہنا "تکرار ہاؤس" کے اصولوں اور قوانین کے خلاف تھا بلکہ یہاں تو اس قدر تکرار کی جاتی کہ کوئی نیا آنے والا اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتا... یہی وجہ تھی کہ ضمیر بھائی اپنے ذاتی کلینک میں ہیئر ٹرانس پلانٹ شروع کرنے پر بھی غور کر رہے تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن..." چینا مطمئن ہونے تک سوالات کرنا چاہتی تھی۔

"کاش آپ بھی دروازہ ہوتیں۔" علی نے دانت پیسے تو آخر کار چندا بولی۔

"وہ دراصل میں لائی تھی بریانی... اسے بھوک لگی تھی اس لیے اس نے سب سے چھپ کر کھالی۔"

"سب کھا گئے۔ ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا؟" خالہ صدمے کی کیفیت میں تھیں آنکھوں کے آگے اسٹیج پر تاج پہنے بریانی اور دھمال ڈالتے سامنے گول مٹول ٹنڈوں میں خود کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔

"سب کچھ تھوڑی خالہ... یہ ہڈیاں چھوڑی ہیں نا آپ کے لیے۔" وہ پلیٹ جسے اب تک وہ چھپانے کی کوشش میں تھا اس نے سامنے کر دی۔

"ویسے تم کیوں بریانی بانٹتی پھر رہی ہو؟ گھر میں

پری ہے کیا کسی کی؟" چینا نے پوچھا تو آگے بڑھ کر اپنی پلیٹیں لیتی چندا نے انکشاف کیا۔

"دراصل ابا کسی شادی میں گئے تھے' وہاں ان کی میز پر جب چلے گئے سب کھانا کھا کر تو ابا نے پلیٹیں صاف کرنے کے بہانے سب پلیٹوں میں سے چاول ڈال لیے شاپر میں اور اپنی جیب میں ڈال کر لے آئے میرے لیے۔۔۔۔ میرا دل نہیں چاہا تو سوچا کچرے میں پھینکنے سے بہتر ہے کہ کسی مسکین کو کھلا دوں کھانا۔"

اتنا کہہ کر چندا نے پیار بھری نظر سے علی کو دیکھا تو اس کے کھائے پیئے اجزا باہر آتے آتے پھر رک گئے البتہ چینا آپی اور خالہ کی ہنسی نہیں رکی تھی۔

☆ ☆ ☆

یارب دل جیدی کو اک زندہ تمنا دے
تو خواب کے پیاسے کو تعبیر کا دریا دے
اس بار مکاں بدلوں تو ایسی پڑوسن دے
جو قلب کو گرما دے' جو روح کو تڑپا دے

ابا اپنے پورشن سے چھپ چھپ کر ضمیر بھائی اور چینا کو اپنے لاؤنج میں ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ پیار و محبت کی باتیں کرتا دیکھ کر دل ڈوبتا محسوس کر رہے تھے۔ یوں تو اب وہ عمر کے اس دور میں تھے کہ جب عشق بھی کئی بچوں کے ماں سے ہوتا ہے ایسے میں علیشیا کا ان پر مرمٹنا ابا کو پھر سے نوجوان بنا گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ آج کل ان کا خالہ پر سے دھیان ذرا ہٹا ہوا تھا یہ الگ بات ہے کہ اپنے دل میں سیکنڈ آپشن کے طور پر خالہ کا نام بھی انہوں نے موجود رہنے دیا تھا اور گو کہ انہوں نے بادل ناخواستہ چندا کو کالج جانے کی اجازت دے ہی دی تھی' مگر اپنے مستقبل کے لیے وہ بے حد فکر مند تھے۔ ایسے میں پولیس اسٹیشن سے آئے ہوئے ٹیلیفون میں انہیں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ پولیس نے ان کی چیک بک کے بارے میں نوے فیصد معلومات حاصل کر لی ہیں اور ان کے مطابق ابتدائی تفتیش سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایک نامعلوم دن میں کچھ نامعلوم افراد ان کے گھر آئے اور

کسی نامعلوم طریقے سے ابا کی چیک بک چوری کر کے نامعلوم نمبر پلیٹ کی گاڑی میں بیٹھ کر نامعلوم سمت میں فرار ہو گئے۔

اعلا افسران نے ان کی اس کارکردگی کو سراہتے ہوئے کچھ مراعات دینے کا بھی اعلان کیا ہے' مگر ابا کے لیے تو خوشی کا دن وہ ہو گا جب چیک بک ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو گی۔ بس یہی وجہ تھی کہ انہیں کسی طور بھی سکون نہیں مل پا رہا تھا اوپر سے ضمیر بھائی اور چینا کی آپس میں اٹھکیلیاں انہیں مزید جلا رہی تھیں۔

سو اپنی آنکھیں بھٹکنے سے بال بال بچاتے ہوئے وہ اس جگہ سے ہی ہٹ گئے جہاں سے انہیں دل جلا منظر نظر آ رہا تھا۔ اسی دوران خالہ ہاتھ میں کوئی کتاب لیے ضمیر بھائی اور چینا کے سامنے ہی صوفے پر آ بیٹھیں۔

"خالہ... آج کیا پڑھ رہی ہیں؟" چینا نے پوچھا تو یاددہانی کے طور پر ایک بار پھر سرورق دیکھا۔

"کسی کی "سانحہ عمری" پڑھ رہی ہوں۔"

"کس کی ہے خالہ یہ سوانح عمری؟" ضمیر بھائی کو بھی دلچسپی محسوس ہوئی۔

"پتا نہیں کس کی ہے... ابھی تو آدھی ہی پڑھی ہے' ہو سکتا ہے آخر میں کہیں نام لکھا ہوا ہو۔"

"چلو بھئی چینا تم خالہ کو پڑھنے دو اور مجھے ایک کپ چائے لا دو۔" ضمیر بھائی نے چینل تبدیل کیا۔

"چینا تمہارے لیے چائے نہیں لائے گی۔ اتنی چائے پینے لگ گئے ہو یہ عادت چھوڑو اب۔"

"تو اور کیا یہ عادت چھوڑنا کہاں مشکل ہے' میں خود کتنی ہی مرتبہ چھوڑ چکی ہوں۔" خالہ نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا۔

"ہاں تو میں خود کتنی مرتبہ چائے چھوڑ چکا ہوں... کپ کے آخری حصے میں۔" جملے کا آخری حصہ انہوں نے آہستگی سے ادا کیا۔

"ویسے چائے کا تو مزا ہی آخری گھونٹ میں ہوتا ہے اس لیے میں تو چاہتا ہوں کہ چائے کا آخری گھونٹ ہی نہیں ہونا چاہیے۔"

"اچھا سنو... چیک بک کا کچھ پتا چلا؟" خالہ نے سرگوشی کی۔

"ہاں خالہ وہ گم ہو گئی ہے۔" چینا نے یوں کہا جیسے کوئی نئی اطلاع ہو۔

اسی دوران باہر ہوتی بیل نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی... بیل اس قدر مسلسل ہو رہی تھی کہ لگا جیسے کوئی بیل کو مانجھ رہا ہے اور وہ تینوں بھی ایسے تیز رفتار نہیں تھے کہ فوراً" سے گیٹ کھولنے کو پہنچ جاتے۔ ابھی یہ ہی ڈسکس کیا جا رہا تھا کہ کون باہر جا کر اس بیل سے چمٹے ہوئے انسان کو الگ کرے گا کہ علی ان کو غصے سے دیکھتا گیٹ کی طرف بڑھا رات کو کمپیوٹر کے آگے بیٹھے رہنے کی وجہ سے شاید آج وہ چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سو رہا تھا۔ گیٹ کھولا تو سامنے دھوبی کھڑا تھا۔

"صاحب آپ کے کپڑے..."

"تمہیں چاہئیں؟"

"نہیں جی میں تو دینے آیا ہوں۔"

"بیچنے کے لیے؟"

"نہیں علی صاحب یہ تو آپ لوگوں کے ہیں۔"

"ہمارے کپڑے ہیں تو تم نے کہاں سے لیے؟" علی یقیناً" ابھی تک نیند میں تھا۔

"صاحب آپ کے گھر سے۔"

"دن دیہاڑے چوری کرتے ہو شرم نہیں آتی؟"

"نہیں جی چوری تو میں رات کو کرتا ہوں..." دھوبی نے اپنی تھوڑی گردن میں گم کرتے ہوئے شرمانے کی مسخرانہ حرکت کی۔

"میری منگیتر کہتی ہے کہ میں نے تو اس کی راتوں کی نیند چوری کرلی ہے۔"

"ہاں تو تمہیں ضرورت کیا تھی اس بے چاری کو خوابوں میں جا کر ڈرانے کی... مجھے کہہ دیتے۔"

"صاحب کام کی باتیں کریں... میں اپنی ذاتی زندگی میں کسی کو داخلہ نہیں دیتا۔" وہ مکمل طور پر برا منا گیا تھا۔

ویسے بھی ماں اور منگیتر کے بارے میں مشرقی مرد اتنے حساس ہوتے ہیں کہ کسی کو ان کے بارے میں

غلط بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔۔۔ البتہ بغیر اجازت ہونے والی کارروائی کا ذمہ نہیں لے سکتے کہ شادی کے بعد جب یہی ماں اور منگیتر ساس بہو میں ڈھلتی ہیں تو گھر گھر میں ہونے والے چرچے بغیر اجازت ہی تو ہوتے ہیں، جنہیں سن کر بھی ان سنی کرنا انہی مشرقی مردوں کا قومی رویّہ ہے۔

"لیں پکڑیں اپنے کپڑے اور یہ لیں اپنی چیک بک۔۔۔ آپ کے کپڑوں میں رہ گئی تھی۔" دھوبی نے غصے میں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو چیک بک دیکھ کر علی کا دل چاہا اسے پکڑ لے اور اتنا پیار کرے کہ اس کی زندگی میں برادرانہ پیار کی مزید گنجائش نہ رہے۔ "فوراً" سے اس کے ہاتھ سے دونوں چیزیں اچک کر اندر پہنچا تو خوشی کے مارے چیختے ہوئے بولا۔

"مل گئی، مل گئی، ضمیر بھائی چیک بک مل گئی۔"

"چیک بک مل گئی۔۔۔ لیکن کہاں سے؟" ضمیر بھائی کے ساتھ ساتھ چینا آپی اور خالہ بھی کھڑی ہو گئی تھیں اور خوشی کے مارے تالیاں بجا رہی تھیں۔

"دھوبی لایا ہے آپ کے کپڑوں میں سے۔" جوش کے عالم میں علی یقیناً "ہوش کھو بیٹھا تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ چندا نے چیک بک لانڈری میں چھپائی تھی۔

"میرے کپڑے تو الماری میں ہیں۔۔۔ کیا دھوبی الماری میں کھڑا ہے؟" وہ کنفیوز تھے۔ ویسے بھی علی کا ماننا تھا کہ اگر بندہ کسی کو مطمئن نہ کر سکے تو پوری قوت سے اسے کنفیوز کرو۔

"دھوبی تو باہر ہے ضمیر بھائی، دھلے ہوئے کپڑے لایا ہے۔"

"دیکھو ذرا ایڈورٹائزمنٹ کی حد ہے نا۔۔۔ یعنی دھوبی نے بھی پیکیج شروع کر لیا ہے کہ دھلے ہوئے کپڑوں کے ساتھ چیک بک مفت۔" چینا خوشی میں ہنسنے لگی تھی مگر پھر علی نے آہستگی سے ساری حقیقت بتائی تو وہ سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔

"مگر تو اس کے ابا نے کالج جانے کی اجازت دے دی ہے اور وہ جلد ہی کالج جائے گی تو میرا خیال ہے کہ چیک بک ان کے حوالے کر دینی چاہیے اور ہم جا کر پولیس اسٹیشن بتا آتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ بے شک ہماری فکر نہ کریں۔" ضمیر بھائی نے بات ختم کر کے تائید حاصل کرنے کی غرض سے ان سب کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ کوئی بھی کچھ بولتا پھر سے بول پڑے۔

"تو بس ٹھیک ہے۔۔۔ تم لوگ اوپر جاؤ میں تھانے جاتا ہوں۔"

"ہم نے بھی تمہارے ساتھ جانا ہے ضمیر۔" خالہ نے فوراً "ہی سلیپر اتار کر اپنی لمبی ہیل والی سامنے موجود سینڈل پہنی۔

"خالہ وہاں کسی کا ولیمہ نہیں ہو رہا جو آپ نے بھی جانا ہے۔"

"تم لوگوں کا یہی تو رویہ ہے جس کی وجہ سے میری اب تک شادی نہیں ہوئی۔" خالہ نے منہ بنایا۔

"جب تک مجھے ساتھ لے کر باہر نہیں جاؤ گے لوگوں کو کیسے پتا چلے گا کہ تمہارے گھر میں ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی بھی موجود ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ گیٹ کے باہر لکھ کر لگا دیتے ہیں کہ اس گھر میں ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ خواہشمند حضرات نکاح خوان کے ساتھ اندر تشریف لے آئیں۔" ضمیر بھائی نے چڑ کر کہا، مگر خالہ کے دل پر لگا اور اپنی چھوٹی انگلی آنکھ میں گھسا کر آنسو نکال ہی لیا۔

"یہ تو تم ہو نا ضمیر۔۔۔ کوئی اور ہوتا تو اپنی خالہ کی شادی کے لیے شادی دفتر کھول لیتا۔" ناک کے رستے سانس اوپر کھینچ کر خالہ نے سسکی بھری۔

"ویسے ضمیر۔۔۔ خالہ کا آئیڈیا برا نہیں ہے۔۔۔ اگر ہم شادی دفتر کھول لیں اور خالہ کے لیے اچھا سا رشتہ مل جانے کے بعد اسے بند کر دیں تو۔۔۔؟" چینا نے ضمیر سے چندا طلب کرنے کے انداز میں مشورہ طلب کیا تو جواب بھی ویسا ہی ملا۔

"معاف کرو مجھے۔۔۔ خدا کا واسطہ ہے معاف کرو۔" ضمیر بھائی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اور باہر نکل گئے۔

"خالہ یہ ضمیر' چینا سے معافیاں کیوں مانگ رہا تھا؟"

"تو تمہارا دل ہے کہ ٹافیاں مانگتا؟" غصے میں خالہ صوفے پر بیٹھنے کے بجائے لیٹ ہی گئی تھیں ویسے بھی ہم مشرقی لوگ صرف بیٹھنے کی جگہ مل جائے تو لیٹنے کی خود بنا لیتے ہیں اور یہ تو پھر صوفہ تھا۔

"غصہ نہ کرو خالہ... اور شادی کا کیا ہے ابھی نہیں ہوئی تو کیا ہوا کچھ روز بعد میں ہو جائے گی... لیکن میں تو سوچ رہی ہوں تمہاری شادی اگر ہو بھی گئی تو ہم لوگوں کو بتائیں گے تو بھی شرم آئے گی چھپائیں گے تو بھی۔" چینا کو مستقبل کی فکر ابھی سے ستانے لگی تھی۔

"ہاں تو کیا ہوا... شادی اور بدہضمی چھپائے نہیں چھپتیں اور جو چیز نہیں چھپتی اسے خود بتا دینا چاہیے۔" خالہ نے دیوار کی طرف کروٹ لے کر روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔

"تو خالہ اس طرح تو تمہاری عمر بھی نہیں چھپتی نا تو بتا دیا کرو سب کو۔"

"چینا...!" خالہ ایک ہی جست میں یوں اٹھیں جیسے صوفے کے کشن کے نیچے سے سانپ نکلا ہو۔ آواز میں ایسی چیخ تھی جیسے کیلے کے چھلکے سے بھرے بازار میں گر پڑی ہوں۔

"سوری خالہ... مائنڈ نہ کرنا تمہیں تو پتا ہے نا کہ چینا کی تو مذاق کرنے کی عادت ہے ورنہ چینا تو تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"وعدہ کرو کہ تم میرے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو۔" خالہ نے بے یقینی سے کہا۔

"وعدہ... پکا وعدہ!" چینا جوش کے مارے خالہ کے قریب آ گئی تھی۔

"بس پھر آج کے بعد مجھے اپنا منہ نہ دکھانا۔" خالہ نے غصے سے کہا اور چینا کو اکیلا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"ہونہہ... کاش چینا انہیں بوڑھی گھوڑی کہہ سکتی' لیکن کیا کروں بڑی ہیں اس لیے عزت کر جاتی ہوں۔"

گہرا سانس لے کر وہیں بیٹھتے ہوئے انہیں یاد آیا کہ علی کافی دیر سے نظر نہیں آیا سو اس کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئیں' خالہ کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ذہن میں آیا تھا جس کے لیے علی کا ہونا ضروری تھا۔

☼ ☼ ☼

ضمیر بھائی آج پہلے کی نسبت ذرا فرینک موڈ میں پولیس اسٹیشن پہنچے تو حوالدار سر جھکائے مکمل دھیان کے ساتھ کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ قریب جا کر انہوں نے گلا صاف کیا اور بولے۔

"السلام علیکم حوالدار صاحب... کیا حال چال ہیں؟"

"ٹھیک ہوں یار... بس ذرا سو سال کے اوپر کے قیدیوں کی سزا کم کرنے کی تجویز لکھ رہا ہوں۔" بات کرتے کرتے حوالدار نے ایک دم چونک کر ضمیر بھائی کو دیکھا اسے جیسے چھوٹے بچے فریزر میں رکھی آئس کریم کو دیکھتے ہیں۔

"آج تو جناب میں آپ کو خوش کرنے آیا ہوں۔" ضمیر بھائی نے ان کے دیکھنے کے انداز سے خود کو آئس کریم ہونا ہی ثابت کیا۔

"مجھے خوش کرنے آئے ہو؟ تو ایسا کرو چپ کر کے میرے دراز میں ڈال دو... جیب میں ڈال کر میں بعد میں خود ہی خوش ہو جاؤں گا۔" بیٹھنے کا کہے بغیر اس نے اپنے مطلب کی بات کی تھی۔

"حوالدار صاحب... شاید آپ سمجھے نہیں۔"

"اوئے..." حلق میں سے آواز نکالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"قانون کو بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"نہیں نہیں دراصل وہ... میں یہ بتانے آیا تھا کہ چیک بک مل گئی ہے۔" ضمیر بھائی نے بات کو طول دینے سے گریز کیا۔ ویسے بھی پہلے اسٹیشن اور پولیس اسٹیشن دونوں میں بندے کو جکڑ لینے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کے ساتھ ایک حد میں رہنا چاہیے۔

"چیک بک مل گئی ہے؟ ہمارے بغیر؟ نہیں

ناممکن!" حوالدار کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا انوکھا کیس تھا جس میں چوری بھی پولیس کو بغیر بتائے ہوئی تھی اور اب برآمدگی بھی بغیر بتائے ہو گئی تھی۔

"اجی... ناممکن کا تو لفظ ہی میری ڈکشنری میں نہیں ہے حوالدار صاحب" ضمیر بھائی فخریہ بولے بات کرتے ہوئے اب وہ پھر سے اپنی کرسی سنبھال چکا تھا۔

"جناب کیا میں اسی طرح کھڑا رہوں گا؟"

"نہیں نہیں بے شک کوئی دوسرا پوز بنالو۔" حوالدار نے مفت مشورہ دیا۔ اور فرق بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے نہیں پڑتا۔ قانون آپ کی امیدوں پر پورا اترے گا۔"

"آپ تو جناب کرسی پر بمشکل پورے اتر رہے ہیں امیدوں پر کیا اتریں گے۔" ضمیر بھائی کے ساتھ یہاں بھی گھروالا سلوک ہو رہا تھا' سو چہرے پر مسکینی اتر آئی جسے حوالدار صاحب نے بھی نوٹ کیا۔

"دراصل پولیس اسٹیشن ہے ناں اتنا بجٹ نہیں ہے کہ یہ کرسی ٹوٹ گئی تو اور خرید لیں۔ پنکھے بھی ہم بجلی سے نہیں بلکہ کھڑکیاں کھول کر چلاتے ہیں۔" حوالدار نے مجبوری بتائی تھی۔

"اچھا اسی لیے آپ نے سر پر ٹوپی پہننے کے بجائے سلوا ہی لی ہے تاکہ ہوا سے اڑ نہ جائے۔"

"ہاہاہا۔ بس جی یہ ٹوپی ڈرامہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔" ضمیر بھائی کی بات پر وہ کھسیاہٹ کا شکار تھا۔

"یہ تو بتائیں کہ چیک بک کی کیا کہانی ہے؟"

"جناب کہانی کیا ہونی ہے بس گھر میں ادھر ادھر ہو گئی تھی سو آج مل گئی۔"

"ہوں۔" حوالدار نے کچھ دیر سوچا اور لاک اپ میں بند دس بارہ بندوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تم نے تو چلو گھر سے ہی کہیں سے چیک بک ڈھونڈلی' لیکن مجھے بتاؤ کہ اب بارہ بندوں کا کیا کروں جو تمہاری چیک بک چوری کرنے کا اعتراف کر چکے ہیں۔؟"

"جی؟ کیا مطلب؟" ضمیر بھائی نے حیرت سے لاک اپ کو دیکھا جس میں موجود سب ہی لوگ ایک زبان ہو کر پکار رہے تھے۔

"میں نے چیک بک چوری کی ہے۔ قسم سے میں نے چیک بک چوری کی ہے"

"ان سب کے اعتراف جرم کے بیان تو میں نے ٹیپ میں بھی ریکارڈ کر لیے ہیں۔" حوالدار نے مزید کارکردگی دکھائی۔

"وہ سب تو جناب ٹھیک ہے لیکن... اتنی پھرتی؟؟" ضمیر بھائی بے ہوش ہونے کے قریب تھے۔ کہ حوالدار نے سرگوشیانہ انداز میں انکشاف کیا۔

"سنا ہے کہ کچھ دینے دلانے کی بات طے ہوئی تھی تم لوگوں کی انار صاحب سے۔" حوالدار صاحب نے ضمیر کو کچھ یاد دلانا چاہا تو چونکہ یہ دینے کی بات تھی اس لیے اگر دینا بھی ہوتا تو یقیناً" وہ مکر جاتا اور یہاں تو اس

نے کوئی وعدہ کیا ہی نہیں تھا۔

"انار صاحب مجھے اس کیس کے بارے میں خاص طور پر بتا کر گئے تھے کہ جلدی حل کرنا ہے کیونکہ مدعی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ جو کہو گے ملے گا؟"

"ہاں تو انکار کب کیا ہے۔ باہر اتنی بڑی مارکیٹ ہے ناں۔ وہاں جاؤ جو بھی کہو گے ملے گا۔" ضمیر بھائی اب وہاں سے بھاگنے کے طریقوں پر غور کرتے ہوئے الٹا سیدھا بولے جا رہے تھے۔ حوالدار نے غصے سے دیکھا تو ایک نظر حوالات میں موجود لوگوں کو اور پھر حوالدار کو دیکھ کر اپنے آپ کو ہمت دلاتے ہوئے بولے۔

"میرا مطلب ہے کہ میں وہ چیک بک ایک دفعہ چیک کر لوں کہ چلتی بھی ہے کہ نہیں۔ پھر آتا ہوں۔"

"جاؤ جاؤ۔ مگر یاد رکھنا قانون کے ہاتھ لمبے بڑے ہوتے ہیں۔" حوالدار مسکرایا تو ضمیر بھائی پرائی آگ میں کودنے پر خود کو لعنت ملامت کرنے لگے اور حوالدار کو صاف صاف بتا دیا کہ وعدہ انہوں نے نہیں بلکہ ابا نے کیا تھا اس لیے ان کا اس معاملے میں کوئی لینا نہ سمجھا جائے البتہ دینا ہو تو وہ حاضر ہیں۔

ساری بات سمجھانے کے بعد آئندہ بھی تھانے نہ آنے کا عہد کر کے وہ بغیر پیچھے دیکھے گھر کے لیے نکل آئے تھے تاکہ گھر جا کر چینا کو بتائیں کہ وہ کس طرح بال بال بچ کر واپس گھر پہنچ گئے ہیں۔

☆ ☆ ☆

حریص دل کے سنا ہے کہ چار خانے ہیں
مکیں بھی چار ہیں درکار اس جگہ کے لیے
خلیل خان نے جنگل میں جال پھیلایا
اٹھارہ سال کی نو عمر فاختہ کے لیے

ابا ہاتھ میں چیک بک لیے کبھی چیک بک کو دیکھتے اور کبھی چینا کو۔ ذہن میں علیشا کی نخرے دکھاتی آواز بھی حواسوں پر چھا رہی تھی۔ اور انہیں یقین تھا کہ علیشا بس اب ان کی مال و دولت کے پیچھے پاگل ہی ہو جائے گی۔ اور چینا پر بھی پہلے تو غصہ مگر بعد میں پیار آیا کہ اس نے انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔

"پتری۔ جب میں نے تجھے بتایا تھا کہ میں اسے پیسے بھیجوں گا تے فیر اپنی بے صبری، وی تے نئیں ناں کرنی چاہیے تھی۔ تے سوچ جے اگر یہ نیچے رہنے والے شودے ہمیں چیک بک واپس نہ کرتے۔ تے ہمارا تے فیر کونڈا ہو جانا تھا ناں۔"

"جی ابا۔ لیکن یہ لوگ نہیں ہیں اتنے برے بھی۔" چندا نے ان کی تعریف کرنے کی کوشش کی۔

"اوئے اتنے چنگے وی نئیں ہیں۔ تو ان کی باتوں میں نہ آ جائیں۔" چیک بک کو آنکھوں اور پھر سینے سے لگا کر وہ اپنے کمرے کی طرف مڑے۔

"تے گل سن۔ کالج کا داخلہ فارم وغیرہ جمع کروا کے تے کالج جانا شروع کر، آخر اسی لیے تے ہم شیر آئے ہیں۔"

"جی ابا۔ کروں گی ایسا ہی۔"

"تے آج پکانا کیا ہے؟" ابا کو ہر معاملے کی ٹینشن تھی اور کچن کی تو خاص طور پر تھی کیونکہ چندا کے اختیار میں ہوتا تو وہ بقول ان کے فضول خرچی کر دیتی۔ سو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ابا خود ہی بول اٹھے۔

"او جو اد اکپ شورا رکھا تھا اوس دن۔ اس میں ایک آلو ڈال کر ابال لئیں، ادا تیرا تے ادا میرا، بچ گیا تے صبح وی چل جائے گا۔"

ابا نے اسے تازہ تازہ کالج جانے کا کہا تھا اس لیے وہ کم از کم آج کے دن ان سے کوئی اختلاف نہیں کرنا چاہتی سو انہوں نے بھی مسکرا کر اسے دیکھا اور کمرے میں چل دیئے کیونکہ ان کا اب بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً" سے پہلے علیشا کو یہ خوش خبری سنائیں مگر اس سے پہلے ہی نیچے کے پورشن میں ہوتی کھٹو پٹر اور پھر شور شرابے نے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

تجسس کے مارے جیسے ہی چندا اور ابا نے اپنے مخصوص کارنر سے نیچے جھانکا تو ان دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
اُم ثمامہ
ستو میٹھا اور کالا بھوت
سالگرہ نمبر
کرن

"اساں جان کے میچ لئی آکھ وے
جھوٹی موٹھی دایالیا اے ککھ وے
کہ سڈے ول تک سجناں کہ سڈے ول تک سجنا

.....
صبح صبح مشترکہ منڈیر پر کالا بھوت نمودار ہو گیا تھا کتنی بار تنو نے دھکا دے کر اسے گرایا تھا مگر نا ہنجار اپنے مالک میٹھے جٹ کی طرح ڈھیٹ ثابت ہوا تھا.....

"ہائے ہائے کچھ تو خوف خدا ہو لوگوں کو، صبح سویرے جب کوئل و بلبل صحرا و چمن سب اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کر رہے ہیں انہیں ناڑم تاڑی کے مارننگ شو کی پڑی ہے.....

جانے ایسوں پر خداوند کریم کا عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا....."

دو عدد انڈے، پراٹھے، مکھن توس اور دودھ کی توانائی سے بھرپور ناشتا کرتے ہوئے ثانیہ حشمت جاہ عرف تنو نے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کالے بھوت کو لتاڑا.....

دیوار پر سے اک لمحے کے لیے کالا بھوت غائب ہوا' دیوار کے اس پار سے میٹھا جٹ فرام لاہور نے اس سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور اسے پھر سے منڈیر پر ٹکا دیا.....

"پیارے بھائیوں رب تعالیٰ نے حقوق العباد پر بہت زور دیا ہے کسی کی دل آزاری کرنا' کسی کا دل دکھانا یا توڑنا نہایت قبیح فعل ہیں اس لیے حقوق العباد کا خیال رکھتے ہوئے حقوق ازدواجیات ادا کر دیجیے ثواب دارین ملے گا.....

"آیئے ہم آپ کو حقوق ازدواجیات کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کریں۔"

ٹھاہ.....

تنو کی اسٹالو کی سوفٹی کی کاری ضرب کالے بھوت کے ماتھے پر زور سے لگی اور کالے بھوت کا دیوار پر ٹکا رہنا ناگریز ہو گیا.....

وہ دھم سے زمین پر گرا یا میٹھے جٹ کی سر کی خالی چمکتی سرزمین پر ٹھیک طرح سے اندازہ نہ ہو سکا.....

چند لمحوں کے بعد سوفٹی کو بڑی عقیدت سے جھاڑ پونچھ کر منڈیر پر واپس رکھ دیا گیا' اک تو یہ تنو جی کی جتی تھی جو ان کے سوہنے پیروں کے کول رہتی تھی دوجا دوبارہ بھی کالے بھوت سے نجات کے لیے انہوں نے اسے ہی استعمال کرنا تھا۔ عاشق ہو تو میٹھے جٹ فرام لاہور جیسا.....

ٹھک ٹھک ٹھک.....

"ارے ثانیہ بیگم ذرا دروازے تک زحمت فرمایئے گا اور دیکھیے گا کہ کون آن وارد ہوا ہے سہ پہر کے اس لمحے۔"

ٹھک ٹھک..... دروازہ دوبارہ نہایت ادب سے بجا۔

"بی بی گلاب جامن منہ کی جگہ کانوں میں ڈال لیے کیا۔"

تسلیم بیگم کی آواز پر رسالہ پڑھتی اور گلاب جامن کھاتی ثانیہ حشمت جاہ ہڑبڑا کر اٹھی.....

"آئے اماں حضور....."

"کون....."

"او جی بوا کھولو میں میٹھا جٹ....."

"لو جی صبح کے وقت اب ان کا دیدار ہو جائے گا تو سارا دن برا ہی گزرے گا....." تنو نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا اور غڑاپ سے ساتھ بنے باورچی خانے میں گھس گئی۔

میٹھے نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے ادھر ادھر جھانکا۔ خالی صحن ـــ منہ چڑا رہا تھا۔ سامنے برآمدے میں لکڑی کے منقش تخت پر تسلیم خالہ براجمان تھیں.....

"آداب خالہ جی..... او جی مینوں بوا نے بتایا تھا کہ تھاڈی طبیعت شبعت خراب اے..... تے میں تھاڈے لیے دیسی ککڑ دے پیراں دی یخنی بنا کر لایا ہوں' تو سی اے پی لو تے اللہ بخشے دادا مرحوم بھولے پہلوان دی طرح تگڑے ہو جاؤ گے....."

میٹھے نے یخنی کا پیالہ کنارے پر رکھتے ہوئے کہا دھیان سارا کا سارا اندر کمرے کی طرف تھا مگر یہاں بھی پھول دار پردہ ظالم سماج کی طرح اکڑ کر کھڑا تھا.....

تسلیم بیگم نے میٹھے کی متلاشی اور بے چین نظروں

کو دیکھا اور تانیہ کو آواز دے ڈالی۔

وہ جہان دیدہ خاتون تھیں خوب جانتی تھیں کہ دیسی مرغیوں کے پیر دھو دھو کر کیوں پلائے جا رہے ہیں۔

اور ویسے بھی اب تنو کی عمر اور حجم کو دیکھ کر کوئی آتا ہی نہیں تھا اس لیے انہیں میٹھے کا دم ہی غنیمت لگتا تھا۔

اچھا شریف بچہ تھا پنجاب میں زمین جائیداد گھر سب تھا ماں باپ کا اکلوتا تھا وہ ایک ایکسیڈنٹ میں اس جان فانی سے کوچ کر گئے تھے.... تنو کی خاطر سب چھوڑ چھاڑ کر پردیس میں بیٹھا تھا مگر تنو اس کے نام سے ایسے بدکتی تھی۔

جیسے بلی کے نام سے چوہا

اسکول کے نام سے بچہ

اور ملک صاحب کے نام سے موبائل بدکتا تھا....

"ارے تانیہ ذرا باہر آیئے یہ میٹھے میاں کا یخنی والا پیالہ خالی کر دیجیے ہمارے گھٹنوں میں تو اٹھنے کی سکت نہیں ہے۔"

تیسری آواز پر تانیہ بیگم چھم بلکہ دھم کر کے باورچی خانے سے برآمد ہوئیں سفید چکن کا کرتہ، چوڑی دار پاجامہ (اب بھلے وہ پاجامہ سات میٹر میں بنا ہو) جالی کا لہرائے دار دھانی دوپٹا، پیروں میں کولہ پوری چپل آنکھوں میں کجلے کی دھار اور سیاہ لمبی بل دار چوٹی....

"السلام علیکم۔" چبا چبا کر کھا جانے والی نظروں سے سلام جھاڑا اور پیالہ اٹھا کر واپس باورچی خانے میں غائب ہو گئی۔

میٹھے کو لگا اس کی ساری محنت ککڑ پکڑنے سے لے کر کاٹنے پیر توڑنے دھونے پکانے اور لے کر آنے کی چنگی طرح وصول ہو گئی.... وہ تھی ہی اتنی پیاری بس تھوڑی یا تھوڑی سے زیادہ صحت مند تھی اور وہ بھی مختصر سے میٹھے جٹ کو کہاں دکھتا تھا اس کا دل تو ہر وقت تنو جی کے نام کی مالا جپتا رہتا تھا۔

محبت کے اکھاڑے میں چاروں شانے چت کر کے عشق نے ایسی لنگڑی لگائی تھی کہ ڈھول جاشا رہ گیا تھا میٹھا جٹ فرام لاہور....

نصیبن آپ ہی اسے کچھ سمجھائیں، ہماری تو خاطر میں لاتی نہیں ہیں.... ارے ہم کیا ان کے دشمن ہیں خدانا خواستہ۔"

تسلیم بیگم پریشان سی پان کی گلوری نصیبن بوا کو تھماتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اب عمر کے آخر دور سے گزر رہے ہیں آج مرے کل دوسرا دن....

اللہ جانے کس نواب ابن نواب کے انتظار میں جمی بیٹھی ہیں یہ...." رضائیوں میں ٹانکے لگاتی بوا نے سوئی اور دھاگہ منہ میں دبا رکھا تھا اور تسلیم بیگم کے غم کی داستان سن رہی تھیں۔

دن مٹھی میں دبی ریت کی طرح گزرتے جا رہے تھے اور ان گزرتے دنوں میں تانیہ حشمت جاہ کی عمر اور سائز دونوں میں بادرجہ اتم اضافہ ہو رہا تھا تسلیم بیگم کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تھی اس لیے انہیں ہول اٹھتے تھے۔

"اب ہم کیا کہوے بیگم صاحبہ چھوٹا منہ اور بڑی بات....

آج تو ہمری تمری بری لگے مگر بعد میں پچھتائی تو یاد آئے گے اماں باوا.... ارے ایسی بے قدری ہم تو کہے دیتے ہیں اس کی نہ ہی سنو پڑوس میں اتنا اچھا رشتہ ہے دو بول پڑھوا دو ساری عمر عیش کریں گی پلکوں پر بٹھا کر رکھے گا...."

بوا نے رضائی کو آخری ٹانکا لگا کر مچان پر رکھا اور سوئی دھاگہ لپیٹتے ہوئے مشورہ دے ڈالا۔

"ارے ایسے کیسے ہم زبردستی کر سکتے ہیں بچی تو نہیں ہیں وہ اگر عین وقت پر انکار کر دیا تو خاک میں مل جائے گی مرحوم نواب صاحب کی عزت، اب اللہ ہی انہیں سمجھائے ہمارے قلب ذہن میں تو اب ہمت نہیں رہی۔" اماں نے پان کی گلوری منہ میں دباتے ہوئے سرد آہ بھری۔

پاس بیٹھی تنو بڑے اطمینان سے فنگر چپس کو کیچپ میں غوطے دے دے کر کھا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اماں اور بوا کی باتیں بھی سن رہی تھی مگر گفتگو

کے اس موڑ پر چپ چاپ چپسوں سے شغل فرماتے رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔۔۔۔

"پیاری اماں جان اور بوا دونوں خواتین ایک بات گرہ سے باندھ لیں آپ لوگوں کے اشارے جس طرف ہیں ان کے لیے کل بھی ہماری نہ تھی اور آج بھی ہے انہیں کمزوری کے مارے سانس تو آتا نہیں شادی کیا نبھائے گے۔۔۔ اپنے آپ کو رستم زمان بھولو پہلوان کے پڑپوتے کہتے ہیں اللہ جانے بھولو پہلوان جانتا کا تھا جو پوتے اس طرح کے ہیں۔۔۔ کسی ڈراونی فلم کے ڈھانچے کی فرسٹ کاپی لگتے ہیں وہ آپ کے مٹھو میاں۔" اپنی بول بال کر پھر چپسوں کی طرف متوجہ ہو گئی ثانیہ حشمت جاہ۔

"ہائے ہائے لڑکی کچھ خوف خدا کیجیے اس ذات کی بنائی شکل صورت میں کس طرح کیڑے نکال رہی ہیں آپ۔۔۔" تسلیم بیگم نے کلے پیٹتے ہوئے دوہائی دی ۔۔۔

"اور خود تو جیسے شہزادی زہرہ نگاہ ہو آپ بس رنگ ہی گورا ہے ورنہ تو ڈھائی من کی دھوبن۔"

تسلیم بیگم نے ایک دھپ رسید کرتے ہوئے تنو کو لتاڑا انہیں اس طرح میٹھے کے بارے میں کہنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا انہیں خبر تھی کہ وہ دیوار کے اس پار کھڑا ہو گا کس قدر دل آزاری ہوئی ہو گی بے چارے کی تسلیم بیگم کو قلق ہو رہا تھا۔

"آپ کو اچھا لگے یا برا ہم تو عقد کریں گے کسی پڑھے لکھے سلیقے تہذیب ادبی ذوق رکھنے والے نوابی گھرانے میں جن کے چشم و چراغ میں نفاست بلاغت فراست کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔۔۔ جو لمبا چوڑا باوقار سا مرد ہو۔۔۔" ثانیہ نے آخری چپس کو ساری کیچپ لگا کر منہ میں ڈالا اور آنکھیں موند کر نوابی شہزادے کے قصیدے بیان کرنے لگی۔

"ہاں ان ساری خوبیوں کے ساتھ ایک اور خوبی بھی ضرور ہو گی ان میں۔" تسلیم بیگم نے چھالیہ کترتے ہوئے جل کر کہا۔

"وہ کیا اماں حضور؟" ثانیہ نے دانت نکالتے ہوئے دریافت کیا۔

"وہ عقل اور آنکھوں دونوں سے اندھے ہو گے۔" اماں کب ادھار رکھنے والوں میں سے تھیں تنو نے انہیں گھور کر دیکھا اور کمرے کی طرف واک آؤٹ کر گئی۔

دیوار کے اس پار بیٹھا اک شخص یہ ساری گفتگو سن کر چند لمحوں کے لیے اداس اور مایوس ضرور ہوا اس کی جسمانی ساخت تو خدا نے بنائی تھی مگر اس کا دل۔۔۔

"کاش اک وار تنو جی اس دل میں جھانک کر دیکھتی۔۔"

اسی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ فجے کے پائے' بالے کے کلیجے' راوی کا کنارہ' فورٹرس کی چاٹ اور انار کلی کی رونقیں چھوڑے بیٹھا تھا۔

✡ ✡ ✡

وقت کا کام گزرنا تھا اور گزرتا جا رہا تھا دن سورج اور چاند تارے ایک دوسرے کے پیچھے نمودار ہوتے اور چھپ جاتے۔۔۔۔

ابا کے بعد اماں بھی راہی عدم سدھار گئی تھیں نصیبن بوا اب بوڑھی ہو گئی تھیں مگر دو گھروں میں اب بھی کام کرتی تھیں۔

ثانیہ حشمت جاہ تنو سے اب تنو آپا کے عہدے پر فائز ہو چکی تھی اور رقبے کے حساب سے اور بھی طول و عرض کی مالک بھی۔۔۔ باقی وہی کہانی تھے اور وہی کہانی کے کردار۔۔۔

تنو آپا نے اپنا بھاری بھرکم وجود بامشکل تخت سے اٹھایا آخر کو اتنے بھاری ناشتے کا بھی تو کچھ وزن ہو گا ہی ' جو وہ تھوڑی دیر پہلے تناول کر کے بیٹھی تھی موسم صبح سے ہی خوشگوار تھا کہ اچانک آسمان سے ننھی ننھی شفاف بوندیں برسنے لگیں۔۔۔

تنو نے مسکرا کر آسمان کی طرف دیکھا برسات انہیں شروع سے ہی بہت پسند تھی وہ برساتی پکوانوں کے بارے میں سوچنے لگی۔۔۔ اتنے میں مشترکہ دیوار پر کالا بھوت نمودار ہوا۔۔۔

"سون دی چھڑی لگی سون دی چھڑی
میں بھی کھڑا کوٹھے او بھی چھت تے کھڑی
میرے دل وچ آئے خیال اک دسدے نوں کردا اے
سون دی چھڑی دے وچ تیرے نال نچنے نوں جی کردا اے۔"
تنو آپا نے ہاتھ پیروں کی طرف بڑھایا۔
ٹھاہ....
جوتی ہمیشہ کی طرح عین نشانے پر لگی تھی اور اب منڈیر خالی تھی کالے بھوت کے خستہ اسپیکروں سے تو آواز آنے کا یہ عالم تھا کہ رفیع کی آواز لتا اور نور جہاں کی آواز دلیر مہندی جیسی سنائی دیتی تھی انٹینا ٹوٹ ٹوٹ کر میٹھے جٹ کی طرح مختصر ہو گیا تھا سگنل اس طرح آتے تھے کہ اچھا خاصا قسمت کا حال بتاتے بتاتے پاجامہ سلنے کی ترکیب نشر ہونے لگتی تھی....
مگر کم بخت میٹھے جٹ کی طرح ابھی تک قائم دائم تھا حالانکہ اپنے مالک کے ساتھ دو تین پھیرے لاہور کے بھی لگا آیا تھا مگر تنو کے کتنے ہی دن دعائیں مانگنے اور انتظار کرنے کے باوجود ڈھنگی کے کوئی اثرات نمودار نہیں ہوئے تھے۔
وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے کی طرف چل دی بڑی مشکل سے خود کو صوفے پر ڈالا اور ٹی وی آن کر کے مارننگ شو پر چلنے والی شادی کو شدومد سے دیکھنے لگیں اپنی تو اب ہونے کے امکان تقریباً"معدوم ہو چکے تھے۔
ایک تو اس کے لیے "دل ہے کہ مانتا نہیں" والی کیفیت تھی....
کام کاج کی کوئی فکر تھی نہیں ابھی تھوڑی دیر میں بوا نے آجانا تھا تو سارے کام جھٹ پٹ سمیٹ دینے تھے۔
اور پھر دو گھنٹے تنو کے ساتھ بیٹھ کر زمانے کی اونچ نیچ، بڑھتی جوانی گھٹتی عمر کاٹ کھانے والی تنہائی اللہ پاک کی ناراضی، اماں باوا کی آخری خواہش اور میٹھے جٹ کی شرافت، قابلیت عظمت، محبت اور ہمت پر لیکچر دینا تھا بوا میٹھے کے یہاں بھی کام کرتی تھیں اور ثانیہ حشمت جاہ کو پکا یقین تھا کہ وہ تنخواہ کے علاوہ ایک معقول رقم انہیں اس کام کے لیے دیتا تھا۔
"ارے تنو بی بی کیا مزے سے بیٹھی پرائی شادیاں دیکھتی ہو.... اور خوش ہوتی ہو ابھی بھی وقت ہے ہوش کے ناخن لے لو۔" بوا کا ڈیوٹی ٹائم شروع ہو چکا تھا۔
"پہلے تو اماں باوا تھے راج کر لیا اب آگے کا کیا سوچت ہو ہم بھی چراغ سحری ہیں اب بجھے کے تب.... کل کی تنو آج محلے بھر کی تنو آپا کہلاوت ہے اس وقت سے ڈر جب آپا سے تنو خالہ بن جاوے....
تیری ماں سے بہناپا تھا اس لیے روج روج بولے ہیں ورنہ ہمرے سر میں درد ناہی کے تمہیں عقل دلیوے اور تمرے منتے بگڑتے منہ دیکھے۔"
بوا بولتے بولتے تھک گئیں تو غصے میں تنو کو گھورنے لگیں جو مزے سے چینل سرچ کر رہی تھی۔
"چھوڑیں بوا اس گھسے پٹے موضوع کو ہم نے کل ہی منے سے کریلے گوشت منگوا کر رکھ لیا تھا وہ چڑھا دیں کھانے پکانے کا ایک چینل بھی لگا لو تو دوبارہ سے بھوک چمکنے لگتی ہے...."
"اب ہمری کون سنے یہاں ارے مت کھایا کرو اتنا، یہ موا موٹاپا سو بیماریوں کی ماں ہوئے ہے....
ہم تو سر پھرے ہیں جو بک بک کرتے ہیں، جاتے ہیں رسوئی میں اور تم دیکھو اس شیطانی ڈبے کو، مگر ہم کہے دیوت ہیں زندگی ایسے ناہی کٹے گی۔"
"ارے بوا مزے سے تو گزر رہی ہے.... ٹھاٹ سے اٹھتے ہیں باٹ سے کھاتے ہیں کھاٹ پر سوتے ہیں.... ناں سسرال کی کڑ کڑ نہ میاں کی چڑ چڑ اور نہ بچوں کی ٹر ٹر آپ بھی یونہی نا ہر وقت بولتی رہتی ہیں....
اور یونہی ہمارے کھانوں پر ٹوک لگاتی ہیں آپ کے کہنے پر تو پچھلے دو ماہ سے ڈائٹنگ کر رہے ہیں ہم....
ڈیڑھ پراٹھوں دو انڈوں پاؤ بھر دودھ بغیر ملائی کے کھانا بھی کوئی ناشتا ہوا بس دو چھریاں بھر کر مکھن کی توس پر لگانا بھی کوئی لگانا ہوا.... اماں مرحومہ کی وجہ سے آپ کی سخت سست سن لیتے ہیں ورنہ کون مائی کا لال ہے جو ثانیہ حشمت، جاہ کو کچھ بول کر دکھائے.... کریلوں کو

اچھی طرح بھونیے گا اور ساتھ میں میٹھی لسی بھی بنا لیجیے گا پیچھے سے آواز لگائی گئی۔

✡ ✡ ✡

جیسے ہی تڑکے تڑکے مرغوں نے بانگ دینی شروع کی میٹھا جٹ اپنی رنگیلی چارپائی سے اٹھا۔
چنگی طرح وضو کر کے نماز پڑھنے مسجد کی طرف چل پڑا۔

واپسی پر پاؤں بھر دودھ دہی کی تھیلی اس کے ہاتھ میں تھی (آخر تھا تو پہلوانی پٹھا) اس کی قابل رشک صحت کسرت کی اجازت تو نہیں دیتی تھی۔ مگر خاندانی ریت تو نبھانی تھی.... اس نے دو چار ڈنڈ بیٹھکیں لگائی' پولے پولے ہاتھوں سے مالش کی اور لسی بنا کر پینے لگا۔
کام تو کوئی نہ تھا۔ لاہور میں جو مکان اور دو کانیں تھیں ان کا کرایہ آجاتا تھا جو اس کے لیے کافی تھا۔ زندگی میں کوئی کمی نہیں تھی سوائے تنو جی کے نظرو التفات کے۔

دیوار کے اس پار ابھی مکمل خاموشی کا راج تھا میٹھے کو پتا تھا کہ ابھی تنو جی آرام فرما رہی ہیں اس لیے وہ سارے کام ہولے ہولے کر رہا تھا کہ ان کی نیند سے آنکھ نہ کھل جائے ورنہ....

وہ ڈرتا ورتا کسی سے نہیں تھا آخر کو پنجابی پتر تھا مگر اس کے دل میں تنو جی کے لیے جو سمندر رشو کے مارتا تھا اس کے ہاتھوں مجبور تھا میٹھا جٹ فرام لاہور.....
پہلوانی کے مارننگ شو سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے تیسرے نمبر کے محبوب ریڈیو عرف کالے بھوت کی مرمت کرنے لگا (یہ نام ایسے تنو جی نے ہی دیا تھا) اسے کل ہی فیر تنو جی کی جتی وجی تھی ایسے اپنا یہ کالا بھوت بہت عزیز تھا، یہی تو اظہار کا ایک واحد ذریعہ تھا ورنہ وہ تنو جی سے ہم کلام ہونے کی ہمت کہاں کر پاتا تھا۔ کبھی کبھی میٹھے کو لگتا اس سے زیادہ خوش نصیب تو کالا بھوت ہے کم از کم تنو جی کی جتی کا لمس تو ایسے نصیب ہوتا ہے۔
حق ہا....

میٹھے جٹ کے ہاتھ ریڈیو کے پیچوں سے الجھے ہوئے تھے مگر دل تنو جی کے کمرے کے پھول دار ریشمی پردے کے آلے دوالے پھریاں کھا رہا تھا۔ ایسے وہ وقت یاد آنے لگا کہ جب وہ نوا نوا ابیتاں دیکھنے کراچی آیا تھا تو اس نے نہیں سوچا تھا کہ وہ مڑ کر لاہور واپس نا جا سکے گا....

ابا تو پہلے ہی ایک دنگل میں اللہ کو پیارا ہو گیا تھا' بے بے تو وہ اپنے اکلوتے پتر کو کہی جانے نہیں دیتی تھی مگر جب اماں بھی فوت ہو گئی تو میٹھے جٹ نے کراچی گھومنے کا ارادہ کیا جہاں اس کے مامے کا پتر شیرا جٹ رہتا تھا شیرے جٹ کا گھر نواب حشمت جاہ کے پڑوس میں تھا بلکہ وہ ان کی حویلی کا ہی ایک حصہ تھا جو انہوں نے نوابی بھرم رکھنے کے لیے پہلے وقتوں میں بیچ دیا تھا....

اک دن میٹھے جٹ کی نظر تانیہ حشمت جاہ پر پڑی جو رجو بھابی کے پاس کڑھائی سیکھنے آتی تھی۔
اور بس وہ دن آج کا دن وہ یہی کا ہو کر رہ گیا حالانکہ اب تو اس کے مامے کا پتر شیرا بھی شہر کی بگڑتی حالت کے پیش نظر بال بچوں کو لے کر واپس لاہور چلا گیا تھا اور پھر میٹھے جٹ نے اپنی لاہور میں موجود ایک دو کان بیچ کر حویلی کا یہ آدھا حصہ خرید لیا۔
اس مکان کو خریدتے وقت اس نے بہت کچھ سوچا تھا مگر آج نواب صاحب 'تسلیم بیگم سب کے چلے جانے کے باوجود بھی وہ کلا کا کلا ہی تھا....
شام کے سائے آدھے دیوار کے اس طرف اور آدھے اس طرف جھانک رہے تھے 'تنو ابھی ابھی قیلولا کر کے اٹھی تھی۔
دوپہر کو ماش کی دال کے دہی بھلے کچھ زیادہ ہی کھا لیے تھے اس نے اب بھاری پن محسوس ہو رہا تھا۔
اور یہ بھاری پن بوتل کے بغیر تو ہلکا ہونا نہیں تھا اس لیے تنو آپا دروازے تک آئیں کہ بچہ دیکھ کر ایک سوڈے کی بوتل منگوائی جا سکے.... اچانک ساتھ والا دروازہ کھلا۔
اور بوتل کے جن کی طرح میٹھا جٹ دروازے کی

اوٹ سے نمودار ہوا۔۔۔ (اللہ جانے ساتھ بیٹھے قدم گنے جاتے تھے کہ اب کہاں اور تب کہاں)

"سلام تنو جی۔۔۔ خیر تے اے جی کوئی کم شم اے تو دسو میں بس یوں کر آتا ہوں۔۔۔ اڈی گرمی ہے تو سی بوہے تے کھڑے چنگے نہیں لگدے۔۔۔" فٹ سے پیش کش کی گئی اور ساتھ میں بتیس دانتوں کی نمائش بھی۔

"دراصل میٹھا صاحب ہم سوڈے کی بوتل منگوانے کے لیے کوئی طفل دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اور آپ کو باخوبی علم ہے آپ کے ہاتھ سے ہم واٹر سوڈا تو کجا زہر سوڈا بھی پینا پسند نہیں کریں گے اس لیے آپ زحمت نا کیجیے تو بہتر ہے۔۔۔ اور ہاں، بہتر ہے کہ آپ آج گھر سے باہر بھی نہ نکلے تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے ہیں کہیں خدا نا خواستہ۔۔۔" تنو نے جل کر طنز کیا۔

"بس تنو جی جب تو سی مینوں میٹھا صاحب کہتی ہو تو میرے دل وچ میری ماں کے لیے بہت دعائیں نکلتی ہیں۔ میرا نام میٹھا میری بے بے نے ہی رکھا تھا اور آپ کے منہ سے تے یہ ہور بھی میٹھا لگدا اے۔"

"میٹھا صاحب آپ جانا پسند کرے گے یا ہم اپنی جوتی کو زحمت دیں۔"

"اچھا میں جاندا ہوں اور کوئی بچہ لب کے بھیج دیتا ہوں میرا پہلوانی خون یہ گوارا نہیں کردا کہ میں گھر میں بیٹھا رہوں اور آپ بوہے پر کھلوتی رہو۔" تنو نے سڑک کی طرف جاتے میٹھے جٹ کو گھور کر دیکھا دو چار مہذب گالیوں سے دل ہی دل میں نوازا اور دھاڑ سے دروازہ بند کر کے واپس پلٹ آئی، طبیعت مزید مکدر ہو چکی تھی۔

تنو اس دن کو روتی تھی جب وہ ان کے پڑوس میں شیرے بھائی کے گھر آیا تھا۔ رجو بھابی کی وجہ سے ان کے گھر اس کا بہت آنا جانا تھا۔۔۔

بس وہ دن آج کا دن اتنے دن گزر جانے کے بعد اور اتنی عزت افزائی کروا لینے کے بعد بھی میٹھے سے جان نہیں چھوٹی تھی اللہ جانے گڑ کر بنا ہوا تھا کہ جو جان کو ہی چمٹ گیا تھا۔۔۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی تو سوچ کا چلتا پہیہ یکدم رکا۔۔۔

مگر تنو وہی بیٹھی ہی رہی کہ اب مٹھو میاں کے بھیجے ہوئے بچے کا احسان کون لے دروازہ ایک بار پھر زور سے بجا۔

"کون ہے۔" تنو نے وہی سے دھاڑ کر پوچھا۔

"دروازہ کھولیے۔۔۔"

نہایت شائستہ اور دھیمی سی زنانہ آواز پر تنو چونکی۔۔۔ "السلام علیکم۔"

دروازے پر ایک خاتون کھڑی تھیں ہلکے گلابی رنگ کا غرارہ گلے میں سفید موتیوں کی مالا گوری چٹی تنو تو دیکھتی ہی رہ گئی۔۔۔

"ماشاء اللہ جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔" خاتون نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تعریف کی۔۔۔ "بیٹی اندر آنے کا نہیں کہے گی کیا۔"

"جی جی معاف کیجیے گا آیئے آیئے اندر آیئے۔"

دروازہ بند کرتے ہوئے تانیہ حشمت جاہ کی نظر باہر کھڑی گاڑی پر پڑی جس پر ایک نہایت باوقار اور ہینڈسم سا بندہ ٹیک لگائے کھڑا تھا مگر دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔۔۔

تنو حیران پریشان اندر کی جانب چل دی کے جانے ابا مرحوم یا اماں مرحومہ کے کوئی نوابی رشتے دار ہیں۔۔۔

"دراصل بیٹی ہم بات ایسی کرنے آئے ہیں جو بڑوں سے کی جاتی ہے مگر ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کے والدین تو اب اس دنیا میں ہیں نہیں مگر پھر بھی اگر کوئی بڑا ہے تو آپ انہیں بلوا لیں۔۔۔ تا کہ میں اپنی تشریف آوری کا مدعا بیان کر سکوں۔" نہایت خوب صورت نوابی انداز بیان تنو تو متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔۔۔

"ارے تنو بی بی صبح صبح کون آوت ہے۔۔۔ باہر یہ بڑی گاڑی کھڑی ہے۔ سب خیر تو ہے۔۔۔"

نصیبن بوا دروازے سے کمرے تک آتے آتے بولنا شروع ہوئیں تو کمرے میں آ کر ہی بریک لگائی۔۔۔

"جی ہماری بڑی تو یہی ہیں آپ ان کے سامنے ہی

جو بات ہے کر سکتی ہیں۔" تنو نے شرماتے ہوئے کہا کچھ کچھ تو اسے بھی سمجھ آرہا تھا... بوا بھی حیران پریشان قالین پر ہی ٹک گئیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں تنو سے معلوم کرنے لگیں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

"دراصل ہم جہاں آرا بیگم ہیں اور ہمارے ساتھ جو تشریف لائے ہیں وہ ہمارے لاڈلے سپوت نواب جہانگیر بدر ہیں... جن کی خواہش تھی کہ شادی خانہ آبادی خالص نوابی گھرانے میں کروائے گے پھر آپ کا پتا لگا تو ہم یہاں چلے آئے... آپ اگر اجازت دیں تو ہم چھوٹے نواب کو اندر بلا لے تاکہ آپ ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔

ہمیں تو آپ بہت پسند آئی ہیں اگر آپ کو بھی چھوٹے نواب پسند آجائے تو ہم بسم اللہ کریں...."

"ہائے اے ایسے کیسے بسم اللہ یہ کوئی گڈا گڈی کا کھیل ہوت ہے... آپ کے بارے میں نہ کوئی اتا نہ پتا رشتے ایسے ہوت ہیں کیا۔" بوا یکدم کھڑی ہو گئیں۔

تنو تو خیالوں میں نواب جہانگیر بدر کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر جانے کہاں سے کہاں نکل گئی تھی یوں اچانک نصیبن بوا کی انٹری اسے ہوش و حواس میں واپس لے آئی۔

"آپ نے بجا فرمایا مگر معاملہ لڑکا اور لڑکی کی زندگی کا ہوتا ہے سو ہم چاہتے تھے کہ ایک دوسرے سے مل لیں تو بہتر ہو گا...."

"بوا آپ نواب صاحب کو اندر بٹھائیے ہم ابھی آتے ہیں۔" لہجہ حتمی تھا بوا بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف چل دیں۔

"اے کیا عقل پر پتھر پڑے ہیں جو یوں غیر مرد کو گھر کے اندر گھسوات ہو۔" بوا تنو کے پیچھے کمرے میں آئیں جو مزے سے کھڑی لمبی چوٹی کو بل دینے کے بعد اب کاجل لگا رہی تھی....

"ارے بوا اس قدر خاندانی اور شریف اور ساتھ ساتھ میں امیر لوگ ہیں... بوا ہماری تو لاٹری نکل آئی کاش اس وقت اماں حضور زندہ ہوتیں تو میں انہیں دکھاتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ نوابی شہزادہ چن

رکھا تھا اور وہ تھیں کہ باضد تھیں کہ ہم میٹھے سے شادی رچا کر اس کے کھٹ میٹھے پیدا کرتے۔

بوا جلدی سے جائیں اور بڑی سڑک والی بیکری سے اچھی اچھی چیزیں خرید لایئے جب تک ہم چائے بناتے ہیں۔"

السلام و علیکم... یہ لیجیے چائے...." تانیہ حشمت جاہ نے چائے پیش کرتے ہوئے سلام کیا... شکریہ کہہ کر کپ تھام لیا گیا۔

مضبوط سی کلائی پر نہایت قیمتی گھڑی چمک رہی تھی۔

ایک دو رسمی سوال جواب ہوئے اور نواب جہانگیر بدر اٹھ کر باہر چل دیے۔

"ہاں بٹی آپ بتائیں آپ کو ہمارے فرزند ارجمند کیسے لگے۔" تنو نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں نواب جہانگیر بدر اس کے ان خوابوں کے شہزادے جیسا تھا جس کا وہ کتنے عرصے سے انتظار کر رہی تھی...."تو پھر میں ہاں سمجھوں...."

"ارے بیگم صاحبہ ایسے کیسے ہاں ہوت ابھی کچھ پوچھ تاچھ کروائے گے مشورہ کریں گے آپ چند دن بعد تشریف لایئے گا۔"

نصیبن بوا کی انٹری کمرے میں موجود دونوں خواتین کو ناگوار گزری تنو کے منہ میں تو نواب جہانگیر بدر کو دیکھنے کے بعد گونگے کا گڑ پڑ گیا تھا اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ان کے سنگ روانہ ہو جائے....

"یہ لو بیٹا ہماری طرف سے شگن ہے رکھ لیں ہمیں امید ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں نکلے گی.... اور یہ ہمارا نمبر ہے اطلاع کر دیجیے گا ہم حاضر ہو جائے گے۔" جہاں آرا بیگم نے اپنے ہاتھ سے ایک جڑاؤ کنگن اتار کر تانیہ کے ہاتھ میں ڈال دیا....

اس پہلے کہ بوا کچھ کہتیں وہ دروازے کی دہلیز پار گئیں... تنو تو کنگن والی کلائی ہاتھ میں تھامے برآمدے میں جہاں کی تہاں ہی کھڑی تھی۔

دیوار کے اس پار بڑی بے چینی تھی سینکڑوں بار

دروازے سے باہر کھڑی گاڑی اور اس کے مالک کو جھانک جھانک کر دیکھا گیا پھر اس شخص کا تھوڑی دیر کے لیے اندر جانا اور مسکراتے ہوئے باہر نکلنا مٹھے کو شک میں مبتلا کر رہا تھا مگر اب اسے صبر کے ساتھ نصیبن بوا کا انتظار کرنا تھا کیونکہ اصل کہانی تو وہ ہی سنا سکتی تھیں....

☆ ☆ ☆

نوابی حویلی کی بوسیدہ مگر شاندار عمارت آج چمک رہی تھی دروازے اور کھڑکیوں پر شیشے کا رنگین کام بارشوں اور دھوپ کی نظر ہو گیا تھا مگر آج صاف ہونے کے بعد اس کے آثار نظر آ رہے تھے لکڑی کا منقش دروازہ سر سے پاؤں تک انتظار اوڑھے کھڑا تھا۔

تنو نے چاندی کے چمچے نکال کر قلعی کروائے تھے شہر بھر کی تمام لوازمات وہ نصیبن بوا سے منگوا چکی تھی مگر اب بھی کمی محسوس ہو رہی تھی.... کافی دن کی بوا کے ساتھ بحث تکرار کے باوجود بالآخر اس نے جہاں آرا بیگم کو گھر آنے کی دعوت دے دی تھی وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی کہ اب جب وہ خود بھی آس چھوڑ چکی تھی اچانک اس کے خوابوں کا شہزادہ مجسم تصویر بنے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا....

"بوا آپ خوش نہیں ہیں کیا آپ کی اور اماں کی تو بڑی خواہش تھی کہ ہماری شادی ہو جائے۔" تنو نے صحن میں لگے موتیا کی باڑ سے پھول نکال اپنی چوٹی میں لگاتے ہوئے ناز سے پوچھا آج وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی خوب صورت تو وہ بہت تھی بس موٹاپے نے مت ماری ہوئی تھی۔

"آں ہاں.... ہم رسوئی دیکھ لوت وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے" آج خلاف معمول بوا بالکل خاموش تھیں اپنی خوشی میں تانیہ حشمت جاہ نے غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے....

دیوار کے اس پار مٹھا جٹ اپنی رنگیلی چارپائی پر اداس سوچوں میں گم بیٹھا تھا اس نے بوا کے ذریعے بہت سمجھانے کی کوششیں کی مگر کامیاب نہ ہو سکا کبھی دل اپنے لیے اداس ہوتا اور کبھی....

بس اب خدا کا ہی آسرا تھا اس نے بوا کو ساری بات سمجھا اور بتا دی تھی اور انتظار کی تصویر بنے بیٹھا تھا پاس ہی کالا بھوت پڑا تھا دو دن سے مٹھے نے ایسے بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا....

جہاں آرا بیگم اور نواب جہانگیر بدر تشریف لا چکے تھے وہ اپنے ساتھ پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے لائے تھے جہاں آرا بیگم تنو کی بلائیں لے لے کر تھکتی نہیں تھیں....

"بوا اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم بٹیا کو انگوٹھی پہنا کر باقاعدہ رسم کر دے۔" جہاں آرا بیگم نے سامنے خاموش بیٹھی نصیبن بوا سے پوچھا ایک ملاقات میں انہیں یہ اندازہ تو باخوبی ہو گیا تھا کہ وہ صرف کام والی نہیں ہیں۔

"جی جی بیگم صاحبہ بسم اللہ کریں اللہ آپ لوگوں کو بہت اجر دے گا کہ آپ لوگ ایک یتیم اور غریب بچی کو اس قدر پیار اور مان کے ساتھ لے جانے کی بات کر رہے ہیں۔" بوا نے مسکین سی شکل بنا کر کہا.... تنو نے حیرانی سے بوا کی طرف دیکھا مگر اب کہہ کچھ نہ سکی۔

"نصیبن بوا ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے...." نواب جہانگیر بدر چونک کر بولے۔

"تو اور کیا آج کل کے دور میں کون اتنے بڑے دل کا اور نیک ہوتا ہے جو صرف خاندانی حسب نسب اطوار اور شرافت دیکھ کر خالی ہاتھ ہی لڑکی کو لے جائے۔" جہاں آرا بیگم کا انگوٹھی والا ہاتھ وہی تھم گیا۔

"اب میں کیا بولوں مگر میں تو آپ کے خاندانی اور نیک ہونے کی قائل ہو گئی کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی....

خیر بسم اللہ کرے اللہ پاک آپ کو اجر دیوت...."

"بوا جو بھی بات ہے آپ کھل کر بیان کریں...." نواب جہانگیر بدر کی بے چینی عروج پر تھی۔

"دراصل بات یہ ہوت کہ تانیہ کی مرحومہ اماں

اپنی تمام جائداد اور مال و متاع قریبی مسجد کے نام کر گئی تھیں تاکہ کوئی لالچ میں آکر ان کی بیٹی کا ہاتھ نہ تھامے

۔۔۔

یہ حویلی بھی مسجد کی امانت ہے مگر جب تک تنو بیٹی یہاں ہوت رہوت بس اس کے بعد تو شوہر کا گھر ہی سب کچھ ہووے۔۔۔"

"بوا۔۔۔" تنو کسمسائی۔۔۔ بوا نے دوپٹے کے پلو سے مصنوعی آنسو پونچھتے ہوئے جہاں آرا بیگم اور نواب جہانگیر بدر کی طرف دیکھا جو یکدم کھڑی ہو چکے تھے۔

"چلیے اماں ہمارا دماغ خراب نہیں ہے کہ ہم اس ڈھائی من کی بوری کو خالی خولی اپنے گلے میں ڈال لے ۔۔۔ ہم نے سنا تھا کہ بہت جائداد ہے نواب صاحب کی جو اکلوتی اولاد ہونے کے تحت ان کے حصے میں ہی آئی تھی ۔۔۔

ہم نے تو سوچا تھا کہ چلو مزے سے عیش کریں گے تو ان بڈھی اور موٹی بیگم کا دکھ بھی محسوس نہیں ہو گا۔"

"ارے ارے خوف خدا نہیں لوگوں میں کیسے کیسے دھوکا دیتے ہیں اور ان کو دیکھو بڑھاپے میں شادی خانہ آبادی کا کتنا چاہ چڑھا ہے کہ اتنی بڑی بات کس مزے سے پی گئی۔"

تنو جہاں کی تہاں صوفے پر بیٹھی رہ گئی بلکہ شرمندگی اور دکھ کے مارے گڑ گئی تھی دروازے تک ماں بیٹے کی بڑبڑاہٹ کانوں میں گرم سیسے کی مانند ڈل رہی تھیں ۔۔۔

"ہم نے کیا یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔"

نصیبن بوا دروازہ بند کر کے اطمینان سے اندر آئیں تو تنو بت بنی بیٹھی تھی آنکھوں سے آنسو رواں تھے آج جب اپنی دل آزاری ہوئی تو چوٹ دل پر لگی تھی مسترد ہونے کا دکھ اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا ۔۔۔

"بیٹی ہم تمہارے دشمن نہیں ہوت ہمیں معلوم کرنے پر سن گن مل گئی تھی کہ سارے کا سارے دولت اور جائداد کا چکر ہے اور وہ اصلی نواب بھی نہیں تھے اس لیے ہم نے یہ سب کہا اور دیکھ لوت کیسے اوقات کھل کر سامنے آگئی۔"

"بوا آپ ابھی جائیے ہم کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتے ہیں۔" تنو کی مری مری آواز نمودار ہوئی۔

"ہمرے کو معاف کرنا مگر ہم نے جو کیا تمرے بھلے کو کیا۔" جھکی نظروں سے تنو نے نصیبن بوا کے پیروں کو دیکھا جو دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی کہ آج اس کا نوابی پندار بڑی بری طرح ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

☼ ☼ ☼

نواب جہانگیر بدر والی بات کو ہوئے ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا تھا مگر تانیہ دکھ اور شرمندگی کے احساس سے ابھی تک باہر نہیں آسکی تھی ۔۔۔ غم کے مارے وہ تو چارپائی سے ہی لگ گئی تھی کھانا پینا ٹی وی دیکھنا کالے بھوت اور اس کے مالک کو کوسنا سب مانو جیسے ختم ہی ہو گیا تھا۔

بوا سارے گھر کا کام کرتی اسے سمجھاتیں اور جہاں آرا بیگم اور ان کے سپوت کو جھولیاں بھر بھر کے بددعائیں دیتیں کبھی غصہ آتا تو برتن پٹخ پٹخ کر بڑبڑانے لگتیں۔

دیوار کے اس پار بھی سوگ کی سی کیفیت تھی۔

کبھی کبھی کالا بھوت دیوار پر نمودار ہوتا مگر اب اس پر دھیمی سی آواز میں طربیہ گانے بج رہے ہوتے تھے۔ کسی مالش کسرت آج کل بیٹھے جٹ کسب کچھ بھولا ہوا تھا وہ صبح شام دل و جان سے تنو جی کی صحت اور سلامتی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

"اے بی بی ابھی بھی ہوش کے ناخن لے لوت ۔۔۔ بیٹھے نے کل بھی ہم سے بات کرت ہے وہ تمہارا غم بانٹنے کو تیار ہے۔" آج بڑے دنوں بعد تنو اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"بوا آج ہی طبیعت کچھ بحال ہوئی ہے اور آپ پھر سے وہی باتیں لے کر بیٹھ گئیں ۔۔۔" تنو نے ہاتھ اٹھا کر بات بیچ میں کاٹ دی" ہم کہہ چکے ہیں پھر سمجھ کیوں

نہیں آتا۔"

"اللہ جنت نصیب کرے تمھری اماں سچ کہوت ہے تمہیں اللہ ہی سمجھائے اتنی بڑی چوٹ کھانے کے بعد بھی عقل نہ آوے تو ہم کیا کرت۔۔۔۔ اللہ کی بنائی چیز میں عیب جوئی کر کے گناہ گار ہوت ہو مگر کیا بولے جانے عقل کب آوے گی۔۔۔۔" بوا بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئیں۔

بوا جاتے ہوئے دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھیں یونہی بیٹھے بیٹھے تنو کو دو گھنٹے گزر گئے وہ اٹھ کر دروازہ بند کرنے گئی تو میٹھا دو تین آدمیوں کے ساتھ دروازے پر کھڑا تھا پھر وہ انہیں لے کر اندر چلا گیا دیوار کے اس پار سے باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔۔۔ تنو نے اپنے کان اس طرف لگا لیے مگر کوشش کے باوجود باتوں کا لب و لباب سمجھ نہ سکی۔۔۔۔ اس نے کل بوا سے رپورٹ لینے کا سوچا اور کمرے کی طرف چل دی تشویش کی بات تو تھی کیونکہ اس طرح تو کبھی کوئی آیا گیا ہی نہیں تھا۔

"بوا وہ کل کچھ لوگ آئے تھے اس طرف۔۔۔۔" تنو نے بوا کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ہچکچاتے ہوئے بات چھیڑی۔

"ہاں بی بی تمہیں کیا کوئی آوت کے جاوت۔۔۔۔ مرد بچہ ہے کب تک دل آزاری اور توہین برداشت کرتا۔۔۔۔ اچھا کیا تم جیسی ناقدری تو نہ دیکھی نہ سنی۔۔۔۔" وہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں۔

"بوا میں نے لوگوں کے بارے میں پوچھا ہے میاں مٹھو کے بارے میں نہیں۔" تنو نے چڑ کر کہا۔

"ہاں بی بی اب خوشیاں مناؤ لڈیاں ڈالو 'میاں مٹھو' پھر سے اڑنے والے ہیں یہ لوگ گھر دیکھنے آوت ہیں۔۔۔۔ میٹھے میاں حویلی کا وہ حصہ بیچ کر اب یہ شہر چھوڑ کر جاوت ہیں۔۔۔۔

ہم بھی کب تک ہیں۔ دیکھے گے اکیلی کیا کرت ہو۔ تم نے تو نہ رب کی رضا دیکھی نہ ماں باپ کی منہ کی کھاؤ گی تو سمجھ آوے گی۔" نواب جہانگیر بدر والے معاملے سے اب تک بوا کی ناراضی ختم نہیں ہوئی تھی۔

صحن میں رکھے تخت پر تنو سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ اماں باوا پڑوس بوا سارے چہرے ایک ایک کر کے نظروں کے سامنے آرہے تھے... کانوں میں نواب جہانگیر جیسے باوقار شخص کے جملے گونج رہے تھے...

"ہمارا دماغ خراب ہے' جو اس ڈھائی من کی بوری کو اپنے گلے ڈال لے..." دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

آج دل میں احساس پیدا ہو رہا تھا کہ مسترد کیے جانے کا دکھ کیا ہوتا ہے وہ رب اور ماں باپ دونوں کی نافرمان ثابت ہوئی تھی... اچانک دیوار پر کالا بھوت نمودار ہوا...

"دل تے پاگل اے دو گھڑیاں رو کے چپ کر جاؤں
جتھے ساری دنیا چھڈی تیرے بن بھی مر جاؤں
دل تے پاگل اے..."

کبھی کبھی فیصلے لمحوں میں ہو جایا کرتے ہیں اور تنو بھی یکدم فیصلہ کر بیٹھی تھی وہ تخت سے اٹھی کالے بھوت کے مالک نے گھبرا کر تنو کو دیکھا... دیوار کے پار کھڑے شخص کو پتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے...

تنوجی کی سوفٹی تک ان کا ہاتھ جاتا اور پھر ٹھاہ کر کے کالا بھوت میٹھے جٹ کے ہاتھوں میں آگرتا...

مگر وہ اس میں بھی خوش تھا وہ جانے سے پہلے ایک بار پھر تنوجی کا یہ روپ آنکھوں میں بسا کر لے جانا چاہتا تھا...

تنو دھیرے دھیرے دیوار کی طرف بڑھنے لگی... کالے بھوت اور اس کے مالک کی سانس ساکن ہونے لگی... آج جانے کیا ارادے تھے کہ جوتی کو زحمت نہیں دی گئی تھی... کالا بھوت تانیہ حشمت جاہ کے ہاتھوں میں تھا۔ آج شاید اس کا آخری دن تھا۔

تنوجی کے گدگدے ہاتھوں نے بٹنوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کی اور اسے واپس منڈیر پر رکھ دیا۔

میں تے میرا دلبر جانی
بلیاں تے پریم کہانی
ساواں اچے آیا اے طوفان
موسم ہویا اے بے ایمان...
میں تے میرا دلبر جانی...

✡ ✡ ✡

تنو آپا چنا پٹی کا رنگ دار غرارہ پہنے بیٹھی تھی... میٹھے جٹ نے ریشمی کرتہ اور چوکاٹ دار دھوتی پہن رکھی تھی گھر میں خوب رونق تھی شیرا جٹ اور رجو بھابھی بھی آئے ہوئے تھے' نصیبن بوا آتے جاتے دونوں کی بلائیں لے رہی تھیں۔

دیوار کے بیچ بنے چھوٹے سے بند دروازے کی رفاہ گراسنگ کو کھول دیا گیا تھا جہاں سے تانیہ حشمت جاہ نے رخصت ہو کر اس پار جانا تھا اور پھر اپنا میکہ اور سسرال دونوں آباد رکھنے تھے کیونکہ ایسے پتا چل گیا تھا کہ دل با ہم ہوں تو زبان رنگ نسل سے کوئی فرق نہیں پڑتا' خاندانی نام گفت و شنید اعلا تعلیم تہذیب و تمدن کسی بھی انسان کی انسانیت اور اچھائی کو پرکھنے کا آلہ نہیں ہو سکتے تھے اور سب سے اہم چیز محبت اور عزت تھی جو میٹھے کے پاس وافر مقدار میں موجود تھی۔

تانیہ کو لگا اماں مرحومہ تخت پر بیٹھی مسکرا رہی ہیں... اور میٹھے جٹ کو توکل سے خوشی کے مارے سانس نہیں آرہا تھا اس پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔

کالا بھوت خوشی کے مارے زور و شور سے بج رہا تھا آج اس کے سگنل بھی فل آرہے تھے اور آواز بھی بالکل کلیئر تھی تنو اور میٹھے جٹ نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا تو ساری بوسیدہ نوابی حویلی مسکرانے لگی۔

✡ ✡

سالگرہ نمبر

انیلا کرن

میری جستجو کا صلہ ہے

مکمل ناول

رنگ برنگی جھنڈیوں اور غباروں سے سجا ہال کمرہ اس وقت بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار پر چمک دار رنگوں سے ہیپی برتھ ڈے ڈیئر فرح لکھا ہوا اور اسی دیوار کے آگے تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ کر وہ ٹیبل لگایا گیا تھا جس پر تین منزلہ بڑا سا کیک رکھا تھا اور قیمتی کراکری کے علاوہ اس ٹیبل پر جا بجا پھولوں کے گلدستے بھی سجائے گئے تھے۔ جن کی بھینی بھینی خوشبو نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

بارہ سالہ فرح بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور بہت لاڈلی تھی۔ اس لیے اس کی سالگرہ خوب دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ ویسے بھی تایا کا الیکٹرونکس گڈز کا بزنس کافی منافع بخش تھا اور تائی جان کو دولت کی نمائش کرنا از حد پسند تھا۔ اس لیے ان کے پورشن میں اکثر ہی تقریبات منعقد ہوتی رہتی تھیں۔

جن میں ضوفشاں کو اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی شرکت کرنا پڑتی تھی کیوں کہ وہ فرح کے اکلوتے چچا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور وہ لوگ گھر کے اوپر والے پورشن میں مقیم تھے۔ اس وقت بھی وہ امی کے بے حد مجبور کرنے پر وہاں آئی تھی۔ ورنہ پچھلے کچھ عرصے سے اس نے خاندانی تقریبات کا مکمل بائیکاٹ کر رکھا تھا۔

سالگرہ کے اس فنکشن میں صرف قریبی عزیزوں اور دوستوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔ پھر بھی وہاں مہمانوں کی اتنی تعداد موجود تھی کہ بڑا سا ہال کمرا لوگوں سے کچا کچھ بھرا ہوا تھا جن میں زیادہ تعداد خواتین اور بچوں کی تھی۔ رنگ برنگے ملبوسات میں بجے سنورے اور خوشبوؤں سے مہکتے وجود' کھنکتے قہقہے اور زندگی سے بھرپور آوازیں' وہاں موجود ہر چہرے پر تازگی اور بشاشت تھی سوائے ایک ضوفشاں کے جو پلکیں جھکائے بے زار سی ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور ایک ایک لمحہ جیسے گن گن کر گزار رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو اس جگہ سے غائب کر دیتی جہاں موجود لوگوں کی نظروں میں اس کے لیے تمسخر اور ترحم کے سوا کچھ نہیں تھا یا کم از کم اسے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اس لیے وہ سب ہی سے کھینچی کھینچی

سی تھی حالانکہ تایا جان کی پانچوں بیٹیوں کے علاوہ اس کی کئی دوسری کزنز بھی اس تقریب میں موجود تھیں جن میں سے چند ایک کے ساتھ اس کی اچھی علیک سلیک بھی تھی، مگر اس کا کسی سے بھی مخاطب ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے یہ بے زاری اور روکھا پن اس کی طبیعت کا حصہ بن چکا تھا اور وہ ہر وقت عجیب سی رنجیدگی اور خود ترسی کے حصار میں رہنے لگی تھی۔

بے زاری کے عالم میں اس نے سر اٹھا کر سامنے لگے ٹیبل کی طرف دیکھا۔ وہاں فرح کیک کاٹنے کے لیے آچکی تھی۔ خوب صورت سے گلابی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اپنے سیاہ بال شانوں پر بکھرائے وہ بلاشبہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے ایک پل کے لیے ضوفشاں کی آنکھوں میں نرمی اتری تھی، مگر عین اسی لمحے اس کی نظر فرح کے برابر کھڑی عظمیٰ پر پڑ گئی اور اس کے منہ میں جیسے کونین کی گولی آگئی تھی۔ اس نے بے اختیار ہی اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ عظمیٰ کی آنکھوں بلکہ اس کے پورے وجود سے چھلکتی فتح مندی کا برداشت کرنا ناممکن حد تک مشکل تھا۔ عظمیٰ کو دیکھنے اس کا ذکر سننے حتیٰ کہ بھی اس کا خیال بھی آجانے سے ضوفشاں کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگتی تھی اسے عظمیٰ سے نفرت نہیں تھی۔ یہ نفرت سے بھی کچھ آگے کا جذبہ تھا کہ اس کا دل عظمیٰ کے خیال تک کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کو چاہتا تھا۔ لمبے سیاہ بالوں سفید رنگت اور چمکدار آنکھوں والی عظمیٰ بلاشبہ حسن کا شاہکار تھی اور اسے اپنی خوب صورتی کا احساس بھی تھا۔ اس کے سامنے گندمی رنگت اور براؤن آنکھوں والی ضوفشاں کی شخصیت ہمیشہ ہی دب جایا کرتی تھی، مگر اب تو عظمیٰ کے سامنے جیسے وہ نظر ہی نہیں آتی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے، مگر کچھ بھی اس کے بس میں نہیں تھا اس نے قدرے فاصلے پر خاندان کی دو خواتین سے بہت خوش اخلاقی سے باتیں کرتی اپنی ماں کو دیکھا۔ چمکتی ہوئی سنہری رنگت اور چہرے پر ہر دم موجود رہنے والی مسکراہٹ اس کی ماں کی شخصیت کا خاصا تھی وہ بہت مضبوط شخصیت کی مالک تھیں، مگر ضوفشاں کو ملال تھا کہ اپنی شخصیت کی تمام تر مضبوطی کے باوجود انہوں نے کبھی اس کی ڈھال بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس نے بے اختیار ہی امی اور تائی جان کا موازنہ کیا۔ اگر اس کی جگہ عظمیٰ اس جیسی صورت حال سے دوچار ہوتی تو اول تو تائی جان اسے اس تقریب میں لے کر ہی نہ آتیں اور اگر کسی وجہ سے لے آتیں تو سارا وقت اس کی ڈھال بن کر رہتیں۔ ضوفشاں کا دل بھر آیا اسے اس موازنے نے تکلیف دی تھی۔ اس کے لیے اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو چھپانا محال ہو گیا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ اس وقت کیک کٹنے کا شور بلند ہوا اور سارے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔

ضوفشاں ٹیبل کی طرف جانا نہیں چاہتی تھی، مگر امی کے اشارے پر اسے اٹھنا پڑا البتہ بعد میں وہ امی کے گھورنے کے باوجود بہت تھوڑی دیر وہاں رکی تھی۔ کھانا بھی اس نے ذرا سا ہی کھایا اور امی سے اوپر والے پورشن کی چابیاں لے کر ہال کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے جاتے ہوئے بھی کسی سے ملنے یا اللہ حافظ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ درحقیقت اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی۔

"یہ تمہارے دیور کی بیٹی تھی نا سنا ہے اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے۔" بیرونی دروازے کی طرف جاتے اس نے تائی جان کی بھابھی کی آواز سنی جو ان سے اس کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کے قدم رکے تھے۔

"ہاں۔" تائی جان کے لہجے میں واضح بے زاری تھی۔

"اور اچھا ہی کیا جو داخلہ لے لیا۔ معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہے اور باپ بھی کالج میں لیکچرار ہے۔ جہیز بھی زیادہ نہیں دے سکتا۔ پڑھ لکھ کر ماں کی طرح کوئی نوکری کرے گی تو ہی اچھا بر ملے گا نا۔"

تائی جان کی باتیں اور لہجہ دونوں زہر آلود تھے۔

ضوفشاں کو اپنا پورا وجود نیلا پڑتا محسوس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تھی اور سیڑھیاں اس نے بھاگتے ہوئے طے کی تھیں۔ آنسو اب روانی سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے اور اس نے انہیں روکنے کی اس بار کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"لوگ کس آسانی سے دوسروں کے حصے کی خوشیاں اپنے نام کرلیتے ہیں اور شرمندہ تک نہیں ہوتے۔" اپنے کمرے میں آکر اس نے دل گرفتی سے سوچا تھا اور اوندھے منہ بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆ ☆ ☆

ضوفشاں کے ابو خورشید علی لڑکوں کے مقامی کالج میں اردو کے لیکچرار تھے۔ انہوں نے اپنی پسند سے زرینہ سعید سے شادی کی تھی جو ان کے ایک پروفیسر کی صاحبزادی تھیں۔ سنہری رنگت اور تیکھے نقوش کی مالک زرینہ سعید خوش شکل ضرور تھیں، مگر خورشید علی نے انہیں ان کی شکل و صورت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے پراعتماد انداز کے باعث پسند کیا تھا۔ وہ لڑکیوں کے ہائی اسکول میں انگلش پڑھاتی تھیں اور ساتھ ساتھ نہایت سلیقہ شعار اور سگھڑ بھی تھیں۔ انہی چیزوں کی وجہ سے ان کی شخصیت میں گہرا اعتماد آچکا تھا جو ان کی بات چیت انداز و اطوار اور نشست و برخاست سے صاف جھلکتا تھا۔ اس اعتماد نے خورشید علی کو ان کا اسیر بنا ڈالا اور انہوں نے ماں باپ سے ضد کرکے زرینہ سے شادی کی تھی۔

ان کے بڑے بھائی حمید علی کی شادی چار سال قبل ان کی خالہ کی بیٹی سے ہو چکی تھی۔ تابندہ بیگم بے حد حسین خاتون تھیں۔ شادی شدہ زندگی کے چار سال گزارنے اور دو بیٹیوں کی ماں بننے کے بعد ان کا جسم اگرچہ کافی فربہ ہو چکا تھا، مگر چہرے کی خوب صورتی اور چمک دمک ناحال برقرار تھی۔ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بلا کی خود پسند اور تنگ مزاج بھی تھیں۔ گھر کے کام کاج میں ان کی دلچسپی نہ ہونے کے

برابر تھی۔ اس لیے گھریلو کاموں کا زیادہ انحصار کام والیوں پر ہی تھا۔ وہ خورشید علی کی شادی اپنی چھوٹی بہن سے کروانا چاہتی تھیں، مگر ان کے انداز و اطوار دیکھ کر خورشید سے زیادہ ان کی امی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

اس وجہ سے تابندہ بیگم نے زرینہ کو پہلے دن سے ہی اپنا حریف سمجھنا شروع کر دیا تھا، مگر ان کی کوئی باقاعدہ لڑائی اس وجہ سے نہیں ہو پائی کہ ان کے برعکس زرینہ کی طبیعت بہت صلح جو اور امن پسند تھی۔ جب تک وہ لوگ اکٹھے رہے وہ تابندہ کی ہر زیادتی کو معاف کرتی رہیں اور کبھی بھی ان سے مقابلہ بازی نہیں کی۔ والدین کی وفات کے بعد دونوں بھائیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ الگ ہو جائیں۔ گھر انہوں نے کچھ عرصہ پہلے ہی نیا بنایا تھا جس کے اوپر نیچے دو پورشن بھی اسی نیت سے بنائے گئے تھے کہ کل کو انہیں الگ ہونا پڑے تو کسی قسم کی دشواری پیدا نہ ہو۔

خورشید علی کی شادی کے سات سال بعد وہ الگ ہوئے تو خورشید علی تب تک تین بچوں کے باپ بن چکے تھے۔ ضوفشاں ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی جو حمید علی کی تیسرے نمبر والی بیٹی عظمیٰ کی ہم عمر تھی۔ ضوفشاں کے بعد زرینہ اور خورشید علی کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں سے نوازا تھا جبکہ تابندہ بیگم اور حمید علی کا ایک ہی بیٹا تھا جو عظمیٰ سے دو سال بڑا تھا اور خورشید علی کی شادی کے چند ہفتوں بعد پیدا ہوا تھا۔ عظمیٰ کے بعد ان کی دو اور بیٹیاں آمنہ اور فرح پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے چونکہ چھ بچے تھے اس لیے ان کا موقف تھا کہ انہیں گھر کا نیچے والا پورشن ملنا چاہیے جو اوپر والے پورشن سے کافی کھلا اور بڑا تھا۔ خورشید علی اور زرینہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اپنے بچوں کے ساتھ اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئے۔

اپنے الگ پورشن میں شفٹ ہونے کے بعد زرینہ سعید کا سلیقہ کھل کر سامنے آیا تھا۔ جاب کرنے کے باوجود وہ بہت توجہ اور محبت سے اپنا گھر سنوارتی تھیں اور ہمیشہ بہت دل لگا کر گھر میں کھانا بناتی تھیں۔ اس کے برعکس تابندہ بیگم نے گھر کی صفائی برتن دیگر کاموں کے لیے ماسیاں رکھ چھوڑی تھیں اور کھانا بھی ان کے ہاں اکثر ہی باہر سے آیا کرتا تھا۔ حمید علی کی آمدنی بہت اچھی تھی اس لیے وہ تابندہ بیگم کو کھلا خرچ دیا کرتے تھے۔ کچھ تابندہ بیگم کا اپنا مزاج بھی شاہانہ تھا۔ اس لیے وہ خود پر اور اپنے بچوں پر بے دریغ رقم خرچ کرتی تھیں۔ ماں کی دیکھا دیکھی ان کے بچے بھی خود پسند اور نازک مزاج بنتے جا رہے تھے، مگر تابندہ بیگم کی نظر میں یہ کوئی برائی نہیں بلکہ ان کے لاڈلے بچوں کے نخرے تھے۔ وہ اپنی پانچوں بیٹیوں کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتی تھیں اور قاسم تو پھر تھا ہی ان کا اکلوتا بیٹا۔ اس لیے اس کا مزاج باقی سب کی نسبت زیادہ شاہانہ تھا۔

اپنے چچا زاد بھائیوں عادل اور عمیر سے اس کی کوئی خاص دوستی نہیں تھی۔ ایک تو وہ دونوں اس سے کافی چھوٹے تھے اور دوسرا ان کے مزاج اور دلچسپیاں ایک دوسرے سے بالکل الگ تھے۔ قاسم اور اس کی بہنیں اپنی دلچسپیاں اور شوق پورے کرنے میں ہر طرح سے آزاد تھے کیونکہ انہیں جیب خرچ کے نام پر اپنی ماں سے بھاری رقمیں ملا کرتی تھیں جبکہ ضوفشاں عادل اور عمیر کو محدود سا جیب خرچ ملتا تھا اور اسے بھی وہ بہت سوچ سمجھ کر خرچ کیا کرتے تھے۔ زرینہ نے ان تینوں کی تربیت ہی ایسے کی تھی کہ قناعت، صبر اور برداشت ان کی شخصیت کا لازمی جز بن گئے تھے۔ عادل اور عمیر تو تایا کے گھر کم ہی جاتے تھے، مگر ضوفشاں کا وہاں ہر وقت کا آنا جانا تھا، لیکن وہ نہ تو تایا کے گھر میں موجود آسائشوں سے کبھی مرعوب ہوئی تھی اور نہ ہی اپنی کزنز کو قیمتی چیزیں لیتے دیکھ کر اس کے اندر کبھی یہ سب چیزیں حاصل کرنا کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔

وہ اور عظمیٰ ایک ہی کلاس میں تھیں، لیکن ان کا رہن سہن اور عادات اتنی مختلف تھیں کہ ان کی کلاس فیلوز کو مشکل سے ہی ان کے کزنز ہونے پر یقین آتا تھا۔ عظمیٰ نا صرف یہ کہ بہت حسین تھی۔ بلکہ وہ

اپنا بہت خیال بھی رکھتی تھی۔ اپنی بڑی بہنوں کی دیکھا دیکھی وہ پارلر بھی باقاعدگی سے جاتی تھی۔ اور گھر میں بھی وہ بہنیں اپنے حسن کو مزید چمکانے کے لیے مختلف ٹوٹکے آزمائی رہتی تھیں۔ جبکہ اس کے برعکس ضوفشاں نے کبھی ڈھنگ سے منہ بھی نہیں دھویا تھا۔ کچھ تو وہ قدرتی طور ہی سادہ مزاج تھی۔ اور کچھ زرینہ کی طرف سے اسے ان چیزوں کی اجازت بھی نہیں تھی۔

وہ سادہ لباس پہنتی تھی۔ اور اپنے کندھوں سے نیچے تک آتے براؤن بالوں کو ہمیشہ پونی میں سمیٹ کر رکھتی تھی۔ جبکہ عظمی گھر پر تو ایک سے بڑھ کر ایک اسٹائل کے لباس پہنتی ہی تھی یونیفارم کو بھی جہاں تک ممکن ہو تا اسٹائلش بنانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے بالوں کے نت نئے اسٹائل اس کی چمکتی دمکتی سفید رنگت اور ہلکا پھلکا میک اپ اور قیمتی جیولری یہ سب چیزیں گویا اس کی شخصیت کو نکھار کر رکھ دیا کرتی تھیں ایسے میں بھلا عام سی شکل و صورت والی بے حد سادہ نظر آنے والی ضوفشاں اس کے آگے کیسے نمایاں ہو سکتی تھی۔ بے شک وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور گھریلو کاموں میں بھی طاق تھی بھلے ہی وہ بہت اچھی مصوری کرتی تھی' مگر یہ سب خوبیاں اس کے چہرے پر تو نہیں لکھی تھیں نا۔

وہ دونوں اگرچہ ایک ہی دین میں کالج آتی جاتی تھیں اور ان میں کافی دوستی بھی تھی' مگر کالج میں ان کا حلقہ احباب الگ الگ تھا۔ کچھ تو اس لیے کہ ضوفشاں سائنس گروپ میں تھی اور عظمی آرٹس پڑھ رہی تھی اور زیادہ اس وجہ سے کہ عظمی کا مزاج ضوفشاں سے قطعی مختلف تھا۔ کلاسز بنک کرنا' کینٹین پر جا کر فراخدلی سے رقم خرچ کرنا فیشن فلموں اور ڈراموں کی باتیں کرنا۔

ضوفشاں یہ سب کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تو اس کی مصروفیت بہت زیادہ تھی۔ مشکل پڑھائی کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے گھریلو کام کرنا اور ساتھ ساتھ مصوری کرنا اور ہاتھ میں آجانے والی ہر کتاب کو چاٹ ڈالنا یہ سب ایسے کام تھے کہ اسے فرصت کا ایک لمحہ بھی ملنا محال تھا۔ اور پھر اس کے ذرائع بھی محدود تھے وہ نہ تو عظمی کی طرح کینٹین پر جا کر بڑی بڑی رقمیں خرچ کر سکتی تھی اور نہ ہی طرح طرح کے فیشن پر بے دریغ لٹا سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی! تایا جان نے نئی کار خریدی ہے۔ ہنڈا سٹی گرے کلر کی بہت اعلا اور شاندار ہے۔ میں ابھی ابھی دیکھ کر آیا ہوں۔" ضوفشاں اور امی کچن میں کھڑی رات کا کھانا بنا رہی تھیں جب بارہ سالہ عادل گھر آیا اور آتے ہی نہایت جوش و خروش سے انہیں معلومات دینے لگا۔ اس کی بات سن کر امی تو متانت سے مسکرا دی تھیں' لیکن ضوفشاں عادل ہی کی طرح پر جوش ہو گئی اور چولہے پر دھری ہانڈی کو بھول کر کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی' مگر کھڑکی کا زاویہ ایسا نہیں تھا کہ وہاں سے گیراج نظر آسکتا اس لیے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

"امی! میں دو منٹ کے لیے نیچے سے چکر لگا آؤں۔" اس نے منت بھرے انداز سے اجازت مانگی تھی۔ جانتی تھی کہ زرینہ کو کوئی بھی کام درمیان میں چھوڑنا پسند نہیں ہے۔ اور اس وقت وہ اس کی زیر نگرانی پنیر پالک بنا رہی تھی۔

"ابھی نہیں بیٹا! کھانے کے بعد دونوں اکٹھے چلے جائیں گے۔ میں بھابھی کو مبارکباد بھی دے دوں گی۔" امی نے ہمیشہ کی طرح نرمی سے منع کیا تھا' مگر وہ مچل گئی۔

"امی پلیز! بس ابھی آجاؤں گی۔"

"ہرگز نہیں ضوفی! اب تم بچی نہیں رہی ہو جو سارے میں بھاگتی پھرو۔ اپنا کام توجہ سے ختم کرو۔ گاڑی کہیں بھاگی نہیں جا رہی بیٹا!"

ان کے لہجے میں سختی نہیں تھی' مگر قطعیت ضرور تھی۔ ضوفی دل مسوس کر رہ گئی۔

اس نے دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا۔ پالک پنیر بنانے

کے بعد اس نے روٹیاں پکائیں۔ اور کھانا میز پر لگادیا۔ ابو اپنے کمرے میں کوئی کتاب لے کر بیٹھے تھے وہ انہیں بھی بلالائی۔ کھانا مزے دار بنا تھا۔ سب ہی نے تعریف کی اور امی نے بھی سراہا تو اس کا موڈ خود ہی خوشگوار ہوگیا۔ کھانے کے بعد اس نے برتن دھوئے اور امی نے ابو کے لیے کافی بنائی پھر وہ دونوں نیچے چلی آئیں۔

تائی جان، ثانیہ، عظمی اور آمنہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ٹی وی پر کوئی غیر ملکی ڈرامہ چل رہا تھا۔ جس کی طرف سوائے تائی جان کے کوئی بھی پوری طرح متوجہ نہیں تھا۔ ثانیہ فیشن میگزین سنبھالے بیٹھی تھی۔ آمنہ موبائل پر کوئی گیم کھیل رہی تھی۔ جبکہ عظمی کئی رنگوں کی کیوٹکس سامنے رکھے اپنے لمبے ناخنوں کو سجانے میں مصروف تھی۔ عظمی کے ہاتھ بہت خوب صورت تھے۔ اور وہ ان کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے کے لیے ہروقت کوشاں رہتی تھی۔

"بھابھی جان! مبارک ہو۔ عادل بتارہا تھا کہ آپ نے نئی گاڑی لے لی ہے۔"

تائی جان کے پاس بیٹھ کر امی مبارکباد دینے لگیں۔ جو انہوں نے بہت مسکرا کر قبول کی۔ بڑی گاڑی خریدنے کا انہیں بہت ارمان تھا۔ جو آج پورا ہوا تھا۔

"ہاں شکر ہے۔ میں تو کب سے تمہارے بھائی سے بڑی گاڑی کے لیے کہہ رہی تھی، مگر وہ مان کر ہی نہیں دیتے تھے۔ اب پتا نہیں خود ہی کیا دل میں آئی کہ پرانی گاڑی بیچ دی اور نئی ہنڈا سٹی خریدلی۔"

تائی جان نے لہجے کو حتی الامکان انکسارانہ بنانے کی کوشش کی تھی، مگر ان کا انداز اتنا مصنوعی تھا۔ کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ضوفشاں کی ہنسی نکل گئی۔ جسے تائی جان سے بمشکل چھپاتے ہوئے وہ عظمی کے پاس جا بیٹھی۔

"تم نے یہ کیا مینا بازار سجایا ہوا ہے؟"

وہ سامنے پڑی کیوٹکس یونہی اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"تم بھی لگالو ضوفشاں! بچیاں تو ایسے سنگھار بہت شوق سے کرتی ہیں، مگر میں نے تمہیں کبھی نیل پالش لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

تائی جان یقیناً" زیادہ ہی خوش تھیں۔ ورنہ ایسی آفر اور وہ بھی ضوفشاں کو کرنا ناممکن ہی تھا۔ جو انہیں اپنی بچیوں کی اکلوتی اور سب سے بڑی حریف لگا کرتی تھی۔

"نہیں تائی جان! میں نے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔"

کیوٹکس واپس رکھتے ہوئے اس نے سادگی سے کہا تھا، مگر تائی جان کا منہ بن گیا۔

"ہاں ٹھیک ہے میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا ویسے بھی تمہارے ہاتھوں پر اتنے ہلکے رنگوں کی نیل پالش کہاں اچھی لگے گی" بدلہ اتارنے میں ویسے بھی تائی جان کا ثانی ملنا مشکل تھا۔ اور کسی سے بھی بدلہ لیتے ہوئے وہ اپنی اور سامنے والے کی حیثیت اور پوزیشن کو قطعی نظر انداز کردیا کرتی تھیں۔ ان کی اس عادت سے ضوفشاں بچپن سے واقف تھی۔ اس لیے بغیر کچھ کہے محض مسکرا دی۔

"بھابھی جان! فرح نظر نہیں آرہی۔ سوگئی ہے کیا؟" امی جان نے تائی کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ ویسے بھی نو سالہ فرح ان کی بہت چہیتی تھی۔ اور خود ضوفشاں کو بھی وہ بہت اچھی لگتی تھی۔

"نہیں نہیں سوئی کہاں ہے۔ وہ تو اپنے ابو اور بھائی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ ضد کررہی تھی نئی گاڑی میں بیٹھنے کی میں نے تو بہت سمجھایا کہ کل اکٹھے چلے جائیں گے، مگر وہ نہیں مانی تو تمہارے بھائی اسے اور قاسم کو لے کر ذرا باہر نکلے ہیں۔"

گاڑی کا ذکر کرتے کرتے تائی جان کا لہجہ پھر سے بدل گیا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں۔ اب تم لوگ بھی گاڑی لے لو۔ بہت سہولت ہوجاتی ہے گھر میں گاڑی ہو تو۔"

ثانیہ کی بنائی ہوئی بدمزا چائے پینے کے بعد ضوفشاں اور امی جانے کے لیے اٹھیں تو تائی نے اپنے مزاج کے عین مطابق انہیں مشورے سے نوازا۔ ضوفشاں کو حیرت ہوئی تھی کہ تائی جان نے یہ مشورہ اتنی تاخیر سے کیوں دیا۔ ورنہ ان کے مزاج کو سامنے رکھا جاتا تو یہ والی بات انہیں سب سے پہلے کہنی

چاہیے تھی۔

"بس بھابھی! دعا کریں۔ جب اللہ کا حکم ہو گا تو گاڑی بھی مل جائے گی۔"

امی نے اپنے ازلی پر اعتماد اور نرم لہجے میں کہا اور اللہ حافظ کہہ کر واپسی کے لیے نکل گئیں۔ اس لیے وہ تائی کے چہرے پر چھاتے ناگوار تاثرات کو نہیں دیکھ سکیں۔

☼ ☼ ☼

"اب ثانیہ کے سسرال والے بھی شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں اور ہماری ذرا بھی تیاری نہیں ہے' مگر وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہیں ثانیہ کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ بھلے ہی ہم تین کپڑوں میں بیٹی کو رخصت کر دیں' مگر شادی اسی سال کر دیں۔ اور ثانیہ کو ان کے گھر کی رونق بنا دیں۔"

تائی جان کئی دنوں کے بعد ان کی طرف آئی تھیں۔ اور اب لاؤنج میں بیٹھی امی کو اپنی گفتگو سے مستفید کر رہی تھیں۔ ثانیہ کی منگنی انہوں نے چند ماہ پہلے ہی کی تھی۔ اور تب ہی کہا تھا کہ اس کی شادی دو سال بعد کریں گی' مگر اب شاید لڑکے والے زیادہ ہی اصرار کر رہے تھے۔ اس لیے وہ بھی اس کی شادی کرنے پر نیم رضامند نظر آ رہی تھیں۔

"بھابھی! ویسے تو آپ بہتر سمجھتی ہیں' مگر میرے خیال سے ابھی ثانیہ کی عمر کم ہے۔ اور وہ گھر کو ٹھیک طرح سے سنبھال نہیں سکتی اس لیے بہتر ہے کہ آپ ان سے تھوڑا سا وقت لے کر ثانیہ کو گھریلو امور میں پہلے طاق کریں۔ پھر اس کی شادی کریں۔" امی نے اپنی جانب سے بہت مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

ثانیہ کی عمر ابھی انیس سال تھی۔ اور گھریلو امور میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث اسے نہ تو کھانا پکانا آتا تھا اور نہ ہی اس میں وہ احساس ذمہ داری تھی۔ جس کی توقع کوئی شوہر اپنی بیوی سے اور سسرال والے اپنی بہو سے رکھ سکتے ہیں۔ پڑھائی کی طرف اس کا شروع سے ہی رجحان نہیں تھا۔ اس نے رو پیٹ کر میٹرک پاس کیا تھا۔ بعد میں اگرچہ وہ کافی عرصہ کالج جاتی رہی تھی' مگر مزید کوئی تعلیمی سند حاصل نہیں کر سکی تھی وہ ٹی وی اور فیشن میگزین کی رسیا تھی اور شوق سے صرف شاپنگ اور تفریح کے لیے راضی ہوتی تھی۔ یا اسے پارلر جانا ازحد مرغوب تھا۔ اس کی اسی لاابالی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے امی نے مشورہ دیا تھا' مگر تائی جان کو ان کا یہ مشورہ بالکل بھی پسند نہیں آیا۔

"ارے زرینہ! تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھئی میری ثانیہ ماشاء اللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ اس کی ساس نندیں تو جب بھی آتی ہیں اس کے واری صدقے ہی جاتی رہتی ہیں انہوں نے تو کبھی یہ بھی نہیں پوچھا کہ ثانیہ کو گھر کا کوئی کام آتا بھی ہے یا نہیں۔ ان کی نظریں تو میری بیٹی کی چہرے سے ہی نہیں ہٹتیں۔ بہت قدر دان لوگ ہیں ثانیہ کے سسرال والے۔ اور تم دیکھنا جب میں اپنی بیٹی کو بھاری جہیزدوں گی تو ثانیہ کی قدر اور بڑھ جائے گی۔ وہ لوگ اسے رانی بنا کر رکھیں گے۔"

امی کا مشورہ رد کرتے ہوئے تائی جان بہت وثوق سے کہہ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ان کی ناقدردانہ نظریں چائے کے ساتھ شامی کباب اور چنا چاٹ سامنے رکھے ٹیبل پر سجاتی ضوفشاں پر بھی مرکوز تھیں۔

لائٹ براؤن بالکل سادہ سا کاٹن کا سوٹ اور پونی میں سمیٹے براؤن بال انہیں وہ بے حد عام سی لگنے کے باوجود ہمیشہ اپنی بیٹیوں کی حریف لگا کرتی تھیں۔ ضوفشاں کی اعلا تعلیمی کارکردگی اس کا سلیقہ اور فرمانبرداری سب کچھ انہیں زہر لگتا تھا۔ اگرچہ انہوں نے لفظوں میں کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ پھر بھی ضوفشاں جانتی تھی کہ وہ اسے پسند نہیں کرتیں۔

"تم نے ضوفشاں کے لیے کچھ سوچا۔ میں تو کہتی ہوں ابھی سے کوشش شروع کرو گی تو کچھ سالوں میں اس کی شادی کر سکوں گی۔ میں نے تو بھئی ثانیہ کی شادی سے فارغ ہوتے ہی عظمی کی منگنی کر دینی ہے کتنے ہی لوگ اس کے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔" وہ چائے سرو کر کے باہر نکل رہی تھی جب تائی جان کی

بات سن کر اس کے قدم ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے تھے۔
اپنی شادی کا موضوع اس کے لیے ایک بالکل نئی بات تھی۔ اس نے ابھی ایف ایس سی کے پیپرز دیے تھے اور آگے اس کا ارادہ میڈیکل میں جانے کا تھا۔ اس لیے نہ تو کبھی اس کے دل میں شادی کا خیال آیا تھا۔ اور نہ ہی اس کے والدین نے کبھی ایسا تذکرہ کیا تھا۔

"بھابی! ضوفی کی بات تو بچپن ہی سے میرے بھائی کے بیٹے احسن سے طے ہے۔ بس ضوفی کی تعلیم مکمل ہو جائے تو ان شاء اللہ ہم اس کی شادی کر دیں گے۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ پھر بھی امی کی آواز بخوبی اس تک پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ دروازہ بند نہیں تھا۔ امی کی بات سن کر ایک پل کے لیے تو وہ بالکل ساکت رہ گئی۔

احسن اس سے چھ برس بڑا تھا۔ اور حال ہی میں قائد اعظم یونیورسٹی سے ایم۔ بی۔ اے کرنے کے بعد اس نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب شروع کی تھی۔ دراز قامت اور خوش شکل احسن چونکہ پچھلے کئی سال سے اسلام آباد میں رہ کر پڑھتا رہا تھا۔ اس لیے ضوفشاں کی ملاقات اس سے کم کم ہی ہوئی تھی، مگر وہ جب بھی اس سے ملی تھی۔ اس پر احسن کا تاثر ہمیشہ اچھا ہی پڑا تھا۔ وہ احسن سے بہت متاثر تھی۔ مگر یہ بات کبھی اس کے گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔ کہ احسن سے اس کی شادی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ اور وجود پر عجیب سی سرشاری چھا رہی تھی وہ بے حد خوش تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ایک ایک کو پکڑ کر اپنی خوشی کی وجہ بتائے۔ چند لمحوں تک وہ وہیں کھڑی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ حالانکہ اسے ابھی کچن میں جا کر دوپہر کا کھانا پکانا تھا مگر اس نے خبر ہی ایسی سنی تھی کہ اسے سب کچھ بھول گیا تھا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف احسن کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی۔ اور اس کام کے لیے اسے تنہائی درکار تھی۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ اور تائی جان کے پورشن میں جیسے ہنگامی صورت حال نافذ تھی۔ وہ لوگ تو عام حالات میں ہی بازاروں کے چکر لگاتی نہیں تھکتی تھیں اور اب تو پھر شادی تھی۔ اس لیے تقریباً" روز ہی تائی جان اور ان کی بیٹیاں بازار جاتیں اور شام کو لدی پھندی تھکن سے چور ہو کر واپس آتیں۔ فرح البتہ کم جاتی تھی ایک تو وہ چھوٹی بہت تھی دوسرے اس کا مزاج بھی اپنی ماں اور بہنوں سے قدرے مختلف تھا۔ اس لیے وہ زیادہ تر ضوفشاں اور امی کے پاس ہی رک جایا کرتی تھی۔

ضوفشاں نے بھی شادی کے سارے فنکشنز کے لیے خوب صورت ملبوسات سلوا لیے تھے۔ اور میچنگ جیولری بھی خریدلی تھی پھر بھی اس بار تائی جان کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ وہ اس کے لیے بھی زنک اور بلو کنٹراسٹ کا خوب صورت سا کامدار فراک لے آئیں۔ ورنہ دو سال پہلے جب ان کی سب سے بڑی بیٹی کی شادی ہوئی تھی تب انہوں نے ضوفشاں کے لیے ایسی کوئی زحمت نہیں کی تھی۔ ضوفشاں اس قیمتی لباس کو دیکھ کر کھل اٹھی۔ وہ بہت قیمتی اور خوب صورت تھا۔ امی نے اگرچہ اتنا قیمتی لباس لانے پر دبے لفظوں میں اعتراض بھی کیا تھا مگر پھر جب انہیں پتا چلا کہ یہ لباس تایا جان کے ایما پر خریدا گیا ہے۔ تو وہ خاموش ہو گئیں۔

ضوفشاں نے یہ لباس ثانیہ کی بارات والے دن پہنا زنک اور بلو کنٹراسٹ اس پر خوب کھلا تھا۔ سوٹ پر سلور کام تھا۔ اس لیے اس نے اسی مناسبت سے سلور سینڈل پہنے اور کانوں میں سلور لمبے لمبے آویزے بھی پہن لیے۔ اس روز عظمی نے اس کے بال اسٹریٹ کر کے اس کا ہلکا سا میک اپ بھی زبردستی کر دیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اتنی تیار ہوئی تھی۔ اور بلاشبہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ شادی میں اس کی کئی کزنز نے اسے سراہا۔ اسے یہ سب کچھ بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اس لیے وہ بے حد خوش تھی۔

ثانیہ کے سسرال والوں کے ایما پر فنکشن دن کا

رکھا گیا تھا اس لیے چار بجے رخصتی ہوگئی۔ شادی ہال کے قریب ہی ایک کالونی میں ضوفشاں کی خالہ رہائش پذیر تھیں۔ واپسی کے وقت اچانک ہی امی کا پروگرام خالہ کی طرف جانے کا بن گیا۔ ابو نے البتہ معذرت کرلی تھی۔ وہ گھر جاکر آرام کرنا چاہتے تھے۔ خالہ کے گھر جانے میں زیادہ دلچسپی تو ضوفشاں کو بھی نہیں تھی۔ کیونکہ خالہ کی کوئی بیٹی نہیں تھیں۔ البتہ عادل اور عمیر کے ہم عمر دو بیٹے ضرور تھے۔ اس لیے وہ دونوں تو بہت خوشی خوشی خالہ کے گھر جایا کرتے تھے۔ ضوفشاں ویسے تو پھر بھی خالہ سے ملنے کی خاطر خوشی سے ہی آجایا کرتی تھی۔ مگر آج اس کا وہاں آنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ شادی ہال سے واپس جانے کے بعد تائی جان کے پورشن میں خوب رونق لگی ہوگی اور وہ بھی اسی رونق کا حصہ بننا چاہتی تھی۔ مگر امی جو بات ایک بار کہہ دیا کرتی تھیں۔ اس پر بحث کرنا بے فائدہ ہی ہوتا تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے چادر اوڑھ کر بجھے دل سے خالہ کے گھر چلی آئی۔ مگر وہاں آتے ہی اس کا بجھا ہوا دل ایک دم سے کھل اٹھا۔

وہاں ماموں ممانی اور احسن آئے ہوئے تھے۔ جب سے اسے احسن کے ساتھ اپنا رشتہ طے ہونے کا پتا چلا تھا۔ احسن کے لیے اس کے جذبات بہت بدل گئے تھے اس وقت بھی اسے سامنے پاکر اس کا چہرہ گلابی پڑ گیا تھا۔ احسن نے دلچسپی سے اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھا تھا ضوفشاں کے برعکس وہ کافی عرصے سے اپنی اور اس کی نسبت کے بارے میں جانتا تھا۔

"ماشاء اللہ ضوفی تو آج بہت پیاری لگ رہی ہے۔" اسے گلے لگاتے ہوئے ممانی نے محبت سے کہا تھا۔ وہ شرما کر مسکرادی۔ بے اختیار ہی اس کی نظریں احسن کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ بہت دلچسپی اور توجہ سے اس کو دیکھ رہا تھا ضوفشاں کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اور پلکیں جھک گئیں پھر جتنی دیر وہ خالہ کے گھر رکی رہی خود کو مستقل احسن کی نظروں کے حصار میں محسوس کرتی رہی۔ ایک گھنٹے کے بعد جب امی کے کہنے پر وہ جانے کے لیے اٹھی تو اس کا دل بالکل بھی واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر امی' تائی جان کی وجہ سے جلدی واپس جانا چاہتی تھیں۔ ماموں جان کے کہنے پر احسن انہیں گھر تک ڈراپ کرنے آیا مگر امی جان کے اصرار کے باوجود وہ باہر ہی سے واپس چلا گیا۔ البتہ وہ اپنے وجود کی خوشبو اور اپنی نگاہوں کا التفات جیسے ضوفشاں کے آس پاس ہی چھوڑ گیا تھا۔ وہ اس روز رات گئے تک کھوئی کھوئی سی اسی کے بارے میں سوچتی رہی اور اپنی خوش نصیبی پر خود ہی رشک کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

انٹر کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو ضوفشاں نے توقع کے عین مطابق بہت اچھے نمبر حاصل کیے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ مگر عظمی اس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ حالانکہ وہ مارے باندھے پاس ہی ہوئی تھی مگر اس کی خوشی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اپنے تینوں بڑے بھائی بہنوں کے برعکس اس نے بغیر کوئی سپلی لیے ایف اے کلیئر کرلیا تھا۔ ضوفشاں کا ارادہ آگے میڈیکل میں جانے کا تھا۔ اور امی ابو کو بھی اس پر اعتراض نہ تھا۔ البتہ تائی جان نے سنا تو ناک چڑھا کر صاف گوئی سے بولیں۔

"میں تو کہتی ہوں زرینہ! ضوفشاں کو ڈاکٹر بنانے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ پہلے ہی اس کا رنگ دبتا ہوا ہے۔ اتنی مشکل پڑھائی میں پڑگئی تو رہی سہی کسر بھی پوری ہوجائے گی۔"

تائی جان کی بات تو امی نے بھی مسکرا کر ٹال دی تھی اور ضوفشاں نے بھی اس کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ مگر جب احسن نے اسے فون کرکے میڈیکل میں جانے سے منع کیا تو وہ سچ مچ پریشان ہوگئی۔ خالہ کے گھر ہونے والی ملاقات کے بعد احسن اسے چند بار فون کرچکا تھا۔ مگر ضوفشاں چونکہ خود ہی اس معاملے میں بہت محتاط رویہ دکھاتی تھی۔ اور دو چار باتوں کے بعد فون بند کردیتی تھی اس لیے احسن نے بھی اسے فون کرنا

چھوڑ دیا تھا۔ اور اب اس کا رزلٹ آنے کے بعد اسے مبارکباد دینے کے لیے فون کیا تھا۔ اور جب اس کے پوچھنے پر ضوفشاں نے اسے بتایا کہ وہ آگے میڈیکل میں جانا چاہتی ہے اور یہ کہ اس نے انٹری ٹیسٹ کی تیاری بھی شروع کردی ہے۔ تو وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہوگیا۔ پھر محتاط انداز سے پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر بننا ضروری ہے کیا؟ کسی اور فیلڈ میں بھی تو جا سکتی ہو۔"

"احسن! میں نے کسی دوسری فیلڈ کے بارے میں کبھی سوچا نہیں۔"

وہ اس کی بات سن کر پریشان سے بولی تھی۔

"تو اب سوچ لو۔" احسن کا انداز برجستہ تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔ آپ کو ڈاکٹرز اچھے نہیں لگتے؟"

"یہ بات نہیں ہے ضوفی! اصل میں ایک تو ڈاکٹرز کی جاب بہت ٹف ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی سوشل لائف پر اثر پڑتا ہے اور دوسرے تمہارے میڈیکل میں جانے کی صورت میں ہماری شادی پانچ سال سے پہلے نہیں ہوسکتی اور میں زیادہ سے زیادہ دو تین سال میں شادی کرلینا چاہتا ہوں۔"

وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

ضوفشاں کا چہرہ سرخ ہوگیا وہ مزید کچھ بھی نہیں بول سکی۔ ویسے بھی میڈیکل میں جانے کا اسے شوق ضرور تھا۔ مگر یہ شوق جنون کی حد تک نہیں پہنچا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے احسن کے تھوڑا سا سمجھانے پر ہی ہتھیار ڈال دیے اور بی۔ ایس۔ سی میں داخلہ لے لیا۔ امی ابو کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا اور نہ ہی انہوں نے اس سے اپنے فیصلے میں تبدیلی کی وجہ پوچھی تھی۔ ضوفشاں خود کو ہلکا پھلکا اور مطمئن تو محسوس کررہی تھی مگر ساتھ ہی اس کو خود پر حیرت بھی تھی کہ کیسے احسن اس کی زندگی میں اتنی اہم حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ کہ وہ اس کی خوشی کی خاطر اپنے خوابوں سے بھی باآسانی دستبردار ہوسکتی ہے۔

عظمی نے بھی بی۔ اے میں داخلہ لے لیا تھا۔ اور ایک بار پھر ان کی وہی روٹین شروع ہوگئی تھی۔ وہ وین کے ذریعے اکٹھی جاتی تھیں۔ اور عموماً" ان کی واپسی بھی ایک ساتھ ہی ہوا کرتی تھی۔ سوائے ان دنوں کے جب ضوفشاں کا کوئی پریکٹیکل دیر تک چلتا۔ تب عظمی پہلے چلی جاتی تھی اور ضوفشاں کو کالج وین دوسرے چکر میں گھر پہنچایا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بتاؤں زرینہ! کس قدر کمینے لوگ نکلے ہیں۔ ثانیہ کے سسرال والے۔ پہلے تو کمبخت مارے واری صدقے جاتے نہیں تھکتے تھے۔ اور اب انہیں میری پھول سی بیٹی میں نہ جانے کون کون سے عیب دکھائی دینے لگے ہیں۔" تائی جان اونچی آواز میں واویلا کررہی تھیں۔

آج شام کو ہی ثانیہ کی ساس اور نندیں ان کے گھر سے ہوکر گئی تھیں اور انہوں نے وہاں اچھا خاصا ہنگامہ مچایا تھا۔ ثانیہ میکے تو پچھلے کئی دن سے آئی ہوئی تھی۔ اور کچھ ناراض ناراض بھی لگتی تھی۔ چند ایک بار ان کے پورشن سے ثانیہ اور تائی جان کے اونچی آواز میں بحث کرنے کی آوازیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ مگر چونکہ انہوں نے خود کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس لیے امی یا ضوفشاں نے بھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی مگر آج جب اس کی ساس اور نندوں نے آکر جھگڑا کیا تو صورت حال ان کے علم میں بھی آگئی۔

ثانیہ کے سسرال والوں کا مطالبہ تھا کہ اس کو جہیز میں گاڑی بھی دی جائے۔ کیونکہ تائی جان کئی مرتبہ ان کے سامنے یہ شو مار چکی تھیں کہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز میں ہر چیز دیں گی۔ اس لیے وہ لوگ گاڑی کی آس لگائے بیٹھے تھے جب کہ تایا جان نے ثانیہ کے شوہر کو سلامی میں گاڑی کی بجائے موٹر سائیکل دیا تھا اور یہ چیز ثانیہ کے سسرال والوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ پہلے تو وہ ڈھکے چھپے انداز سے ثانیہ کو یہ بات جتاتے رہے تھے۔ مگر جب ثانیہ نے اس معاملے میں لاپروائی برتی تو وہ

کھل کر اظہار کرنے لگے اور آخر میں بات جھگڑے تک جا پہنچی۔ اور اس جھگڑے کو ہوا ثانیہ کی خود پسند طبیعت اور اس کے پھوہڑ پن نے دی۔

"ناں میں پوچھتی ہوں آپ کی بیٹی میں خوبی کونسی ہے۔ جو آپ جہیز میں بھی ڈنڈی مار رہی ہیں۔ روٹی تک تو اسے پکانی نہیں آتی اوپر سے مزاج بھی ایسا جیسے کہیں کی مہارانی ہو۔" ثانیہ کی بے حد تیز مزاج ساس نے بہت تنگ کر کہا تھا۔

"میں نے شادی سے پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ میری بیٹی کو کام کرنے کی عادت نہیں ہے۔" تائی جان نے نہ جانے کیسے خود پر جبر کر کے ذرا مدافعانہ انداز اختیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ بیٹی کی سسرال کا معاملہ تھا۔ اور ابھی شادی کو پورا سال بھی نہیں ہوا تھا۔

"شادی سے پہلے تو آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنی بیٹی کو بہت شاندار جہیز دیں گی۔ کہاں ہے وہ شاندار جہیز۔ ارے فریج، ٹی وی تو آج کل غریب لوگ بھی اپنی بیٹیوں کو دے دیتے ہیں۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ کوئی پلاٹ وغیرہ بھی اسے دیں گی مگر آپ نے تو گاڑی تک نہ دی۔" اس بار ثانیہ کی بڑی نند نے بدلحاظی سے کہا تھا۔ اور اس کی اس بات سے ان لوگوں کا لالچ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ جس نے تائی جان کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔

ثانیہ کے سسرال والے کافی دیر وہاں رکے تھے۔ اور سارا وقت ان کی اور تائی جان کی بحث ہی چلتی رہی تھی۔ ثانیہ ان لوگوں کے سامنے ہی نہیں آئی تھی اور نہ ہی ان لوگوں نے اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد تائی جان کافی دیر تایا جان سے جھگڑا کرتی رہی تھیں۔ اور اب دیورانی کے سامنے بیٹھی دکھڑے رو رہی تھیں۔ ان کی حالت اتنی دگرگوں تھی کہ امی چاہ کر بھی ان کی غلطیوں کی نشاندہی نہیں کر سکی تھیں۔ جو آج انہیں اور ان کی بیٹی کو اس مقام پر لے آئی تھیں۔ اس لیے وہ بس تائی جان کا واویلا سنتی اور ان کو تسلیاں ہی دیتی رہی تھیں۔

چند روز تک تایا جان کے گھر کا ماحول عجیب سا رہا۔ بار بار جھگڑے اور بحثیں بھی ہوتی رہیں۔ ایک ہفتے کے بعد تایا جان نے نئی کار خریدنے کے لیے رقم کا انتظام کر لیا۔ تو ثانیہ کے سسرال والے آکر ہنسی خوشی اسے ساتھ لے گئے۔ اس معاملے کے سلجھنے پر تائی اور ثانیہ خوش تو تھیں مگر کچھ غیر مطمئن بھی تھیں۔ کیونکہ اس واقعہ کے دوران ثانیہ کے سسرال والوں کی بدلحاظی اور ان کی لالچی طبیعت کھل کر ان کے سامنے آچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"چچی جان! میری دوست کی منگنی ہے۔ کل شام کو۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ضوفشاں کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ آمنہ نے کل امی جان کے ساتھ نورین آپی کے گھر جانا ہے۔ سرگودھا اور ان کی واپسی دو دن بعد ہوگی۔ میرے ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہے۔ اور میرا جانا بھی ضروری ہے۔"

زرینہ کچن میں کھڑی رات کا کھانا بنا رہی تھیں۔ جب عظمیٰ نے وہاں آکر منت بھرے لہجے میں کہا۔

ضوفشاں کو زرینہ کی طرف سے بہت ہی کم کسی دوست کی طرف جانے کی اجازت ملتی تھی۔ اگر کہیں جانا ضروری ہوتا تو عموماً وہ اسے خود ساتھ لے کر جایا کرتی تھیں۔ جبکہ تائی جان اس معاملے میں بھی خاصی لبرل تھیں۔ اور ان کی بیٹیاں بے دھڑک اپنی دوستوں سے ملنے چلی جاتی تھیں۔ اور ان کی دوستیں بھی ان کے گھر آتی رہتی تھیں۔ اس لیے عظمیٰ کی بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

چچی جان! پلیز اجازت دے دیں نا" ہم جلدی واپس آجائیں گے۔ ویسے بھی تقریب دن کی ہے اور ہم زیادہ سے زیادہ پانچ بجے تک واپس آجائیں گے۔ قاسم بھائی ہمیں چھوڑ کر آئیں گے اور واپسی پر بھی وہی پک کریں گے۔" زرینہ کو خاموش دیکھ کر عظمیٰ پھر سے منت کرنے لگی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ زرینہ چاہ کر بھی انکار نہ کر سکیں۔

"ٹھیک ہے مگر وقت پر واپس آجانا۔"

انہوں نے نیم دلی سے اجازت دی تھی۔ عظمیٰ خوشی سے جھوم اٹھی ان دنوں اس کی ویسے بھی ضوفشاں کے ساتھ گاڑھی چھن رہی تھی اور ان دونوں کو ہی ایک دوسرے کی کمپنی میں مزا آتا تھا اس لیے ضوفشاں بھی خوشی خوشی اس کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گئی تھی۔ البتہ منگنی پر جانے کے لیے وہ بہت سادگی سے تیار ہوئی تھی' ہلکے کام والا سبز رنگ کا لباس منگنی کی تقریب کے لحاظ سے اسے کافی موزوں لگا تھا۔ براؤن بال ہمیشہ کی طرح پونی میں سمٹے ہوئے تھے۔ اور چہرہ بالکل سادہ تھا۔ وہ چادر اوڑھ کر زرینہ کو جانے کا بتانے آئی تو اس کی تیاری دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔

ضوفشاں نیچے آئی تو عظمیٰ بھی تیار تھی اور اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ضوفشاں کے برعکس وہ بہت دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ ٹخنوں تک آتے قرمزی رنگ کے انار کلی فراک میں اپنے لمبے سیاہ خوب صورت بال شانوں پر بکھرائے بہت سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور قیمتی جیولری میں اس کا حسن ضوفشاں تک کو ٹھٹکنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''تم بہت پیاری لگ رہی ہو عظمیٰ۔''

اس نے بے اختیار ہی ستائشی لہجے میں کہا تھا۔ عظمیٰ تفاخر سے مسکرا دی۔ اپنے حسن کی تعریف سننا اس کے لیے نئی بات نہیں تھی مگر ضوفشاں کو یہ توفیق کبھی کبھار ہی ہوتی تھی۔

''جلدی کرو تم لوگ مجھے کسی جگہ کام سے جانا ہے۔'' بے زار سا قاسم اپنے کمرے سے نکل کر آیا تھا۔ اس نے انہیں عظمیٰ کی دوست کے گھر چھوڑا اور باہر سے ہی چلا گیا۔ عظمیٰ واپسی پر اسے پانچ بجے آنے کی تاکید کر رہی تھی مگر اس نے اس کی بات دھیان سے سنی بھی نہیں اور کار آگے بڑھا لے گیا۔ اس کے اس لاپروا انداز پر ضوفشاں تھوڑی سی فکر مند ہوئی تھی' مگر جب عظمیٰ نے کوئی پروا نہیں کی تو وہ بھی شانے اچکا کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

منگنی کی تقریب میں زیادہ لوگ نہیں تھے البتہ عظمیٰ کا پورا گروپ ہی موجود تھا۔ اس لیے اس نے تو خوب انجوائے کیا البتہ ضوفشاں بور ہی ہوتی رہی۔ عظمیٰ تو جیسے اپنی دوستوں میں بیٹھ کر اسے بھول ہی گئی تھی۔ اسے عظمیٰ کی اس خود غرضی پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ حالانکہ عظمیٰ تو ہمیشہ سے ہی ایسی تھی جب وہ اور ضوفشاں اکیلے ہوتے تو اس کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ جیسے ضوفشاں ہی اس کی سب سے قریبی دوست ہے' مگر جونہی اسے اپنی کوئی دوسری دوست نظر آ جاتی تو اس کا رویہ ایسا ہو جایا کرتا تھا کہ جیسے وہ ضوفشاں کو جانتی ہی نہ ہو۔ اس کی اس عادت کو اچھی طرح سے جانتے ہوئے بھی ضوفشاں اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس لیے اسے خود پر بھی غصہ آ رہا تھا اس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنے حسن کی تعریفیں سنتی اور قہقہے لگاتی عظمیٰ پر لعنت بھیج کر اسی وقت وہاں سے واپس آ جاتی مگر اب ایسا ممکن نہیں تھا۔

تقریب ختم ہونے تک کا سارا وقت اس نے اچھی خاصی کوفت میں گزارا۔ خدا خدا کر کے تقریب ختم ہوئی تو عظمیٰ کو واپسی کا خیال آیا۔ تب تک اس کے گروپ کی اکثر لڑکیاں جا چکی تھیں قاسم کا ابھی تک کوئی پتا نہیں تھا۔ عظمیٰ نے اسے خود فون کیا تو اس نے مصروف ہونے کا کہہ کر آنے سے صاف انکار کر دیا اور لائن کاٹ دی۔ دوبارہ کال ملائی تو اس کا فون بند جا رہا تھا۔ اس کے اس لاپروا انداز پر عظمیٰ کا غصے سے اور ضوفشاں کا پریشانی سے برا حال ہو گیا۔ چند منٹ تک عظمیٰ قاسم کو فون کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر مایوس ہو کر بولی۔

''اس نے اب فون آن نہیں کرنا ضوفی! ہمیں خود ہی جانا ہو گا۔ ایسا کرتے ہیں باہر نکل کر کوئی رکشا ٹیکسی لے لیتے ہیں۔''

اس کے گروپ کی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ اس لیے ضوفشاں ایک بار پھر اس کی گہری سہیلی تھی۔ ضوفشاں کی کوفت میں اضافہ ہو گیا مگر وہ کچھ بولی نہیں اور گھر والوں سے مل کر خاموشی سے اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ اپنی چادر اس نے اچھی طرح سے اوڑھ لی تھی۔ عظمیٰ

کے پاس چادر نہیں تھی۔ اس لیے اس نے اپنا قرمزی دوپٹا ہی سر پر ٹکا لیا تھا۔ اپنی جھوٹی عزت کی خاطر اس نے اپنی سہیلی کے گھر والوں کو ٹیکسی یا رکشا منگوانے کا بھی نہیں کہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو پتا چلے کہ اس کا بھائی اسے لینے کے لیے نہیں آیا۔

باہر اب شام ہو چکی تھی۔ وہ دونوں کافی دیر تک کالونی کی سڑکوں پر چلتی رہیں۔ تب کہیں جا کر مین روڈ کی شکل نظر آئی تھی۔ مین روڈ تک پہنچتے پہنچتے ان دونوں کا تھکن سے برا حال ہو گیا۔ خاص طور پر عظمیٰ تو گر جانے کو تھی کیوں کہ ایک تو اس کا لباس ایسا تھا کہ سنبھالنا آسان نہیں تھا اور اوپر سے اس نے ہائی ہیل کے سینڈل پہن رکھے تھے۔ پھر وہ تھی بھی سدا کی نازک مزاج اس لیے اس کا حال بہت ہی ابتر تھا۔ سارا راستہ وہ قاسم کو گالیاں دیتی آئی تھی۔

مین روڈ پر پہنچ کر وہ دونوں کافی دیر تک رکشے یا ٹیکسی کی تلاش میں کافی دیر ادھر ادھر نظریں دوڑاتی رہیں مگر پندرہ منٹ گزرنے کے بعد بھی انہیں کوئی سواری نہیں ملی تو عظمیٰ بالکل ہی رونے والی ہو گئی۔ شام اب گہری ہو رہی تھی۔ چند منٹ پہلے ہی امی کا فون بھی ضوفشاں کے نمبر پر آ چکا تھا اور اس نے صاف گوئی سے ساری صورت حال ان کو بتا دی تھی۔

"تمہارے ابو بھی گھر پر نہیں ہیں۔ ورنہ وہی تم لوگوں کو لینے آجاتے۔" امی فکر مند ہو گئی تھیں۔

"امی! آپ پریشان نہ ہوں۔ ابھی کوئی رکشا مل جائے گا۔" اس نے امی کو تسلی دی تھی۔

"اچھا بیٹا! دھیان سے آنا۔" امی نے فون بند کرنے سے پہلے ہدایت کی تھی۔

"ارے ضوفشاں! تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟" چند منٹ کے بعد ایک بلیک کرولا ان کے قریب رکی تھی تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے احسن کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اسے ایک دم تحفظ کا احساس ہوا تھا۔

"ہم لوگ ایک دوست کی طرف آئی تھیں۔ اب گھر جانے کے لیے کوئی رکشا یا ٹیکسی ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہ میری کزن عظمیٰ ہے اور عظمیٰ یہ میرے ماموں کے بیٹے احسن ہیں۔" احسن کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے ساتھ اس نے ان دونوں کا تعارف بھی کروایا تھا۔ احسن نے بے حد دلچسپی سے بجی سنوری عظمیٰ کو دیکھا اور بہت خوش اخلاقی سے مسکرایا تھا۔ دوسری طرف عظمیٰ بھی اسے دیکھ کر مبہوت سی ہو گئی تھی۔ وہ نا صرف بہت خوش شکل تھا بلکہ نہایت خوش لباس اور اچھے اطوار کا مالک بھی لگ رہا تھا اور اس کی قیمتی کار سے اس کی مالی حیثیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں تھا۔

عظمیٰ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا اس نے بارہا ضوفشاں کے ماموں زاد احسن کا نام سن رکھا تھا جو اس کا منگیتر بھی تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ضوفشاں کے ماموں کی مالی حیثیت ان سے بہت بہتر ہے۔ مگر اسے گمان تک نہیں تھا کہ ضوفشاں جیسی عام سی لڑکی کا منگیتر اس قدر شاندار شخصیت کا مالک ہو گا۔ احسن کو دیکھ کر اس کے دل میں ضوفشاں کے لیے رشک سے زیادہ حسد کے جذبات پیدا ہو رہے تھے۔ بظاہر وہ مسکرا رہی تھی، مگر اندر ہی اندر اس کا دل جیسے بیٹھا جا رہا تھا۔ اس نے ضوفشاں کے اتنا خوش قسمت ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"آؤ! میں تم لوگوں کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"

رسمی علیک سلیک کے بعد احسن نے آفر کی تھی۔ ضوفشاں اس آفر پر ذرا سا ہچکچائی مگر عظمیٰ نے فوراً" یہ آفر قبول کر لی اور جھٹ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ ضوفشاں کو بھی چاروناچار بیٹھنا پڑا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ احسن نے کار چلانے سے پہلے بیک ویو مرر کو عظمیٰ کے چہرے پر سیٹ کیا ہے۔ عظمیٰ نے البتہ یہ حرکت فوراً" نوٹ کر لی تھی اور اس کے چہرے پر تفاخر بھری مسکراہٹ بھی آگئی تھی۔ اسے اپنے بے پناہ حسن پر ناز تھا اور شاید یہ ناز غلط بھی نہیں تھا۔ تب ہی تو احسن جیسا سمجھدار اور سنجیدہ مزاج نوجوان فرنٹ سیٹ پر اپنی منگیتر کے بیٹھا ہونے کے باوجود بار بار بیک ویو مرر میں اسے دیکھتا رہا تھا اور عظمیٰ کو بھی زندگی میں پہلی بار کسی

مرد کی اپنے لیے توجہ اتنی اچھی لگ رہی تھی۔ تب ہی وہ مرر میں سے دکھائی دیتی احسن کی خوب صورت آنکھوں میں براہ راست دیکھتی اور شرما کر مسکرا دیتی۔

سارے راستے ان کے درمیان یہی آنکھ مچولی چلتی رہی۔ جس سے یکسر انجان ضوفشاں کار کی ونڈو اسکرین سے باہر دیکھتی رہی اور اسے تو تب بھی پتا نہیں چلا جب عظمیٰ نے کار سے اترتے ہوئے بڑی صفائی سے اپنا موبائل کار میں گرایا اور ناز و ادا کے تیر چلاتی ہوئی خود کار سے باہر نکل آئی۔

"آپ امی سے نہیں ملیں گے؟"

کار سے اترنے سے پہلے ضوفشاں نے کچھ جھجک کر احسن سے پوچھا تھا۔

"نہیں میں پھر کبھی چکر لگا لوں گا۔ اس وقت مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔"

اس نے نرمی سے انکار کیا تھا۔ ضوفشاں نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے اللہ حافظ کہہ کر کار سے اتر گئی۔ وہ فوراً" ہی کار آگے بڑھا لے گیا تھا۔ ضوفشاں فوراً" ہی اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔ اسے امی کی پریشانی کا خیال تھا۔ اس لیے اس نے عظمیٰ کی سرخوشی کو بھی نوٹ نہیں کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے کمرے میں آکر عظمیٰ کپڑے تبدیل کیے بغیر کتنی ہی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑی زاویے بدل بدل کر اپنے دلکش سراپے اور حسین چہرے کو دیکھتی رہی۔ اور بار بار اپنی طرف اٹھتی احسن کی ستائشی نظریں یاد آرہی تھیں اور خوشی سے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے آج سے پہلے کسی نے ستائشی نظروں سے نہیں دیکھا تھا، مگر احسن وہ پہلا شخص تھا جو اس کے دل کو اچھا بھی لگا تھا اور اسے اس کی نظروں میں اپنے لیے پسندیدگی بھی نظر آئی تھی۔

پوری شام اسے قاسم پر شدید غصہ آتا رہا تھا، مگر اب اسے قاسم کا نہ آنا اپنے لیے کسی نعمت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا اسے کمرے میں آئے پندرہ منٹ ہو چکے تھے اس نے پراسرار انداز سے مسکراتے ہوئے دراز کھول کر اپنا پرانا موبائل نکالا اور اس میں ایک فالتو پڑی سم ڈال کر بیلنس چیک کیا۔ سم میں بیلنس تھا مگر کم تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے نمبر پر کال ملا دی۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی مگر فون ریسیو نہیں ہوا۔ عظمیٰ نے ہمت نہیں ہاری اور وقفے وقفے سے اپنے نمبر پر فون کرتی رہی اس کی مراد بر آئی اور کال ریسیو ہو گئی دوسری طرف حسب توقع احسن تھا۔ وہ کار کو پارک کر کے کسی کام سے گیا تھا اور اب واپس آیا تھا تو کار میں مسلسل بجتے موبائل نے اسے متوجہ کرایا تھا اس نے دونوں سیٹوں میں موجود خلا میں گرے موبائل کو اٹھایا اور چند لمحوں تک اسکرین پر نظر آتے نمبر کو دیکھتا رہا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو جی! کون صاحب بات کر رہے ہیں۔" دوسری طرف عظمیٰ تھی اس نے احسن کی آواز پہچان لی تھی، مگر پھر بھی اس کا تجاہل عارفانہ غضب کا تھا۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔" احسن اس کی آواز پہچان کر شوخ ہوا تھا۔ دوسری طرف عظمیٰ نے مسرت بھری چیخ ماری جو سراسر مصنوعی تھی، مگر احسن کو اس کی یہ ادا بھی اچھی لگی تھی۔

"احسن! آپ احسن ہی ہیں نا۔ تھینک گاڈ میرا موبائل آپ کی کار میں ہی گرا۔ میں بہت پریشان ہو رہی تھی کہ کہیں راستے میں نہ گر گیا ہو۔ اس میں میری بہت ساری تصویریں تھیں۔" اس کی پریشانی سراسر مصنوعی تھی۔ جواب شاید احسن کو بھی محسوس ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"تصویریں.... تو آپ کی میں بھی دیکھ سکتا ہوں عظمیٰ جی! محفوظ تو یہ اب بھی نہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"آپ کی بات اور ہے۔ آپ بے شک دیکھ لیں۔" وہ لاپروائی سے بولی تھی۔

"اچھا۔" وہ ہنسا تھا۔ "تو پھر یہ بتائیں...." اس وقت کال کٹ گئی اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

عظمٰی کے پاس موجود موبائل میں بیلنس ختم ہو گیا تھا۔
احسن نے تھوڑی دیر اس کی طرف سے کال آنے کا انتظار کیا پھر اپنا موبائل جیب سے نکال کر عظمٰی والا نمبر ڈائل کر لیا۔ کال فوراً" ہی ریسیو ہو گئی تھی۔ احسن موبائل کو کان سے لگائے ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا اور کار کا رخ گھر کی طرف موڑ لیا۔ اس کا گھر وہاں سے آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ اور یہ سارا وقت وہ مسلسل عظمٰی سے بات کرتا رہا۔ اسے عظمٰی کی شوخ باتیں اور رسیلی ہنسی بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی لڑکی اس سے اس قدر فری ہو کر باتیں کر رہی تھی ضوفشاں سے اس کی فون پر کبھی کبھار بات ہو جایا کرتی تھی، مگر ضوفشاں نے کبھی چند منٹ سے زیادہ اس سے بات نہیں کی تھی اور اس کی چند منٹ کی گفتگو بھی کبھی بلا مقصد نہیں ہوا کرتی تھی۔
گھر پہنچ کر بھی اس کا دل کال منقطع کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا، مگر فی الحال عظمٰی سے بات جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس نے عظمٰی سے مجبوراً" معذرت کر کے کال کاٹ دی۔
کچھ دیر وہ لاؤنج میں بیٹھا گھر کے لوگوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ یہ ان کے گھر کا معمول تھا۔ شام کے بعد کا وقت وہ سب اکٹھے گزارا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی کمپنی کو انجوائے کرتے تھے، مگر آج احسن نے بہت مشکل سے آدھا گھنٹہ وہاں گزارا اور آفس کے کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں آتے ہی اس نے عظمٰی والا موبائل جیب سے نکالا اور اس کی گیلری کھول لی۔ جس میں عظمٰی کی بلاشبہ سینکڑوں تصویریں تھیں۔ جو سب کی سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ کچھ تصویروں میں تو وہ اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ احسن کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ رات گئے تک ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ اس کی بہن اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تو اس نے بھوک نہ لگنے اور ضروری کام کا بہانہ بنا کر اسے ٹال دیا۔
حقیقت تو یہ تھی کہ آج کی شام نے اس کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ اسے بھوک پیاس تو کیا کسی بھی چیز کا احساس نہیں رہا تھا۔ وہ ایک غیر لڑکی کی تصویروں کو انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتوں کو سوچ رہا تھا اور خود کو اس کے خیال کے طلسم میں جکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔
رات کے دس بج رہے تھے جب اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوبارہ سے عظمٰی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔ عظمٰی گویا اس سے بھی زیادہ بے صبری ہو رہی تھی۔ اسے احسن میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آ رہی تھی اور وہ ہر قیمت پر اس کے قریب ہونا چاہتی تھی اسے پانا چاہتی تھی اور یہ خواہش کرتے ہوئے اسے ایک بار بھی اپنی اس کزن کا خیال نہیں آیا تھا۔ جس سے وہ دوستی کے دعوے کرتی تھی اور جس کے منگیتر کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے وہ ہر جتن کرنے کو تیار ہو چکی تھی۔
اور اسے کامل یقین تھا کہ وہ اسے اپنی طرف مائل کر لے گی۔ اس کے پاس حسن کا ہتھیار تھا۔ اداؤں کے جال تھے اور وہ بے باکی تھی جو کسی بھی حسن پرست مرد کو چاروں شانے چت کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں عظمٰی اور احسن بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ وہ دونوں نا صرف گھنٹوں فون پر باتیں کرتے تھے بلکہ باہر بھی ملنے لگ گئے تھے۔ عظمٰی کا حسن ان دنوں احسن کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسے پوری دنیا میں عظمٰی اور صرف عظمٰی ہی نظر آتی تھی۔ ضوفشاں کے لیے اس کے دل میں جو تھوڑے بہت نرمی اور انسیت کے جذبات تھے وہ تو عظمٰی کے ساتھ ہونے والی دو ملاقاتوں سے ہی اڑن چھو ہو چکے تھے۔
بعض اوقات اسے خود پر حیرت ہوتی کہ وہ کیسے ضوفشاں جیسی بور اور عام سی لڑکی سے شادی کرنے پر راضی ہو گیا تھا۔ عظمٰی کے حسن کی تابناکی کے آگے ضوفشاں کی اہمیت اب بجھے چراغ سے زیادہ نہیں رہ

گئی تھی۔ ضوفشاں جو فورتھ ایئر کی کلاس کو اپنی پڑھائی کا اختتام سمجھے ہوئے جی جان سے محنت کر رہی تھی تاکہ اچھے نمبر حاصل کر سکے۔ امی جان نے بھی اس کی متوقع شادی کے خیال سے چپکے چپکے ابتدائی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور ضوفشاں کو گھر داری میں طاق کرنے کے لیے کچن کا بیشتر کام بھی وہ اس سے کرواتی تھیں۔ اپنی بے تحاشا مصروفیات کی وجہ سے ضوفشاں عظمیٰ کے رویے کا بدلاؤ بھی محسوس نہیں کر سکی تھی۔

تائی جان اس کے اور احسن کے درمیان پنپتے تعلق کو بخوبی جان چکی تھیں اور اپنے مزاج کے عین مطابق بیٹی کو روکنے یا ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے وہ اسے مزید شہ دیتی رہتی تھیں۔ عظمیٰ کی طرح ان کے دل میں بھی یہی بات راسخ ہو چکی تھی کہ عظمیٰ چونکہ ضوفشاں سے زیادہ حسین ہے اس لیے ہر اچھی چیز پر وہ اس سے پہلے حق رکھتی ہے۔ ویسے بھی تائی جان بڑی دونوں بیٹیوں کو بیاہ کر سکھی نہیں تھیں۔ حالانکہ دونوں کی شادی انہوں نے بہت دیکھ بھال کر کی تھی۔ دونوں بیٹیاں حسین بھی تھیں اور انہوں نے انہیں جہیز بھی شاندار دیا تھا، مگر دونوں ہی اپنے اپنے گھر میں خوش نہیں تھیں۔ ثانیہ تو آئے دن اپنے لالچی شوہر اور سسرال والوں کا کوئی نہ کوئی مطالبہ لے کر میکے آکر بیٹھی رہتی تھی اور بڑی نورین کا شوہر اتنا سخت گیر تھا کہ اس کے سامنے بات کرتے ہوئے نورین تو ایک طرف خود تائی جان کا بھی سانس سوکھنے لگتا تھا۔

وہ بہت کم اپنی بیوی کو میکے آنے کی اجازت دیتا تھا۔ ہر وقت گھر کے کاموں میں الجھے رہنے اور شوہر کی سخت گیری کا سامنا کرتے رہنے سے نورین کا رنگ روپ کملا کر رہ گیا تھا۔ اور وہ ہر وقت بجھی بجھی اور بے زار نظر آتی تھی۔

بڑی دونوں بیٹیوں کے حالات دیکھنے کے بعد جب تائی جان نے احسن اور عظمیٰ کا پروان چڑھتا تعلق دیکھا تو انہیں دلی مسرت ہوئی تھی۔ احسن سے ہونے والی چند ملاقاتوں میں ہی وہ اس پر فریفتہ ہو چکی تھیں۔ اور پھر اس کا خاندان تو تھا ہی دیکھا بھالا۔ جیسی صلح جو اور نرم مزاج زرینہ تھیں ویسے ہی ان کے بھائی بھابھی تھے۔ اس لیے تائی جان کو یقین تھا کہ اپنی دونوں بڑی بہنوں کے برعکس عظمیٰ سسرال جا کر عیش کرے گی۔

احسن چند ایک بار ان کے گھر بھی آچکا تھا۔ بلکہ تائی جان کے کہنے پر عظمیٰ نے خود اسے بلایا تھا۔ اور اس کو گھر بلاتے ہوئے وہ اس چیز کا ہر بار دھیان رکھتی تھی کہ چچا کی فیملی کو اس کے آنے کی خبر نہ ہو سکے۔ اس لیے اسے بلانے کے لیے ایسا وقت منتخب کیا جاتا تھا۔ جب چچا کی فیملی گھر پر نہ ہو۔ اور ایسے مواقع انہیں مہینے میں دو تین بار تو باآسانی مل جایا کرتے تھے۔ اور ویسے بھی اوپر نیچے پورشن ہونے کے باوجود دونوں گھروں کے باہر آمدورفت کے راستے الگ الگ ہی تھے اس لیے اگر کبھی احسن عظمیٰ کو ڈراپ کرنے گھر آبھی جاتا تو ضوفشاں اور اس کے گھر کے کسی فرد کی نظروں میں نہیں آتا تھا۔

☼ ☼ ☼

لیکن اس روز اس کے یہ خواب چکنا چور ہو گئے جب اس نے احسن اور عظمیٰ کو ایک ساتھ دیکھا۔ وہ کالج سے اپنی رول نمبر سلپ لے کر واپس گھر جا رہی تھی۔ جب رکشا ایک سگنل پر رکا اور اس سگنل پر اسے احسن کی کار اور کار کی فرنٹ سیٹ پر احسن کے ساتھ بیٹھی عظمیٰ نظر آئی تھی۔ وہ انہیں ساتھ دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ ان کی کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اس لیے اسے ان کے چہرے اور ان چہروں پر پھیلی خوشی صاف نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں باقی دنیا سے بے نیاز ایک دوسرے میں گم تھے اور ان کے درمیان موجود بے تکلفی کسی بھی دیکھنے والے کو باآسانی ان کا آپس کا تعلق سمجھا سکتی تھی۔ ضوفشاں کا دل بیٹھ گیا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اور اردگرد جیسے آندھیاں سی چلنے لگیں۔

اسے احسن پر اندھا اعتماد تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ جس لڑکے نے یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا جو جاب کرتے ہوئے

ساتھی لڑکیوں سے لاتعلق رہتا تھا۔ اور جس کی سنجیدہ مزاجی اور سلجھی ہوئی طبیعت کی سارے خاندان میں دھوم تھی۔ اس پر وہ اعتماد نہ کرتی تو کیا کرتی۔ رکشا چل پڑا تھا۔ اور احسن کی کار بھی آگے نکل گئی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں کے سامنے سے چند لمحے پہلے کا دیکھا ہوا منظر ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔

وہ گھر پہنچی تو گھر پر کوئی نہیں تھا۔ اس لیے وہ بیگ ایک طرف پھینک کر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کی تایا زاد بہن اس کی سہیلی نے اس کے سپنوں کے محل کو آگ لگادی تھی۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ بے وفا نکلا تھا۔ یہ دونوں ایسے غم تھے کہ وہ آنسوؤں کا دریا بھی بہادیتی تو کم تھا۔ وہ نہ جانے کب تک بیٹھی روتی رہی۔ پھر جب دل کا بوجھ ذرا کم ہوا تو اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں گھس گئی اسے امی ابو اور بھائیوں کے آنے سے پہلے پہلے کھانا بنانا تھا۔

وہ اپنے ذہن کو خالی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو کچھ اس نے آج دیکھا وہ امی یا ابو کے علم میں آئے۔ وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان کو معمول کے مطابق فریش نظر آئے۔ اور ان لوگوں کے آنے تک اس نے خود کافی حد تک سنبھال بھی لیا تھا۔ مگر اس کی اس احتیاط کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس رات پریشان حال ماموں اور ممانی ان کے گھر آئے تھے۔ احسن نے ضوفشاں سے شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ امی ابو کے لیے بھی یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ نہ جانے کتنے سالوں سے احسن کو داماد کے روپ میں دیکھتے آئے تھے۔ اور بیٹی کی خوش نصیبی پر اللہ کے شکر گزار رہتے تھے۔ اور اب جب شادی کی تاریخ طے کرنے کا سوچ رہے تھے۔ تو احسن نے شادی سے ہی انکار کردیا۔

"خدا کی قسم زرینہ! میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ اسے اپنی ممتا اور محبت کے واسطے دیے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ شادی کروں گا تو عظمیٰ سے ورنہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

ممانی جان روتے ہوئے امی سے کہہ رہی تھیں۔ عظمیٰ کا نام سن کر امی چونک گئیں۔

"عظمیٰ کون" سرسراتے ہوئے ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

"تایا جان کی بیٹی" چائے کے کپ سامنے میز پر رکھتے ہوئے ضوفشاں نے بے تاثر انداز سے ممانی کے بولنے سے پہلے کہا تھا ان کے حواسوں پر جیسے بم گرا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"میں نے عظمیٰ کو آج ان کے ساتھ ان کی کار میں دیکھا تھا۔" کسی کے پوچھے بغیر اس نے کھوئے کھوئے انداز سے بتایا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ دوپہر سے اس معاملے کو سوچ سوچ کر اتنا پریشان ہو چکی تھی کہ اب اس کا دماغ شل سا ہو چکا تھا۔ ایک عجیب سی بے حسی تھی جو اعصاب پر طاری ہو رہی تھی۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے دوپہر کے وقت دیکھے ہوئے منظر کو اپنے ذہن میں تازہ کیا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے جھرجھری سی لے کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"عظمیٰ نے تو مجھ سے سب کچھ ہی چھین لیا۔" وہ بے بسی کے عالم میں بے اختیار ہی بڑبڑائی تھی۔ آنسو ایک بار پھر اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلے تھے۔ عظمیٰ ہمیشہ سے خود غرض تھی۔ یہ بات وہ جانتی تھی مگر وہ اس انتہا تک خود غرضی کا مظاہرہ کرے گی اسے کبھی یہ گمان تک نہیں ہوا تھا۔ اندر امی ابو اور ماموں ممانی کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ احسن کی شادی عظمیٰ سے ہو یا نہ ہو اس سے کم از کم نہیں ہو سکتی۔ اور اس خیال نے اس کے جسم سے جیسے جان ہی نکال لی تھی۔ احسن اس کا پہلا خیال پہلا تصور تھا۔ اسے اپنے دل میں جگہ دیتے ہوئے اسے یہ اعتماد تھا کہ ایک دن اسے اسی کا جیون ساتھی بننا ہے۔ اس لیے وہ بے دھڑک اس کا ساتھ پانے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اور خوابوں کی راہ گزر پر جانا جتنا آسان ہوتا ہے۔ واپس پلٹنا اتنا ہی مشکل اور تکلیف دہ۔

امی نے بعد میں اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ سوائے یہ سمجھانے کے کہ انسان کو وہی ملتا ہے۔ جو اس کے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ کوئی کسی کے نصیب کو چرا نہیں سکتا۔ کسی کی قسمت کو چھین نہیں سکتا۔ اور جو چیز قسمت میں لکھی ہی نہ ہو۔ وہ کچھ بھی کر کے آپ اپنے نام نہیں کروا سکتے ضوفشاں نے بہت خاموشی سے سر جھکا کر ان کی باتیں سنی تھیں۔ اور کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کا بولنا ان دنوں ویسے بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ گھنٹوں کتابیں سامنے پھیلائے خاموش بیٹھی رہتی۔ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینی بھی اس نے چھوڑ دی تھی اور امی اب اس کو کوئی کام کہتی بھی نہیں تھیں۔ وہ اسے سنبھلنے کا وقت دے رہی تھیں۔ اس کو لگنے والا دھچکا جتنا شدید اور اچانک تھا۔ اس کا سنبھلنا آسان نہیں تھا۔

پیپرز کی تیاری وہ پہلے ہی مکمل کر چکی تھی۔ اس لیے منتشر ذہن اور خالی دل کے باوجود اس کے پیپر کافی اچھے ہو گئے تھے۔ عظمٰی نے پیپر نہیں دیے تھے۔ اس کی منگنی احسن سے کر دی گئی تھی اور شادی چھ ماہ بعد تھی۔ امی، ابو نے دکھتے دل کے ساتھ ہی سہی اس کی منگنی میں شرکت بھی کی تھی۔ جس معاملے میں وہ بے بس تھے۔ اسے لڑائی یا ناراضی کی وجہ بنانے کا کیا فائدہ تھا۔ تایا جان ابو کے اکلوتے بھائی تھے اور اسی طرح ماموں امی کے ایک ہی بھائی تھے۔ اس لیے انہوں نے تنازعات کھڑے کرنے کی بجائے اس رشتے کو خاموشی سے تسلیم کر لیا تھا۔

"تم فکر مت کرنا ضوفی! اللہ نے تمہارے حصے کی خوشیاں ضرور رکھی ہوں گی۔ بس صبر سے کام لینا۔"

عظمٰی کی منگنی سے واپس آ کر امی نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ مگر اس نے اس بات پر کچھ کہا نہیں تھا۔ اور یہ چپ رہنا تو ان دنوں ویسے بھی اس کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا۔

بظاہر وہ خاموش رہتی تھی مگر دماغ میں ہر وقت منتشر خیالات کا غلبہ طاری رہتا تھا۔ طرح طرح کی سوچیں اور خدشات اسے پاگل کیے رکھتے تھے۔ ہر وقت منفی باتیں ذہن میں رہنے لگی تھیں۔ اور ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ نکل رہا تھا کہ وہ اپنی شخصیت کا اعتماد کھوتی جا رہی تھی۔ امی جان جو کام کہہ دیتیں خاموشی سے کر دیتی خود سے اسے کچھ بھی کرنے کا خیال نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ بی۔ ایس۔ سی کا رزلٹ آیا تو امی نے ہی ابو سے کہہ کر اس کا یونیورسٹی میں داخلے کا فارم منگوایا ورنہ خود اسے یہ بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اسے آگے پڑھنا ہے یا نہیں۔ بلکہ اسے چوائس دی جاتی تو وہ شاید آگے نہ ہی پڑھتی لوگوں کا سامنا کرنا اب اسے ایک تکلیف دہ امر لگنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اور لوگ کس طرح دوسروں کے حصے کی خوشیاں اپنے نام کر لیتے ہیں اور شرمندہ تک نہیں ہوتے۔"

ڈھیر سارا رو لینے کے بعد بھی اس کے دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوا تھا۔ آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتے اور دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بار بار یہی ایک بات سوچے جا رہی تھی۔ اسے تائی جان عظمٰی حتیٰ کہ تایا جان کی بے حسی پر بھی حیرت ہوتی تھی۔ عظمٰی نے کس ڈھٹائی سے اس کی منگنی تڑوا کر اس کے منگیتر پر قبضہ جما لیا تھا۔ اور نہ تو اسے کسی نے کچھ کہا تھا اور نہ ہی وہ لوگ اس امر پر بھی شرمندہ نظر آئے تھے۔ الٹا تائی جان کو جب بھی موقع ملتا۔ طنزیہ باتیں کرتیں اور اس کے دکھے ہوئے دل کو مزید دکھاتیں۔ اور وہ اتنی زود رنج ہو چکی تھی کہ ان کی کہی ہوئی کسی ایک بات کو لے کر پہروں تکیے میں منہ چھپا کر روتی رہتی تھی۔ دکھ غصہ بے بسی یہ سارے احساسات ایسے میں اس پر شدت سے طاری ہوتے اور اس کے اعصاب کو مزید کمزور کر دیا کرتے تھے۔ امی اس کی حالت کو سمجھ رہی تھیں مگر انہوں نے فی الحال اس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر فرح کی سالگرہ سے واپس آ کر انہوں نے اس کی بے تحاشا سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو خود کو روک نہیں سکیں۔

"تم روئی ہو ضوفی؟"

اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے نرمی سے پوچھا تھا۔ ضوفشاں نے نظریں چرائیں اور اپنے ہونٹ دانتوں سے کاٹنے لگی۔

"نہیں میں بھلا کیوں روؤں گی؟" چند لمحوں بعد وہ بولی تو اس کی آواز کمزور اور بھرائی ہوئی تھی۔ زرینہ چند لمحوں تک ترحم سے اسے دیکھتی رہیں پھر اس کا ہاتھ تھام کر محبت اور نرمی سے بولیں۔

"بھول جاؤ سب کچھ ضوفی! کسی کے بارے میں مت سوچو ورنہ سکون نہیں ملے گا۔"

"کیسے بھول جاؤں۔" اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ تلخی سے بولی تھی۔ "مجھے ایسا کوئی طریقہ نہیں آتا جس کو استعمال کر کے میں اپنے دماغ سے سوچوں کو باہر نکال دوں۔"

"پھر کیا کرو گی عمر بھر یونہی سوگ مناتی رہو گی؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ رو دی تھی۔ "مجھے کچھ نہیں پتا کہ میں کیا کروں کس سے مدد مانگوں۔ کیسے اس تکلیف سے رہائی پاؤں میرے لیے تو کوئی بھی نہیں سوچتا۔ آپ نے اور ابو نے بھی تو کس آسانی سے یہ سب قبول کر لیا۔ کوئی احتجاج تک نہیں کیا۔ آپ نے ماموں کے سامنے۔"

وہ پہلی بار ماں پر کوئی الزام رکھ رہی تھی مگر زرینہ کو برا نہیں لگا۔ وہ یہ ہی تو چاہتی تھیں کہ ضوفشاں ایک بار اپنے دل کی بھڑاس نکال دے۔ اس کے پرسکون ہونے کا یہ ہی واحد راستہ تھا۔

"احتجاج کرنے سے کیا ہونا تھا بیٹا!" انہوں نے محبت سے اس کے بال سنوارے تھے۔

"وہ احسن کو ایسا کرنے سے روک دیتے امی!" اس کے انداز میں ابھی بھی دبی دبی سی آس تھی۔ زرینہ کو دکھ ہوا۔ ان کی بیٹی اتنی سی عمر میں کتنے بڑے امتحان سے گزر رہی تھی۔

"فرض کرو بیٹا! وہ احسن کو کسی طرح عظمیٰ سے رشتا جوڑنے سے روک لیتے اور تم سے شادی کرنے پر مجبور کر لیتے تو کیا تم ایک ایسے انسان کے ساتھ خوش رہ سکتی تھیں۔ جس کے بارے میں تمہیں معلوم ہو تا کہ وہ تم سے نہیں بلکہ تمہاری تایا زاد بہن سے محبت کرتا ہے۔ تم کبھی بھی اس پر اعتبار کرپاتیں؟" وہ نرمی سے بول رہی تھیں۔ ضوفشاں نے بھیگی پلکیں اٹھا کر کچھ حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ اس نہج پر تو اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا۔ اس کے ذہن پر تو یہی بات سوار رہتی تھی کہ احسن اس کا تھا اور عظمیٰ نے اسے چھین لیا تھا اور باقی سب نے اسے ایسا کرنے دیا تھا اسے صرف احسن سے بچھڑنے کا صدمہ نہیں تھا۔ اپنی ذات کو بڑوں کی طرف سے نظر انداز کرنے کا بھی دکھ تھا۔ اسے اپنی ہستی بالکل بے مول لگنے لگتی تھی۔

"بیٹا! عورت ہر طرح کے حالات میں گزارہ کر سکتی ہے تکلیفوں کو بھی ہنس کر سہہ جاتی ہے۔ اگر اسے اپنے شوہر کی محبت کا یقین ہو اور جب شوہر کے دل پر کسی عورت کا قبضہ ہو تو ہر خوشی ادھوری ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر میں کسی بھی طرح سے تمہاری شادی احسن سے کروا دیتی تو تم جس تکلیف سے آج گزر رہی ہو اس سے بچ جاتی، مگر بیٹا! اس کے بدلے میں تمہیں پوری زندگی کی اذیت برداشت کرنا پڑتی اور یہ بہت گھاٹے کا سودا ہوتا۔ میں تو تمہاری ماں ہوں ضوفی! تم دکھی ہوتی ہو تو دل میرا بوجھل ہو جاتا ہے۔ تم چھپ چھپ کر روتی ہو تو تمہارے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں۔ میں تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کو ترس گئی ہوں، مگر میں پھر بھی یہی کہتی ہوں بیٹا کہ جو ہوا ہے وہی ٹھیک تھا۔ تمہاری آج کی تکلیف چند روزہ ہے تم اسے بھول جاؤ گی، لیکن اگر میں احسن سے تمہاری شادی کرا دیتی۔ تو تم بھی زندگی بھر بے سکون رہتی اور مجھے بھی تمہاری طرف سے پریشانی رہتی۔"

امی اسے محبت سے سمجھا رہی تھیں اور پہلی بار ضوفشاں کو اپنا دل ٹھہرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں امی! لیکن عظمیٰ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اس نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا اور امی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"اس نے جو کیا وہ اس کا فعل تھا بیٹا! لیکن اتنا یاد

رکھنا کہ انسان کو وہی ملتا ہے۔ جو ازل سے اس کے مقدر میں درج کردیا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس کے ساتھ اللہ نے میری بیٹی کا جوڑ بنایا ہوگا وہ احسن سے بھی زیادہ اچھا رہے گا۔ تمہیں بہت خوشیاں ملیں گی بیٹا! بس تمہیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا خود کو سنبھالنا ہوگا۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے امی نے بہت یقین سے کہا تھا۔

"شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں امی! مجھے حوصلہ کرنا ہوگا۔ اپنی زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا۔" اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ عزم سے بولی تھی۔

"شاباش بیٹا!" امی مسکرادی تھیں۔ "چند روز میں تمہاری کلاسز شروع ہو رہی ہیں۔ یونیورسٹی جانا شروع کرو۔ خود پر اور گھر پر توجہ دو۔ تم دیکھنا سب ٹھیک ہوجائے گا۔" انہوں نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ آہستگی سے اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی الجھے بکھرے بال زرد چہرہ سوجی ہوئی سرخ آنکھیں اور آنکھوں کے گرد پڑے گہرے حلقے۔ وہ جیسے عرصے کے بعد خود کو دیکھ رہی تھی۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا ہوگا۔ ایک احسن پر دنیا ختم تو نہیں ہوگئی۔ میں بہت جلد اسے بھول جاؤں گی۔" اپنے عکس کو غور سے دیکھتے ہوئے وہ بہت نرمی سے سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے یونیورسٹی جانا شروع کیا تو اس کی سوچیں بھی خود بخود تبدیل ہونے لگیں۔ پڑھائی میں وہ شروع سے ہی اچھی رہی تھی اور اب تو وہ پہلے سے زیادہ وقت اور توجہ پڑھائی کو دینے لگی تھی۔ اس لیے بہت جلد اپنے ڈیپارٹمنٹ کے نمایاں اسٹوڈنٹس میں اس کا شمار ہونے لگا تھا۔ کلاسز کے بعد کافی وقت وہ لائبریری میں گزارتی تھی اور اپنے کورس سے ہٹ کر بھی مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ شام کو گھر آتی تو گھر کے کئی کام اس کے منتظر ہوتے تھے جنہیں وہ بہت خوش اسلوبی سے کیا کرتی تھی۔ مصروفیت بھری اس روٹین نے اس کی شخصیت پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا اور اس کی سوچوں اور عمل میں خود بخود مثبت رنگ آنے لگا تھا۔ وہ احسن کے بارے میں اچھا یا برا کچھ بھی نہیں سوچتی تھی۔ اس کا خیال آنے پر وہ اپنا دھیان فوراً" کسی اور طرف لگانے کی کوشش کرتی تھی اس لیے اب وہ اسے بھولتی جارہی تھی۔ تایا کے پورشن کی طرف البتہ اس کا جانا اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ حالانکہ اب عظمیٰ کو دیکھ کر اس کو پہلے کی طرح احساس کمتری نہیں ہوتا تھا' مگر پھر بھی اس کا وہاں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی اس کے پاس اتنا وقت ہوتا تھا۔ تائی جان البتہ جب بھی ان کی طرف آتیں تو اس سے کوئی نہ کوئی چبھتی ہوئی بات ضرور کرتی تھیں' مگر اب وہ ان کی باتوں پر پہلے کی طرح کڑھنے کی بجائے متانت سے مسکرادیتی تھی۔

عظمیٰ کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی اور ان دنوں ان کی طرف زور و شور سے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں وہ دوسرے سمسٹر میں تھی جب عظمیٰ اور احسن کی شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ تب تک وہ بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔ اس لیے اس نے بہت اعتماد سے اس شادی میں شرکت کی اور ہر فنکشن اٹینڈ کیا۔ عظمیٰ سے البتہ اس نے بات نہیں کی تھی بلکہ اس سے دور دور ہی رہی تھی۔ خود عظمیٰ نے بھی ایسی کوشش نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

عظمیٰ کی شادی کو ابھی سال بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ جب ثانیہ طلاق کا داغ ماتھے پر لگوا کر باپ کے گھر آبیٹھی۔ ایک بیٹا تھا وہ بھی سسرال والوں نے اسی کے حوالے کردیا۔ یہ بہت بڑا سانحہ تھا تایا جان تو بیٹی کی طلاق سے بالکل ہی ڈھے گئے تھے۔ تائی جان نے البتہ ثانیہ کے سسرال جاکر خوب ہنگامہ کیا تھا اور اس کے

جہیز کا سامان بھی وہ ہی مزدوروں کو ساتھ لے جا کر لے کر آئی تھیں۔ جو زیادہ تر ٹوٹا پھوٹا اور خستہ حال ہو چکا تھا۔

تایا جان نے اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی جب بیٹی کا گھر ہی اجڑ گیا تھا تو سامان واپس لانے سے کیا فرق پڑ جاتا تھا۔ ثانیہ کا گھر بسائے رکھنے کے لیے انہوں نے ہر جتن کیا تھا جو بھی مطالبہ اس کا شوہر اور سسرال والے کرتے وہ پورا کرتے رہے تھے، مگر ہونی پھر بھی ہو کر رہی تھی وہ خود کو دنوں میں بوڑھا محسوس کرنے لگے تھے اور زیادہ تر گھر سے باہر رہنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ گھر پر ہوتے تو تائی جان کا ہر وقت کا واویلا سننا پڑتا۔ وہ دن رات ثانیہ کے شوہر اور سسرال والوں کو باآواز بلند کوسنے اور بددعائیں دیتی تھیں اور اونچی آواز میں رویا کرتی تھیں۔ ثانیہ ایسے میں ان کے پاس بھی ہوتی تو چپ سادھے بیٹھی رہتی۔ اس کی دلچسپی ہر چیز میں ختم ہو چکی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں بچا۔

"خورشید علی! تم بہت اچھے رہے، جو تابندہ کی بہن سے شادی نہیں کی۔ ورنہ تمہارا حال بھی میرے والا ہی ہوتا۔" تایا اب اکثر چھوٹے بھائی کے پاس بیٹھے جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتے۔

"اس عورت میں سوائے اچھی شکل کے کوئی گن نہیں تھا، میں ساری زندگی اس کی لاپروایاں برداشت کرتا رہا کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو تب مجھے کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا کہ میرے یہ چشم پوشی میری ہی اولاد کا مستقبل تباہ کر دے گی۔ نورین ہے تو ہر وقت شوہر کے عتاب کا نشانہ بنی رہتی ہے۔ قاسم کو اپنی آوارہ گردیوں سے فرصت نہیں ہے اور اب ثانیہ ....." وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوئے تھے۔

"میں نے اس عورت کو شہ دے دے کر اپنا اور اپنی اولاد کا بہت نقصان کیا ہے۔ بہت نقصان۔" وہ آنکھوں میں گہری سوچ لیے تاسف سے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

"حوصلہ رکھیں بھائی جان! ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

خورشید علی سے بڑے بھائی کا یہ ٹوٹا ہوا روپ نہ دیکھا گیا تو دلاسہ دینے لگے اور یہی دلاسہ ضوفشاں تقریباً" روز ہی ثانیہ کو دیتی تھی۔ ثانیہ کا اجڑا بکھرا روپ دیکھ کر اس کا دل کانپ جایا کرتا تھا۔ کوئی زیادہ پرانی بات تو نہیں تھی بس چند سال ہی تو گزرے تھے جب ثانیہ کی شادی ہوئی تھی اس وقت وہ کسی مینا کی طرح چہکا کرتی تھی اور اس کا حسن چاند کو بھی شرماتا تھا اور آج وہ جیسے کوئی اور ہی ثانیہ بن چکی تھی۔ بدرنگے کپڑے لاپروا حلیہ، بکھرے بال اور حلقوں میں دھنسی آنکھیں۔ وہ ہر وقت خاموش اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھیں۔ ضوفشاں کو اسے یوں دیکھ کر شدید دکھ ہوتا تھا اس لیے اسے جب بھی وقت ملتا وہ اس کے پاس چلی آتی حالانکہ اسے اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ تائی کو اس کا یوں آنا جانا کوئی خاص پسند نہیں ہے، مگر ضوفشاں ان کے گھورنے اور طنزیہ باتیں کرنے کی پروا کرنا عرصے سے چھوڑ چکی تھی اسے تو بس یہ پتا تھا کہ اس کی باتوں سے ثانیہ کو تھوڑا سا ہی سہی حوصلہ مل جاتا ہے۔ اس لیے وہ کسی دوسری بات کی پروا کیے بغیر اس کے پاس چلی آتی تھی اور باتوں باتوں میں اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کرتی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو ضوفی!" ایک روز اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے ثانیہ رو دی تھی۔ "ہم نے کبھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، مگر تم پھر بھی میرا اتنا خیال رکھتی ہو۔ آمنہ میری سگی بہن ہے، مگر اس نے ایک بار بھی میرے پاس آکر تسلی کے دو لفظ نہیں کہے چچی جان نے تمہاری بہت اچھی تربیت کی ہے ضوفی! کاش، ہم بہنیں بھی تمہارے جیسی ہوتیں۔"

"ایسی باتیں نہیں کریں آپی! آپ بھی بہت اچھی ہیں۔ زندگی میں امتحان تو آتے ہی ہیں نا تو بس یہ آپ کا امتحان ہے آپ اس سے گزر جائیں گی تو اللہ آپ کو انعام سے ضرور نوازے گا۔" اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے ضوفشاں نے نرمی سے کہا تھا۔

"سب یہی کہتے ہیں کہ میرے سسرال والے بہت برے لوگ تھے ایسا تھا، بالکل تھا ان کے لالچ کی کوئی حد

نہیں تھی' مگر ضوفی جب یہ رشتہ طے ہی لالچ کی بنیاد پر ہوا تھا تو پھر ان سے میں اور کیا توقع رکھ سکتی تھی۔ امی نے مجھے کبھی نہیں کہا تھا کہ میں گھر کا کوئی کام سیکھوں۔ میں تنک مزاج تھی خود پسند تھی۔ انہوں نے مجھے کبھی ان برائیوں پر نہیں ٹوکا۔ اس لیے مجھے یہ ہی لگتا رہا کہ میں جو کرتی ہوں جیسے کرتی ہوں وہی ٹھیک ہے اور جب مجھے اپنی خامیوں اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگا تو پانی سر سے اتنا اونچا ہو چکا تھا کہ میں لاکھ ہاتھ پیر مارتی خود کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ کاش کہ میں خوب صورت نہ ہوتی امیر باپ کی بیٹی نہ ہوتی' مگر کم عقل اور خود پسند بھی نہ ہوتی۔ تم بہت خوش قسمت ہو ضوفی! چچی جان نے کبھی تمہاری ناجائز طرف داری نہیں کی' مگر انہوں نے تمہاری تربیت ایسے کی کہ تم کو غلط اور صحیح کی پہچان دی اور یہ پہچان ایسی ہوتی ہے جو انسان کی راہوں سے سارے کانٹے چن لیتی ہے اسے غلطیوں سے بچاتی ہے اور آج میں یہ جانتی ہوں کہ انسان کی بہتری اپنی غلطیوں کو درست ماننے میں نہیں بلکہ غلطیاں نہ کرنے میں ہوتی ہے۔ اپنی غلطیوں پر اڑ جانے والے اور اپنی خامیوں کو صحیح سمجھنے والے لوگ بہت نقصان اٹھاتے ہیں جیسے میں نے اٹھایا ہے۔"

وہ اتنے دنوں میں پہلی بار اتنی باتیں کر رہی تھی۔ ضوفشاں نے اسے بولنے دیا وہ چاہتی تھی کہ ثانیہ ایک بار اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ یہ اس کے ذہنی سکون کے لیے بہت ضروری تھا۔

"آپی! آپ نماز پڑھا کریں۔ اللہ سے دعا کیا کریں۔ اس سے آپ کے دل کو بہت سکون ملے گا۔" ثانیہ خاموش ہوئی تو اس نے نرمی سے کہا تھا۔ اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اپنے بیٹے پر بہت توجہ دیا کریں۔ اس وقت اسے آپ کی بہت ضرورت ہے۔"

"پتا نہیں اس بے چارے کا کیا مستقبل ہو گا۔ مجھے تو اپنا نہیں پتا کہ میں زندگی کیسے گزاروں گی۔ نہ تعلیم ہے نہ ہنر اور اوپر سے ایک ہی بھائی ہے وہ بھی نکھٹو۔ ابا آخر کب تک ہمارا بوجھ اٹھائیں گے۔" ثانیہ کے لہجے میں خدشے بول رہے تھے۔

"یہ سب مت سوچیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی برداشت سے بڑے امتحان میں نہیں ڈالتا۔ وہ آپ کے لیے ضرور آسانی عطا کرے گا۔" ضوفشاں نے اسے یقین دہانی کروائی تھی اور اس کی یہ یقین دہانی اس وقت صحیح ثابت ہوئی جب خورشید علی کے توسط سے ثانیہ کے لیے نجم الحسن کا رشتہ آیا۔

وہ ان کے کالج میں بیالوجی کے لیکچرر تھے۔ ان کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک چھوٹی سی بیٹی تھی۔ ان کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ ثانیہ سے چند سال ہی بڑے تھے۔ شکل و صورت کے بھی اچھے تھے۔ اور مزاج بھی بہت نرم اور سلجھا ہوا تھا۔ کالج میں جاب کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اکیڈمی بھی چلاتے تھے اس لیے معاشی خوشحالی بھی تھی۔ تایا جان اور ان کی فیملی کے لیے یہ رشتہ کسی نعمت سے کم ثابت نہیں ہوا تھا۔ ثانیہ بھی نجم الحسن سے ملنے کے بعد بہت مطمئن تھی وہ نا صرف بہت سلجھے ہوئے انسان تھے بلکہ انہوں نے بہت خوشی سے اس کے بیٹے کو بھی اپنانے کا عندیہ دیا تھا۔

شادی سادگی سے انجام پانا تھی۔ پھر بھی ثانیہ کے کہنے پر تاریخ تین ماہ بعد کی رکھی گئی۔ یہ عرصہ اسے تیاری کے لیے درکار تھا' مگر اس بار اس کی تیاری جہیز کے سامان اور حسن نکھارنے کے سلسلے میں نہیں تھی۔ بلکہ اس بار وہ گھر داری سیکھ کر سسرال جانا چاہتی تھی اور اس کام کے لیے زرینہ سے بہتر کوئی نہیں تھا۔ اس لیے تین ماہ کا یہ عرصہ اس نے اپنے پورشن میں کم اور چچا کے پورشن میں زیادہ گزارا تھا۔ جس پر تائی جان نے ناک بھوں بھی چڑھائی تھی۔ مگر ثانیہ نے ان کی ناگواری کی پروا نہیں کی تھی۔ زندگی میں اتنی بڑی ٹھوکر کھانے کے بعد اب وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے بہت لگن سے نا صرف اچھا کھانا پکانا اور کچن سنبھالنا سیکھا' بلکہ یہ بھی مشاہدہ کرتی رہی کہ چچی جان اور ضوفشاں گھر کے باقی کام کس طرح

سے کرتی ہیں۔

ضوفشاں اور زرینہ سے بھی جتنا ہو سکا تھا۔ انہوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اس لیے تین ماہ کے بعد جب وہ سسرال سدھاری تو گھریلو امور بڑی حد تک نبھانے کے قابل ہو چکی تھی۔ تائی جان اس دوران اس کے جہیز کی تیاری کرتی رہی تھیں۔ جو سب اس کے ذاتی استعمال کی اشیا پر ہی مشتمل تھی۔ کیونکہ نجم الحسن نے سختی سے جہیز لینے سے منع کر دیا تھا۔

"ثانیہ! تم میری بیٹی جیسی ہو اس لیے میں تمہیں بس ایک نصیحت کرنا چاہتی ہوں۔" ثانیہ اپنی شادی سے ایک روز قبل زرینہ سے ملنے آئی تھی۔ کچھ دیر وہ ان کے پاس بیٹھی رہی، پھر جانے کے ارادے سے اٹھی تو زرینہ نے اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

"جی کہیں چچی جان!" وہ ہمہ تن گوش ہوئی تھی۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ چچی جان کے خلوص اور ان کی اعلا ظرفی کی دل سے قائل ہو چکی تھی۔

"بیٹا.... تمہیں پتا ہے کہ نجم الحسن کی ایک بیٹی ہے۔ جو عمر میں تمہارے بیٹے کے ہی برابر ہے۔ اس بچی نے ماں کا پیار نہیں دیکھا اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم اسے وہی پیار دینا جو کوئی سگی ماں اپنی اولاد کو دیتی ہے۔ اسے دل سے اپنی بیٹی سمجھنا۔ صرف اس لیے نہیں کہ تمہارا شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے خوش ہو، بلکہ اس خیال سے کہ تمہارا اللہ تم سے راضی رہے۔ اگر تم خلوص دل سے اس بچی کو اپناؤ گی۔ تو اللہ تمہارے بیٹے کے لیے بہت آسانیاں عطا کرے گا۔ اس بن ماں کی بچی کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا بیٹی کبھی بھی اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک نہ کرنا۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ وہ نصیحت تھی جو اس کی اپنی ماں کو کرنی چاہیے تھے۔ مگر چچی کر رہی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کی ماں نے کوئی نصیحت نہیں کی تھی۔ بہت نصیحتیں کی تھیں مگر وہ سب کی سب شوہر کو قابو کرنے کے لیے تھیں۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔

"کاش! چچی جان میں آپ کی بیٹی ہوتی۔" اس نے بہت حسرت سے کہا تھا۔ زرینہ نے بے اختیار اسے گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

"تم میری بیٹی ہی ہو ثانیہ! تم جب چاہو میرے پاس آنا تمہیں جب بھی کسی معاملے میں میری مدد کی ضرورت ہو۔ تو بلا جھجک مجھے کہہ دینا۔" انہوں نے محبت سے اس کا سر تھپکا تھا۔

"بہت شکریہ چچی جان! میں ان شاء اللہ آپ کی نصیحت پر ضرور عمل کروں گی۔" اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے عزم سے کہا تھا اور اپنا یہ عزم اس نے پورا بھی کیا۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار میکے آئی تو نجم الحسن کی بیٹی اس کے ساتھ تھی اور وہ جس طرح ثانیہ کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بچی ثانیہ کے ساتھ چند ہی روز میں بہت اٹیچ ہو گئی ہے۔

"ثانیہ! تم اس لڑکی کو کیوں ساتھ لیے پھر رہی ہو۔ اس کو ہر وقت سامنے رکھو گی تو نجم الحسن کا دھیان تم سے زیادہ اس پر رہے گا۔ میں تو کہتی ہوں کسی طریقے سے اس لڑکی کو اس کے ننھیال بھجوا دو۔" تائی جان نے اسے الگ لے جا کر کہا تھا۔ ثانیہ کا چہرہ سن ہو گیا۔

"اسے اس کے باپ کے گھر سے نکال دوں اور اپنے بیٹے کو وہاں لے جاؤں۔ یہی کہہ رہی ہیں نا امی آپ۔ اللہ سے ڈریں امی! اگر میں ایسا کروں گی تو کیا یہ انصاف ہو گا اور اگر میں اتنی بڑی ناانصافی کروں گی تو کیا میرا کیا ہوا میرے بیٹے کے آگے نہیں آئے گا۔"

وہ تلخی سے بولی تھی۔ تائی جان کا منہ بن گیا۔ "میں تو تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہی ہوں، پھر جو....."

"میرا بھلا آپ رہنے دیں امی! اور میری ایک بات سن لیں سونیا اب صرف نجم کی ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ میں جب بھی آؤں گی وہ میرے ساتھ آئے گی اور اگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا تو پھر میں بھی یہاں نہیں آؤں گی۔" ان کی بات کاٹ کر ثانیہ نے دوٹوک انداز سے کہا تھا۔ تائی جان خاموش

ہوگئیں۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ثانیہ کو اب کچھ بھی سمجھانا بے کار ہے۔ وہ پہلے سے بہت بدل چکی تھی۔

ثانیہ نے اپنا گھر بہت اچھی طرح سنبھال لیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ اسے نجم الحسن کے گھر میں عزت ' پیار اور ذہنی سکون سب ہی کچھ ملا تھا اور جواب میں وہ بھی یہ ہی کچھ نجم الحسن اور ان کی بیٹی کو لوٹانا چاہتی تھی۔ وہ میکے بہت کم آتی تھی اور جب بھی آتی سونیا ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ثانیہ کی محبت اور توجہ سے وہ بچی نکھرتی جارہی تھی اور صرف وہ ہی نہیں ثانیہ کی شادی کے بعد اس کا اپنا بیٹا بھی بہت خوش رہنے لگا تھا' کیونکہ جس طرح ثانیہ ' نجم الحسن کی بیٹی کو اپنی بیٹی جان کر چاہتی تھی۔ اسی طرح نجم الحسن بھی شاہ زیب کا خیال اپنے سگے بیٹے کی طرح رکھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

ضوفشاں نے ایم ایس سی میں فرسٹ پوزیشن لی تھی اور اسے اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں کنٹریکٹ پر جاب آفر ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے ایوننگ کلاس میں ایم فل میں بھی داخلہ لے لیا تھا۔ ان کامیابیوں نے اس کی شخصیت پر مزید اچھا اثر ڈالا تھا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ پر اعتماد ہوگئی تھی۔ اس سے چھوٹا عادل میڈیکل میں تھا اور سب سے چھوٹے عمیر نے اس سال بی ایس کمپیوٹر سائنس میں ایڈمیشن لیا تھا۔ یوں ان کا چھوٹا سا گھرانا ہر لحاظ سے خوش حال اور کامیابی کی طرف گامزن تھا۔ اسی لیے خورشید علی کے چہرے پر ہروقت ایک اطمینان اور سکون سا چھایا رہتا تھا۔ جس کو ان کے بڑے بھائی حمید علی بہت رشک سے دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اپنے گھر میں دولت کی ریل پیل اور آسائشوں کی بھرمار کے باوجود سکون کی دولت ناپید تھی۔

وہاں ہروقت ایک افراتفری کا سماں رہتا تھا۔ گھر کا ہر فرد دوسرے سے بے زار دکھائی دیتا تھا۔ ہر کسی کو یہ ہی لگتا تھا کہ بس وہی ایک ٹھیک ہے۔ باقی سب غلط ہیں۔ اس سوچ اور رویے نے انہیں ایک دوسرے سے بہت دور کردیا تھا۔ حمید علی اب اکثر ہی بھائی کے پاس چلے آتے تھے اور دونوں بھائی دیر تک بیٹھے پرانی یادوں کو دہراتے رہتے تھے۔ تائی جان کو ان کا یوں بھاگ بھاگ کر اوپر والے پورشن میں جانا پسند نہیں تھا اور وہ ان کو بار بار ٹوکتی بھی رہتی تھیں' مگر تایا جان نے اب ان کے بولنے کی پروا کرنی بہت حد تک چھوڑ دی تھی۔ اس لیے وہ سنی ان سنی کرکے بھائی کے پاس چلے آتے۔

جس کے گھر میں قدم رکھتے ہی ایک عجیب سے سکون اور فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ بے شک اس کے گھر میں آسائشیں کم تھیں۔ مگر گھر کے تمام افراد ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور اسی محبت اور خیال کی وجہ سے ان کے گھر میں سکون اور راحت کا احساس پھیلا رہتا تھا۔

حمید علی چھوٹے بھائی کے ساتھ اپنی زندگی کا موازنہ کرتے تو انہیں بھائی کا پلڑا ہر لحاظ سے بھاری لگتا۔ انہیں بے اختیار ہی وہ وقت یاد آنے لگتا جب خورشید علی نے تابندہ بیگم کی بہن سے شادی سے انکار کیا تھا اور زرینہ سے شادی کی ضد کی تھی۔ اس وقت ان کا یہ ہی موقف تھا کہ انہیں اپنے لیے پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی شریک زندگی درکار ہے۔ تب ان کی یہ ضد حمید علی کو ان کی بے وقوفی لگتی تھی اور وہ سوچتے تھے کہ ان کا بھائی شمائلہ جیسی حسین لڑکی کو چھوڑ کر زرینہ جیسی عام شکل و صورت کی لڑکی کو پسند کرکے حماقت کا ثبوت دے رہا ہے اور انہوں نے کئی بار اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر اب وہ اپنے اور اپنے بھائی کے گھر کا موازنہ کرتے تو انہیں احساس ہوتا کہ ان کے چھوٹے بھائی کا فیصلہ کتنا درست تھا اور وہ کس قدر فائدے میں رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ضوفشاں کی مصروفیت میں اب پہلے سے کئی گنا اضافہ ہوچکا تھا۔ وہ صبح صبح یونیورسٹی چلی جاتی اور عموماً شام ڈھلے گھر واپس آتی تھی۔ اپنی کلاسز اٹینڈ کرنے

اور جاب کے علاوہ وہ ریسرچ آرٹیکلز پر بھی یونی ورسٹی میں ہی کام کیا کرتی تھی۔ کیونکہ جو کلاسز اسے پڑھانا ہوتی تھیں ان سے وہ عموماً" بارہ ساڑھے بارہ بجے تک فارغ ہو جایا کرتی تھی جبکہ اس کی اپنی ایم فل کی کلاس تین بجے ہوتی تھی۔ اس لیے درمیان والا وقت وہ اپنی ریسرچ کو دیا کرتی تھی۔ کیونکہ یونی ورسٹی گھر سے کافی دور تھی اور درمیان میں گھر جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کی جاب اور پڑھائی کی مصروفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے امی نے اس کی گھریلو ذمہ داریوں میں بہت حد تک کمی کردی تھی۔ اب وہ صرف چھٹی والے دن کوکنگ کرتی تھی یا اپنے ذاتی کام کیا کرتی تھی۔

ان ہی دنوں زرینہ کو ایک محنتی اور ایمان دار گھریلو ملازمہ مل گئی۔ وہ ایک ضرورت مند عورت تھی۔ جو ان کی ایک کولیگ کے توسط سے کام کے لیے ان کے پاس آئی تھی۔ وہ اپنا کام بہت توجہ اور محنت سے کرتی تھی اور اسے زیادہ باتیں کرنے کی بھی عادت نہیں تھی۔ بس خاموشی سے سر جھکائے اپنا کام کرتی رہتی۔ تائی جان نے اس کا کام اور سلیقہ دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق اسے اپنے گھر کام پر رکھنے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ انہوں نے اس بارے میں دیورانی سے تو کوئی بات نہیں کی۔ البتہ صفیہ کو ضرور زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ زرینہ کے گھر سے کام چھوڑ کر ان کے یہاں لگ جائے، مگر صفیہ نے سہولت سے معذرت کرلی۔ زرینہ کے گھر اسے جو عزت اور قدر ملتی تھی وہ تابندہ بیگم کے پاس ناممکن تھی۔ اس لیے ان کے بار بار کے اصرار پر بھی وہ اس امر پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

"پتا نہیں! یہ زرینہ لوگوں پر کیا جادو کردیتی ہے جو بھی اس کے قریب ہو جاتا ہے وہ کسی اور کی تو بات ہی نہیں سنتا۔" وہ بے زاری سے بڑبڑایا کرتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"امی! شہلا کا خیال ہے کہ مجھے اپنے بالوں کا کوئی اچھا سا اسٹائل بنوا لینا چاہیے اور باقاعدگی سے فیشل وغیرہ بھی کروانا چاہیے۔" رات کو ٹی وی لاؤنج میں ایک میگزین کھول کر بیٹھی ضوفشاں نے بڑے سرسری انداز سے کہا تھا۔ ٹی وی پر انہماک سے ڈرامہ دیکھتی ہوئی زرینہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور سکون سے بولیں۔

"ٹھیک کہتی ہے شہلا! تمہارے بال لمبے تو ہوتے نہیں۔ پھر کوئی اسٹائل ہی بنوالو۔ اس سے پوچھ لینا کسی اچھے پارلر کا بلکہ اس کے ساتھ چلی جانا۔" زرینہ کا لہجہ عام سا تھا۔ مگر ضوفشاں حیرت زدہ سی ان کو دیکھتی رہ گئی۔ اس نے تو یوں ہی اپنی قریبی دوست اور کولیگ شہلا کی کہی ہوئی بات امی کے سامنے دہرادی تھی۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ امی، شہلا کی حمایت کریں گی۔

"امی! یہ آپ کہہ رہی ہیں۔ آپ کو یاد نہیں ہے کہ آپ ان چیزوں کے کتنا خلاف ہوتی تھیں۔ جب بھی عظمیٰ وغیرہ پارلر جاتی تھیں اور میں بھی ان کے ساتھ جانے کی ضد کرتی تھی تو آپ مجھے سختی سے ڈانٹ دیا کرتی تھیں۔" وہ حیران سی انہیں یاد دلا رہی تھی۔ زرینہ متانت سے مسکرادیں۔

"تب کی بات اور تھی بیٹا! تب تم مشکل سے سترہ، اٹھارہ سال کی تھیں۔ تب نہ تو تمہاری اسکن کو ایسی چیزوں کی ضرورت تھی اور نہ ہی یہ سب تمہارے لیے مناسب تھا۔ چھوٹی عمر کی لڑکیاں یوں بیوٹی پروڈکس کے پیچھے پڑجائیں تو ایک تو ان کے چہرے کی معصومیت چھن جاتی ہے اور دوسرے وقت سے پہلے چہرے پر طرح طرح کے کیمیکل استعمال کرنے سے اسکن بھی خراب ہونے لگتی ہے۔ اب تم خود دیکھ لو۔ آمنہ تم سے دو سال چھوٹی ہے۔ مگر دیکھنے میں تم سے بڑی لگتی ہے۔"

"تو آپ کا مطلب ہے کہ میں اب پارلر چلی جایا کروں۔" وہ بچوں کی سی معصومیت اور اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

"بالکل چلی جایا کرو۔ اب تم پریکٹیکل لائف میں آچکی ہو اور ہر لحاظ سے سمجھ دار بھی ہو۔ اس لیے

اعتدال میں رہتے ہوئے اپنا خیال رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" زرینہ نے مسکرا کر کہا اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

انہیں اپنی بیٹی کی فرماں برداری پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے ڈیڑھ سال سے یونی ورسٹی میں پڑھا رہی تھی اور آج بھی ماں سے پوچھ کر ہر کام کرتی تھی۔ اپنی تمام تر قابلیت اور کامیابیوں کے باوجود ماں، باپ کی رائے کو وہ آج بھی اولیت دیتی تھی اور کوئی بھی نیا کام کرنے سے پہلے زرینہ سے مشورہ ضرور کرتی تھی اور زرینہ بھی اس کی اس فرماں برداری کی قدر کرتی تھیں۔

اب تو زرینہ کبھی کہتیں تو وہ ان کے ساتھ آرام سے ماموں کے گھر بھی چلی جایا کرتی تھی۔ ورنہ پہلے وہ ان کے گھر جانے کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ مگر اب وہ نا صرف وہاں چلی جاتی۔ بلکہ عظمی اور احسن سے بڑے آرام سے بات بھی کر لیا کرتی تھی۔ عظمی کا رویہ بھی بہت بدل چکا تھا۔ شادی شدہ زندگی کے چار سال گزارنے اور دو بچوں کی ماں بن جانے کے بعد وہ اب پہلے جیسی عظمی نہیں رہی تھی۔ اس کا انداز، حلیہ، رکھ رکھاؤ سب کچھ بدل گیا تھا۔ ماموں جان کے گھر کا ماحول تایا جان کے گھر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ اس لیے عظمی چار سالوں میں بھی وہاں پوری طرح سے ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی۔

اس نے ساری زندگی گھر کے کام نہیں کیے تھے۔ اس کا سارے کا سارا وقت صرف اپنی ذات کے لیے وقف ہوتا تھا۔ جبکہ احسن کے گھر کا ماحول ضوفشاں کے گھر جیسا تھا۔ جہاں گھر کا ہر کام بھی خود کیا جاتا تھا اور حفظ مراتب کا بھی خیال رکھا جاتا تھا اور عظمی کے لیے دونوں ہی کام مشکل تھے۔ شروع میں تو اس لیے زیادہ مشکل پیش نہیں آئی کہ احسن پوری طرح سے عظمی کی زلفوں کا اسیر تھا اور اسے اس کی کوئی خامی، خامی نہیں لگتی تھی، مگر کچھ عرصے بعد جب عظمی کے حسن کا نشہ اترنے لگا تو احسن کو اس میں ڈھیروں خامیاں دکھائی دینے لگیں۔ وہ اچھا کھانا بنانا تو ایک طرف ڈھنگ کی چائے بنانا بھی نہیں جانتی تھی۔ اس کا کمرہ ہمیشہ ابتر حالت میں رہتا تھا۔ شادی سے پہلے احسن کے کام کی ذمہ داری اس کی امی اور بہن پوری کرتی تھیں۔ استری کر دیا کرتی تھیں۔ مگر جب اس کی شادی ہو گئی تو انہوں نے اس کام سے ہاتھ اٹھا لیا اور یہ ذمہ داری عظمی کو سونپ دی۔ جو یہ ذمہ داری پوری نہ کر سکی۔

احسن کے دفتر جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے ہی باہر نہ نکلتی۔ دوپہر کو صرف اپنا کھانا کھانے کے لیے کچن میں جاتی اور کھانا لے کر کمرے میں آ جاتی۔ پھر شام تک کھانے والے برتن بھی یوں ہی کمرے میں پڑے رہتے اور شام کو جب احسن کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ بنی سنوری کھانے کے خالی برتن لے کر کمرے سے برآمد ہو جاتی۔ کچھ عرصے تک اس کی ساس نے یہ رویہ برداشت کیا۔ پھر ایک روز ان دونوں کو اور اپنے شوہر کو سامنے بٹھا کر وہ سارے اعتراضات بیان کر دیے جو انہیں عظمی پر تھے۔ وہ خود بہت سلیقہ شعار اور سگھڑ خاتون تھیں اور ساتھ ساتھ ان کی معاملہ فہمی اور سمجھ داری کی بھی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اسی سمجھ داری کا انہوں نے اس معاملے میں بھی مظاہرہ کیا تھا۔ انہوں نے نہ تو عظمی سے کوئی روک ٹوک کی تھی نہ احسن کو اکیلے میں بٹھا کر اس کی شکایتیں لگائی تھیں۔

ساری بات انہوں نے ان میاں، بیوی کو سامنے بٹھا کر اپنے شوہر کی موجودگی میں کی تھی۔ اس لیے عظمی اس فرد جرم پر کچھ بھی نہ کہہ سکی اور احسن نے اسے سختی سے تنبیہہ کر دی کہ وہ اگلے روز سے سارا وقت امی کے ساتھ گزارے گی اور ان سے کھانا بنانا سیکھے گی۔ ناچار عظمی کو ایسا کرنا پڑا۔ مگر شوق اور توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک تو اس نے کھانا پکانا سیکھنے میں بہت وقت لگایا اور جب سیکھ لیا، تب بھی اس کا پکایا ہوا کھانا اکثر بے مزا ہوتا تھا۔ احسن کو شروع سے ہی اچھے کھانے کھانے کا شوق تھا اور اب جب اسے عظمی کے بنائے ہوئے کھانے زہر مار کرنا پڑتے تو وہ بے زار ہو جایا کرتا تھا۔ ان کی شادی کو پورا سال بھی نہیں گزرا تھا۔ جب وہ اس وقت کو پچھتانے لگا تھا جب وہ عظمی

کے حسن اور اس کی اداؤں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ عظمیٰ حسین بے شک بہت تھی۔ مگر اس میں ایک اچھی بیوی والی خصوصیات ناپید تھیں۔

احسن نے شروع سے اپنے گھر کا جو ماحول دیکھا تھا اور جس طرز زندگی کا وہ عادی رہا تھا۔ عظمیٰ اس ماحول اور اس طرز زندگی سے یکسر نابلد تھی۔ اب اسے ضوفشاں کو ٹھکرانے اور اس سے منگنی توڑنے پر پچھتاوا ہوتا تھا۔ مگر اب اس سلسلے میں کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ خاندانی لوگ تھے۔ ایک بار جہاں شادی ہو جاتی۔ اسی سے نبھا کرنا پڑتا تھا اور خاص طور پر اس صورت میں جب یہ شادی کی بھی اپنی پسند اور مرضی سے گئی ہو۔ اب وقت کو واپس لوٹانا ممکن نہیں تھا۔ اسی بری یا بھلی عظمیٰ کے ساتھ ہی زندگی گزارنا تھی۔ شادی کے سوا سال بعد وہ ایک بیٹے کا باپ بن گیا تو اس کے پیروں میں پڑی زنجیر جیسے مضبوط ہو گئی تھی۔

جب تک ضوفشاں نے ان کے گھر آنا جانا چھوڑے رکھا' تب تک وہ صرف عظمیٰ کے پھوہڑپن اور اس کی لاپروائیوں کو دیکھ دیکھ کر کڑھا ہی کرتا تھا۔ مگر جب وہ ان کے گھر آنے جانے لگی۔ تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اور عظمیٰ کا موازنہ کرنے لگا تھا۔ ضوفشاں اس کی سگی پھوپھو کی بیٹی تھی۔ اس کے سارے انداز و اطوار وہی تھے جو اس کی اپنی امی اور بہنوں کے تھے۔ بعض اوقات وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اگر اس نے عظمیٰ سے شادی کرنے کی ضد نہ کی ہوتی اور ضوفشاں کو اپنا لیا ہوتا تو اس کی زندگی کس قدر پرسکون ہوتی۔

☼ ☼ ☼

ضوفشاں کا ایم فل مکمل ہوا تو اس نے امی' ابو کی اجازت سے ساتھ ہی پی ایچ ڈی میں ایڈمیشن لے لیا۔ ابو کو تو اس کے ارادے سے بہت خوشی ہوئی تھی۔ جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کیا تھا۔ البتہ امی خوش ہونے کے ساتھ تھوڑے سے تذبذب کا بھی شکار تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ اب ضوفشاں کی شادی کر دی جائے۔ بلکہ پچھلے کچھ عرصے سے وہ اس کے لیے مناسب رشتہ بھی تلاش کر رہی تھیں۔ مگر تاحال کہیں بات بنی نہیں تھی۔ ضوفشاں اعلا تعلیم یافتہ تھی اور اسی وجہ سے انہیں اس کے ہم پلہ رشتہ تلاش کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے ابو کے سامنے دبی زبان میں ضوفشاں کے پی ایچ ڈی میں داخلہ لینے کی مخالفت بھی کی تھی۔ جس پر ابو کافی حیران ہوئے تھے۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو زرینہ! میں تو سمجھتا تھا کہ تم اعلا تعلیم کی حامی ہو اور اپنی بیٹی کو اعلا تعلیم حاصل کرتا دیکھ کر خوش ہو گی۔" انہوں نے اپنی حیرت کا اظہار کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔ زرینہ سر جھکائے کچھ سوچتی رہیں' پھر دھیمی آواز میں بولیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اعلا تعلیم کے خلاف نہیں ہوں اور اپنی بیٹی کا شوق اور لگن دیکھ کر مجھے بہت خوشی بھی ہوتی ہے۔ میں اسے مزید پڑھنے سے روک نہیں رہی۔ بس میں اتنا چاہتی ہوں کہ وہ ابھی کچھ عرصہ داخلہ نہ لے۔"

"مگر کیوں؟"

"بس مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر وہ زیادہ پڑھ گئی تو اس کے لیے ہم پلہ رشتہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" انہوں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ جس پر خورشید علی ہنس پڑے۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو زرینہ! ہماری بیٹی کے لیے اللہ نے جو ساتھی بنایا ہے۔ اس کی شادی اس سے ہو گی اور اس مقصد کے لیے اپنی بیٹی کو اس کے اچھے مقاصد سے ہٹانا اور بلاوجہ کی پریشانی خود پر طاری کرنا مناسب بات نہیں ہے۔ سب تم اللہ سے دعا کیا کرو۔ وہی عزت اور آسانی دینے والا ہے۔ ضوفشاں کی شادی کے لیے اس نے جو وقت مقرر کیا ہے اس کی شادی اس وقت پر ہو گی اور تم دیکھنا ان شاء اللہ ہماری بیٹی کو بہت خوشیاں ملیں گی۔" انہوں نے نرمی سے اپنی شریک حیات کو سمجھایا تھا۔

زرینہ کے چہرے پر چھائے پریشانی کے بادل چھٹ

گئے اور وہ ہلکا سا مسکرا دیں۔ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں پتا نہیں کیوں پریشان ہو گئی تھی۔ شکر ہے میں نے ضوفی کے سامنے کچھ نہیں کہہ دیا۔ انہوں نے ہلکا سا جھینپ کر کہا تھا۔

ان ہی دنوں ضوفشاں کے ڈیپارٹمنٹ میں لیکچررز کے لیے مستقل اسامیاں اناؤنس ہوئی تھیں۔ ضوفشاں نے فوراً" ہی اپلائی کر دیا۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ کنٹریکٹ پر کام کر رہی تھی۔ اور اب گریڈ اٹھارہ کی مستقل تقرری کا لیٹر اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اتنی خوش ہوئی تھی کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور صرف وہ ہی نہیں امی، ابو اور اس کے دونوں بھائی بھی اس کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔

عادل کا ایم بی بی ایس بھی مکمل ہو چکا تھا اور اب وہ ہاؤس جاب کر رہا تھا، جبکہ عمیر بی ایس کے چھٹے سمسٹر میں تھا۔ زرینہ اور خورشید علی دل سے اللہ کا شکر گزار تھے اور اپنے بچوں کو بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

تایا جان کو اس کی تقرری کا علم ہوا تو وہ تائی جان کے ساتھ مبارک باد دینے آئے تھے اور انہوں نے اس کی کامیابی پر خوشی کا اظہار بھی کیا تھا۔ البتہ تائی جان کا رویہ ہمیشہ کی طرح نخوت بھرا تھا۔ انہوں نے اوپری دل سے اسے مبارک باد دی تھی۔

"اب تم ضوفشاں کی شادی کی فکر کرو زرینہ! ساری عمر پڑھاتی ہی نہ رہنا۔ عظمی کی ہم عمر ہے اور اس کے دیکھو دو بچے ہیں۔" اپنی عادت کے مطابق انہوں نے دیورانی کی خوشی ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور زرینہ اگر شوہر کی کچھ عرصہ پہلے کی گئی باتوں کے زیر اثر نہ ہوتیں تو یقیناً" یہ باتیں سن کر پریشان ہو جاتیں۔ مگر اس وقت جٹھانی کی باتیں سن کر وہ ہلکا سا مسکرا کر متانت سے بولی تھیں۔

"اللہ بہتر کرے گا بھابھی! بس آپ ضوفی کے اچھے نصیب کے لیے دعا کر دیا کریں۔" ان کے لہجے میں نرمی اور انداز میں بھرپور یقین تھا۔ تائی جان کے لیے اپنے اندر کی کڑواہٹ پر قابو پا کر مسکرانا کسی بڑے امتحان سے کم ثابت نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھوپھو کی چھوٹی بیٹی کی شادی تھی۔ جس پر ضوفشاں اور تایا جان کی پوری فیملی مدعو تھی۔ مہندی والے دن ضوفشاں نہیں جا سکی تھی۔ البتہ شادی والے دن وہ بہت اہتمام سے شریک ہوئی تھی۔ جدید تراش خراش کے ٹی پنک گولڈن کام والے لباس میں ہلکا میک اپ کیے نفیس جیولری پہنے وہ اپنے اسٹائل میں تراشیدہ بالوں کو کندھوں پر پھیلائے بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ پچھلے کچھ عرصہ وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے فیملی فنکشنز سے دور رہی تھی۔ اس لیے کافی عرصے کے بعد وہ اس تقریب میں نظر آئی تھی۔

"ارے ضوفی! یہ تم ہو تم تو پہچانی نہیں جا رہیں۔ کتنی حسین لگ رہی ہو۔" اس کی کسی کزن نے اسے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا تھا۔ ضوفشاں ہلکا سا مسکرا دی۔ جبکہ بالکل پاس والی ٹیبل پر بیٹھی تائی جان اور آمنہ کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔ ان دنوں تائی جان کے کیمپ میں صرف آمنہ ہی رہ گئی تھی۔ فرح ایک تو تھی سب سے چھوٹی پھر اس کا مزاج بھی باقی بہنوں سے الگ تھا۔ اس لیے وہ کبھی بھی اپنی ماں اور بہنوں کی طرح دوسروں میں نقص تلاش نہیں کرتی تھی۔ نہ ہی اسے اپنی تعریفیں کرنے اور سننے کا کوئی خاص شوق تھا۔

وہ شروع ہی سے تائی جان سے زیادہ ضوفشاں کی امی سے قریب رہی تھی اور ثانیہ کی بھی جب سے طلاق اور بعد میں دوسری شادی ہوئی تھی۔ اس کا مزاج بھی بالکل بدل گیا تھا۔ وہ اول تو تائی جان کے پاس زیادہ بیٹھتی ہی نہیں تھی اور اگر کبھی بیٹھ بھی جاتی تو اس کا موضوع میرا گھر، میرا شوہر اور میرے بچے سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو جایا کرتا تھا۔ وہ نہ کسی کی برائیاں کرتی تھی اور نہ ہی سنتی تھی۔ اس لیے تائی جان نے خود ہی اس سے زیادہ باتیں کرنا چھوڑ دیا تھا۔ نورین ویسے ہی دوسرے شہر میں تھی اور رہ گئی عظمی تو اس کا

مزاج بھی اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ گھر' شوہر اور بچوں کی ذمہ داریاں اٹھائے اٹھائے وہ خود سے لاپروا اور ہر چیز سے بے زار رہنے لگی تھی۔ وہ شوہر کی عدم توجہی اور سسرال والوں کے لیے دیے انداز کی وجہ سے بے حد چڑچڑی ہو چکی تھی اور برملا ہر چیز سے بے زاری کا اظہار کرنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ اس لیے اب لے دے کے تائی جان کے پاس آمنہ ہی بچی تھی۔ جو پوری طرح سے ان کی ہم مزاج بھی تھی۔ اس لیے ان دونوں کی خوب بنتی تھی۔

وہ عظمی سے تین سال چھوٹی تھی اور ان دنوں تائی جان اس کی شادی کے لیے کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں تھیں۔ حسن و جمال میں وہ بھی اپنی باقی بہنوں کا پرتو ہی تھی۔ نازک سراپا۔ گوری چمکتی ہوئی رنگت' لمبے سیاہ بال اور سحر طراز آنکھیں لیکن ساتھ ہی وہ اپنی بہنوں کی طرح ہی خود پسند اور مغرور بھی تھی۔ بلکہ بعض اوقات تو ضوفشاں کو یوں لگتا کہ جیسے وہ ان سب سے زیادہ مغرور ہے۔ اس وقت بھی وہ سلور کام والے سفید فراک میں اپنے گھنے سیاہ لمبے بال کمر پر بکھرائے کسی خود پسند اور مغرور شہزادی کی طرح گردن اکڑائے بیٹھی تھی اور خود پر اٹھتی ستائشی اور رشک بھری نظروں سے محظوظ ہو رہی تھی۔ ایسے میں ضوفشاں کا تقریب میں آنا اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جانا اسے قطعی پسند نہیں آیا تھا اور اس کی آنکھوں میں ناگواری در آئی تھی۔

اس نے سرد نگاہوں سے ضوفشاں کی طرف دیکھا۔ وہ بے شک بہت پیاری لگ رہی تھی۔ مگر یہ صرف شکل کی خوب صورتی نہیں تھی۔ جو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ یہ اس کی شخصیت کا اعتماد تھا۔ اس کے چہرے پر چمکتی خوب صورت مسکراہٹ تھی اور اس کی براؤن آنکھوں کی چمک تھی جو لوگوں کو ٹھٹکا رہی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص اس کی تعریف کر رہا تھا کوئی اسے سراہ رہا تھا' کوئی اس کی کامیابیوں پر مبارک باد دے رہا تھا اور وہ انکساری کا نمونہ بنی مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔ آمنہ اور تائی جان اسے دیکھ کر ایک جیسے تاثرات کا شکار ہو رہی تھیں۔ غصہ' نفرت اور حسد' ان کا بس چلتا تو اسے جلا کر بھسم کر ڈالتیں اور صرف ضوفشاں ہی نہیں تھی جو ان کو بری لگ رہی تھی' بلکہ زرینہ کے لیے بھی ان کے تاثرات کم و بیش یہ ہی تھے۔

جو دو لائق فائق اور فرماں بردار بیٹوں کی ماں ہونے کے ناطے خاندان بھر کی خواتین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں اور تائی جان کے لیے یہ بات بہت تکلیف کا باعث تھی کہ امیر کبیر اور خوب صورت ہونے کے باوجود خاندان کی کوئی عورت قاسم کو اپنا داماد بنانے کی خواہش مند نہیں تھی اور ایسا قاسم کی آوارہ گردی اور بدتمیزیوں کی وجہ سے تھا۔

زرینہ اور ضوفشاں کچھ دوسرے لوگوں سے مل کر ان کی ٹیبل پر آئی تھیں' مگر ان کے سرد اور لیے دیے انداز کی وجہ سے وہاں بیٹھنے کی بجائے صرف مل کر ایک دوسری ٹیبل کی طرف چلی گئی تھیں۔ جہاں موجود خواتین نے اسے گویا ایک اعزاز سمجھا تھا۔ کچھ دیر تائی جان اور آمنہ کڑھتی رہیں' پھر عظمی آ گئی تو اس سے باتوں میں مشغول ہو گئیں اور کچھ دیر کے بعد پھوپھی جان کی دیورانی کی اپنے لائق فائق بیٹے کے ساتھ آمد ہوئی تو تائی جان خود اٹھ کر ان کے استقبال کے لیے گئیں اور زبردستی انہیں اپنے ساتھ لا کر بٹھایا۔

وہ حال ہی میں جرمنی سے یہاں شفٹ ہوئی تھیں اور تائی جان دو بار ان سے مل چکی تھیں اور ان کا گھربار اور پھر ان کے اکلوتے بیٹے کو دیکھتے ہی انہوں نے اسے آمنہ کے لیے پسند کر لیا تھا اور اپنی عادت کے عین مطابق اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کی کوششوں میں مصروف ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ضوفشاں اپنی کچھ کزنز کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ جب اسے اپنے چہرے پر تپش کا احساس ہوا' کوئی تھا جو بہت انہماک سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی پلکیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ

احسن تھا جو کچھ فاصلے پر بیٹھا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ضوفشاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ جب احسن کی اپنی طرف اٹھنے والی ایک نظر اسے خود پر رشک کرنے پر مجبور کر دیا کرتی تھی اور وہ پہروں سرشار رہا کرتی تھی۔ مگر یہ تب کی بات تھی جب وہ اس کا منگیتر تھا۔ جب اس کے اور احسن کے درمیان عظمیٰ نہیں آئی تھی۔ اب جبکہ وہ عظمیٰ کا شوہر اور اس کے دو بچوں کا باپ تھا تو اس کا یوں اپنی طرف دیکھنا کم از کم اس کے لیے بہت ناگواری کا باعث بن رہا تھا۔ مگر وہ لوگوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ اس لیے کھل کر اپنی ناگواری کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے بس اپنی نظروں کا زاویہ بدل کر ہلکا سا رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ البتہ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

''ارے مس ضوفشاں آپ یہاں؟'' اس وقت بالکل قریب سے ایک ہشاش بشاش مردانہ آواز آئی تھی ضوفشاں نے تیزی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کا یونی ورسٹی کولیگ مزمل حسن تھا۔ وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں نہیں تھا۔ ان کی پہلی ملاقات H.E.C کی طرف سے ہونے والی ایک ورکشاپ میں ہوئی تھی۔ وہ پی ایچ ڈی تھا اور کئی سال جرمن میں گزارنے کے بعد پاکستان واپس آیا تھا۔ وہ ایک مہذب اور خوش اخلاق انسان تھا۔ اس لیے ضوفشاں کی اس سے اچھی علیک سلیک ہو گئی تھی اور اب اکثر ہی لائبریری یا کسی لیب وغیرہ میں ان کا سامنا ہو جایا کرتا تھا اور ایسا ہونے کی صورت میں ان کے درمیان چند باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔

وہ سنجیدہ مزاج اور کم گو تھا۔ اس لیے ضوفشاں کو کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ اس کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہے۔ مگر آج وہ جس طرح اسے سامنے دیکھ کر خوش نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر جو چمک آئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ضوفشاں کو گڑبڑا دیا تھا۔

''جی وہ نازش میری پھوپھو کی بیٹی ہے اور آپ....'' خود کو کمپوز کرتے ہوئے وہ سادگی سے مسکرائی تھی۔

''میں نازش کا چچازاد بھائی ہوں۔ مگر اصل میں ہم لوگ کافی سال پہلے جرمنی چلے گئے تھے۔ میں نے شاید آپ کو بتایا بھی تھا کہ میں نے پی ایچ ڈی جرمنی سے ہی کی ہے۔ ہم ابھی دو سال پہلے ہی واپس آئے ہیں۔'' وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''جی آپ نے بتایا تھا۔'' ضوفشاں نے مسکرا کر سر ہلایا اور سوالیہ نظروں سے اپنی طرف دیکھتی ہوئی امی سے اس کا تعارف کروانے لگی۔

''میری امی اور بہن بھی شادی میں آئی ہوئی ہیں۔ میں ان کو لے کر آتا ہوں مجھے خوشی ہو گی ان کے ساتھ آپ کا تعارف کروا کر۔'' امی سے رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے بتایا اور کچھ فاصلے پر لگے اس ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ جس پر اس کی امی اور بہن ضوفشاں کی تائی اور ان کی بیٹیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں اور کچھ دیر کے بعد جب مزمل کی امی اور بہن کو ضوفشاں اور زرینہ کے ساتھ ان کے ٹیبل پر بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھا تو تائی جان اور آمنہ کے چہرے تاریک پڑ گئے۔ انہیں گمان تک نہیں تھا کہ پھوپھو کی جس جرمنی پلٹ دیورانی کو وہ گھنٹہ بھر سے خوشامدیں کر کر کے رام کرنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ وہ یوں ان کے پاس سے اٹھ کر ضوفشاں اور زرینہ کے پاس جا بیٹھیں گی اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ خود وہاں نہیں گئی تھیں۔ بلکہ ان کا ہینڈسم اور اسمارٹ بیٹا جسے وہ آمنہ کے لیے پسند کیے بیٹھی تھیں۔ اپنے ساتھ لے جا کر انہیں وہاں چھوڑ کر آیا تھا۔

اس روز تائی جان اور آمنہ دونوں ہی سے کھانا نہیں کھایا گیا تھا اور وہ ضوفشاں اور زرینہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی مزمل کی امی اور بہن کو دیکھ دیکھ کر بس خون کے گھونٹ ہی پیتی رہیں۔ عظمیٰ اور ثانیہ بھی وہیں تھیں۔ مگر ثانیہ کی ساری توجہ اپنے بچوں پر تھی اور عظمیٰ نہ جانے کون سی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

''ضوفشاں! ایک منٹ کے لیے میری بات سن لو

پلیز....“ احسن نے بہت التجائیہ انداز سے اسے پکار کر کہا تھا۔ وہ چونک کر پلٹی تھی۔ آج عظمیٰ کے چھوٹے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ جس میں شرکت کرنے کا اس کا ارادہ تو نہیں تھا۔ مگر ابو کو اچانک ہی ایک دوست کی طرف جانا پڑ گیا تو امی کے کہنے پر اسے ان کے ساتھ آنا پڑا۔ کیونکہ عادل اور عمیر دونوں ہی مصروف تھے۔

ویسے بھی جب سے ضوفشاں نے الگ گاڑی لی تھی تو امی کو کہیں بھی آنے جانے میں بہت سہولت ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے ابو نے تین سال پہلے گاڑی خرید تو لی تھی، مگر ان کے پاس امی کے ساتھ ہر جگہ جانے کا وقت نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ضوفشاں کے ساتھ اب وہ آسانی سے آنے جانے لگی تھیں۔

وہ عظمیٰ کے گھر پہنچے تو ابھی زیادہ مہمان نہیں آئے تھے۔ سالگرہ کا وقت شام سات بجے کا تھا اور ابھی چھ ہی بجے تھے۔ دراصل امی کچھ وقت اپنے بھائی اور بھابھی کے ساتھ گزارنا چاہتی تھیں۔ اس لیے وہ دونوں ذرا جلدی آگئی تھیں۔ عظمیٰ کچن میں تھی۔ وہ ان سے مل کر دوبارہ وہیں چلی گئی اور امی، ماموں اور ممانی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ ضوفشاں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر بور ہو کر باہر لان میں نکل آئی یہ جاتی سردیوں کے دن تھے اور موسم بے حد خوش گوار تھا۔ موسم کی خوش گواری نے اس کے موڈ پر بھی بہت اچھا ڈالا تھا۔ وہ مزے سے لان میں ٹہلنے لگی تھی۔

اسے آج دوپہر کو مزمل کے ساتھ لائبریری میں ہوئی گفتگو یاد آنے لگی۔ دو دن پہلے پھوپھو کی بیٹی کی شادی میں مزمل نے اسے اور امی کو اپنی امی اور بہن سے ملوایا تھا۔ تب تک اسے معلوم نہیں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ البتہ اپنی طرف اٹھتی مزمل کی ستائشی نظروں سے وہ تھوڑی سی الجھن کا شکار ضرور ہوئی تھی۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ شادی کی تقریب میں چونکہ وہ اپنے روزمرہ کے معمول کے برعکس بہت سج سنور کر شریک ہوئی تھی۔ اس لیے مزمل کے دیکھنے کا انداز تھوڑا سا بدل گیا تھا۔ مگر آج جب وہ لائبریری میں اس کے پاس آیا تو اس کے انداز میں دو دن پہلے سے بڑھ کر پسندیدگی تھی اور وہ بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کے دھلے نکھرے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک بجے کے بعد کا وقت تھا اور اس وقت لائبریری میں زیادہ لوگ نہیں ہوتے تھے۔ شاید اس لیے وہ جان بوجھ کر ایسے وقت میں وہاں آیا تھا۔

”جی کہیے مزمل صاحب! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے۔“ وہ اس کے یوں فرصت سے اپنی طرف دیکھتے رہنے پر جزبز ہوئی تھی۔ اس لیے ذرا روکھے انداز سے پوچھا تھا۔

”جی....“ بہت مختصر جواب آیا تھا۔

”فرمائیے....“ اس کی چڑ میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

”میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اپنے والدین کو باقاعدہ رشتہ مانگنے کے لیے آپ کے گھر بھیج دوں۔“ اس نے نہایت سادگی سے مدعا بیان کیا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ اس کے سامنے پڑی کتاب پڑھنا چاہتا ہے اور اگر اس کو اعتراض نہ ہو تو وہ اس کتاب کو ایشو کروالے۔ ضوفشاں ہکا بکا سی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

”یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ کئی لمحوں کے بعد وہ ہکلائی تھی۔ وہ اس کے انداز سے جی بھر کر محظوظ ہوا تھا۔

”میں نے کوئی مشکل بات تو نہیں کی۔“ وہ نہایت معصومیت سے بولا۔ ”صرف اتنا ہی کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کا اعتماد بھرا انداز اسے بری طرح سے پزل کر گیا تھا اور وہ کوشش کے باوجود خود کو کمپوز نہیں کر پا رہی تھی۔

”یہ ہی وہ واحد جگہ ہے محترمہ! جہاں آپ سے اس سمیت کوئی بھی بات آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ خیر آپ اس بحث کو چھوڑیں اور میری بات کا جواب دیں۔“ اس بار اس کے انداز میں اعتماد سے بڑھ کر استحقاق تھا۔ شاید ضوفشاں کے ردعمل سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا جواب نا میں بہرحال نہیں

ہے۔ ضوفشاں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"اس کا فیصلہ میں نہیں کرسکتی کہ میری شادی کس سے ہوگی اور کس سے نہیں۔ یہ حق صرف میرے والدین کے پاس ہے۔" اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مزمل نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"تو میں بھی تو آپ کے والدین سے رابطہ کرنے کی ہی اجازت مانگ رہا ہوں۔ پتا نہیں آپ لڑکیوں کو چیزیں پیچیدہ بنانے میں اتنا مزا کیوں آتا ہے۔" وہ مصنوعی ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" اس بار وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھی اور جلدی سے لائبریری سے باہر نکل آئی تھی۔ اپنے پیچھے مزمل کا قہقہہ اسے واضح طور پر سنائی دیا تھا۔

عظمی کے گھر کے لان میں ٹہلتے ہوئے وہ یہ ہی باتیں سوچ رہی تھی۔ جب احسن نے اسے پکارا۔

"جی فرمائیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ خشک ہوگیا تھا۔ احسن چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا آیا۔ یہ لان کا وہ حصہ تھا جو رہائشی عمارت کے بالکل قریب تھا۔ اس لیے قریب آکر احسن نے پہلے ایک چور نظر رہائشی عمارت کی طرف ڈالی۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ضوفشاں نے بہت وضاحت سے اس کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا اور اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات چھاگئے تھے۔ اسے ایک لمحے کے لیے خود پر حیرت ہوئی۔

احسن وہ شخص تھا۔ جس کی محبت میں چند سال پہلے تک وہ اپنی دانست میں مبتلا رہی تھی۔ مگر اب وہی شخص پاس کھڑا بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے مزمل کے خیال سے ہی جو اس کے موڈ پر خوش گوار اثرات مرتب ہوئے تھے وہ اب ناگواری اور بے زاری کے بادلوں کی اوٹ میں جاچھپے تھے۔

"آپ کو جو کہنا ہے جلدی کہیں مجھے اندر جانا ہے۔" احسن کو خاموشی سے اپنی طرف دیکھتے پاکر اس نے سرد لہجے میں کہا تھا احسن تھوڑا سا گڑبڑا گیا۔ ضوفشاں کا انداز بہت حوصلہ شکن تھا۔

"وہ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔ ضوفشاں حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کس بات کی معافی، آپ نے کیا کیا ہے؟"

"میں نے تمہاری محبت کو ٹھکرا کر عظمی سے شادی کرلی۔ یقین کرو ضوفی! یہ میری زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی۔ وہ میرے مزاج کی لڑکی نہیں تھی۔ پتا نہیں کیسے اس نے مجھے اپنی اداؤں کے جال میں پھانس لیا۔ تم یقین کرو۔ میری زندگی کا لمحہ لمحہ پچھتاؤں کی نذر ہورہا ہے۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو اتنے زیاں کا احساس ہوتا ہے کہ عظمی کی شکل دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ مجھے معاف کردو ضوفی! میں نے تمہارا دل دکھایا تھا۔ شاید اسی لیے سکون اور خوشی دونوں مجھ سے دور ہوگئے ہیں۔" وہ نظریں جھکائے کہہ رہا تھا۔

ضوفشاں کو پہلے اس کی بات سن کر غصہ آیا۔ پھر وہ غصہ ہمدردی میں بدل گیا۔ سامنے کھڑا شخص خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر نرمی سے بولی۔ "پہلی بات تو یہ کہ مجھے آپ سے محبت نہیں تھی۔ وہ سب وقتی پسند اور انسیت تھی۔ جو اس رشتے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ جس کا ذکر میں نے کچی عمر سے سننا شروع کیا تھا۔ اس لیے جب آپ نے عظمی سے شادی کرلی۔ تو وقتی طور پر مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ بہت انسلٹ محسوس ہوئی تھی۔ عظمی پر غصہ بھی آیا تھا۔ مگر میرا یقین کریں، وہ سب جذبات وقتی تھے۔ جو اب بالکل ختم ہوچکے ہیں اور میرا ایمان ہے کہ جو کچھ ماضی میں ہوگیا۔ وہ میری تقدیر کا حصہ تھا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ نہ آپ سے نہ عظمی سے اور نہ ہی اپنی تقدیر سے۔ عظمی میری کزن ہے۔ کسی زمانے میں ہم اچھے دوست بھی رہے ہیں۔

اس نے ایک بار نہیں زندگی میں کئی بار مجھے تکلیف دی ہے اور میں نے ان تکلیفوں کی اس سے کبھی شکایت نہیں کی۔ میں نے بس صبر کیا اور اللہ سے بہتری کے لیے دعا کی۔ اسی کے سامنے روئی اسی سے

آسانی مانگی اور اللہ نے میری جھولی کو خوشیوں سے بھر دیا۔ عظمی آپ کی بیوی ہے۔ آپ کے بچوں کی ماں ہے۔ آپ نے ساری دنیا سے ٹکر لے کر اس سے شادی کی تھی اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ میرے مزاج کی لڑکی نہیں تھی۔ بلکہ اس نے مجھے اپنی اداؤں کے جال میں پھانس لیا تھا آپ کو اس سے شادی کرنے پر پچھتاوا ہے۔ مگر میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر کسی وجہ سے عظمی کے ساتھ آپ کی شادی نہ ہو سکتی تو آپ اس سے زیادہ بے زار اور ناراض ہوتے' جتنا کہ آپ اب ہیں۔ آپ کو اپنا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

احسن.... میں مانتی ہوں کہ عظمی میں کچھ خامیاں ہوں گی' ہم سب میں ہوتی ہیں' مگر کیا یہ خامیاں اس میں اس وقت نہیں تھیں۔ جب آپ نے اس سے شادی کی۔ اگر تب وہ سب خامیاں آپ کو قبول تھیں تو اب کیوں نہیں۔"

اس کی آواز بلند نہیں تھی' مگر لہجہ بہت مضبوط تھا۔ داخلی دروازے کی اوٹ میں کھڑی عظمی تک اس کا لفظ لفظ بخوبی پہنچا تھا اور اس نے اپنا دل کسی سیال چیز کی طرح بہتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"تب عظمی کے حسن اور اس کی اداؤں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ مجھ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔" احسن نے بہت کمزور سا دفاع کیا تھا۔ ضوفشاں استہزائیہ انداز سے ہنس دی۔

"اس کا حسن اور اس کی ادائیں اس کے ساتھ ہی آپ کے گھر میں آئی تھیں۔ وہ انہیں پیچھے نہیں چھوڑ آئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک وہ آپ سے دور تھی۔ اس کے حسن نے آپ کو دیوانہ بنائے رکھا اور جب وہ آپ کی دسترس میں آگئی تو آپ کو اس کی قدر نہیں رہی اور آپ کی اس ناقدری نے اس سے اس کا یہ اثاثہ بھی چھین لیا۔ کبھی آپ نے اس کے بارے میں سوچا کہ وہ کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ وہ حسین تھی۔ امیر باپ کی بیٹی تھی۔ بے باک اور خوش ادا تھی۔ اس میں یہ سب کچھ آپ کو بہت پسند آیا تھا۔ مگر جب وہ آپ کے گھر آگئی تو یہ سب پس منظر میں چلا گیا۔ آپ کی ترجیحات بدل گئیں۔ اگر وہ سگھڑ نہیں تھی۔ اس میں سلیقہ شعاری کا فقدان تھا یا وہ خود پسند اور خود پرست تھی۔ تو کیا آپ نے اس کی ان خامیوں کو ختم کرنے کے لیے اس کا ساتھ دیا؟ نہیں نا۔

الٹا آپ نے اس پر طنز کرنا اسے طعنے دینا اور اس کے سامنے اپنے پچھتاوے بیان کرنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ آپ نے اس کی انا اس کی عزت نفس کو اتنا پامال کیا کہ وہ خود سے ہی بے زار ہو گئی۔ کیا آپ نے یہ سب ٹھیک کیا۔ ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ عظمی آپ کی بیوی ہے۔ آپ کے بچوں کی ماں ہے۔ اسے آپ کی ساری محبتوں اور آپ کی توجہ کا مرکز ہونا چاہیے۔ پھر ہی آپ کی زندگی پر سکون ہو سکتی ہے اور آپ کا گھر خوشیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔" اپنی بات ختم کر کے اس نے احسن کا چہرہ دیکھا۔ جس پر تفکر کی لکیریں تھیں۔ وہ مطمئن ہو کر وہاں سے پلٹ آئی۔ اسے پورا یقین تھا کہ احسن اب جو بھی سوچے گا وہ سارے کا سارا نہ سہی' مگر کچھ نہ کچھ مثبت ضرور ہو گا۔

اندر داخل ہوتے ہی وہ دروازے کے قریب کھڑی عظمی کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی۔ عظمی رو رہی تھی اور آنسو اس کے گالوں سے پھسل کر اس کی قمیص کے گریبان تک پہنچ رہے تھے۔ ضوفشاں نے تاسف سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھائیاں تھیں اور آنکھوں کے گرد گہرے حلقے۔ الجھے بکھرے حلیے میں وہ کچھ سال پہلے والی عظمی کی پرچھائیں بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی نظریں عظمی کے چہرے سے پھسل کر سامنے والی دیوار میں لگے قد آدم جتنے آئینے سے جا الجھیں۔ جس میں اس کا اور عظمی دونوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈارک مہرون قیمتی لباس میں تھی۔ تراشیدہ چمک دار بال کندھوں پر بہت اسٹائل سے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی گندمی رنگت اب مستقل توجہ کی وجہ سے سنہری لگنے لگی تھی اور براؤن آنکھوں کی چمک خیرہ کن تھی' مگر اس کی خوب صورتی کا بڑا سبب وہ اعتماد تھا جو اس کے چہرے اس کی آنکھوں

بلکہ اس کی پوری شخصیت سے عیاں ہوتا تھا۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ چند سال پہلے تک وہ اتنی عام سی اور عظمی اتنی خوب صورت ہوا کرتی تھی کہ وہ عظمی کے آگے کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔

"اپنا خیال رکھا کرو عظمی! اور اپنے گھر کا بھی' تم دیکھنا ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عظمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے نرمی سے کہا تھا۔ عظمی نے اس کا ہاتھ کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

"میں نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے تم جیسی اچھی دوست کو کھو دیا' مجھے معاف کر دو ضوفی! پلیز۔" اس نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ضوفشاں کے آگے جوڑ دیے تھے۔ ضوفشاں نے گھبرا کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"یہ کیا کر رہی ہو' پاگل ہو گئی ہو تم۔" اس نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ عظمی کے آنسو مزید رواں ہو گئے۔

"پاگل ہی تو تھی میں جو اپنی بہن جیسی دوست کی خوشیوں پر ڈاکہ ڈالا۔ کتنی خود غرض تھی میں جو ہر اچھی چیز سب اپنے پاس دیکھنا چاہتی تھی۔"

"ان باتوں کو بھول جاؤ اب اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے بارے میں سوچو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ اب اندر چلو اور تیار ہو جاؤ۔ بچے تمہیں ایسے دیکھیں گے تو پریشان ہو جائیں گے۔" اس نے نرمی سے عظمی کا ہاتھ تھپکا تھا۔ عظمی سر ہلا کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

"بچپن سے میں یہ ہی سمجھتی تھی کہ میں تم سے زیادہ خوش قسمت ہوں' میری خوب صورتی' کھلا خرچ اور بغیر روک ٹوک والی زندگی میرے حساب سے یہ ہی چیزیں تھیں۔ جنہوں نے طے کر دیا تھا کہ میں ہر لحاظ سے تم سے برتر اور اعلا بنا دیا ہے۔ تب میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ تم کس قدر مشکل زندگی گزارتی ہو۔ پڑھائی میں اچھی پوزیشن لانے کے لیے محنت' گھر کے کام اور پھر چچی کی روک ٹوک' میں شکر کرتی تھی کہ میں چچا کے گھر پیدا نہیں ہوئی۔ مگر اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ خوش قسمتی یہ نہیں ہوتی کہ زندگی میں کوئی مشکل' کوئی مسئلہ ہو ہی نہیں' بلکہ اصل میں خوش قسمت لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی تربیت ان کو اتنا مضبوط اور ہنر مند بنا دیتی ہے کہ وہ اپنا ہر مسئلہ چٹکیوں میں حل کر لیتے ہیں۔ ہر مشکل سے گزر جاتے ہیں اور کامیابیاں ایسے ہی لوگوں کو ملتی ہیں' جو لوگ میری طرح زندگی کو تفریح سمجھ کر گزارتے ہیں۔ زندگی بھی پھر ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے عظمی مدھم آواز میں بول رہی تھی۔ "کاش ضوفی! کاش میں چچی جان کی بیٹی ہوتی۔" اس کے لہجے میں اتنی حسرت تھی کہ ضوفشاں نے بے اختیار ہی سر گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼
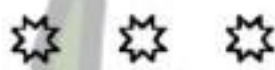
ضوفشاں کے لیے مزمل کا رشتہ آیا تھا۔ مزمل کے والدین ضوفشاں کی پھوپھو اور پھوپھا کے ساتھ رشتہ مانگنے آئے تھے۔ امی اور ابو دونوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ مزمل کا رشتہ ان کی توقع اور امید سے بھی بڑھ کر اچھا تھا۔ پھر بھی انہوں نے رسمی طور پر سوچنے کے لیے وقت لے لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ دو' تین دن کے بعد وہ مزمل کے گھر فون کر کے اپنی رضامندی دے دیں گے۔ مگر اس روز رات کو تائی جان اور تائی جی چلے آئے۔ تائی جان شام کو بھی کافی وقت ان کے پورشن میں رکی رہی تھیں۔ کیونکہ مزمل کے گھر والوں کے آنے کے بعد جب ان کا مقصد معلوم ہوا تو خورشید علی نے خود زرینہ کو بھیجا تھا کہ وہ تابندہ بیگم کو لے کر آئیں تایا جی اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ ورنہ خورشید علی تو چاہتے تھے کہ ان کے بڑے بھائی اور بھابھی دونوں اس موقع پر موجود ہوں۔

تائی جان آ گئی تھیں' مگر جتنی دیر بیٹھیں زیادہ تر چپ ہی رہی تھیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا اور گفتگو میں بھی برائے نام ہی حصہ لیا تھا۔ ضوفشاں کے لیے مزمل کا رشتہ آنا ان کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ انہیں شروع سے ہی ضوفشاں سے چڑ تھی۔ وجہ نہ

جانے کیا تھی، مگر اس کی ہر کامیابی انہیں بری لگا کرتی تھی۔ لیکن اپنی تمام تر ناگواری کے باوجود وہ اسے کامیابیاں حاصل کرنے سے روک نہیں پائی تھیں اور اب اس کے لیے اتنا اچھا رشتہ آگیا تھا۔ وہ بھی اس لڑکے کا جسے وہ آمنہ کے لیے پسند بھی کرچکی تھیں اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے عملی کوششوں کا آغاز بھی کرچکی تھیں۔

ابھی تین دن پہلے ہی وہ بجی سنوری آمنہ اور فرح کو لے کر اپنی نند کے گھر گئی تھیں اور کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد انہیں ساتھ لے کر ساتھ والے گھر میں مقیم ان کی دیورانی کے گھر بھی گئی تھیں۔ جہاں انہوں نے خوش مزاجی کے ریکارڈ توڑے تھے اور آمنہ نے اپنے حسن اور اداؤں سے مزمل کی امی کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ تب مزمل کی امی کا رویہ بھی ان کے ساتھ بہت دوستانہ اور محبت بھرا تھا۔ اس لیے وہاں سے واپسی پر تائی جان اور آمنہ بہت خوش تھیں اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ ان کو کامیابی حاصل ہوجائے گی، مگر اب صرف تین دن کے بعد مزمل کی امی ضوفشاں کے لیے مزمل کا رشتہ لے کر آگئی تھیں اور زرینہ اور خورشید علی اس رشتے سے جتنے خوش نظر آرہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس رشتے کو قبول کرلیں گے اور ویسے بھی رشتہ قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

مزمل ہر لحاظ سے بہترین تھا اور اس کا اور ضوفشاں کا جوڑ بہت اچھا بن رہا تھا۔ تائی جان جتنی دیر وہاں رہیں ان کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے۔ پھر وہ لوگ جانے کے لیے اٹھے تو ان کو زبردستی اپنے گھر لے آئیں۔ وہ کسی بھی طرح انہیں آمنہ کی طرف مائل کرنا چاہتی تھیں۔ مگر انہیں بھی نظر آرہا تھا کہ اب یہ کوشش بے سود ہے۔ پھر بھی آخری کوشش کے طور پر انہوں نے مزمل کی والدہ کے سامنے کھل کر اپنی خواہش بیان کردی اور خود آمنہ کا رشتہ ان کو پیش کردیا۔ ان کی پیش کش سن کر مزمل کی والدہ کے چہرے پر سنجیدگی چھاگئی وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہیں، پھر نرمی سے بولیں۔

"آمنہ! بہت پیاری بچی ہے۔ تابندہ بہن اور مجھے بہت خوشی ہوتی، اگر میں اس کو اپنی بہو بناتی، مگر مزمل کسی کم تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی شروع سے ہی ڈیمانڈ ہے کہ لڑکی اعلا تعلیم یافتہ ہو تاکہ وہ اسے اور اس کی اپروچ کو سمجھ سکے اور ضوفشاں ایسی ہی لڑکی ہے۔ وہ نا صرف اعلا تعلیم یافتہ ہے، بلکہ سگھڑ اور سلیقہ شعار بھی ہے اور ہر ماں کی طرح میری بھی یہ ہی خواہش ہے کہ میرے اکلوتے بیٹے کی بیوی ایسی ہو جو آکر ہمارا گھر سنبھال سکے اور ہمیں سب کچھ نوکروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنا پڑے۔" انہوں نے بہت نرم لفظوں میں آمنہ کو بہو بنانے سے انکار کیا تھا۔ مگر تائی جان کو یوں لگا کہ کسی نے ان کے منہ پر جوتا ماردیا ہے۔

کوئی ان کی بیٹیوں کی برائی کرے یا ضوفشاں کی تعریف کرے۔ دونوں ہی باتیں ان کے لیے ناقابل برداشت تھیں اور مزمل کی والدہ نے دونوں کام ایک ساتھ کیے تھے۔ تائی جان کا رویہ ان کے ساتھ ایک لمحے میں بدل گیا تھا اور اسی لمحے انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آمنہ کی شادی مزمل سے ہو یا نہ ہو، مگر وہ ضوفشاں اور مزمل کا رشتہ ہرگز نہیں ہونے دیں گی اور یہ مقصد پورا کرنے کے لیے ایک خیال فوراً" ہی ان کے دماغ میں آگیا تھا۔ انہوں نے فون کرکے تایا جی کو گھر بلایا اور اپنا خیال ان کے سامنے رکھ دیا۔ وہ قاسم کے لیے ضوفشاں کو مانگنا چاہتی تھیں۔

"کیا کہہ رہی ہو تم۔" تایا جی ان کی بات سن کر حیران رہ گئے تھے۔

"تمہیں تو ضوفشاں کبھی اچھی نہیں لگی اور ویسے بھی اس کا اور قاسم کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ وہ اتنی پڑھی لکھی ہے اور قاسم....."

"بس بس رہنے دیں۔ اگر وہ چار جماعتیں زیادہ پڑھ گئی ہے تو کیا ہوا۔ میرا قاسم لاکھوں کے کاروبار کا اکلوتا وارث ہے اور اوپر سے شکل بھی دیکھو، شہزادہ لگتا ہے میرا بیٹا۔" تایا جی کی بات کاٹ کر وہ غصے سے بولی تھیں۔

"مگر تابندہ....." تایا جی اب بھی متامل تھے۔

"خورشید اور زرینہ نہیں مانیں گے۔"

"کیسے نہیں مانیں گے۔ آپ بڑے بھائی ہیں خورشید کے اور قاسم آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ وہ آپ کی بات نہیں ٹال سکتے۔" تائی جان نے یوں یقین سے کہا تھا کہ جیسے حمید علی چھوٹے بھائی کی بہت ذمہ داریاں اٹھاتے رہے ہیں۔ تایا جی نے مزید کچھ نہیں کہا اور ان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے دل کے کسی گوشے میں یہ خیال بھی تھا کہ شاید خورشید علی مان جائیں اور ضوفشاں ان کی بہو بن کر آجائے اور ان کے بکھرے ہوئے گھر اور خاندان کو سنبھال لے۔ مگر ان کا یہ خیال اس وقت غلط ثابت ہو گیا' جب خورشید علی نے یہ بات سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔

"میری بیٹی اعلا تعلیم یافتہ ہے۔ میں اس کی شادی کسی ایف اے پاس سے کیسے کر سکتا ہوں۔ ویسے بھی اس کے لیے مزمل کا رشتہ آیا ہوا ہے اور ہم اس رشتے کو قبول کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

خورشید علی نے تحمل سے کہا تھا۔ زرینہ البتہ خاموش رہی تھیں اور کچن میں کھڑی چائے بناتی ضوفشاں کا دل تایا جی کی بات سن کر دھک سے رہ گیا تھا۔ اسے مزمل اچھا لگنے لگا تھا ورنہ بھی لگتا تو کم از کم قاسم سے تو وہ شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جس کا پچھلے کئی سال سے واحد مشغلہ آوارہ گردی اور باپ کی کمائی کو عیاشیوں میں اڑانا تھا۔

"تم لوگ ایک غیر لڑکے کو صرف اس لیے اپنے سگے بھتیجے پر ترجیح دے رہے ہو کہ وہ زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ قاسم تمہارا سگا بھتیجا ہے۔ تمہارا خون ہے اور کم پڑھا ہے تو کیا ہوا۔ اپنے باپ کے کاروبار کا اکلوتا وارث ہے۔ مزمل سے تو زیادہ ہی کمائے گا۔" تایا چھوٹے بھائی کی بات سن کر خاموش ہو گئے تھے۔ انہیں خود بھی احساس تھا کہ ضوفشاں اور قاسم کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ خوب صورت اور امیر ہونے کے باوجود وہ ضوفشاں کے کسی طور قابل نہیں تھا۔ مگر تائی جان اتنی جلدی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ اس لیے خم ٹھونک کر میدان میں آ گئیں۔

"بھابھی! کمائی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی اور بھی بہت کچھ دیکھنا ہوتا ہے۔" خورشید علی نے اس بار بھی نرمی سے ہی جواب دیا تھا۔

"اور کیا دیکھنا ہوتا ہے۔ اچھا گھر بار ہے' اچھی کمائی ہے اور شہزادوں جیسی شکل و صورت ہے میرے بیٹے کی۔ ضوفشاں کی معمولی صورت کے سامنے تو وہ....." غصے میں بولتے ہوئے تائی جان ضوفشاں پر ہمیشہ کی طرح چوٹ کر گئی تھیں۔ خورشید علی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بس بھابھی....." انہوں نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا۔ "میری بیٹی کے بارے میں آپ ایک لفظ نہیں کہیں گی۔"

"کیوں نہیں کہوں گی۔" تائی جان کا پارہ ہائی ہو گیا اور وہ دوبدو لڑائی پر اتر آئیں۔ "تمہاری بیٹی کیا دودھ کی دھلی ہے۔ مجھے جیسے پتا نہیں ہے کہ مزمل کو اس نے کس طرح اپنے جال میں پھنسایا ہے۔ آخر دونوں ساتھ ہی نوکری کرتے ہیں۔"

"بھابھی! پھنسانا اس کو نہیں کہتے۔" خورشید علی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور لہجہ اتنا سرد تھا کہ قریب بیٹھی زرینہ تک کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی تھی۔

"پھنسایا آپ کی بیٹی نے تھا احسن کو اور جس طرح سے پھنسایا تھا وہ میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں' آپ بھی اور بھائی جان بھی۔ مگر ہم نے ایک لفظ بھی اس بارے میں نہیں کہا کہ عظمیٰ ہماری بھی بیٹیوں جیسی ہے۔ اگر اس نے کم عمری کی نادانی میں کوئی ایسا قدم اٹھا بھی لیا ہے۔ ہمیں اس بات کو اچھالنا نہیں چاہیے۔ پھر آپ کس طرح بیٹھے بٹھائے میری پاک دامن بیٹی پر الزام لگا سکتی ہیں۔ جبکہ اس نے تو کچھ کیا بھی نہیں ہے۔"

کمرے میں یک دم سناٹا چھا گیا۔ خورشید علی کی بات غلط نہیں تھی۔ یہ وہاں موجود سب ہی لوگ جانتے تھے۔ تایا جی کا سر جھک گیا۔ عظمیٰ نے جو کچھ کیا تھا وہ

اس سے انجان نہیں تھے اور وہ چھوٹے بھائی اور بھابھی کی اعلا ظرفی کے بھی دل سے قائل تھے۔ جنہوں نے کبھی اس معاملے میں کچھ نہیں کہا تھا اور آپس کے تعلقات کو بھی ٹھیک رکھا تھا۔ آج بھی اگر تابندہ بیگم، ضوفشاں کے کردار پر انگلی نہ اٹھاتیں تو اس معاملے میں اپنی خاموشی کو برقرار رکھتے۔

"ٹھیک ہے، اگر تم لوگوں نے ہماری بات نہیں ماننی تو نہ مانو، مگر پھر ہم نہ تو اس شادی میں شریک ہوں گے اور نہ ہی تم لوگوں سے کوئی تعلق رکھیں گے۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد تائی جان نے اٹھتے ہوئے حتمی انداز سے کہا تھا۔ خورشید علی نے ان پر ایک نظر ڈال کر بھائی کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے ساری زندگی وہ ہی کیا تھا جو ان کی بیوی نے کہا تھا۔ چاہے وہ غلط ہو یا صحیح۔ مگر وہ ہمیشہ بیوی کی بات ہی مانتے رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے خورشید علی کا دل کانپ سا گیا۔ اس عمر میں بڑے بھائی سے قطع تعلق کرنا اور ان سے بالکل الگ ہو جانا یہ آسان کام نہیں تھا۔ جبکہ پچھلے کچھ سالوں سے ان دونوں بھائیوں کے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ بھی ہو چکے تھے۔ اب اگر حمید علی اپنی بیوی کے کہنے پر ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے تو یہ ان کے لیے بہت تکلیف کا باعث بنتا۔ مگر اپنی تکلیف کے ڈر سے وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو قربان نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے گہری سانس لے کر رہ گئے۔ حمید علی ہنوز سر جھکائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تو خورشید علی کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی تابندہ بیگم کی تقلید کی تھی۔

"اب اٹھ بھی جائیں اور کتنی بے عزتی کروانی ہے۔" انہیں بیٹھا دیکھ کر تابندہ بیگم کو غصہ آگیا۔ حمید علی نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا۔ گوری رنگت اور غلافی آنکھوں والی تابندہ بیگم فربہ ہونے کے باوجود خوب صورت تھیں۔ ساری عمر وہ ان کی خوب صورتی کے اسیر رہے تھے، مگر اس وقت انہیں ان کا حسین چہرہ کسی عفریت سے مشابہ لگ رہا تھا۔ ان کی زندگی میں جتنے خسارے آئے تھے۔ اس عورت کی خود غرضی اور خود پسندی کی وجہ سے ہی آئے تھے۔ ان کا چہرہ تپنے لگا۔

"چپ چاپ واپس بیٹھ جاؤ تابندہ بیگم! تم ہوتی کون ہو مجھے میرے بھائی سے الگ کرنے والی۔" ان کا لہجہ سخت تھا۔ تائی جان ہکا بکا رہ گئیں۔ بھلا حمید علی نے کب ان سے اس لہجے میں بات کی تھی اور ان کے چہرے کے تاثرات..... وہ ایک لمحے کے لیے ڈر سی گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" خود پر قابو پا کر انہوں نے ذرا رعب سے کہنے کی کوشش کی تھی۔

"ہوش میں آگیا ہوں میں۔" تایا جی زور سے دھاڑے۔ "اور کان کھول کر سن لو، اگر آج تم میرے بھائی اور بھابھی کو ناراض کر کے اس کمرے سے نکلیں تو میرے گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ تمہاری وجہ سے میں بہت نقصان اٹھا چکا ہوں۔ اب مزید نہیں۔ اس لیے خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ ضوفی میری بیٹی ہے۔ میری سب سے لاڈلی اور پیاری بیٹی اگر تم نے آئندہ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

غصے سے بولتے ہوئے تایا جی کی آواز بلند تھی اور لہجہ بے حد مضبوط اور تائی جان کو نہ جانے کون سی طاقت نے باور کروایا تھا کہ آج وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں۔ اس پر عمل کرنے میں لحہ بھی نہیں لگائیں گے۔ ان کا رنگ فق ہو گیا اور وہ لڑکھڑا کر کرسی پر گر سی گئیں۔

☆ ☆ ☆

سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔ بڑا سا ہال کمرہ روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ رنگ برنگے غبارے اور فینسی لائٹس نے ماحول کو بڑا پر رونق اور خوب صورت بنایا ہوا تھا۔ مہمانوں کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی۔ سب کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔ ہر طرف قہقہے تھے۔ مسکراہٹیں تھیں اور مسرت کا سماں تھا۔

ضوفشاں نے اپنے ہینڈسم شوہر اور دونوں خوب

صورت بیٹوں کے ساتھ ہال کمرے میں قدم رکھا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ یہ اس کے بھتیجے اور عادل کے اکلوتے بیٹے زین کی سالگرہ کا فنکشن تھا۔ وہ آج پورے سال کا ہوگیا تھا۔ شادی کے تین سال بعد منتوں، مرادوں سے پیدا ہونے والا زین ددھیال اور ننھیال دونوں جگہوں پر سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اس لیے اس کی پہلی سالگرہ بھی اتنی دھوم دھام سے منائی جارہی تھی۔

ضوفشاں کو ایک ضروری میٹنگ کی وجہ سے کچھ دیر ہوگئی تھی۔ وہ اب اپنے ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ تھی اور اسی حساب سے اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ چکی تھیں۔ جن کو وہ بہت خوش اسلوبی سے نبھارہی تھی۔

مزمل بہت خیال رکھنے والا اور تعاون کرنے والا شوہر تھا۔ پھر دونوں کے کام کی نوعیت بھی ایک جیسی تھی۔ اس لیے وہ ضوفشاں کی ذمہ داریوں کو سمجھتا تھا اور اس کے گھر والے بھی بہت اچھے تھے۔ اس لیے دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود ضوفشاں نا صرف اپنی تمام ذمہ داریاں بخوبی نبھارہی تھی، بلکہ بہت فریش اور تازہ دم بھی نظر آتی تھی۔ اسے بچپن سے جو کام کرنے اور اپنے حصے کی ذمہ داریاں اٹھانے کی تربیت ملی تھی۔ وہ تجربہ اس کے بہت کام آرہا تھا اور وہ اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن تھی اور اسے خوش دیکھ کر زرینہ اور خورشید علی کا سیروں خون بڑھ جایا کرتا تھا اور صرف ضوفشاں ہی نہیں ان کے تینوں بچے بہت خوش اور کامیاب زندگی گزار رہے تھے۔

عادل نے سرجری میں اسپیشلائزیشن کی تھی اور اپنے شعبے میں بہت کامیاب تھا۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر تھی اور شہر کی مشہور گائناکالوجسٹ تھی۔ سب سے چھوٹا عمیر کمپیوٹر سائنس میں بی ایس کرنے کے بعد سویڈن سے ایم ایس کرکے آیا تھا اور ایک ملٹی نیشنل سافٹ ویر کمپنی میں آئی ٹی مینیجر کے عہدے پر فائز تھا۔

خورشید علی نے دو سال پہلے گھر کے بالکل برابر والی کوٹھی خرید لی تھی اور اس کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کروانے کے بعد وہ لوگ اس کوٹھی میں شفٹ ہوگئے تھے۔ انہوں نے مکان میں سے اپنا حصہ نہیں لیا تھا اور سارا گھر تایا جی کو مل گیا تھا۔ کیونکہ اب تایا جی کے معاشی حالات اچھے نہیں رہے تھے۔ ان کا کاروبار ٹھپ ہوچکا تھا۔ جو کچھ بھی جمع پونجی تھی، وہ کچھ قاسم کی عیاشیوں کی نذر ہوئی اور باقی کی سمیٹ کر وہ ملک سے باہر چلا گیا۔

تایا جی کافی عرصے سے بیمار تھے۔ ان کو دل کی تکلیف تھی اور ان کی بیماری کا فائدہ اٹھا کر ہی قاسم نے ان کی عمر بھر کی پونجی کا صفایا کردیا تھا۔ اب تایا جی زیادہ تر گھر پر رہتے تھے۔ اوپر والا پورشن انہوں نے کرائے پر دے دیا تھا۔ کچھ جائیداد تھی جس کا کرایہ آجاتا تھا۔ جو ان کی گزر اوقات کے لیے کافی تھا۔

بدلتے وقت اور حالات نے تابندہ بیگم کے کس بل بھی نکال دیے تھے۔ اگرچہ ان کی فطرت تو اب بھی نہیں بدلی تھی۔ مگر اپنا رویہ اب انہوں نے کافی اچھا کرلیا تھا اور زرینہ کے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگ گئی تھیں۔ ویسے بھی ان کی چاروں بیاہی بیٹیوں کو جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا کوئی مدد درکار ہوتی تو یہ زرینہ ہی تھیں جو ایک ماں کی طرح ان کا خیال رکھتی تھیں۔ اس چیز نے تائی جان کے دل میں دیورانی کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کرہی دیا تھا اور بیٹیاں تو اب ویسے ہی چچی کے گن گاتی نہیں تھکتی تھیں۔ جو ہر معاملے میں انہیں بالکل صحیح مشورہ دیتی تھیں۔

سب سے چھوٹی فرح تو بچپن سے ہی چچی سے بہت مانوس تھی اور اب تو اس کا زیادہ وقت گزرتا ہی ان کے گھر میں تھا۔ وہ باٹنی میں ایم فل کررہی تھی اور ہر معاملے میں ضوفشاں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتی تھی۔ ننھے زین میں اس کی جان تھی۔ گھر پر ہوتی تو سارا وقت اسے اٹھائے پھرتی۔ زین بھی اس سے بہت مانوس تھا اور اسے دیکھتے ہی اس کی گود میں آنے کے لیے مچل جایا کرتا تھا۔

”سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا ہے نا امی!“ فردا فردا سب مہمانوں سے مل کر ضوفشاں امی اور تائی کے پاس آبیٹھی۔ تائی نے سیاہ قیمتی لباس اور ہیروں کے نازک سیٹ میں چمکتی دمکتی ضوفشاں کی طرف دیکھا۔ وہ دو

بیٹوں کی ماں تھی، مگر اس نے خود کو بالکل فٹ رکھا ہوا تھا۔ اس لیے وہ اپنی عمر سے کئی سال چھوٹی نظر آتی تھی۔

"ہاں! شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا۔" امی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور عاجزی سے بولیں۔ تائی جان نے ان کے اس انداز پر کچھ بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ انہیں اچھی طرح سے معلوم تھا کہ زرینہ کی عاجزی اور انکساری دکھاوا نہیں ہے۔ ان کے پاس جب کم تھا وہ تب بھی اللہ کی شکر گزار رہتی تھیں اور اب زیادہ تھا تو ان کی شکر گزاری اور عاجزی بھی بڑھ گئی تھی۔ "تائی جان! آپ کیسی ہیں، کبھی میری طرف بھی چکر لگالیا کریں۔" ضوفشاں نے تائی کا بے آرام ہونے کا انداز نوٹ کرلیا تھا۔ اس لیے ان کا دھیان بٹانے کو بہت محبت سے بولی تھی۔ تائی جان کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"بس بیٹا! اب تو کہیں آنا جانا نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ نہ گھر میں گاڑی ہے، نہ کوئی چلانے والا۔ کیسے کہیں جایا کروں۔" انہوں نے کہیں کھو کر شکوہ کیا تھا۔ ضوفشاں اور امی دونوں کو دکھ ہوا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں بھابھی! عادل اور عمیر بھی آپ کے ہی بیٹے ہیں اور گاڑیاں بھی گھر میں موجود ہیں۔ آپ کا جہاں دل چاہے جایا کریں۔" امی نے فوراً" کہا تھا۔ تائی جان کے چہرے پر تھوڑی سی رونق آگئی۔

"ہاں وہ دونوں تو بہت اچھے ہیں۔ جب بھی کہیں جانے کا کہوں، کبھی انکار نہیں کرتے اور تمہارے تایا کو تو وہی ہاسپٹل لے کر جاتے ہیں۔" وہ اب ضوفشاں کو بتا رہی تھیں۔ ضوفشاں سرہلاتے ہوئے مسکرا دی۔ اسی وقت سجی سنوری فرح وہاں چلی آئی۔ گلابی رنگ کے خوب صورت فراک میں ملبوس وہ بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔ اس کا مزاج مختلف، لیکن رنگ روپ بالکل تائی جان اور اپنی بڑی بہنوں جیسا تھا۔

"ماشاء اللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔" کھڑے ہوکر اسے گلے لگاتے ہوئے ضوفشاں نے محبت سے کہا تھا، فرح شرماگئی۔

"آپ بھی بہت اچھی لگ رہی ہیں آپی!" اس نے مسکرا کر جوابی تعریف کی تھی۔ ضوفشاں ہنس دی اور اپنی طرف آتے عمیر کو دیکھنے لگی۔ جس نے زین کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ جو فرح کو دیکھتے ہی اس کی طرف ہمکنے لگا۔

"اسے تو فرح کے سامنے کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔" ضوفشاں نے زین کو اپنی گود میں لے کر چومتے ہوئے کہا۔ زین مزید مچلا اور منہ بسورنے لگا۔ ضوفشاں نے ہنستے ہوئے اسے فرح کی طرف بڑھادیا۔

"آج اس کی سالگرہ ہے، اسے رلانا نہیں ہے بالکل بھی..." اس نے عمیر کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ جو بے خود سا فرح کے سجے سنورے روپ کو دیکھے جارہا تھا اور فرح اس کے یوں دیکھنے سے گلابی ہوئی جارہی تھی۔ وہ محبت سے مسکرا دی۔ وہ ان دونوں کی ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی سے واقف تھی اور جلد ہی اس بارے میں امی، ابو سے بات بھی کرنے والی تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ نا صرف امی، ابو بلکہ تایا جی اور تائی بھی اس رشتے سے بہت خوش ہوں گی۔ فرح تو خیر شروع سے ہی امی، ابو کی لاڈلی تھی اور عمیر اب پچھلے کچھ عرصے سے تایا جان اور تائی کی آنکھوں کا تارا بن گیا تھا۔

کیک کٹنے کا وقت آگیا تھا۔ اس لیے سب لوگ اس ٹیبل کی طرف جانے لگے، جس پر کیک رکھا تھا اور عادل کیک کے اوپر لگی ننھی سے موم بتی کو روشن کررہا تھا۔

"آئیں بھابھی! ہم بھی ادھر چلتے ہیں۔" باقی لوگوں کے جانے کے بعد زرینہ نے سوچوں میں گم جٹھانی کو مخاطب کرکے کہا تھا۔

"ہاں چلو!" تابندہ بیگم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر فوراً" ہی اٹھ گئیں اور دونوں اس طرف بڑھ گئیں جہاں رونق تھی اور روشنیوں کا بسیرا تھا۔

☆ ☆

سالگرہ نمبر

سمیرا غزل

رُت بہار کی

بہار اپنے جوبن پر تھی ہر سو کھلکھلاتی ہریالی اور تاحد نگاہ پھیلے سکون نے اسے بھی پرسکون کرڈالا تھا وہ کب سے مقامی پارک میں اک سنگی بینچ پر بیٹھی قدرت کے اس حسین منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی مارچ کا مہینہ اسے ہمیشہ سے ہی خاص لگتا تھا نہ صرف اس لیے کہ بہار اپنے عروج پہ ہوتی تھی بلکہ اس کی سالگرہ بھی اسی ماہ کی چودہ تاریخ کو ہوتی تھی آج چودہ تاریخ تھی شام کے سائے دھیرے دھیرے رات کی جانب بڑھ رہے تھے اور ڈوبتا سورج اس کی زندگی سے ایک حسین سال ڈوب رہا تھا اس نے اک مسکان سے سورج کی جانب دیکھا پھر جلدی سے ہاتھ میں بندھی رسٹ واچ پہ نظر دوڑائی جو پانچ بج کر تیس منٹ کا عندیہ دے رہی تھی۔

"ہو خدایا مظہر آنے والے ہوں گے جلدی سے گھر چلتی ہوں" وہ یہاں روزانہ پڑوس والی نگہت کے ساتھ واک کرنے کی غرض سے آتی تھی آج وہ تھک گئی تھی تو سنگی بینچ پہ بیٹھ گئی تھی جبکہ نگہت واک کرنے میں مصروف تھی۔

اس نے جلدی سے نگہت کو آواز دی پھر وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں گھر کی جانب آگئیں اسے اس وقت صرف مظہر کے گھر لوٹنے کی جلدی تھی یہ سوچے بنا کہ قسمت اس کے لیے کچھ اور ہی طے کیے بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں نا یہ چوڑیاں تمہاری گوری کلائی میں" مظہر نے اپنے سانولے ہاتھوں سے حنا کے مخملی حنائی ہاتھ میں چوڑیاں پہناتے ہوئے اس کی تائید چاہی تھی اس کے لہجے میں محبت کی کھنک تھی۔

"اچھی تو ہیں پر..." بولتے بولتے اس کی زبان رک گئی تھی۔

"پر کیا حنا بتاؤ نا۔" مظہر نے ہمیشہ کی طرح اس کے دل کا حال جاننا چاہا تھا۔

"تم جانتے ہو نا میرے پاس ایک بھی سونے کی چوڑی نہیں ہے شادی سے پہلے تو خیر کبھی سونا پہننا نصیب نہ ہوا مگر اب تو میری شادی ہوگئی ہے کیا اب بھی میں کبھی سونا نہیں پہن پاؤں گی منہ دکھائی میں بھی تم نے مجھے بس اک سونے کی لونگ پہنادی تھی اب ہماری شادی کو ایک سال ہوگیا ہے مگر اب بھی تم مجھے یہ کانچ کی چوڑیاں ہی لا کے پہنادیتے ہو جو ایک ہفتے میں ہی ٹوٹ جاتی ہیں مگر اب مجھے نہیں پتا میری سالگرہ پہ مجھے سونے کی چوڑی ہی چاہیے۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی مظہر کے چہرے پہ اک رنگ ٹھہر سا گیا تھا بے بسی کا۔

وہ اک مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی آمدنی محض اتنی ہی تھی کہ گھر کا گزر بسر ہوجائے مگر پھر بھی اس کی ہمیشہ سے ہی کوشش ہوتی تھی کہ حنا کی

ہر خواہش پوری کرے مگر اس کی خواہش سن کے وہ
بے بس ہو کے رہ گیا تھا۔
"مگر۔۔۔ حنا تم تو جانتی ہو کہ یہ ممکن نہیں فی الحال گھر
کا گزارہ ہی مشکل سے ہوتا ہے میری اتنی کم آمدنی میں
بھی اماں گھر کس طرح چلا رہی ہیں یہ تو وہی جانتی ہیں۔"
وہ صرف اسے سمجھا ہی سکتا تھا۔
"مگر۔۔۔ کیا مظہر ایک تو تم جو کماتے ہو اپنی اماں
کے ہاتھ میں تھما دیتے ہو کبھی ہمارے لیے بھی کچھ بچا
کے رکھا ہے تم نے اگر رکھا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نہ
پڑتا۔" جو بھی تھا جیسا بھی تھا وہ اپنی ماں کے حوالے
سے کبھی کوئی غلط بات برداشت نہ کر سکتا تھا ایک اس
کی ماں ہی تھیں جنہوں نے اس کے ابا کے انتقال کے
بعد سلائیاں کر کے اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی پرورش کی
اسے اس قابل بنایا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم حنا یاد رکھنا میں آئندہ اماں کے
حوالے سے کوئی بات نہیں سنوں گا۔" اس کا لہجہ ایک
دم تیز ہوا تھا حنا نے ٹپ ٹپ آنسو برسانا شروع کر
دیے تھے اور یہی وہ مقام ہوتا تھا جہاں مظہر اس کے
آگے ہار جاتا تھا۔ وہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا وہ
اس کی خالہ کی بیٹی اور اس کی بچپن کی محبت تھی پھر کیسے
وہ اس کے آنسو گوارہ کر لیتا۔

"اچھا رومت میں کوشش کروں گا۔" اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"کوشش نہیں مجھے لازمی چاہیے۔" اس نے ضد کی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کی ضد پوری کرنے کے بارے میں سوچنے لگا تھا جبکہ وہ کچھ ہی دیر میں پرسکون نیند سوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆
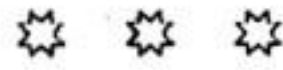
"اماں آپ کے پاس کچھ پیسے جمع ہیں کیا" اب کے اس نے تنخواہ دی تو حنا کی خواہش کے حوالے سے ماں سے بات کرنا ضروری سمجھا وہ ایسا ہی تھا اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ماں سے ضرور کرتا تھا۔

"خیریت بیٹا یہ اچانک تمہیں پیسوں کی ضرورت کیسے پڑ گئی بھئی۔" پاندان بند کرکے پان منہ میں رکھتے ہوئے وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"اماں وہ میں سوچ رہا تھا کہ اس بار حنا کی سالگرہ پہ اسے سونے کی اک چوڑی بنوادوں اس کے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے۔" نظریں جھکا کے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"پیسے تو ہیں بیٹا مگر وہ میں نے تیرے آنے والے بچے کے لیے سنبھال کے رکھے ہیں ابھی تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر جب ہوگا تو علاج وغیرہ کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے تمہاری تنخواہ سے میں باقی اخراجات نکال لیتی ہوں اور بیٹا یہ اس کی خواہش ہو یا تمہاری۔ تم بہو کو سمجھاؤ کہ پیسے سے زیادہ پیار ضروری ہے ہمیں اللہ کا شکرادا کرنا چاہیے کہ اپنی چھت ہے دو وقت کی روٹی مل رہی ہے اور کیا چاہیے ہاں اگر اللہ کی رضا سے تمہاری تنخواہ بڑھ جائے تمہاری ترقی ہو جائے تو بے شک اپنی خواہش پوری کرلینا مگر اس وقت تم سمجھ رہے ہو نا کہ یہ ممکن نہیں۔" جہاں آرا بیگم صبر و قناعت پسند عورت تھیں انہوں نے ایک مشکل وقت کاٹا تھا سو بیٹے کو بھی انہوں نے صحیح مشورہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

"جی ٹھیک ہے اماں۔" مظہر کو اماں کی بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑی حنا نے ساری بات سن کے نفرت سے اپنی ساس کو دیکھا تھا اور غصے سے پھنکارتی ہوئی کچن میں آگئی تھی۔

"آپ کی اماں آخر چاہتی کیا ہیں ان سے ہمارا کھایا پیا دیکھا کیوں نہیں جاتا ہر چیز میں پابندی کبھی کوئی سوٹ بنالو تو وہ فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے کوئی چیز آپ سے منگا کے کھالوں تو وہ ان سے برداشت نہیں ہوتا کیا آپ کی سیلری پہ میرا کوئی حق نہیں" مظہر کے کمرے میں آتے ہی وہ اس پہ پھٹ پڑی تھی۔

مظہر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اسے سمجھائے کہ اماں اس کی دشمن نہیں ہیں وہ تو بس یہی چاہتی ہیں کہ مہنگائی کے اس دور میں ہم سنبھل کے چلیں تاکہ ہمیں کسی مشکل یا برے وقت میں کسی کی محتاجی نہ ہو۔

"دیکھو حنا تم غلط سمجھ رہی ہو اماں تو بس اتنا چاہتی ہیں کہ ابھی ہم سنبھل کے خرچ کریں پھر جب حالات بہتر ہوں گے تو میں خود تمہیں چوڑی بنوادوں گا لیکن ابھی ممکن نہیں۔" مظہر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ بنوادیں گے اب اماں نے منع کردیا تو آپ کہہ رہے ہیں کہ بعد میں بنوادیں گے، مجھے نہیں پتا مجھے اسی دفعہ چاہیے۔" حنا نے جیسے ضد باندھ لی تھی مظہر لب کاٹ کے رہ گیا تھا۔

"میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی میں بتارہی ہوں آپ کو اگر آپ نے مجھے بنوا کے نہیں دی تو۔" مظہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولنے چاہے ہی تھے کہ حنا نے دوٹوک کہہ کے بات ہی ختم کردی تھی مظہر جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اب اس کی کوئی بات نہیں سنے گی اور شاید اسی نے اس کی ضدیں پوری کر کے اسے ضدی اور ہٹ دھرم بنادیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آج آپ میرے لیے کچھ بھی نہیں لائے حالانکہ

کل رات کو میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ مجھے کریم اور تکہ لا دیئے گا لیکن..." مظہر کو خالی ہاتھ آفس سے لوٹتے دیکھ حنا نے شکوہ کیا تھا مظہر محض غم سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا نہ سلام نہ دعا نہ ہی کوئی خیر خیریت کا استفسار وہ کتنی خود غرض سی لگ رہی تھی اسے اس پل۔

"تمہاری سالگرہ کا گفٹ خریدوں یا تمہاری روز روز کی نت نئی فرمائش پوری کروں اتنا پیسہ نہیں ہے میرے پاس۔" بیگ غصے میں بیڈ پہ پٹختے ہوئے اس نے نہایت تلخ لہجے میں کہا تھا۔

حنا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ مظہر نے اس سے اس طرح بات کی ہو وہ تو ہمیشہ اس کی ہر فرمائش پوری کرتا تھا اس کا لہجہ ہمیشہ محبت سے بھرپور ہوتا تھا پھر آج یہ کیا ہو گیا تھا حنا کی سمجھ سے باہر تھا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو، غصہ کیوں کر رہے ہیں بلا وجہ۔"

"بلاوجہ.... میں تھک گیا ہوں تمہارے روز روز کے فرمائشی پروگرام سے کبھی تو سوچ لیا کرو کہ سارا دن کس قدر محنت کر کے گھر آتا ہوں سکون کے لیے اور تم نہ حال پوچھتی ہو نہ کچھ آتے ہی تمہاری فرمائشیں اور شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں اب پلیز مزید کچھ بول کے بحث مت شروع کر دینا میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے جاؤ جا کے چائے بناؤ میرے لیے پلیز اور میں اماں کے پاس جا رہا ہوں وہیں لے آنا میری چائے۔" مظہر کے تو آج رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے حنا چاہ کے بھی کچھ نہ بول پائی تھی۔

بس بے بسی سے مظہر کو کمرے سے جاتا دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر یہ مظہر کا معمول ہی بن گیا تھا وہ جب بھی کوئی چیز منگاتی مظہر سالگرہ کے تحفے کا کہہ کے اسے منع کر دیتا نہ صرف یہ بلکہ اس کا رویہ بھی حنا کے ساتھ کافی بیگانہ ہو چلا تھا۔

اس کی سالگرہ میں بھی پندرہ دن ہی رہ گئے تھے حنا کا وزن کافی حد تک بڑھنے لگا تھا اسی لیے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس نے مظہر اور اماں سے اجازت لے کے اپنی پڑوسن نگہت کے ساتھ واک پہ جانا شروع کر دیا تھا نگہت نہ صرف اس کی پڑوسن تھی بلکہ اس کی بہت اچھی دوست بھی بن گئی تھی یہی وجہ تھی کہ دونوں بلا جھجک ایک دوسرے کے مسائل پہ کافی حد تک تبادلہ خیال کر لیتی تھیں اس کی سالگرہ سے ایک دن پہلے جب وہ دونوں واک کر کے تھک گئیں تو سنگی بینچ پہ تھوڑی دیر آرام کی غرض سے بیٹھ گئی تھیں جب ہی حنا کی نظر نگہت کی ناک میں چم چم کرتی لونگ پہ پڑی تھی۔

"ارے واہ نگہت یہ لونگ تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے کس نے دی آج پہلی دفعہ تمہیں یہ پہنے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔" حنا کے لہجے میں ستائش ہی ستائش بڑے اشتیاق سے اس نے یہ سوال کیا تھا۔

"وہ دراصل کل میری شادی کی سالگرہ تھی تو ناصر نے مجھے یہ لونگ اور یہ چوڑیاں پہنائی تھیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے اپنی کلائی میں موجود کانچ کی سرخ چوڑیاں اسے دکھائی تھیں اس کے چہرے پہ محبت کی دھنک تھی حنا کچھ بے زار سی ہوئی تھی۔

"ارے یہ کیا بات ہوئی بھلا سال میں ایک دفعہ تو شادی کی سالگرہ آتی ہے اس پہ بھی ناصر بھائی نے تمہیں کانچ کی چوڑیاں پہنا دیں بندہ کوئی گولڈ کی چیز ہی دے دیتا ہے اور یہ لونگ تو سونے کی ہے نا؟" وہ ہر کسی کو اپنی ہی نظر سے دیکھنے کی عادی تھی سو نگہت کو بھی اپنے جیسا سمجھ بیٹھی یہ جانے بغیر کہ اس کی بات نگہت کو سخت ناگوار گزری ہے۔

"حنا پلیز مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس قدر سطحی سوچ رکھتی ہو یہ لونگ بھلے ہی سونے کی نہ ہو مگر چاندی کی ضرور ہے اور میرے لیے سونا یا چاندی ضروری نہیں اپنے شوہر کی محبت ضروری ہے۔ جس طبقے سے ہمارا تعلق ہے وہاں آدمی دن رات محنت کر کے صرف چند ہزار ہی کماتا ہے اس میں سے ہم گھر چلائیں گے یا اپنی آسائشیں پوری کریں گے انسان کو یہی کوشش کرنی چاہیے کہ اڑے وقت کے لیے کچھ بچا کے رکھے یہ

پیسہ تو ہاتھوں کا میل ہے اور یہ چوڑیاں میرے لیے کسی سونے سے کم ہیں کیونکہ اسے میرے شوہر نے اپنی خون پسینے کی کمائی سے بہت محبت سے خریدا ہے بہت محبت سے انہیں میرے ہاتھوں میں پہنایا ہے۔ پلیز آئندہ اس طرح کی سوچ مت رکھنا تم میری دوست ہو مجھے عزیز ہو اسی لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں" نگہت فوراً" جذباتی ہوئی تھی۔

اس نے حنا کی سوچ کو بدلنا اس کی اصلاح کرنا ضروری سمجھا تھا۔ جواباً" حنا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی تھی میٹرک پاس نگہت اس گریجویٹ پاس حنا کو نہایت بودا بنا گئی تھی اسے اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ اس نے ان آسائشوں کے پیچھے اپنے بھولے بھالے مظہر کو خود سے دور کر دیا ہے مزید بنا کوئی بات کرے وہ اور نگہت گھر کو آ گئی تھیں کہنے کو اب کچھ بچا بھی نہ تھا کل اس کی سالگرہ تھی اور آج اسے ہر صورت میں مظہر کو منانا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج نجانے ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ مظہر روز مرہ کے معمول کے برخلاف ابھی تک نہیں لوٹا تھا گھڑی کی سوئیاں دس بج کر پندرہ منٹ کا عندیہ دے رہی تھی اتنی رات تو اسے کبھی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ تو ہمیشہ ہی شام پانچ یا چھ بجے تک گھر آ جاتا تھا وہ اور اماں کب سے اس کی سلامتی کی دعا میں مصروف تھیں حنا بار بار مظہر کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی بیل جانے کے باوجود اس کی کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی یہی بات اس کے لیے نہایت تشویش ناک تھی۔

"بیٹا تم بیٹھ جاؤ فکر مت کرو کب سے یہاں وہاں ٹہل رہی ہو۔" وہ نہ صرف مظہر کی اماں تھیں بلکہ اس کی خالہ بھی تھیں سو اس کے ساتھ مخلص تھیں اور یہ بات آج حنا کو بھی سمجھ آ گئی تھی ورنہ تو اس نے روایتی بہوؤں کی طرح انہیں ہمیشہ اپنی ساس ہی سمجھا تھا۔

"اماں کیا کروں میں" آپ کریں نا کچھ پلیز مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔" روتے ہوئے وہ اماں کے گلے لگ گئی تھی کل اس کی سالگرہ تھی اور آج ہر حال میں اسے مظہر کو منانا تھا منع کرنا تھا کہ اسے کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کی محبت کے۔

"بس کرو بیٹی رو مت۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں اسی اثنا میں ڈور کی بیل بجی تھی اور مظہر لوٹ آیا تھا اماں نے گیٹ کھولتے ہی اس کی کلاس لی تھی جواباً" وہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی جی حضوری کرتا گیا تھا اماں کے جانے کے بعد اس نے مظہر کے لیے کھانا گرم کیا تھا مگر مظہر کا جواب اسے دکھ سے دوچار کر گیا تھا اس نے بھی مظہر کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا میں دوستوں کے ساتھ کھانا کھا کے آیا ہوں پلیز یہ جاؤ یہ اور لائٹ بند کر دو میں آج بہت تھک گیا ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ کمبل منہ تک اوڑھ کے لیٹ گیا تھا حنا کے لب اس کی بے رخی پہ سل گئے تھے اپنی کوتاہیوں پہ ماتم کناں ٹرے اٹھا کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

چودہ مارچ کی شام کو جب وہ پارک سے لوٹی تو مظہر کی من پسند ڈشز چکن کڑاہی اور کھیر بنانے میں جت گئی اسے بے صبری سے مظہر کا انتظار تھا اس لیے نہیں کہ اسے وہ چوڑیاں چاہیے تھیں بلکہ اس لیے کہ اسے اس کا پیار چاہیے تھا اسے اچھی طرح سے مظہر کے صبح جاتے وقت کے الفاظ یاد تھے۔

"معاف کرنا کہ میں تمہیں ابھی وش نہیں کر پاؤں گا ہاں مگر شام کو تمہارے گفٹ کے ساتھ ضرور وش کروں گا۔" سپاٹ لہجے میں اتنا کہہ کے وہ زن سے بائیک لے اڑا تھا یہ دیکھے بنا کہ حنا کل سے اس سے کچھ کہنے کا موقع ڈھونڈ رہی ہے وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ ڈور بیل کی آواز سن کے تیزی سے دروازے کی جانب لپکی تھی۔

"آ گئے آپ گاڑی کہاں ہیں اندر نہیں کریں گے

کیا۔" فہد کو بنا بائیک کے اندر آتے دیکھ اس نے استفسار کیا تھا۔

"نہیں گاڑی نہیں ہے اب۔۔۔" سپاٹ لہجے میں فقط اتنا ہی کہا گیا تھا۔

"کیا مطلب گاڑی نہیں ہے اب سب خیریت تو ہے نا۔" وہ فوراً" پریشان ہوئی تھی اور اس کے پیچھے کمرے تک گئی تھی اماں نماز میں مشغول تھیں ورنہ وہ بھی ضرور پوچھتیں۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے۔" اس کا جواب نہ پا کر اس نے دوبارہ مظہر کا ہاتھ پکڑ کے پوچھا تھا۔

"یہ اپنا گفٹ لو پہلے اور تمہیں سالگرہ مبارک ہو۔" سونے کی دو چوڑیاں اس کی جانب بڑھاتے ہوئے اس نے کہا اور بیڈ پہ دراز ہو گیا۔

"مظہر پلیز مجھے یہ سب نہیں چاہیے آپ بتائیں نا سب خیریت تو ہے نا گاڑی کہاں ہیں آپ کی۔" چوڑیاں واپس دیتے ہوئے اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"بیچ دی ہے میں نے اپنی بائیک اور اسی کے پیسوں میں اور پیسے ملا کے تمہارا یہ گفٹ لیا ہے اب تو خوش ہو نا۔" اس کے لہجے میں طنز تھا حنا کی آنکھیں بھر آئی تھیں نہ پیار نہ محبت بس ہاتھ میں لا کے تھما دیا گفٹ کیا یہ تھی اس کی شادی کے بعد کی پہلی سالگرہ ایسا تو نہیں سوچا تھا اس نے کبھی بھی اور ایسا بھی اس کی اپنی وجہ سے ہوا تھا وہ بے اختیار روتی ہوئی اس کے پیروں میں گر گئی تھی مظہر فوراً" کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو حنا چھوڑو پلیز۔" جو بھی تھا جیسا بھی تھا حنا اس طرح معافی مانگے گڑگڑائے ایسا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"مت روکیں آپ مجھے پلیز کل سے یہی کہنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ مجھے کوئی سونا چاندی نہیں چاہیے آپ کیوں اتنے دن سے مجھ سے بے رخی برت رہے ہیں پلیز مجھے آپ کے پیار کے سوا کچھ نہیں چاہیے میرا یقین کریں یہ میری غلطی ہے کہ میں نے اماں کو غلط سمجھا آپ کو ناراض کیا مگر میں شرمندہ ہوں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی پلیز ایک بار مجھے معاف کر دیں اور پلیز یہ چوڑیاں واپس کر کے اپنی بائیک لے آئیں۔" کان پکڑ کے دل سے اعتراف جرم کرتی وہ سیدھا اس کے دل میں اتر گئی تھی اسی پل کے لیے تو وہ ہر وقت اللہ سے دعا کرتا تھا سو کیسے نہ معاف کرتا وہی تو تھی اس کی زندگی اس کا پیار اس نے آگے بڑھ کے اسے تھام کے اپنی محبت سے نواز دیا تھا۔

"مگر تمہارا گفٹ۔۔۔ اس کا کیا کریں اب" اس کی ناک پکڑ کے مظہر نے چھیڑا تھا۔

"مجھے کوئی گفٹ نہیں چاہیے آپ کا ساتھ آپ کا پیار میرے لیے سب کچھ ہے آپ جلدی سے فریش ہو جائیں اماں کے پاس چلتے ہیں میں نے آپ کے لیے چکن کڑاہی بنائی ہے۔" اس کے لہجے میں اماں کے لیے بھی محبت تھی وہ نہال سا ہو گیا تھا۔

"سالگرہ مبارک میری جان۔۔۔ میری متاع حیات اور جلدی سے تیار ہو جاؤ ساتھ چل کے کوئی اچھا سا ڈریس اور اپنی من پسند چوڑیاں لے لینا میں بائیک کل لے آؤں گا واپس ویسے بھی میں نے بائیک گروی رکھ کے چوڑیاں خریدی تھیں۔" وہ چوڑیاں واپس تو نہیں کرنا چاہتا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس کی جیب اسے ابھی اجازت نہ دیتی تھی اور اب تو حنا بھی خوش تھی اس کی خوشی سے بڑھ کے اس کے لیے کچھ تھا بھی نہیں۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس کے سینے میں سر چھپا کے اس نے مسکرا کے کہا تھا یہ اس کی پہلی سالگرہ تھی جس نے ان کے رشتے سے ہر کدورت و بد گمانی کو دھو ڈالا تھا اور بہار کی رت لوٹ آئی تھی جس کے سنگ ان کی باقی کی زندگی گزرنی تھی۔

بقیہ سروے

میرے خیال سے یہ ہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہوتی ہیں جو زندگی میں رنگ بکھیر دیتی ہیں۔ میرا ماننا ہے آپ کو خوشیاں جہاں سے ملیں جمع کیجیے کیونکہ زندگی میں خوشیاں ہیں کم اور زیادہ ہیں غم لہٰذا خوشی منانے کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کو ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو سمیٹ لینا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ باقاعدہ پارٹی کا اہتمام کیا جائے صرف ایک کیک کاٹ کر یا پھر کچھ میٹھا بنا کر کھا کر بھی ہم اپنا دن خوش گوار بنا سکتے ہیں' تاکہ آنے والے نئے سال کی شروعات خوشیوں کے سنگ کر سکیں۔

میری فیملی چونکہ حیدر آباد میں رہائش پذیر ہے۔ اس لیے میں اپنی سالگرہ بہت سادگی سے ہی مناتی ہوں۔ دو رکعت شکرانے کے نفل ادا کرنے سے دن کی شروعات ہوتی ہے۔ اس کے بعد کچھ میٹھا بنا کر کھا لیتی ہوں اور پھر شام تک کسی نہ کسی فرینڈ کی آمد ہو جاتی ہے' جبکہ ایس ایم ایس اور فیس بک کے ذریعے Wishes کا سلسلہ رات تک جاری رہتا ہے۔

2۔ تحفے تحائف کا تبادلہ آپس کے رشتوں کو پیار و محبت اور خلوص کی ڈور سے مضبوط کرتا ہے۔ مجھے تحائف دینا اور لینا دونوں ہی پسند ہے' میں تقریباً اپنی تمام فرینڈز کو ان کی سالگرہ کے موقع پر تحفے دیتی ہوں اور وہ بھی مجھے اکثر گفٹس دیتی ہیں۔ ہر وہ تحفہ جو کسی نے آپ کو دیا وہ بہت قیمتی ہے کیونکہ اس میں دینے والے کا خلوص اور پیار شامل ہوتا ہے اور دنیا میں اب تک وہ پیمانہ وجود میں نہیں آیا' جس سے ہم کسی کے پیار و خلوص کو ناپ سکیں۔ ہر وہ تحفہ جو میں نے کسی فرینڈ کو دیا یا کسی نے مجھے وہ خوشی دیتا ہے اور ہر وہ تحفہ جو میں نے اپنی لاڈلی سسٹر کو دیا' میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔

پچھلے سال جب میرا حیدر آباد جانا ہوا تو وہاں میں نے اپنی سسٹر کے ساتھ شاپنگ کی اور اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے پرفیوم ڈریس اور میچنگ ایر رنگ وغیرہ یہ کہہ کر خریدے کہ اس بار تمہاری چوائس کا ہی مجھے سب لینا ہے اور پھر گھر آنے کے بعد میں نے وہ سب چیزیں پیک کرکے اگلے دن اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کر دیا۔ گفٹ کھولنے کے بعد کتنی دیر تک وہ حیران سی رہی' کیونکہ اس کے خیال میں یہ سب تو میں نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔ اس لیے وہ کافی حیران بھی ہوئی اور خوش بھی۔ یہ ہے تو بہت چھوٹی سی بات مگر ہے بہت خاص' یہ ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہمارے اردگرد خوشیاں بکھیر دیتی ہیں۔

جبکہ ابھی اسی مہینے جب میری ایک پیاری سی دوست کی برتھ ڈے تھی۔ میں نے اس کے ساتھ شاپنگ کی اور اس کی پسند کا گفٹ دلوایا' جو کہ میرے لیے ایک یادگار تحفہ ہے' میرا ماننا ہے تحفہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا حیثیت ہمیشہ اپنی مدنظر رکھو اور پسند ہمیشہ سامنے والے کی۔

3۔ تغیر و تبدیلی کا عنصر کرۂ ارض میں ہمیشہ سے ہر چیز میں نمایاں پایا جاتا ہے۔ جس طرح ہر رات کے بعد دن' پت جھڑ کے بعد بہار' غم کے بعد خوشی' الغرض ہر چیز وقت کے ساتھ تبدیلی کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ دیکھا جائے تو کرن کے تمام سلسلے ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہیں۔ مگر ایک چھوٹی سی کمی جو نظروں سے بارہا گزری اور دل میں سوال بھی اٹھے پر لب چپ رہے' مگر آج سروے کے ذریعے ہمیں موقع مل ہی گیا لب کشائی کا۔ "نامے میرے نام" جو کہ ایک بہت اچھا سلسلہ ہے۔ ہمارے خیالات منظرعام پر آتے ہیں۔ ہمارے خطوط کے جوابات بھی ہونے چاہیے۔ مختصر ہی سہی۔ تو بس میری نظر میں کرن میں اتنی تبدیلی کی ضرورت ہے' آفٹر آل کرن از پرفیکٹ.....

4۔ کرن کے سارے شمارے ساری تحریر پھر چاہے وہ سالگرہ نمبر ہو یا عید نمبر کے حوالے سے سب ہی بہت معیاری ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ آپ نے سوال پوچھا ہے تو جواب لازمی ہے کہ مصداق میری نظر میں

گزشتہ سال کی جو بہترین تحریر قرار پائی۔ وہ اگست 2014ء کے شمارے میں شائع حنا یاسمین کے قلم سے لکھی گئی۔ "صدائے کن فیکون" ہے۔ نام ہی سے ظاہر ہے یہ تحریر واقعی سب سے الگ رہی۔ حنا یاسمین نے بہت اچھے موضوع پر قلم کو رکھا۔ واقعی آج کل ہمارے اردگرد مغربی تہذیب و مغربی معاشرے کے رنگ ڈھنگ نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ اس سے پہلے ہماری آنے والی نسلیں اپنے مذہب معاشرے و ثقافت سے بھٹک جائے اس سے پہلے کہ ان کی زبان کلمہ بھول کر گانوں کے بول پر اتر آئے۔ خدارا اپنی آنے والی نسلوں کی بقا کے لیے جاگ جائیں۔

5 ۔ آج کل بڑھتی مہنگائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے ایک بہت اچھے اور سادہ سے کیک کی ترکیب حاضر ہے' جو کہ میری ایک بہت پیاری سی دوست کی والدہ نے سکھائی۔ کم خرچ بالا نشین کے طور پر یہ ترکیب آپ کے ساتھ شیئر کررہی ہوں۔ امید ہے آپ لوگ بھی اس سے مستفید ہوں گے۔

اجزا :

میدہ	ایک کپ
انڈے	دو عدد
پسی ہوئی چینی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
(مکھن کی جگہ ہم تیل استعمال کریں گے)	
بیکنگ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

میدہ اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر اچھی طرح چھان لیں۔ دونوں انڈوں کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر اس میں چینی ڈالیں اور اچھی طرح بیٹ کریں' پھر آئل اور کوکو پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح بیٹ کریں۔ اب میدہ ڈالتے جائیں اور مکس کرتے جائیں' جب مکسچر تھوڑا Hard سا فیل ہونے لگے تو گریس لیے ہوئے کیک کے سانچے میں اس مکسچر کو ڈال دیں۔ کیک کے مکسچر کے لیول کو برابر کرنے کے لیے سانچے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سلیب پر ہلکا سا پٹکیے اس طرح گولائی میں سانچے کو گھماتے ہلکا ہلکا ٹپکتے جائیں' تاکہ چاروں اطراف سے مکسچر کا لیول برابر ہوجائے۔ اب ایک پتیلی کی تہ میں گول پتھر ڈالیں اور اسے اچھی طرح تیز آنچ پر گرم کریں' جب پتیلی گرم ہوجائے تو احتیاط کے ساتھ کیک کے سانچے کو پتھروں کے اوپر رکھ کر پتیلی کو اچھی طرح ڈھانپ دیں' تاکہ بھاپ باہر نہ نکل پائے۔ تقریباً" 20 منٹ بعد کسی چھری یا پیک کی مدد سے مکسچر کو چیک کیجیے' اگر چھری یا ٹوتھ پیک پر مکسچر لگے تو کیک کو تھوڑا اور پکنے دیں اور پھر ٹھنڈے ہونے پر اپنی من پسند ٹوپنگ کیجیے۔

چاکلیٹ ٹوپنگ کے لیے۔ 2 چمچے کوکو پاؤڈر میں 2 چمچے پسی ہوئی چینی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پھر کیک کے اوپر چاکلیٹ کی Layer کردیں۔ لیجیے جناب سادہ اور آسان سا کیک تیار۔

نوٹ۔ سانچے کو پتیلی میں رکھنے کے بعد آنچ دھیمی کردیں اور کیک کو دھیمی آنچ پر ہی پکنے دیں۔

نشا نورین..... بوتالہ جھنڈا سنگھ

1 ۔ یہ تو سچ ہے ایک سال کم ہوجاتا ہے' مگر ایک طرف دیکھیں تو آج کے دور میں ٹینشن اتنی ہوگئی ہے کہ خوشی کے لمحے تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ سالگرہ کے موقع میں اپنے جب اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اپنوں کو ملنے کا ایک موقع مل جاتا ہے۔ میں اپنی سالگرہ سادگی سے اپنوں کے ساتھ مناتی ہوں اور یادگار لمحے اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیتی ہوں۔

2 ۔ اپنوں یا دوستوں سے گفٹ ملنے کی خوشی ہی الگ ہوتی ہے' مگر میں زیادہ ڈائری یا پین لینا پسند کرتی ہوں۔

زیادہ گفٹ بھی اسے ہی ملتے ہیں۔ مگر دعاؤں سے زیادہ کوئی گفٹ نہیں ہوتا۔ میں نے زیادہ گفٹ صائقہ کو دیے ہیں۔

3 ۔ کرن کا ہر سلسلہ اچھا ہے' مگر بس تھوڑی سی تبدیلی وہ یہ کہ خطوں کے جواب دیں اور "آواز دے کہاں" سلسلہ دوبارہ لے آئیں۔

4 ۔ کرن کی ہر تحریر ہر سال اے ون ہوتی ہے اور ہر رائٹر اپنی جگہ اچھا لکھتیں ہیں' مگر اف "دردل" ناول کی بات ہی اور تھی ہر ماہ شدت سے انتظار ہوتا تھا' جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے۔ اس ناول میں بہت کچھ سیکھا ہے اور رائٹر کا نام نبیلہ عزیز ہے ویلڈن نبیلہ جی۔

5 ۔ سالگرہ کیک کے بن ادھوری ہے' مگر میں کیک بازار سے منگواتی ہوں' گھر نہیں بناتی اس لیے سوری ترکیب کے لیے۔

افشاں یاسر گوندل۔۔۔ اٹاوہ

کرن کو سالگرہ مبارک۔

"کرن" میرے نزدیک سورج کی کرنوں کی مانند ہے جو ہماری زندگیوں میں حرارت بن کر دوڑتی ہیں۔

1 ۔ سالگرہ منائی جاتی ہے' مگر انتہائی سادگی سے ایک دوسرے کو تحفہ دے کے اور روش کر کے۔ دھوم دھام سے نہیں۔ آج کل فضول خرچی کے زمرے میں آجاتی ہے۔

2 ۔ سالگرہ پر تحفہ دے کر یا کسی بھی اور موقع پر تحفہ دے کر مجھے ہمیشہ دل کی طمانیت ملتی ہے۔ تحفہ لینا تو اتنا یاد نہیں کب لیا آخری دفعہ' مگر میری ماں زندہ باد' ہزاروں' لاکھوں سال جیئں جو ہر بار ایسا کچھ دیتی ہیں جو بے تحاشا خوش کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی دے۔ (آمین) تحفے دینا میرا شوق ہے۔ مگر اس سال اک چھوٹے سے تحفے نے بے تحاشا خوشی دی۔ جو میں نے اپنی اکلوتی' مگر پیاری سی پوپلو بھتیجی کو دیا جو ابھی ڈھائی سال کی ہے۔ انابیہ اس کا نام ہے۔ مگر ہماری جان ہے۔ اسے دوپٹوں کا بہت شوق ہے۔ تو عید پہ میں نے اس کے لیے سرخ دوپٹا گولڈن گوٹے والا بنایا' اس کے آنے پہ تحفہ دیا تو جو اس کی آنکھوں کی چمکتی ہوئی روشنیاں تھیں اور بے تحاشا ہوتا ہوا رقص اور بار بار گلے میں کبھی اس ادا سے تو کبھی اس ادا سے ڈالنا۔ شیشہ دیکھنا' پھر پٹا بڑی پھوپھو نے دیا۔ کہنا تحفے کی قدر و قیمت بڑھا گیا۔

3 ۔ کرن میں فی الحال تو کوئی تبدیلی نہیں چاہتی۔ یہ ایسے ہی اپنی ذات میں مکمل ہے۔ اگر ہمیں شامل کرتا رہے۔

4 ۔ کرن کی سب تحریریں بمعہ مصنفین بہترین ہیں۔ کوئی کسی سے کم زیادہ نہیں۔ اکتوبر میں شروع ہونے والا فاخرہ گل کا "خالہ' سالا اور اوپر والا" مزا دے گیا جو مزاح سے زیادہ آہستہ آہستہ طنزیہ شکل اختیار کر رہا ہے۔ مگر بہر حال بہترین ہے اور سلسلے وار ناولوں میں "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کی تحریر۔

سالگرہ کی روایت واقعی کیک کے بغیر ادھوری ہے۔ مجھے اور میرے بچوں کو "کولڈ کیک" پسند ہے۔ جو میں زیادہ تر انہیں بنا کر دیتی ہوں' ترکیب کچھ یوں ہے۔

اجزا :

مکھن	دو اونس
مایونیز	آدھا کپ
کوکو پاؤڈر	ایک بڑا چمچہ
"میری" بسکٹ	ایک پیکٹ
چینی	ایک کپ
بادام اور پستہ	تھوڑا سا

ترکیب :

ابلتے ہوئے پانی کی دیگچی کے اوپر ساس پین میں مکھن' چینی' کوکو پاؤڈر اور انڈے ڈال کے کسٹرڈ کی طرح پکالیں۔ نیچے اتار کر مایونیز اور میوہ جات ڈال دیں اور پھر بسکٹ' ایک مضبوط سا دو کلو کا شاپر لے کے اس

میں ڈال کے رول کی طرح دبا کر گول سا پلیٹ کر اس کی تہ میں لمبائی کے رخ فریز کردیں۔ جم جانے پر تیز چھری سے شاپر اتار کر بسکٹ کی شکل میں کاٹ لیں۔ خوب صورت اور مزے دار کولڈر کیک تیار ہے۔ چائے کے ساتھ سرو کریں۔ باقی سنبھال لیں فریج میں (ویسے ہے مشکل کہ بچ جائے۔)

سیدہ نسبت زہرا... کہروڑ پکا

کرن کی سالگرہ کے موقع پر کرن اسٹاف' رائٹرز اور تمام قاری بہنوں کو کرن کی سالگرہ مبارک' کرن رسالہ اپنی انتھک محنت اور کاوش کے ذریعے' بہت لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے آج وہ عظیم شخصیت محمود بابر فیصل تو اس جہاں میں نہیں لیکن ان کا لگایا ہوا پودا کرن کی صورت میں پھل پھول رہا ہے؟ اور ہم اس سے استفادہ کررہے ہیں۔

1 ۔ سالگرہ کو منانا بہت اچھا لگتا ہے۔ خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہماری فیملی اکٹھی ہوتی ہے' بہت گپ شپ لگاتے' شعر' سونگ خوب ہلہ' گلا' موج مستی کرتے ہیں تو سب کو ہی بہت مزا آتا ہے۔ اپنی باتیں شیئر کرتے کیونکہ لائف از بزی تو یہ لمحے جو فرصت کے ملتے ہیں سب اکٹھے ہوتے ہیں تو رج کے عیش کرتے ہیں۔ میں اپنی سالگرہ چار جنوری کو ہر سال کرتی ہوں' بس ہماری فیملی اکٹھی ہوتی ہیں' کیک کاٹنا' زبردست ڈنر اینڈ لاسٹ میں گفٹس دینا ہمارے گھر کی ایک روایت بن چکی ہے۔ میرے بھانجوں' بھتیجیوں کو بہت ایکسائٹمنٹ ہوتی ہے کہ پہلے ہم وش کریں گے' مزے کی بات ہمیشہ زینی نمبر لے جاتی ہے اور مجھے وش کرتی ہے۔ اتنی ٹینشن' بزی اور افراتفری کا دورہ ہے' تو جو لمحے خوشیوں کے ملتے ہیں تو کیوں نا ان سے لطف اٹھایا جائے۔

2 ۔ تحفہ لینا اور دینا مجھے اچھا لگتا ہے ہمیشہ سے ہی... دینے میں بھی الگ مزا' لیکن بہت اچھا لگتا ہے۔

ہاں جی ایسا تحفہ جسے دے کر مجھے خوشی ہوئی اور وہ گفٹ میں نے اپنے پیارے سویٹ' کیوٹ بھانجے زریت حسن کو دیا۔ جس کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔

3 ۔ کرن ایک خوشبو کی مانند ہے' جس کی خوشبو ہر سو بکھر جاتی ہے ——— کرن رسالہ پرفیکٹ ہے۔ بہت اچھا اور معیاری ہے۔ اس میں نئے اور پرانے لوگوں کو ہمیشہ دل کھول کر جگہ دی جاتی ہے۔

4 ۔ شازیہ جمال کی "میرے اچھے چاند" اپریل 2014ء کی بہت اچھی اسٹوری لگی' بہن اور بھائی کا بے مثال پیار بہت کچھ بتا گیا۔ آنکھیں بے اختیار بھیگ گئیں' یہ دراصل تحریر ایسی ہے کہ جس کا نچوڑ کہ رشتے اور تعلق کو نام ملنا چاہیے' ورنہ پھر بہت سے مسائل' غلط فہمیاں' رشتوں میں تلخیاں پیدا کرتی ہیں' بہت اچھا لکھا رائٹر نے گڈ... سمیرا گل "سچی گواہی" نگہت سیما "میرے زخم" آپ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں جن کے ذریعے تعریف کروں جو لکھتی ہیں کمال لکھتی ہیں آپ۔

فوزیہ یاسمین "دست کوزہ گر" ایک بہترین تحریر ہے۔ "میں گلیاں دا روڑا" فاخرہ گل عمدہ اور نصیحت آموز تحریر اور "خالہ' سالا اور اوپر والا" فاخرہ گل کی تحریر حقیقت میں آپ نے فنٹاسٹک لکھا۔
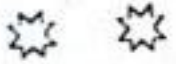
☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

ندا حسنین

ادارہ

☆ "آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج "میرے دو نام ہیں۔ خاندان والے دونوں ناموں سے جانتے جبکہ حلقہ احباب میں شامل کچھ لوگ مجھے عائشہ' اور کچھ ندا حسنین کے نام سے پکارتے۔ یہ دونوں ہی نام میری ملکیت ہیں۔"

☆ "کبھی آپ نے آئینے سے' آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟"

ج "آئینے سے زیادہ بات چیت نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی بتا دیتا ہے کہ اچھی لگ رہی ہوں۔"

☆ "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج "میرے دل میں اللہ سے محبت' میری سوچ و خیالات' اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ میں خود ہوں۔"

☆ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج "میری نظر میں محبت ایک ظالم آکٹوپس ہے جو آپ کی پوری ذات کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر آپ کو اور آپ کی شخصیت کو تبدیل کر دیتی ہے۔"

☆ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

ج "اللہ نے جو لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اس کا بہترین استعمال کرنا چاہتی ہوں اور بھی بہت سے کام سوچے ہیں۔ ملک و قوم کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اللہ کا حکم ہوا تو ضرور کروں گی۔"

☆ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا؟"

ج "پچھلے سال ہی میں نے لکھنا شروع کیا اور اللہ نے اس میں مجھے کامیابی دی۔ اس بات پر خوشی بھی ہے اور مطمئن بھی ہوں میں۔"

☆ "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج "اچھا بہتر اور ان شاء اللہ مزید بہترین۔"

☆ "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج "حد سے زیادہ حساس' نرم دل' جذباتی' غصیلی اور گہری سوچ رکھنے والی عام سی لڑکی۔"

☆ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑھے ہوئے ہیں؟"

ج "دو باتیں میرے ذہن میں گڑھ چکیں ایک یہ کہ جو میرے گناہ ہیں وہ میرے آگے آئیں گے۔ سو گناہ چھوڑ دوں یا استغفار کرتی رہوں۔ دوسری یہ کہ جب انسان بہت خوش ہوتا ہے تو عنقریب اسے آگے جاکر کسی دکھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو جب کبھی بہت خوشی ہوتی تو دل میں کہیں یہ خوف بھی بیٹھا ہوتا۔"

☆ "آپ کی کمزوری اور طاقت؟"

ج "جن لوگوں سے میں محبت کرتی وہ میری کمزوری۔ اللہ پر یقین اور اللہ کی محبت میری طاقت ہے۔"

☆ "آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج "اپنی خوشی اپنوں سے شیئر کرکے۔ خوشگوار لمحات میں' میں مزید خوش اخلاقی اور رحم دلی کا مظاہرہ کرتی ہوں۔ گنگناتی بھی ہوں۔"

☆ "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

ج "آج کے دور میں دولت ضرورت ہے۔ مگر وہی بات پیچھے بھاگو تو ہاتھ نہیں آئے گی۔ سو محنت کرو اور اللہ پر چھوڑ دو۔"

☆ "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج "گھر اس دنیا کی سب سے خوب صورت اور محفوظ جگہ جس کی ضرورت روئے زمین پر بسنے والی ہر مخلوق کو ہے۔"

☆ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

ج "کچھ باتوں کو درگزر کر کے معاف کر دیتی ہوں۔ کچھ باتوں کو تب تک معاف نہیں کرتی جب تک دل صاف نہ ہو۔ یہ سوچ لوں کہ میں لوگوں کو معاف کروں گی تو اللہ مجھے معاف کرے گا تو معاف کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔"

☆ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج "میری کامیابیاں صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہیں۔ اس کے بعد میری امی اور پاپا نے میرا ہمیشہ بے حد ساتھ دیا ہے۔"

☆ "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا ہے یا واقعی یہ ترقی ہے؟"

ج "بالکل کاہل بنا دیا ہے۔ موجودہ سائنسی ترقی اپنے اندر افادیت بھی رکھتی ہے اور نقصانات بھی۔ یہ اب ہم پر منحصر ہے کہ کونسا رنگ اپناتے ہیں۔"

☆ "کوئی عجیب خواہش؟"

ج "عجیب خواہشوں کی بھرمار ہے میرے اندر۔ جن میں سے ایک خواہش یہ کہ پاکستان میں بھی ڈزنی لینڈ جیسی کوئی جگہ بناؤں۔ غریب اور لاوارث بچوں کے لیے ایک ایسا اسکول بناؤں جوان کی زندگی سنوار دے۔ (یہ عجیب تو نہیں مگر غریب خواہش ضرور ہے)۔"

☆ "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"

ج "برکھا رت میں بھیگ کر۔۔۔ بارش کی سوندھی سوندھی خوشبو اپنے اندر اتار کر بارش کو برستا دیکھ کر۔"

☆ "آپ جو ہیں، وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"

ج "اب جس موجودہ شکل و حال میں ہوں شاید مجھے یہی ہونا تھا۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔"

☆ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب۔۔۔۔؟"

ج "جب اللہ تعالیٰ میرے سوالوں پر اشاروں میں جواب دیتا ہے۔ جب مجھے محسوس ہوتا ہے اللہ میرے ساتھ ہے جب میرا دل مطمئن ہوتا ہے تب، جب میں کوئی نیک کام کروں تب۔"

☆ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"

ج "خوب صورت دل، پرکشش اور پر اثر شخصیت کے حامل لوگ۔"

☆ "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پا لیا۔ جو آپ پانا چاہتی ہیں؟"

ج "نہیں! ابھی نہیں۔"

☆ "اپنی ایک خوبی یا خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟"

ج "اپنوں کو ناراض نہیں کر سکتی یہ خوبی ہے۔ لوگوں کی باتوں سے بہت جلد ہرٹ ہو جاتی ہوں یہ خامی ہے۔ اس سے مایوس تو نہیں مگر کچھ کچھ بے زار ضرور ہوں۔"

☆ "کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟"

ج "بچپن کے ایک دو واقعات ہیں۔"

☆ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوفزدہ ہو جاتی ہیں؟"

ج "انجوائے کرتی ہوں۔ جیتنا اچھی بات ہے مگر ہارنا بھی آپ کے لیے بہترین ثابت ہو سکتا ہے اگر آپ چاہیں تو۔"

☆ "متاثر کن کتاب، مصنف، مووی؟"

ج "من و سلویٰ، عمیرہ احمد، اشفاق احمد، رنگ دے بسنتی اور روار۔"

☆ "آپ کا غرور؟"

ج "غرور تو نہیں مگر مسلمان اور پاکستانی ہونا میرا فخر ہے۔"

☆ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہو؟"

ج "الحمدللہ! ایسی کوئی شکست نہیں۔"

☆ "کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کر دیا ہو؟"

ج "دوسروں کی کامیابیوں سے میں آگے بڑھنے کا جذبہ حاصل کرتی ہوں۔ حسد تو نہیں رشک کہہ سکتے ہیں۔"

☆ "مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟"

ج "مطالعہ سوچ کے کئی در کھولتا ہے۔ میرے لیے بے حد ضروری ہے مطالعہ کتابوں کی دنیا میں کھونا مجھے بے حد پسند ہے۔"

شعاع عزیز

القرآن

"انسان عجیب مخلوق ہے جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے۔ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی اور جب اسے آزماتا ہے اور اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا' ایسا نہیں ہے بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر تواضع نہیں کرتے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی دوسرے لوگوں کو ترغیب دیتے ہو اور مال میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال و دولت کو بہت ہی عزیز رکھتے ہیں۔"

(سورۃ الفجر' آیات نمبر 15 تا 20 پارہ نمبر 30)

امینہ ملک...... کراچی

اللہ تعالیٰ

☆ اللہ عزوجل سے رشتہ جوڑو! ٹوٹے رشتے جڑ جائیں گے۔

☆ اے ناداں انسان! تو اللہ تعالیٰ کو باہر تلاشتا ہے' جبکہ وہ تو تیرے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ ڈھونڈ اور اسے پالے۔

☆ اگر تم دنیا کی طرف بھاگو گے تو دنیا تم سے دور بھاگے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو گے تو دنیا تمہاری طرف بھاگے گی۔

☆ شہنائی ہو یا تنہائی' جلوت ہو یا خلوت' کبھی مت گھبراؤ' کیوں؟ کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی بھی حال میں نہیں بھولتا جو بدبخت اللہ عزوجل کو بھولتا ہے۔ وہ خود کو رولتا ہے۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ بھولتا ہے۔ اسے زمانہ رولتا ہے۔ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھولے' اسے یاد کر لو۔

☆ سب ہی لوگ زندگی بھر ساتھ رہنے کا وعدہ کر کے ایک دن ساتھ چھوڑ دیتے ہیں' لیکن ایک ہستی جو ساتھ رہنے کا وعدہ نہیں کرتی۔ پھر بھی ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ ہم سے بے پناہ پیار کرتی ہے۔ وہ ہستی ہے اللہ تعالیٰ کی۔

☆ رات کی تنہائی میں خلوص دل سے پکارو۔ "یا اللہ عزوجل" وہ تمہارے اتنے ہی قریب ہو گا جتنی کہ دل سے دھڑکن' ہونٹوں سے مسکان اور آنکھ سے آنسو۔

خالدہ پروین...... بھائی پھیرو

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ و مردہ کی سی ہے۔"

(صحیح بخاری)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مسلمان کو کوئی رنج' دکھ' فکر' تکلیف' اذیت اور غم پہنچتا ہے' حتیٰ کہ اسے جو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

(صحیح بخاری)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "بلاشبہ جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے' اگر وہ اچھا رہے تو سارا وجود اچھا رہے گا اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا وجود بگڑ جائے گا' خبردار لوتھڑا دل ہے۔"

(صحیح بخاری)

کہکشاں انجم ۔۔۔ فیصل آباد

غرور' تکبر' سرکشی اور نفسیاتی خواہشات

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "کتنا برا ہے وہ بندہ جس نے خیال خام میں مبتلا ہو کر غرور کیا' پھر خدائے بزرگ و برتر کو بھول گیا' پھر وہ شخص بھی کتنا بدتر ہے جس نے تکبر کیا اور کسی کے ساتھ زیادتی کی' پھر جبار کو بھول گیا' اسی طرح وہ شخص بھی جو کھیل کود میں مشغول ہو کر قبروں اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو بھول گیا۔ نیز وہ بندہ بھی جس نے حد سے تجاوز کیا اور سرکشی کی اور اپنی ابتدائے خلقت اور انتہا کو بھول گیا' اسی طرح وہ بندہ بھی جس نے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر دیا' پھر وہ بندہ بھی کتنا برا ہے جو دین کو شبہات کے ساتھ خلط ملط کرتا ہے اور وہ بندہ جسے لالچ کھینچے پھرتی ہے اور وہ بندہ جسے اس کی خواہشات گمراہ کر دیتی ہیں اور وہ بندہ جسے اس کی حرص ذلیل کر دیتی ہے۔" 2263

(جامع ترمذی شریف' ابواب صفتہ القامیتہ)

کشور منیر ۔۔۔ کراچی

ایک حکایت ایک سبق

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ ایک ضرورت مند کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد چاہی۔ اتفاق سے ان دنوں بزرگ کا ہاتھ تنگ تھا۔ لہٰذا انہوں نے امداد کرنے سے معذرت کر لی۔ کہاوت مشہور ہے کہ ضرورت مند باؤلا ہوتا ہے۔ اس شخص کو بزرگ کی بات کا یقین نہ آیا اور اس نے بدگمانی کرتے ہوئے مکان سے باہر نکلتے ہی انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ جو منہ میں آیا بکتا چلا گیا۔ اتفاق سے بزرگ کا ایک مرید اس طرف سے گزرا۔ اس نے اپنے مرشد کی شان میں گستاخانہ باتیں سنیں تو سیدھا مرشد کے پاس پہنچا اور اس شخص کی گستاخی اور دریدہ ذہنی کا سارا حال کہہ سنایا۔ مرشد نے فرمایا۔ "دراصل تکلیف تو ہمیں تو نے پہنچائی ہے' وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا' اس سے ہمیں بالکل آگاہی نہ تھی' لیکن تو نے آگاہ کر دیا۔ تیری مثال تو ایسی ہے ایک دشمن نے ہماری طرف تیر پھینکا تھا۔ جو ہم تک پہنچنے سے پہلے گر گیا تھا' تو وہ تیر ہمارے پاس اٹھا لایا ہے اور ہمارے پہلو میں چبھو رہا ہے"۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں چغل خوری کی مذمت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اخلاقی برائی انسانی معاشرے میں بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔ یہ طریقہ ہرگز پسندیدہ نہیں کہ کسی کی زبان سے بات اور فوراً" آگے پہنچا دی۔ ایسا شخص تو گویا دشمن کے اس کو بھی کار آمد بنا دیتا ہے جو نشانے پر پہنچنے کی سکت رکھ سکے۔ اس سلسلے میں یہ بات بہت ضروری ہے کہ پہلے بات کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں پر اچھی طرح غور کر لیا جائے۔ اس کے بعد لب کشائی کی جائے۔

شبانہ افضال ۔۔۔ قصور

نصیب اپنا اپنا

انسان کی قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے' وہی ہو کر رہتا ہے۔ کبھی ہم قسمت کا ساتھ نہیں دیتے اور کبھی قسمت ہمارا' لیکن دونوں صورتوں میں بدقسمتی ہمارے حصے میں آتی ہے۔

یہ قسمت کا چکر ہی عجیب ہوتا ہے' اسے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ انسان جتنی بھی کوشش کرے' جتنے بھی جتن کرے کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے لیکن اگر قسمت میں نہیں ہو گا تو لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ چیز اسے نہیں ملے گی۔ اس کے برعکس انسان کسی چیز سے جتنا بھاگنے کی کوشش کرے گا' جتنا منہ موڑے گا اگر قسمت میں ہو گی تو انسان کے لاکھ نہ چاہنے کے باوجود بھی اس کے پاس آئے گی۔

ہم قسمت کو آزما تو سکتے ہیں' لیکن بدل نہیں سکتے' کیونکہ جو لکیروں میں ہوتا ہے' وہی ہو کر رہتا ہے۔ یہ

بات بھی صحیح ہے کہ دعا سے قسمت بدلی جاسکتی ہے لیکن وہ بھی تو قسمت میں ہی لکھا ہوگا۔ انسان پھر بے بس ہو جاتا ہے۔ یہی بے بسی تو ہے' جو انسان کو اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور قلم صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

شفاعت النساء۔۔۔ کراچی

خوشبو

میں سو رہا تھا کہ مؤذن نے اذان دی' ضمیر نے کہا' اٹھو اور نماز پڑھو' سستی نے کہا نیند پوری کرلو اور ضمیر میں مقابلہ ہوا' آخر کار سستی جیت گئی اور میں پھر سو گیا' تھوڑی دیر بعد ضمیر نے کہا' اٹھو اور نماز پڑھو' سستی پھر راستے کی دیوار بن گئی' ضمیر اور سستی میں ایک سخت جنگ ہوئی' آخر کار سستی سرنگوں ہوئی' میں اٹھا' وضو کیا' گھڑی دیکھی' سوچا اٹھ تو چکا ہوں' کیوں نہ کسی باغ میں جایا جائے' پھر میں باغ میں ٹہلنے

لگا' اچانک میری نظر شبنم میں نہائے ہوئے ایک خوب صورت گلاب پر پڑی' میں نے گلاب سونگھا تو اسے معطر پایا' مجھے ایسے لگا جیسے گلاب کہہ رہا ہو' دیکھو! میری ساری رات عبادت میں گزری اس نے اپنی خوشبو سے میرا دامن بھر دیا' میرے لیے فکر کا احساس پیدا ہو گیا اور جب میں نے اپنے آپ کو سونگھا تو خوشبو سے خالی پایا' خوب صورتی اور خوشبو دو الگ نام ہیں' خوب صورت نگاہیں' خوب صورت احساس اور جذبہ ہر چیز کو خوب صورت بنا دیتا ہے' اصل خوشبو خدا کے ذکر اور نبی پاک کے ذکر میں پوشیدہ ہے۔

رشیدہ فیض۔۔۔ جام پور

مہکتی کلیاں

☆ محبت آپ کو ساری دنیا کے سامنے مضبوط بناتی اور اس کے سامنے کمزور کرتی ہے' جس سے آپ بہت محبت کرتے ہیں۔

☆ برداشت کا امتحان اس وقت ہوتا ہے' جب ہم اکثریت میں ہوں اور جرات کا امتحان اس وقت' جب ہم اقلیت میں ہوں۔

☆ انسان زندگی بھر دو چہرے نہیں بھول سکتا' ایک وہ' جو مشکل حالات میں ساتھ دے اور دوسرا وہ' جو مشکل حالات میں ساتھ چھوڑ دے۔

☆ تلوار دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لوہے اور دوسری محبت کی۔ لوہے کی تلوار ایک کو دو کرتی اور محبت کی تلوار دو کو ایک کر دیتی ہے۔

☆ ایک دولت مند اور مفلس کی دوستی انتہائی مشکل ہے۔

☆ جاہل قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

☆ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اپنی اچھائی سن کر خوش ہوتا ہے۔

☆ محبوب وہ ہے' جس کی ہر ادا سے محبت کی جائے۔

☆ ہر وہ طالب علم جو استاد کی سختی نہیں جھیلتا' اسے زمانے کی سختیاں جھیلنا ہوتی ہیں۔

☆ کسی کے غصے میں کہے ہوئے الفاظ مت بھولو۔

فرح۔۔۔ پھول نگر

محبت کا دعوی

ایک کنیز آدھی رات کو کھڑی دعا کر رہی تھی۔
"اے اللہ! اس محبت کے صدقے جو تجھ کو مجھ سے ہے' میری دعا قبول کرلے اور میرے گناہ معاف کردے۔"

مالک کی آنکھ کھل گئی۔ کہنے لگا۔ "تو کیسے یہ دعوا کر رہی ہے کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔"
اس نے کہا۔ "اگر اللہ مجھ سے محبت نہ کرتا تو مجھے رات کو نماز پڑھنے کی توفیق نہ دیتا اور میں بھی تیری طرح سو رہی ہوتی۔"

افشاں شریف۔۔۔ کراچی

بد نصیب

ایک دن بیماری نے دولت سے کہا۔ "تم کتنی خوش

نصیب ہو، ہر کوئی تمہیں پانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ میں کتنی بدنصیب ہوں کہ ہر شخص مجھ سے دور بھاگتا ہے۔"

دولت بولی۔ "خوش نصیب تو تم ہو، جسے پاکر لوگ اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں اور بدنصیب تو میں ہوں، جسے پاکر اکثر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔"

حنا فرحان..... راجن پور

خوش اخلاقی

☆ یہ صحیح ہے کہ انسان پہاڑوں سے زیادہ اونچا نہیں ہو سکتا، لیکن ایک ایسی عادت ہے جسے اگر وہ اختیار کرے تو وہ پہاڑوں سے زیادہ بلند ہو سکتا ہے اور وہ عادت ہے "خوش اخلاقی" خوش اخلاقی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے دشمن کو دوست بنایا جا سکتا ہے۔

نسبت گیلانی..... کہروڑ پکا

جنم دن

اک آہٹ کا
اک دستک کا
اک تہنیت بے نام کا
تمام دن انتظار رہے گا
ہر اک مسام میرا بیدار رہے گا
لیکن اک خدشہ بھی
ندیم دل نادار رہے گا
کہ شاید یہ تصور
ترے ذہن میں آباد ہی نہ ہو
اس یوم کی یہ خاصیت
شاید تمہیں یاد ہی نہ ہو!!

روبینہ..... اسلام آباد

بہار بن کے رہو

اگر میں تم سے بچھڑ کر کہیں چلی جاؤں
لڑاکا بیوی یہ بولی زباں سے کچھ تو کہو
کہا میاں نے خوشی سے یہ گنگناتے ہوئے
کسی چمن میں رہو تم بہار بن کے رہو

باتوں سے خوشبو آئے

☆ تھوڑے پر قناعت، قیامت کے دن عزت اور بدن کے لیے راحت ہے۔

☆ انسان دوسرے تقدیر پر رشک کر سکتا ہے، لیکن شریک نہیں بن سکتا۔

☆ صداقت اور بھلائی کے کاموں میں ثابت قدمی سے ڈٹے رہو، ظلم خود آپ کے قدموں میں سرنگوں ہو جائے گا۔

☆ رشتوں کے بندھن جو لوگ بناتے ہیں، وہ اکثر ٹوٹ جاتے ہیں، مگر جو رشتے خدا عطا کرتا ہے، وہ ہماری سانوں کی ڈوری سے ہوتے ہیں۔

☆ دعائیں مانگو، مگر کبھی محبت میں کامیابی کی دعا مت مانگنا، ورنہ تمہیں محبت سے نفرت ہو جائے گی، تمہارے پاس پہنچ کے وہ اپنی قدر کھو دے گی۔

☆ بھلا دو ان پیاروں کو، جن کی یادیں تمہارے لیے صرف رونے کا سبب بنتی ہیں۔

☆ زندگی ایک کھیل ہے، آپ جیت نہیں سکتے، برابر نہیں رہ سکتے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں کھیلتے۔

☆ بعض لوگ جہاں جاتے ہیں، ساری خوشیاں لے جاتے ہیں اور بعض کے جانے سے خوشیاں ملتی ہیں۔

انیلا ادریس..... کراچی

بہار

ابر بہار نے
پھول کا چہرہ
اپنے بنفشی ہاتھ میں لے کر
ایسے چوما
پھول کے سارے دکھ
خوشبو بن کر بہہ نکلے ہیں؟

ارم طاہر..... کراچی

✡ ✡

بُشریٰ محمود

زہرا، کی ڈائری میں تحریر

فاخرہ بتول کی نظم

آج تمہاری سالگرہ ہے،

جانتی ہو تم
برسوں پہلے آج کے دن کیا بات ہوئی تھی
بوجھ پہیلی ۔ بوجھ پہیلی
سوچ میں پڑ گئی۔ چپ کیوں کر گئی؟
آؤ تم کو میں بتلاؤں
برسوں پہلے آج کے دن اک شوخ کرن نے
اس دھرتی کو رونق بخشی اور مسکائی
کیا تم کو پتا ہے
آج تمہاری سالگرہ ہے

کرن سرمد، کی ڈائری میں تحریر

خلیل اللہ فاروقی کی نظم

آج تمہاری سالگرہ ہے،

جلتی شمعیں، روشن چہرے
کامنی لڑیاں نازک سہرے
نرگس، بیلا، موتیا، لالہ
جوہی، چمپا اور بنفشہ
ہر کوئی شاد ہے ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں
ہم تو صرف دُعا کو لوگ
خاک و مہر کا کیا سنجوگ
پاس رہیں یا دُور رہیں
وحشت سے رنجور رہیں
محفل تو آباد ہے ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں
ترکِ تعلق خوب کیا
دل پر کاری وار سہا
نوچ دی کونپل چاہت کی
آس نہ رکھی راحت کی
دل محوِ فریاد ہے ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں
کیسے کیسے خواب بُنے
رنگ برنگے خواب چُنے
سالگرہ کا کیک کٹے گا
ہاتھ پہ ان کے ہاتھ رہے گا
خواب ہر اک برباد ہے ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں

کہکشاں انجم، کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی نظم

بہار آئی،

بہار آئی تو جیسے یکبار لوٹ آئے ہیں پھر عدم سے
وہ خواب سارے، شباب سارے
جو تیرے ہونٹوں پہ مر مٹے تھے
جو مٹ کے ہر بار پھر سے جیے تھے
نکھر گئے ہیں گلاب سارے
جو تیری یادوں سے مشکبو ہیں

جو تیرے عشاق کا لہو ہیں
ابل پڑے ہیں عذاب سارے
ملال احوال دوستاں بھی
غبارِ خاطر کے باب سارے
تیرے ہمارے
سوال سارے، جواب سارے
بہار آئی تو کھل گئے ہیں
نئے سِرے سے حساب سارے

رفعت جبیں، کی ڈائری میں تحریر
ساغر صدیقی کی غزل

کیا سماں تھا بہار سے پہلے،

کیا سماں تھا بہار سے پہلے
غم کہاں تھا بہار سے پہلے

ایک ننھا سا آرزو کا دیا
ضو فشاں تھا بہار سے پہلے

اے مرے دل کے داغ تُو ہی بتا
تو کہاں تھا بہار سے پہلے

پچھلی شب میں خزاں کا سناٹا
ہم زباں تھا بہار سے پہلے

اب جنازہ ہے چار تنکوں کا
آشیاں تھا بہار سے پہلے

چاندنی میں یہ آگ کا دریا
کب رواں تھا بہار سے پہلے

لُٹ گئی دل کی زندگی ساغر
دل جواں تھا بہار سے پہلے

ثنا زیہ گلزار، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی غزل

کبھی کوئی روٹھ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
سہارے چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

برسوں سے محبت کی رگوں میں سانسیں چلتی ہیں
بھروسا ٹوٹ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

کسی کے ساتھ چلنے کی بنا اب قسمیں کبھی کھانا
یہ قسمیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

سنو ہر اک سے یہ نہ کہنا کہ تیرے ہیں فقط تیرے
یہ راز چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

امیدوں سے ہوتی ہیں وابستہ زندگی فراز
امیدیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

گڑیا شاہ، کی ڈائری میں تحریر
قتیل شفائی کی غزل

بہت دنوں سے نہیں اپنے درمیاں وہ شخص
اداس کر کے ہمیں چل دیا کہاں وہ شخص

وہ جس کے نقش قدم سے چراغ جلتے تھے
جلے چراغ تو خود بن گیا دھواں وہ شخص

اس ایک شخص میں تھیں دلربائیاں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص

چھپا لیا ہے جسے پت جھڑ کے زرد پتوں نے
ابھی تلک بہاروں پہ حکمراں وہ شخص

قتیل کیسے بھلائیں ہم اہل درد اسے
دلوں میں چھوڑ گیا اپنی داستاں وہ شخص

شگفتہ سلیمان

نمرہ، اقراء — کراچی

تمہاری سالگرہ کے دن یہ دعا ہے ہماری
جتنے ہیں چاند تارے، اتنی ہو عمر تمہاری

صائمہ سلیم — کراچی

رفعتیں اور بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تیری یہ عمر خدا اور بھی دراز کرے
حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو
تجھے یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

عندا ناصر — کورنگی

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری
کہ ایسا روز مبارک بار بار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

آسیہ جاوید — (بارہ دری) علی پور چٹھہ

یہ بے خودی، یہ لبوں کی ہنسی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

عائشہ — گوجرہ

میری محبت اور تیری فطرت میں فرق صرف اتنا ہے
تجھے الفت نہیں ہم سے ہمیں نفرت نہیں تم سے

نسبت زہرا — کہروڑ پکا

تیرے چمن میں کبھی دیر تک خزاں نہ رہے
بہار جاتے ہوئے بھی ٹھہر ٹھہر جائے

صائمہ سلیم سندھو — اسلام آباد

آتے آتے یونہی دم بھر کو رکی ہو گی بہار
جاتے جاتے یونہی دم بھر کو خزاں ٹھہری

سدرہ وزیر — خوشاب

بہاریں جس کی شاخوں سے گواہی مانگتی ہیں
وہی موسم میں اب بے ثمر کیوں لگ رہا ہے

گڑیا شاہ — کہروڑ پکا

خزاں کے تصور میں اس طرح گم ہوں
بہار آئے گی مجھ کو وحشت نہ ہو گی

ندا، فضہ — کراچی

اس دور کے پھول میں کہاں پیار کی شبنم
یہ دور محبت کا لہو چاٹ رہا ہے

تحریم — گوجرہ

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

عظمٰی — کراچی

بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے
محسن کبھی احسان کا چرچا نہیں کرتے
آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روٹھے ہوئے منظر
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے

غزالہ — خانیوال

سورج کے ساتھ ڈوب گیا میرا دل بھی آج
اتنا اداس شام کا منظر کبھی نہ تھا

بینش مدثر — فیصل آباد

پرندے، پھول، پودے، رنگ خوشبو اور ہوا اجلی
سحر کے وقت کا منظر مناجاتی لگا مجھ کو

ناہید راشد — ملیر کراچی

اب تو یادوں کے اثاثوں کے سوا کچھ بھی نہیں
کیا بتائیں تمہیں کیا کیا یہاں منظر ڈوبے

ثمینہ تاج — لاہور

زندگی کے رنگ سارے جب میسر ہو گئے
ہم نے یہ دیکھا کہ ہم منظر سے باہر ہو گئے

عذرا ناصر ______ کراچی

کل بچھڑنا ہے تو پھر عہدِ وفا سوچ کے باندھ
ابھی آغازِ محبت ہے، گیا کچھ بھی نہیں

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

مجھ سے تو پوچھنے آیا ہے وفا کے معنی
یہ تری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو

عائشہ ______ گوجرہ

ہم شہرِ وفا کے لوگوں کا تم حال بھلا کیا جانو گے!
ہم دل کی چوٹ چھپاتے ہیں اور آنسو تک پی جاتے ہیں

مدیحہ فہمید ______ کراچی

کسی بے وفا کی خاطر یہ جنوں فراز کب تک
جو تجھے بھلا چکا ہے اسے تم بھی بھول جاؤ

مریم شہباز ______ کراچی

ذوقِ وفا نہیں تمہیں دادِ وفا تو دو
روتے نہیں ہو ساتھ میرے مسکرا تو دو

صائمہ جبی ______ کراچی

پتھر جنہوں نے پھینکے ہیں ان سے گلہ نہیں
گھر ہی ملے تھے کانچ کے ہم کو نصیب میں

تحریم خان ______ کوئٹہ

آسانیوں سے پوچھ نہ منزل کا راستہ
اپنے سفر میں راہ کے پتھر تلاش کر
ذرے سے کائنات کے تو راز پوچھ لے
قطرے کی وسعتوں میں سمندر تلاش کر

صبا ______ کراچی

وفا میں اب یہ ہنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے اعتبار کرنا ہے

لالہ رخ ______ راولپنڈی

مرہم کی طرح بانٹتے پھرتے ہیں نئے زخم
یہ رسم بھی نکلی ہے نئے چارہ گروں میں

سعدیہ ______ شریف آباد

جذبات کی بھٹی میں جلے مدتوں ارمان
تب جا کر زباں سے ہوا اظہارِ محبت

لائبہ، ایمن ______ مظفر آباد

برسات کے موسم سے تجھے پیار بہت تھا
اب دیکھ لے آ کر مری بھیگی ہوئی آنکھیں

شہلا خان ______ کراچی

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بدگمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے

ثمینہ ______ لاہور

خوشبوؤں کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

کرن عبدالرحمٰن ______ فیصل آباد

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف سردآہ میں ہے
تری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے
ترے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل میرے گناہ میں ہے

مدیحہ فہمید ______ کورنگی

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی

رباب سرفراز ______ پھول نگر

رات کے پچھلے پہر وقت عبادت جاناں
ہاتھ اٹھانا تو مجھے حرفِ دعا میں رکھنا
بے رخی کے نہ خلاؤں میں فنا کر دینا
دل کو رکھنا تو محبت کی ردا میں رکھنا

اقصیٰ، عذرا ______ کراچی

نہ کوئی غم خزاں کا ہے، نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

نیلم شرافت ______ جتوئی

بزدل ہیں وہ لوگ جو محبت نہیں کرتے
بہت حوصلہ چاہیے برباد ہونے کے لیے

زرین حنا ______ لاہور

شکستہ خواب و شکستہ پا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
میں آخری جنگ لڑ رہا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
ہوائیں پیغام دے گئی ہیں کہ مجھ کو دریا بلا رہا ہے
میں بات ساری سمجھ گیا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

روبینہ شریف

ساتھ تھا۔"

لینا مرزا... سکھر

مشورہ

بیٹی! والد سے...
"ابو! ڈاکٹر نے مجھے لندن' پیرس اور امریکا کی سیر کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ تو اب ہم پہلے کہاں جائیں گے؟"
والد "دوسرے ڈاکٹر کے پاس۔"

نور عبدالسلام... نواب شاہ

یاد ماضی

شرجیل نے اپنے دوست شعیب کو ہمیشہ کی طرح خیالوں میں کھویا ہوا دیکھ کر پوچھا۔
"یار شعیب! ہر وقت تم کن خیالوں میں کھوئے رہتے ہو؟ زندگی عیش و آرام سے گزارنا ہے تو ماضی کی یاد سے پیچھا چھڑالو۔" شرجیل نے مشورہ دیا۔
یار شرجیل! کیسے چھڑاؤں؟" شعیب نے اداس لہجے میں کہا۔
"ماضی کی وہ یاد تو اب گھر آگئی ہے۔"

ثریا شاہ... کہروڑ پکا

قابل دید

بارش میں بھیگتے ہوئے ایک صاحب نے دور سے ایک ٹیکسی دیکھی تو لپک کر بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر اسے اشارے سے روکا' لیکن اس وقت ان کے غصے کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے عقب سے ایک خاتون نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کا دروازہ کھولا

اف یہ بے چارگی

ٹیچر "بچوں وعدہ کرو کبھی شراب' سگریٹ نہیں پیو گے۔"
بچے "نہیں پئیں گے۔"
ٹیچر "لڑکیوں کا پیچھا نہیں کرو گے۔ نہ چھیڑو گے۔"
بچے "نہیں کریں گے۔"
ٹیچر "ان پر آوازیں نہیں کسو گے۔"
بچے "نہیں کسیں گے۔"
ٹیچر "اور اس وطن پہ زندگی قربان کرو گے۔"
بچے "کردیں گے ایسی زندگی کا اور کرنا بھی کیا ہے۔"

دانیہ عامر... کراچی

نشہ

مولوی صاحب ایک شناسا کی عیادت کر کے رات گئے گھر واپس آرہے تھے۔ راستے میں انہیں اپنا پڑوسی واجد نظر آیا۔ جو حسب معمول نشہ کر کے اوندھا پڑا تھا۔ مولوی صاحب نے ترس کھا کر اسے اٹھایا اور سہارا دے کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس وقت تک اس کا نشہ کم ہو چکا تھا۔ وہ اصرار کرنے لگا کہ مولوی صاحب اس کے ساتھ اندر چلیں۔
"نہیں بھئی اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے فجر کے وقت اٹھنا ہے۔" مولوی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
"صرف ایک منٹ کے لیے مولوی صاحب۔" واجد نے لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔
"میں ذرا اماں جی کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کس کے

اور ڈرائیور کے برابر بیٹھ گئیں۔
"یہ تو بڑی ڈھٹائی ہے۔" وہ صاحب بڑے غصے سے بولے۔
"ٹیکسی کو میں نے پہلے روکا تھا۔"
"ضرور روکا ہوگا۔" وہ خاتون مسکرا کر بولیں۔
"لیکن اس ڈرائیور سے شادی دو سال پہلے میں نے کی تھی۔"

سیدہ نسبت گیلانی.... کہروڑپکا

عشق کہیں جیسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا "مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہوگئے۔"
وہ صاحب جھلا کر بولے۔
"میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بد قسمتی سے کامیاب بھی ہوگیا۔"

گڑیا شاہ.... کہروڑپکا

گفٹ

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبا اٹھا کر دکان دار سے بولے۔
"اس تیل کے ساتھ میرا گفٹ کدھر ہے؟"
دکاندار نے کہا۔
"اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب۔"
سردار جی منہ بسور کر بولے۔
"اوئے۔ اس پر لکھا ہے کہ کولسٹرول فری۔"

حنا کرن.... پتوکی

اس سے پہلے

کمرہ امتحان میں ایک لڑکی مسلسل نقل کر رہی تھی ڈیوٹی پر موجود ٹیچر نے اسے کئی بار آنکھیں دکھائیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی آخر تنگ آکر ٹیچر نے اس کے پاس آکر کہا اور وارننگ دی کہ "اگر اس بار تم نے نقل کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ لوں گا۔"
"جی! لیکن اس سے پہلے آپ کو اپنے والدین میرے گھر بھیجنے پڑیں گے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

فوزیہ یاسمین.... پنڈی

شادی شدہ

ایک عورت نے ایک وکیل سے پوچھا کہ "طلاق لینے کے لیے کیا شرائط لازمی ہوتی ہیں؟"
وکیل نہایت سنجیدگی سے بولا۔
"طلاق لینے کے لیے آپ کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔"

رفعت جبین.... ملتان

سچ

سروے کرنے والے ایک شخص نے ایک سرکاری دفتر کے انچارج سے پوچھا۔
"آپ کے دفتر میں کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔"
انچارج نے سوچتے ہوئے کہا۔
"سو میں سے تین یا چار۔"

صدف خرم.... لاہور

فیصلہ

لڑکی پہلی مرتبہ اپنے دفتر کے ساتھی کے ہمراہ اس کی کار میں بیٹھ کر سیر کے لیے نکلی۔ جب وہ سی ویو کے قریب ایک ذرا سنسان سی جگہ پر پہنچے تو لڑکی نے خبردار کرنے کے انداز میں کہا۔ "میں ایک بات واضح کردوں.... میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں' اس لیے کوئی ویران جگہ دیکھ کر مجھ سے فری ہونے کی کوشش نہ کرنا' سمجھ گئے؟"
"ہاں۔" لڑکے نے مردہ سی آواز میں کہا۔
"ویری گڈ...." لڑکی نے گویا اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "یہ مسئلہ تو طے ہوگیا۔ اب بتاؤ' چلنا کہاں ہے؟"

"اپنے اپنے گھر۔" لڑکے نے جواب دیا۔

ثمینہ اقبال.... کراچی

قابل دید

ایک ایئر لائن نے دو ہفتوں کے لیے یہ پرکشش پیش کش کی کہ اس کے ہوائی جہازوں میں اگر شوہر بیوی ایک ساتھ سفر کریں تو انہیں آدھے کرائے کی چھوٹ دی جائے گی۔ دو ہفتے کی تمام پروازیں مکمل ہو چکیں تو ایئر لائن کے پبلسٹی سیکشن نے مسافروں کی بیویوں کو خط لکھے کہ انہیں جہازوں میں سفر کرنا کیسا لگا؟

سب بیویوں کی طرف سے ایک جیسا جواب آیا....

"ہم نے کب سفر کیا ہے؟"

عاصمہ صدیقی.... ملتان

ذمہ داری

انسپکٹر آف اسکولز ایک اسکول کا معائنہ کرنے آرہے تھے۔ استاد نے ان کے آنے سے پہلے مختلف سوالات کے جوابات لڑکوں کو رٹا دیے۔ طارق کے ذمہ یہ سوال تھا کہ "ہمیں کس نے بنایا" جواب تھا کہ "ہمیں خدا نے نے بنایا" اتفاقاً معائنہ والے دن طارق غیر حاضر تھا۔

جب انسپکٹر نے یہ سوال پوچھا۔ "بچو ہمیں کس نے بنایا ہے۔" تو جماعت میں خاموشی چھا گئی۔

انسپکٹر نے پھر سوال دہرایا۔ لیکن کسی کونے سے کوئی جواب نہ آیا۔ اب انسپکٹر کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے گرج کر پوچھا۔

"کیا آپ کے استاد نے آپ کو اتنا بھی نہیں بتایا کہ ہمیں کس نے بنایا ہے؟"

ایک لڑکا ضبط نہ کر سکا بے اختیار بولا۔ "جناب! جسے خدا نے بنایا تھا وہ آج غیر حاضر ہے۔"

آمنہ میر.... گجرات

آدھا حصہ

پرنام سنگھ نے بہت محنت کر کے ایک کروڑ پتی کی بیٹی کو پھانسا۔ اسے شادی پر آمادہ کیا اس کے ماں باپ کو منانے کے لیے سو پاپڑ بیلنے پڑے۔ بالآخر کروڑ پتی پرنام سنگھ کو داماد بنانے پر راضی ہو گیا۔ بات پکی ہو گئی تو کروڑ پتی سسر نے اپنے ہونے والے داماد کو بلایا اور کہنے لگا۔

"پتر جی! تسی میرے داماد بن رہے ہو اس لیے میں تمہیں اپنی فیکٹری میں آدھا حصے دار بنا رہا ہوں۔"

پرنام سنگھ کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے مگر وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے بولا۔

"جیسے آپ کی خوشی۔"

سسر بولا "پتر جی۔ کل سے تم فیکٹری جاؤ اور مال کی تیاری کا کام سنبھالو"

پرنام سنگھ بولا "چاچا جی، فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ مغز ماری کرنا میرے بس کی بات نہیں یہ کام مجھ سے نہیں ہو گا۔"

سسر کہنے لگا' اچھا پتر جی! تسی فیکٹری نئیں چلا سکتے تو دفتر سنبھالو۔"

پرنام سنگھ نے جواب دیا "چاچا جی! آٹھ گھنٹے میز کرسی پر بیٹھنا میرے بس کی بات نہیں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔"

اس پر سسر کو غصہ آگیا کہنے لگا "پرنام سنگھ فیکٹری تو نہیں چلا سکتا دفتر میں تو نہیں بیٹھ سکتا میں نے تو تجھے مفت میں آدھے حصے کا مالک بنایا ہے' تو آخر چاہتا کیا ہے؟

پرنام سنگھ منہ پکا کر کے بولا۔

"چاچا جی! میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میرا آدھا حصہ خرید لیں اور مجھے فارغ کر دیں۔"

سیدہ نسبت زہرا.... کھروڑ پکا

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

ماربل کیک

اشیا :

چینی (پسی ہوئی)	ایک پیالی
انڈے	تین عدد
دودھ کریم	آدھی پیالی
یا تین کھانے کے چمچے	
کوکو پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
میدہ	دو پیالی
بیکنگ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
مارجن	بڑا پیکٹ تین چوتھائی حصہ لے لیں۔

ترکیب :

مارجرین اور چینی کو ملا کر بلینڈر سے اچھی طرح پھینٹ لیں پھر باری باری ایک انڈا ملاتے جائیں اور اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ میدہ میں بیکنگ پاؤڈر ملا کر چھلنی سے تین یا چار مرتبہ چھان لیں۔ چھنا ہوا میدہ دودھ آہستہ آہستہ مارجین اور انڈے والے مکسچر میں ملاتے جائیں۔ جب مل جائیں تو تین حصے کریں ایک حصہ میں کوکو پاؤڈر ملا دیں دو حصے جو بغیر کوکو ملے ہوئے ہیں ان کو ایک جگہ کر دیں ایک آٹھ انچ کا رنگ پین کو لے لیں اور ذرا سی چکنائی لگا کر خشک میدہ چھڑک دیں اور پین کو زور سے جھٹکا دیں تاکہ خشک میدہ پھیل جائے پھر کوکو والا مکسچر اور سادہ مکسچر باری باری ڈالتے جائیں پہلے سے اوون گرم کریں پچاس پچپن منٹ تک بیک کریں۔ تیار ہو جائے تو دس منٹ تک ٹھنڈا کریں پھر پیش کریں۔

ڈیٹ پڈنگ

اشیا :

کھجور	ایک پاؤ
دودھ	ایک لیٹر
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
انڈے	چھ عدد

ترکیب :

کھجوروں کو رات بھر کے لیے دودھ میں بھگو کر رکھ دیں۔ صبح کو گٹھلیاں نکال کر گودا میش کرلیں۔ اب کھجور کے گودے کو کنڈینسڈ ملک اور انڈوں کے ساتھ ملا کر اتنا پھینٹیں کہ تمام اجزا ایک جان ہو جائیں۔ پھر اس آمیزے کو ڈش میں نکال کر آدھے گھنٹے کے لیے اتنا بیک کرلیں کہ یہ براؤن ہو جائے لیکن سخت نہ ہونے پائے۔ ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ کر مزید ٹھنڈا کرلیں اور پھر سرو کریں۔ فریش کریم سے گارنش کرکے پیش کریں یا اگر چاہیں تو شہد کے ساتھ سرو کرسکتی ہیں۔

رنگ کیک

اشیا :

میدہ	ڈیڑھ کپ
مکھن	تین کپ
کیسٹر شوگر	ایک کپ
انڈے	تین عدد (پھینٹ لیں)
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا چمچہ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
آئسنگ شوگر	آدھا کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب :

ایک پیالے میں کیسٹر شوگر اور مکھن ڈال کر الیکٹرک بیٹر سے اچھی طرح پھینٹ کر آمیزہ تیار کرلیں۔ ایک ایک کرکے انڈے اس آمیزے میں ڈال کر پھینٹتی جائیں۔ میدہ چھان کر اس میں ڈالیں اس کے بعد ونیلا ایسنس اور دودھ کو بھی آمیزے میں شامل کرکے دوبارہ پھینٹیں۔ ایک کیک بیکنگ ٹن کو تیل لگا کر چکنا کرلیں۔ تیار کیے ہوئے آمیزے کو ٹن میں ڈالیں اور پہلے سے گرم اوون میں 180.c پہ رکھ کر ایک گھنٹے تک بیک کریں۔

کیک کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے پر اسے اوون سے باہر نکال لیں اور کیک کو ایک سرونگ پلیٹ میں نکال لیں۔ ایک پیالے میں آئسنگ شوگر میں پانی ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں اور بیک کیے ہوئے کیک کے اوپر ڈال کر ڈیکوریٹ کریں۔ مزے دار رنگ کیک تیار ہے۔ چائے یا کافی کے ساتھ سرو کریں۔

بلیک فاریسٹ کیک

اشیا :

انڈے	چار عدد
میدہ	پانچ کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کیسٹر شوگر	40 گرام
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب :

انڈے اور کیسٹر شوگر کو اچھی طرح پھینٹ لیں یہاں تک کہ اس میں جھاگ بن جائیں اور وہ یکجان ہو جائیں۔ ونیلا ایسنس شامل کریں اور مستقل پھینٹتی رہیں۔ میدہ، کوکو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر کو تین مرتبہ چھان لیں۔

اس کو احتیاط سے انڈے اور شوگر کے آمیزے میں ڈالتی جائیں اور مستقل پھینٹیں۔ آٹھ انچ کے چوکور پین میں یہ آمیزہ ڈالیں پہلے سے گرم اوون میں 250.c پر رکھ کر بیس منٹ کے لیے بیک کریں۔

آئسنگ کے لیے :

کریم دو کھانے کے چمچے
کیسٹر شوگر چھ کھانے کے چمچے

ترکیب :

کریم میں دو کھانے کے چمچے کیسٹر شوگر ملائیں اور اچھی طرح پھینٹیں اسی طرح باقی شکر ملا کر اتنا پھینٹیں کہ کریم بالکل گاڑھی ہو جائے اور شکر حل ہو جائے۔

چاکلیٹ سوس کے لیے:

آئسنگ شوگر	چار کھانے کے چمچے
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
مکھن	دو چائے کے چمچے
پانی	دو کھانے کے چمچے

ان سب کو ایک ساتھ ملا کر دھیمی آنچ پر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

فلنگ کے لیے:

انناس، آڑو، چیری حسب ضرورت (کیوبز کاٹ لیں)

ترکیب:

پہلے سے تیار شدہ کیک کو درمیان سے کاٹیں۔ نچلے حصے پر انناس کے ٹکڑے اور رس پھیلا دیں۔ اب اس پر کریم اور چاکلیٹ سوس ڈالیں کیک کا اوپری حصہ رکھ دیں۔ اب اس پر باقی رس ڈالیں۔ اوپری حصے کو کناروں پر اچھی طرح کریم لگائیں۔ اب اس پر چاکلیٹ سوس ڈالیں اور کانٹے کی مدد سے ڈیزائن بنالیں۔ مزے دار بلیک فارسٹ کیک تیار ہے۔

گلابی پلاؤ

اشیا :

چاول	آدھا کلو
مٹن	آدھا کلو
چقندر	دو عدد
پیاز (سلائس میں کٹے ہوئے)	ایک کپ
ادرک لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
دہی	آدھا کپ
سفید زیرہ	آدھا کھانے کا چمچہ
ثابت سیاہ مرچ	آٹھ عدد
لونگ	پانچ عدد
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
سبز الائچی	دو عدد
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کپ

یخنی کے اجزا:

پیاز	ایک عدد
لہسن	ایک پوتھی
ثابت دھنیا، سونف	دو کھانے کے چمچے
نمک	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

ایک پتیلی میں گوشت دھو کر اس میں اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت اس میں ڈوبا ہوا ہو۔ ایک ململ کی پوٹلی میں پیاز، ثابت لہسن، سونف، دھنیا ڈال کر باندھ کر ڈال دیں۔ ساتھ ہی نمک ڈال کر اس کو پکنے رکھ دیں۔ گوشت گل جائے تو اتار کر یخنی چھان لیں اور پوٹلی پھینک دیں۔ چاول آدھا گھنٹہ بھگو کر نتھار لیں چقندر کدو کش کرلیں۔ ایک پتیلی میں گھی گرم کریں۔ اس میں پیاز کے سلائس ڈال کر لائٹ براؤن فرائی کریں۔ ادرک، لہسن ڈال کر چمچہ چلائیں خوشبو آنے پر سفید زیرہ، ثابت سیاہ مرچ، لونگ، دار چینی، سبز الائچی، نمک، مرچ اور دہی ڈال کر بھون لیں۔ ساتھ ہی گوشت ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں 2 منٹ کے بعد چقندر ڈال کر فرائی کریں گھی نظر آنے لگے تو ناپ کر یخنی ڈالیں (یخنی کم ہو تو مزید سادہ پانی لے لیں) اور ڈھانپ دیں تاکہ ابال آجائے۔ ابال آنے پر چاول ڈال کر چمچہ چلا دیں۔ ڈھانپ کر پکنے دیں اور وقفے سے چمچہ چلا دیں تاکہ چاول یکساں پک جائیں۔ دم آجانے پر آنچ کم کر کے کپڑے سے پندرہ سے 20 منٹ دم دے دیں۔ ڈش میں نکال کر گارنش کریں۔ رائتے کے ساتھ مزے دار گلابی پلاؤ سرو کریں۔

مٹر کے رول املی سوس کے ساتھ

اشیا :

آلو (ابال لیں)	1/2 کلو
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ (باریک کٹی)	پانچ عدد
پیاز	ایک عدد (براؤن کی ہوئی)
ہرا دھنیا، پودینہ	آدھا کپ
زیرہ پاؤڈر	ایک عدد
لیموں (رس نکال لیں)	ایک عدد
مٹر کے دانے	ایک کپ
انڈے (پھینٹ لیں)	دو عدد
بریڈ کرمبز	حسب ضرورت
تیل (تلنے کے لیے)	حسب ضرورت

مٹر کے دانے نمک ملے پانی میں ابال کر موٹا موٹا کوٹ لیں۔ اس میں آلو میں نمک، ہری مرچ، ہرا دھنیا، پودینہ، پیاز، لیموں کا رس اور زیرہ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں۔ تھوڑا مکسچر ہاتھ میں لے کر چپٹا کریں۔ درمیان میں مٹر رکھیں اور رول کر کے اچھی طرح بند کر کے رول بنالیں۔ تیل گرم کریں ان رول کو پہلے انڈے پھر بریڈ کرمبز میں رول کریں اور ڈیپ فرائی کر کے گولڈن کریں۔

املی	100 گرام
چینی	200 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ	
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
سونف کا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

املی رات میں بھگودیں۔ صبح مسل کر تمام بیج نکال دیں اور ایک گلاس پانی ڈال کر گرائنڈر میں ڈال کر پیسٹ بنالیں۔ ایک اسٹیل کی دیگچی میں چینی، املی کا گرائنڈ کیا ہوا گودا، نمک، لال مرچ کٹی ہوئی، زیرہ پاؤڈر، ادرک پیسٹ اور سونف پاؤڈر ڈال کر سوس کی طرح گاڑھا کرلیں اور شیشے کے جار میں ڈال کر محفوظ کرلیں۔ مٹر رول اور اپنی پسند کے باقی اسنیکس کے ساتھ سرو کریں بہت مزا آئے گا۔

اسٹر فرائیڈ دال، پالک کے ساتھ

اشیا :

مسور کی دال	ایک کپ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن کے جوے	دو عدد (کوٹ لیں)
زیرہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سوئیٹ پیپریکا	آدھا چائے کا چمچہ
پالک	آدھا کلو (دھو کر کاٹ لیں)
تازہ ہرا دھنیا	1/4 کپ
پارسلے (تازہ کٹے ہوئے)	1/4 کپ
(دونوں کی تھوڑی مقدار الگ بھی رکھیں)	
سیاہ مرچ پاؤڈر	دو چٹکی
دہی	ایک تہائی کپ

دال کو 2 کپ گرم پانی میں ایک چٹکی نمک کے ساتھ ابالیں۔ ابال آنے پر آنچ دھیمی کر کے 15 منٹ تک پکائیں۔ دال گل جائے تو پانی اچھی طرح نتھار لیں۔

بڑے فرائنگ پین میں تیل گرم کریں۔ لہسن اور زیرہ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، سوئٹ پیپریکا ڈال کر 2 منٹ تک چمچہ چلائیں۔ اس کے بعد پالک شامل کریں۔ جب پالک کا پانی خشک ہوجائے تو دال، ہرا دھنیا اور پارسلے شامل کر کے تھوڑی دیر پکائیں۔ اوپر سے پارسلے اور تازہ پسی ہوئی کالی مرچ چھڑکیں۔ سرو کرتے وقت اوپر سے دہی ڈالیں اور ہرے دھنیے سے گارنش کریں۔

✡ ✡

حسن و صحت
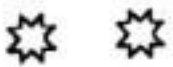
ادارہ

چہرے کی دلکشی کا راز
خوب صورت بھنویں

آنکھیں ہمارے چہرے کا سب سے زیادہ حسین حصہ ہیں ہمیں کسی چہرے میں سب سے زیادہ پرکشش آنکھیں ہی معلوم ہوتی ہیں اور ان کی مقناطیسی قوت آنکھیں انسان کے مختلف کیفیات کی آئینہ دار ہوتی ہیں اسی لیے انہیں ہماری روح کی کھڑکی کہا جاتا ہے۔ آنکھیں جذبات کی ترجمان ہیں اور وہ انسانی چہرے کی بہت سی خامیوں کو اپنے اندر پوشیدہ کرلیتی ہیں۔

لیکن کیا آنکھیں اپنی انفرادی حیثیت میں ہی خوب صورت ہیں؟ گھر کی دیوار پر لگی ہوئی کسی خوب صورت پینٹنگ کا تصور کریں' وہ نہ صرف دیوار بلکہ پورے کمرے کے حسن میں اضافہ کرتی نظر آتی ہے لیکن اگر پینٹنگ کا فریم ٹوٹا ہوا ہو یا وہ تصویر کے ساتھ میچ نہ کرتا ہو تو پھر آپ کو کیسا محسوس ہوگا؟ بہت زیادہ بھدا! لہٰذا ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بھدا فریم تصویر کے حسن کو ماند کردیتا ہے۔

اسی طرح اگر ہماری آنکھوں کا فریم ان سے مناسبت نہ رکھتا ہو تو وہ بڑی حد تک اپنا حسن کھودیتی ہیں۔ بھنویں ہماری آنکھوں کا فریم ہیں۔ وہ نہ صرف آنکھوں کے جذبات میں رنگ بھرتی ہیں بلکہ ہمارے چہرے کے خدوخال کو متوازن بھی بناتی ہیں' لہٰذا کیا یہ بات ضروری نہیں کہ ہم اپنی بھنوؤں کو خوب صورت بنانے کی کوشش کریں اور اس کے لیے کچھ وقت نکالیں؟

خوب صورت اور پرکشش بھنوؤں کے حصول کے لیے ہمیں سب سے پہلے ان کی شکل وصورت اور ساخت کے بارے میں فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے' قدرت نے بھنوؤں کو محراب دار شکل عطا کی ہے بھنویں پتلی ہیں یا موٹی اس بات کا انحصار بالوں کے گھنے پن پر ہے تاہم بھنوؤں کی موٹائی یا پتلا پن ہمیشہ قدرتی نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کی حسن پرست خواتین ان کے بالوں کو تراش کر یا نوچ کرانہیں مختلف شکل دیتی ہیں جس کا انحصار ان کی پسند ناپسند کے علاوہ رائج فیشن

پر بھی ہوتا ہے۔

اپنی بھنوؤں کو پسند کی شکل میں تراشتے وقت آپ کو سب سے زیادہ اہمیت توازن کو دینا چاہیے۔ آپ کے چہرے کے خدوخال بھنوؤں کی شکل تراشنے میں پوری مدد کرتے ہیں۔ آپ کو کس قسم کی بھنویں رکھنا چاہئیں؟ اس کا انتخاب کرنے میں ہم مندرجہ ذیل نکات سے آپ کی مدد کریں گے۔

☆ اگر آپ کا چہرہ مستطیل ہے تو تھوڑی سی گھنی بھنوؤں کا انتخاب کریں جو کنپٹی کی طرف جاتی نظر آئیں مربع شکل کے لیے بھنوؤں کے خم میں تھوڑا سا اضافہ کردیں۔

☆ اگر آپ کا چہرہ مستطیل نما ہے تو پھر بھنویں گھنی نہیں ہونا چاہئیں' چہرے کے خدوخال کو اجاگر کرنے کے لیے بھنوؤں کے خم کو اوپر کی طرف موڑدیں۔

☆ بیضوی چہرے کے لیے بھنوؤں کو پپوٹوں کے متوازی رکھیں اور انہیں کنپٹی کی سمت موڑدیں۔

☆ گول چہرے پر بھنوؤں کو محراب دار ہونا چاہیے' خم کو تھوڑا سا ترچھا کرکے اسے کنپٹی کی طرف موڑ دیں۔

پروفیشنل مدد

بھنوؤں کو پہلی مرتبہ صحیح شکل دینے کے لیے پروفیشنل مدد حاصل کرنا بہتر ہے ایک مرتبہ صحیح طریقہ معلوم ہوجانے کے بعد آپ اپنی بھنوؤں کی خود ہی دیکھ بھال کرسکتی ہیں۔ پرفیکٹ بھنوؤں کے لیے ان کی شکل کے علاوہ لمبائی بھی مدنظر رکھی جاتی ہے' اس لیے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انہیں کہاں سے شروع کریں اور کہاں ختم! بیوٹی کی مختلف کتابوں میں لمبائی کی صحیح پیمائش کے لیے یہ طریقہ درج ہے۔ میک اپ برش یا پنسل لے کر اسے ناک کے بیرونی گوشے کے اوپر سیدھا کھڑا کردیں یہ برش جس جگہ پر بھنوؤں سے جاملتا ہے وہی ان کا نقطہ آغاز ہے پھر برش کو ترچھا کرکے رکھیں تاکہ وہ آپ کی ناک کے زیریں حصے کو آنکھ کے بیرونی گوشہ سے ملادے جیسے دو بجاتے وقت گھڑی کی سوئیوں کی پوزیشن ہوتی ہے اسی جگہ پر بھنوؤں کی محراب ختم ہونی چاہیے۔ اس کے بعد سیدھے کھڑے ہوکر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں۔ بھنوؤں کی محراب کا سب سے زیادہ اونچا حصہ آنکھ کے پردہ غبیبہ کے اوپر ہونا چاہیے۔ عموماً" بیوٹیشنز مشورہ دیتی ہیں کہ ناک کے اوپری حصے یعنی دونوں بھنوؤں کے درمیانی حصے کے بال نوچ کر صاف کردیں اس طرح چہرہ زیادہ صاف ستھرا نظر آنے لگتا ہے۔

بھنوؤں کے غیر ضروری بالوں کو صاف کرنے کے لیے موچنی یا دھاگے سے کام لیں۔ دھاگے سے صاف کرنے کی صورت میں اس کی موٹائی کو چیک کرلیں تھریڈنگ کے لیے صرف معیاری دھاگہ ہی استعمال کریں جو اس مقصد کے لیے بنایا گیا ہو' عام پتلا دھاگہ انگلیوں کی گرپ میں نہیں آتا لہٰذا تھریڈنگ کا کام مشکل اور تکلیف دہ ہوجاتا ہے بلکہ کسی بیوٹیشن سے تھریڈنگ کروانا بہتر ہے۔

اگر آپ گھر پر خود ہی بھنوؤں کو خوب صورت شکل دینے کی خواہش مند ہیں تو عمدہ قسم کی موچنی سے کام لیں' اس کا کنارہ بیضوی ہو اور بالوں کو مضبوطی سے گرپ کرسکتا ہو' موچنی سے نوچنے والے بال کو اس کی جڑ کے پاس سے پکڑلیں اور پھر ایک فوری تیز جھٹکے کے ساتھ اسے باہر کی سمت کھینچ لیں اس دوران دوسرے ہاتھ سے اطراف کی جلد کو کھینچ رکھیں۔ بال کو کسی دوسرے زاویے سے نوچنے پر وہ جلد کے پاس سے ٹوٹ جاتا ہے اور پھر بہت جلد دوبارہ نکل آتا ہے اس کے علاوہ اس طرح بالوں کو غدودوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے اور پھر بال آڑے ترچھے نکلنے لگتے ہیں۔

بال نوچنے کا یہ عمل تھوڑا سا تکلیف دہ بھی ہے جس کے باعث بھنوؤں کے اطراف کی جلد سرخ ہوکر سوج جاتی ہے اس لیے انہیں نوچنے سے قبل ملائم کرنا ضروری ہے روئی کو گرم پانی میں بھگو کر اسے جلد پر اچھی طرح ملیں اور پھر موچنی کا استعمال کریں' بال نوچنے سے قبل چہرے کو دھولینا بھی اچھا ہے یا پھر پہلے بھنوؤں پر تھوڑی سی برف مل لیں۔

بھنوؤں کو شکل دیتے وقت پہلے ان کے نچلے حصے پر بے ترتیبی سے پھیلے بالوں کو نوچیں تاکہ بھنوؤں کی ایک واضح لائن نظر آنے لگے۔ بھنوؤں کے نئے حصے میں آگے ہوئے بال آپ کی آنکھوں کو چھوٹا بنا دیتے ہیں۔ بھنوؤں کی ٹاپ لائن کو کبھی نہ کاٹیں ورنہ وہ نہ صرف ان کے قدرتی حسن کو زائل کردیں گے بلکہ بھنوؤں پر دھبے ڈال دیں گے اور ان کے اگنے کی رفتار ست پڑجائے گی۔

سب سے پہلے دونوں بھنوؤں کے درمیانی حصے کے بالوں کو یا تو نوچ کر دور کردیں یا ان کو مناسب شکل دے لیں اس کے بعد بھنوؤں کے بیرونی خدوخال درست کریں غیر ہموار بالوں کو کاٹنے کے لیے قینچی کا استعمال کریں کیونکہ انہیں نوچنے سے درمیان میں خلا نظر آنے لگے گا۔ آخر میں بھنوؤں کو مناسب شکل میں لانے کے لیے ان پر برش کریں۔ اس کے لیے آئی برو برش یا پرانا ٹوتھ برش استعمال کریں، ہلکے ٹونر سے انہیں پونچھیں اور پھر جلد کو چکنا بنانے کے لیے موئسچرائزر لگائیں۔ فوراً" میک اپ کرنے سے گریز کریں۔

برش کرتے وقت بھنوؤں کو پہلے اوپر کی سمت اور پھر دائیں بائیں برش کریں تاکہ ان کی قدرتی لائن نمایاں ہوجائے مڑے ہوئے اور گھنگھریالے بالوں کو کنٹرول کرنے کے لیے پیٹرولیم جیلی استعمال کریں، ہیئر جیل لگائیں یا پھر بھنوؤں پر ہیئر اسپرے کردیں پھر برش کرکے انہیں صاف کریں۔

آئی برو پنسل

اگر بھنوؤں کے بال چھدرے ہیں اور کہیں کہیں سے اڑ گئے ہیں تو انہیں آئی برو میک اپ کے ذریعے درست کیا جاسکتا ہے۔ سیاہ اور براؤن آئی برو پنسلوں کی مدد سے انہیں گہرا کرکے خاص شکل دی جاسکتی ہے۔

آئی برو پنسل کو خط مستقیم میں کبھی استعمال مت کریں کیونکہ اس سے مصنوعیت کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ بھنوؤں کے اندر خالی جگہوں کو پر کرنے کے لیے زیادہ نوکیلی پنسل سے بہت ہلکی سی باریک لکیریں ڈالیں۔ یہ لکیر بہت مختصر ہو اور بھنوؤں کے ایک بال کے برابر اس کی لمبائی ہو۔ یہ لکیریں بہت ہلکی اور نیچے سے اوپر کی سمت میں ڈالی جائیں تاکہ ان میں قدرتی حسن پیدا ہوسکے اس کے بعد انگلیوں کے پوریا آئی برو برش کی مدد سے اسے پھیلا کر برابر کریں۔

ان دنوں کاسمیٹک کمپنیاں بہت سافٹ آئی برو میک اپ بازار میں لارہی ہیں جیسے رنگین پاؤڈر! جنہیں برش کی مدد سے لگایا جاسکتا ہے آپ وہ بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

آنکھوں کی حفاظت کے لیے چند تجاویز!

آنکھوں کو خوب صورت رکھنے کے لیے رات کو تقریباً" آٹھ گھنٹے سونا چاہیے۔ نیند پوری نہ ہونے کی صورت میں آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور سوجن بھی ہوسکتی ہے۔

☆ پڑھتے وقت مناسب روشنی کا ہونا ضروری ہے اور اگر مدھم ہے یا پھر سامنے کی طرف سے آنکھوں پر پڑرہی ہو تو یہ آنکھوں کے لیے نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے پڑھتے وقت ٹیبل لیمپ کا استعمال مناسب رہے گا اور لیٹ کر مطالعہ کرنے سے پرہیز کریں۔

☆ اگر آنکھوں میں تھکاوٹ یا بوجھل پن کا احساس ہو تو فوراً" آنکھوں کو آرام دیجیے۔

☆ ٹی وی دیکھتے وقت کم از کم آٹھ فٹ ٹی وی سے دور رہیں اور بالکل سامنے بیٹھنے سے گریز کریں۔

☆ گرمی کے موسم میں باہر نکلتے وقت گہرے رنگ کے شیشوں والا چشمہ ضرور استعمال کریں اور گھر پر سوڈیم کلورائیڈ کے محلول سے آنکھیں دھوئیں اس طرح آنکھوں کی تازگی بحال رہے گی۔ گندے ہاتھوں یا تولیے سے آنکھوں کو صاف نہ کریں۔

آنکھیں قدرت کا بہترین عطیہ ہیں ان کی حفاظت کیجیے آنکھوں کی قدر کسی نابینا سے پوچھ کر دیکھیں، اس لیے ان کی قدر اور حفاظت کریں۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

ایکسیڈنٹ سے بچنے کے لیے ہیلمٹ استعمال کیا جاتا ہے، مگر بیوی سے بچنے کے لیے کیا استعمال کیا جائے؟

ج - آپ نے گھر میں پتیلیاں نہیں رکھیں کیا۔

یاسمین خان.... ایمن آباد

س - پلیز نین بھیا! اب تو شادی کرلیں، اب تو سر کے بال بھی سفید ہوتے جا رہے ہیں، لگتا ہے ابا میاں آپ کو گھر بٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

ج - کس کے سر کے بال سفید ہو رہے ہیں، ہمیں بھی تو پتا چلے۔

نورین انجم نجمی.... کمالیہ

س - شرارت نینوں کی ہوتی ہے اور بدنام دل ہو جاتا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

ج - گیہوں کے ساتھ گھن تو پستے ہیں، اس لیے اپنے نینوں کو ذرا جھکا کر ہی رکھا کرو، تاکہ دل بدنام نہ ہو۔

رفعت رانا.... فیصل آباد

س - ذوالقرنین جی، آنکھیں خراب ہوں تو چشمہ لگایا جاتا ہے، اگر دماغ خراب ہو تو؟

ج - جس کا دماغ خراب ہو اس کے ساتھ ایسی خرابی لگی ہوتی ہے کہ مزید کچھ لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

شازیہ حنا.... بہاولپور

س - بھیا! اگر کسی کا اتنا انتظار کرو، لیکن جب ملے تو بے رخی سے ملے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

ج - آئندہ انتظار کرنے سے توبہ۔

فریحہ نجف.... بھکر

س - پتھر دل کو موم کس طرح کیا جائے؟

ج - موم کے دل کو پتھر بنا کر۔

نرجس شیرازی.... نامعلوم شہر

س - نین بھائی، کھسیانی بلی کھمبا نوچتی ہے، آپ کس کو نوچتے ہیں؟

ج - کھسیانی بلی کو۔

بیلا شبنم.... گھارو

س - بارش سے بچنے کے لیے چھتری،

ملیحہ رفیق... سرگودھا

اس ماہ کا کرن "سالگرہ" کی خوشی خبری کے ساتھ ملا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اس پر مسرت موقع پر اپنی نیک تمنائیں آپ تک نہ پہنچاتی۔ پروردگار عالم سے دلی دعا ہے کہ "کرن" اپنی کرنیں بکھیرتا رہے۔ (آمین)

اس ماہ کا سرورق بہت خوب صورت لگا کھلتے رنگ کے ملبوس دیکھ کر ہم بھی کھل اٹھے۔ علی عباس کا ڈرامہ چونکہ ہمیں بہت اچھا لگتا ہے اس لیے ان کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے شفق افتخار کے ناول "دریچہ محبت" کی آخری قسط پڑھی بہت خوب صورتی سے کہانی منطقی انجام کو پہنچی۔ علینہ کے لیے دکھ بھی ہوا کہ کس قدر ذلت بھری موت اس کا مقدر بنی، مگر علیزے اور حمزہ کے ملن کی خوشی بھی ہوئی۔ "کوئی ستارہ سنبھال رکھنا" بھی اچھی کاوش تھی خاص کر کہ شاعری اچھی لگی اس کی۔ نورعین کا "بکھرے خواب" بھی اچھا لگا۔ عائزہ کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ آخر میں سب بہنوں کو سلام اور کرن کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں۔

رضوانہ ملک... جلالپور پیر والا

میں پچھلے آٹھ سالوں سے کرن ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں، لیکن اس میں شرکت پہلی دفعہ کر رہی ہوں۔ کرن حسب معمول 15 تاریخ کو ملا خوب صورت سی ماڈل کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا اور اس کے ساتھ کرن کتاب "کچن گارڈننگ" کو دیکھ کر خوشی دوبالا ہو گئی مجھے گارڈننگ کا بہت شوق ہے اسی لیے میں نے سب سے پہلے کچن گارڈننگ کو پڑھا اور اسے پڑھ کر اپنے گھر میں گرمیوں کی ساری سبزیاں اگائیں۔ فرحین اظفر کا ناول "ردائے وفا" میرا فیورٹ ناول ہے اس میں تقریباً سب ہی کردار مجھے اچھے لگتے ہیں۔ "اک ساگر ہے زندگی" بھی بہت اچھا ناول ہے۔ فرہاد کو اتنا کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ اسے اپنی بیوی کا خیال رکھنا چاہیے فرہاد اپنی بہن کی فرمائش پوری کر سکتا ہے، پیسے دے سکتا ہے، بیوی کو نہیں۔ شفق افتخار کا ناول "دریچہ محبت" بھی اچھا ناول تھا۔ علینہ، علیزے کی زندگی برباد کرنا چاہتی تھی، لیکن اس کی اپنی زندگی ہو گئی "محبت، خواب، سویرا" بھی بہت اچھا ناول تھا اس میں ہارون اور حدید کی نوک جھونک اچھی لگی باقی سارے ناولٹ، افسانے زبردست تھے۔ "مقابل ہے آئینہ" میں مقدس رباب کو دیکھ کر اچھا لگا۔ "کرن کرن خوشبو" میں آسیہ زیب، دعا ملک، اسما خان اور حافظہ سمیرا کی کرنیں اچھی لگیں۔ رخسانہ، گڑیا شاہ، عائشہ اور پارس کے اشعار اچھے لگے۔ "کرن کا دستر خوان" میں ساری چیزیں بیسٹ لگیں اور تبصرے عندلیب عثمان، ثنا شہزاد، فوزیہ ثمرٹ اور افشاں علی کے اچھے لگے۔

ثناء شہزاد... کراچی

فروری کا شمارہ 14 تاریخ کو ملا اور دو دن میں پورا پڑھ ڈالا بقول امی کے پورا چاٹ لیا۔ ماڈل بہت ہی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ سب سے زیادہ پیاری تو اس کی آنکھیں لگیں۔ سب سے پہلے "نامے میرے نام" میں انٹری دی۔ سب کے تبصرے پڑھے اور جو سب سے اچھا تھا وہ افشاں علی صاحبہ کا۔ اس کے بعد انٹرویوز بھی اس بار سب کے پڑھے۔ علی عباس و سیم عباس کے صاحبزادے ہیں یہ بات تو ہمیں بھی نہیں پتا تھی

اور سبرین ہسبانی صنم بلوچ کی بہن ہیں یہ بھی اب پتا چلا۔ خیر انٹرویوز سب کے اچھے لگے۔ آپ نئے نئے ایکٹرز کے انٹرویوز ہم تک پہنچاتی ہیں اس کے لیے شاہین رشید کا بہت بہت شکریہ۔ "مقابل ہے آئینہ" میں مجھے کب جگہ ملے گی ہر ماہ انتظار رہتا ہے۔ مقدس رباب کے جوابات پسند آئے۔ افسانے تینوں اچھے تھے۔ "بکھرے خواب" زیادہ پسند آیا۔ عائزہ نے نازو کی خوشیاں چھین کر اپنا محل تعمیر کرنا چاہا تھا مگر کینیڈا جا کر اس کا محل دھڑام کرکے زمین بوس ہو گیا۔ اس کہانی کو پڑھ کر پتا چلا کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔

"ایک ساگر ہے زندگی" اور "ردائے وفا" نہایت خوب صورتی کے ساتھ آگے کی طرف گامزن ہیں۔ "ردائے وفا" میں سوہا پر غصہ آیا کیا تھا جو اگر وہ حدید کے لیے پانی رکھ دیتی اب ایسی بھی کیا تھکن بے چارے کے اب پتا نہیں کہاں چوٹ لگی ہو گی۔ گرنے کی وجہ سے۔

"ایک ساگر ہے زندگی" ابھی کھل کر سامنے نہیں آرہا کہانی ماضی اور حال کے درمیان چل رہی ہے، مگر مستقبل میں حبیبہ اور شاہ زین کو ملا کر ہیپی اینڈ کیجیے گا۔ "آؤ سنگ چلیں" بہت زبردست کہانی تھی۔ آئینہ نے جس طرح اپنی محبت کی قربانی دی وہ ہارون کے ساتھ ساتھ میرے دل میں بھی گھر کر گئی۔ اللہ نے اسے اس قربانی کا صلہ ہارون کی صورت میں دے دیا۔ ہارون جیسے لوگ بھی دنیا میں ہیں، مگر آٹے میں نمک کے برابر۔ ایمان علی صاحب نے آئینہ کو جس طرح سمجھایا وہ بہت اچھا لگا اپنی کمزوری کبھی بھی کسی پر ظاہر نہ کریں ورنہ یہ دنیا جینا مشکل کردے گی اور واقعی اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے کیوں کہ اسے پتا ہوتا ہے کہ میرا یہ بندہ کتنا ثابت قدم اور باہمت ہے۔ "توبہ" میں ام طیفور صاحبہ کا ایک ایک لفظ دل پر نقش ہو گیا لاسٹ میں جو کہا کہ توبہ کا در کبھی بند نہیں ہوتا یہ پیراگراف پوری کہانی کا نچوڑ تھا زبردست۔ مکمل ناول دونوں ایک دوسرے پر سبقت لیے گئے۔ صدف ریحان نے کافی ٹائم بعد انٹری دی ہے پلیز جلدی جلدی کرن میں حاضری دے دیا کریں ہمیں آپ سب رائٹرز کا بہت بے صبری سے انتظار رہتا ہے وہ ہاتھ کتنے خوب صورت ہوں گے جو اتنے اچھے اچھے موضوع پر کہانیاں لکھ کر ہمارے ذہن و دل کو روشن کرتے ہیں۔ "دریچہ محبت" شفق افتخار نے بھی اچھا لکھا۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں بشریٰ مزمل اور پارس کے شعر زیادہ اچھے لگے۔ "یادوں کے دریچے" میں سب کا انتخاب لاجواب تھا۔ "کرن کے دستر خوان" میں قیمہ بھری شملہ مرچیں بنائیں اور یقین کریں سب نے بہت تعریف کی۔ "حسن و صحت" کے تو کیا ہی کہنے ہیں۔ کرن کا ہر سلسلہ ہی بیسٹ ہے۔ اینڈ میں کرن کے تمام چاہنے والوں کے لیے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہیں اور کرن کی محفل میں رونق کرنے کے لیے آتی رہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ ام ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

فروری کا شمارہ چودہ کو ملا۔ سندر سی ماڈل اچھی لگی بلکہ اس کے ہاتھ کا نگینہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حمد باری تعالیٰ نعت رسول مقبول ہمیشہ کی طرح لاجواب۔

"انٹرویوز میں علی عباس سے ملاقات اچھی رہی۔ مجھے تو حیرت ہوئی بڑی کہ یہ وسیم عباس کے بیٹے ہیں۔ جناب شادی شدہ ہے بلکہ ایک بچی کے والد محترم بھی۔ "میری سنیے" سبرین ہسبانی کی باتیں بھی اچھی لگیں اتنی اچھی اداکارہ ہیں۔

نفیسہ سعید کا "اک ساگر ہے زندگی" سالار کا زینب کو شادی کی آفر کرنا اور زینب کا انکار۔ زینب کو اتنا آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ حبیبہ اور ارم کے کردار کی سمجھ نہیں آرہی۔ خیر آہستہ آہستہ کہانی کے کردار سامنے آجائیں گے۔

"بکھرے خواب" اف توبہ نورعین آپ نے تو چودہ طبق روشن کروائے ہیں۔ ڈالر ایسے تو نہیں ہاتھ آجاتے۔ کچھ پانے کے لیے کچھ تو کھونا ہی پڑتا ہے۔ عائزہ بی بی۔ مکمل ناول "محبت خواب سویرا" بہت اچھا

لکھا۔ رائٹر نے حدید ہیرو کا کردار اچھا لگا۔ بھولی بھالی ادینہ کی نادانیاں بڑے مزے کی لگیں ــــ "توبہ" نام سے ہی لگتا تھا۔ تحریر لاجواب ہوگی اور پھر اوپر نام ام طیفور کا۔ جیو ہزار سال آپ کا قلم اسی طرح شہکار لکھتا رہے۔ ام طیفور کی تحریر اور کوئی پیغام نہ ہو ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح یکسوئی اور دلجمعی سے تحریر کو پڑھا۔ "کوئی ستارہ سنبھال رکھنا" خود غرضی میں لپٹی خونی رشتوں کی کہانی۔ کہانی میں شاعری اچھی لگی۔ زیاد کا فیصلہ اچھا تھا اپنوں سے کٹ کر بھی تو رہا جا سکتا۔ "دریچہ محبت" اس کا یہ ہی اینڈ ہونا تھا۔

"ردائے وفا" اچھا ناول ہے، مگر سوہا کو اتنا سخت رویہ نہیں رکھنا چاہیے۔ حدید کو اب میرے خیال میں اظہار محبت کر دینا چاہیے۔ سوہا کا تو مجھے پکا یقین ہے ایسے ہی وہ ڈرامہ باز لڑکی ہے کوئی چکر وچکر نہیں آیا اسے۔ یہ ضرور دونوں بھائیوں کو جدا کروائے گی۔ "خالہ سالا اور اوپر والا" اس بار قسط تو اچھی رہی، مگر جو حوالدار والا سین کچھ بورنگ تھا۔ اس ماہ کے آخری

والی تحریر "چلو سنگ ہمارے" اچھی تھی بلکہ بہت اچھی لگی۔ دو بہنوں کی کہانی ہوتے ہیں ایسے بھی کچھ لوگ جو دوسروں کے مقدر کی کہکشاں اپنے ماتھے پے سجاتے ہیں پتا نہیں اللہ ایسے لوگوں کا ساتھ کیسے دیتا ہے یا پھر ایسا ہی ہونا ہوتا ہے۔ آئینہ اچھی تھی اور ہارون کی صورت اسے انعام بھی اچھا ملا اللہ کی جانب سے۔

مستقل سلسلے لاجواب۔ "کرن کرن خوشبو" سونیا عامر کا انتخاب اچھا لگا اور فوزیہ ثمر تمہاری تو کیا ہی بات ہے۔ "یادوں کے دریچے" سے تمام کی تمام شاعری اچھی رہی۔ "مسکراتی کرنیں" ذمہ داری بس تھوڑی سی ہنسی آئی۔ "کرن کا دستر خوان" ہمیشہ کی طرح لاجواب، مگر بس پڑھنے کی حد تک۔

افشاں علی۔۔۔ کراچی

موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی ہمیں سالگرہ کی نوعید ملی تو سب سے پہلے "افشاں علی" کی جانب سے کرن سے وابستہ تمام لوگوں کرن اسٹاف رائٹرز قارئین کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔ دعا ہے کرن یوں ہی ہمارے ارد گرد روشنیاں بکھیرتا رہے۔ سمپل سی ڈریسنگ کے ساتھ ٹائٹل پسند آیا۔ سب سے پہلے تو ہم نے "نامے میرے نام" پر چھلانگ لگائی اور اپنے خط کو شامل دیکھ خوشی کے مارے چھلانگ مارنے کی باری دل کی تھی۔

حمد و نعت سے مستفید ہوتے آگے بڑھے تو علی عباس، عاطف مظہر، سبرین بسبانی اور مقدس رباب سے ملاقات ہوئی جو کہ اچھی لگی۔ اس بار تمام افسانے، مکمل ناول اور ناولٹ اچھے رہے۔ شروعات کچھ یوں ہوئی کہ "بکھرے خواب" میں تم "کوئی ستارہ سنبھال رکھنا" "نیک نیتی" سے "توبہ" کی جائے تو قبول ہوتی ہے "چلو سنگ ہمارے" تمہیں "دریچہ محبت" سے گزاریں جہاں "محبت خواب سویرے 'ردائے وفا'" ملے گا آخر کو "ایک ساگر ہے زندگی" اب تھوڑا تبصرہ ہو جائے "بکھرے خواب" نور عین نے بہت عمدہ افسانہ لکھا ہے واقعی حسد و لالچ کی آگ تلے سب خواب جل کر بکھر جاتے ہیں۔ "کوئی ستارہ سنبھال رکھنا" لفظ لفظ جیسے آئینہ 'عفت جیا آپ نے کتنی گہرائی سے عرش سے فرش تک قلم کا سفر لکھا زبردست مجھے یہ افسانہ بے حد پسند آیا۔ "دریچہ محبت" بھی بالآخر کھل ہی گیا۔ شفق افتخار کا مکمل ناول کا اختتام اچھا رہا فاخرہ گل کا ناول "سالا خالہ اور اوپر والا" اف۔۔۔ ہنس ہنس کر آنسو نکل آئے کیا زبردست لکھا ہے بس ایسے ہی لکھتی رہیں اور ہمیں ہنساتی رہیں "جو دل چاہے" نازیہ جمال نے بھی بہت خوب صورت لکھا۔ انسان کو احساس کمتری میں کبھی مبتلا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اندھیرا چھٹتا ہے تب ہی تو سویرا ہوتا ہے شکل و صورت کوئی معنی نہیں رکھتی سیرت و کردار ہی ہماری اولین ترجیح ہونے چاہیے۔

"توبہ" ام طیفور نے بھی بہت عمدہ لکھا ویل ڈن۔ بہت عمدہ لفظوں و جملوں کا چناؤ آپ کے ناولٹ میں نظر آیا۔ "محبت خواب سویرا" صدف ریحان گیلانی نے بھی بہت اچھا لکھا۔

الغرض اس ماہ کا کرن کا شمارہ بہت عمدہ رہا۔ باقی تمام سلسلے بھی خوب رہے۔ آخر میں ایک بار پھر سے مدیرہ صاحبہ آپ کا شکریہ۔ جو آپ نے نا سے میرے نام میں جگہ دی امید ہے آگے بھی آپ مجھے یوں ہی شامل کرن رکھے گی۔

نشا نورین۔۔۔ بوتالر جھنڈا سنگھ

میٹھی سی مسکان کے ساتھ ماڈل سید می دل میں اتری حمد باری تعالی اور نعت شریف پڑھی اس کے بعد نفیسہ سعید سے جاملاقات کی "ایک ساگر ہے زندگی" میں ویلڈن نفیسہ۔ "ردائے وفا" پہلی قسط سے ہی اے ون جارہا ہے۔

مکمل ناول دونوں ہی ناکس تھے ناولٹ میں فاخرہ گل نے دل جیت لیا افسانے بھی اپنی جگہ ٹھیک تھے۔

"مسکراتی کرنیں" میں فوزیہ نے مسکرانے پر مجبور کردیا۔ "یادوں کے دریچے" میں فوزیہ ثمر کی نظم اچھی لگی باقی سب سلسلے اپنی جگہ اچھے تھے۔

جاتے جاتے ایک صرف ایک فرمائش ماہا ملک، فرحت اشتیاق سے کچھ لکھائیں اور مریم عزیز آپ جہاں بھی ہیں پلیز ایک مکمل ناول لے کے انٹری ماریں۔

نور عبد السلام۔۔۔ نواب شاہ

عفرا خان کا پیارا سا دلکش سا ٹائٹل فریش سا چہرہ بہت اچھا لگ رہا ہے دیکھ کر دل خوش ہو گیا جلدی سے پیاری نعت اور اچھی حمد پڑھ کر باقی رسالہ کھولا سب سے پہلے فہرست دیکھی اپنے فیورٹ ناول دیکھے اور دعا کی۔

"خالہ" سالا اور اوپر والا کا اینڈ ہو، خیر اس میں مایوسی ہوئی باقی دونوں ناول بیسٹ تھے۔

"دریچہ محبت" شفق افتخار جی ویل ڈن۔ بہت زبردست اور صدف ریحان نے بھی بہت اچھا لکھا ہے۔

حنا کرن۔۔۔ چتوکی

فروری کا کرن ملا اور ٹائٹل دیکھ کر واہ واہ بے ساختہ نکلا۔ بہت ہی اچھا ٹائٹل ہے۔

"ایک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید سے درخواست ہی کرسکتے ہیں کہ اب بہت الجھا دیا اب سلجھا ہی دیں۔

ویسے ایک بات ہے "ردائے وفا" "ایک ساگر ہے زندگی" سے آگے ہو گیا ہے۔ بہت خوب فرحین اظفر جی۔

مکمل ناول میں "دریچہ محبت" کا دوسرا اور آخری حصہ پڑھا شفق افتخار ویری گڈ۔ صدف ریحان کا ناول بھی محبت، خواب سویرا، اچھا لگا لڑکیوں کو سبق دیا کہ دیکھ کر زندگی کے سفر پر چلو ورنہ ایک ذرا سا غلط قدم بھی مشکلات پیدا کردیتا ہے ناولٹ نازیہ جمال، عائشہ ناز اور ام طیفور "اے ون" کیونکہ تینوں کی کہانیاں مختلف مگر زبردست۔

ام طیفور نے پیغام دیا۔ "توبہ" کا دروازہ کھلا ہے۔ تو نازیہ جمال یہ کہتی نظر آئیں کہ محبت زبردستی کا سودا نہیں اور عائشہ ناز نے ہمت، بہادری کا سبق دیا کہ اگر ہمت، بہادری اور اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کریں تو ہر مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ اور جناب فاخرہ گل جی مزاح کو بے مزاح مت کریں پلیز۔

تینوں افسانے نور عین، عفت جیا اور سیما بنت عاصم تینوں ہی بہت خوب۔ یعنی بہت آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ جنوری کے بعد فروری کا "کرن" بھی اے ون رہا اب انتظار ہے مارچ یعنی سالگرہ نمبر کا دیکھتے ہیں وہ ہمارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔ میری طرف سے کرن اور کرن کی تمام اسٹاف کو کرن کی سالگرہ مبارک۔